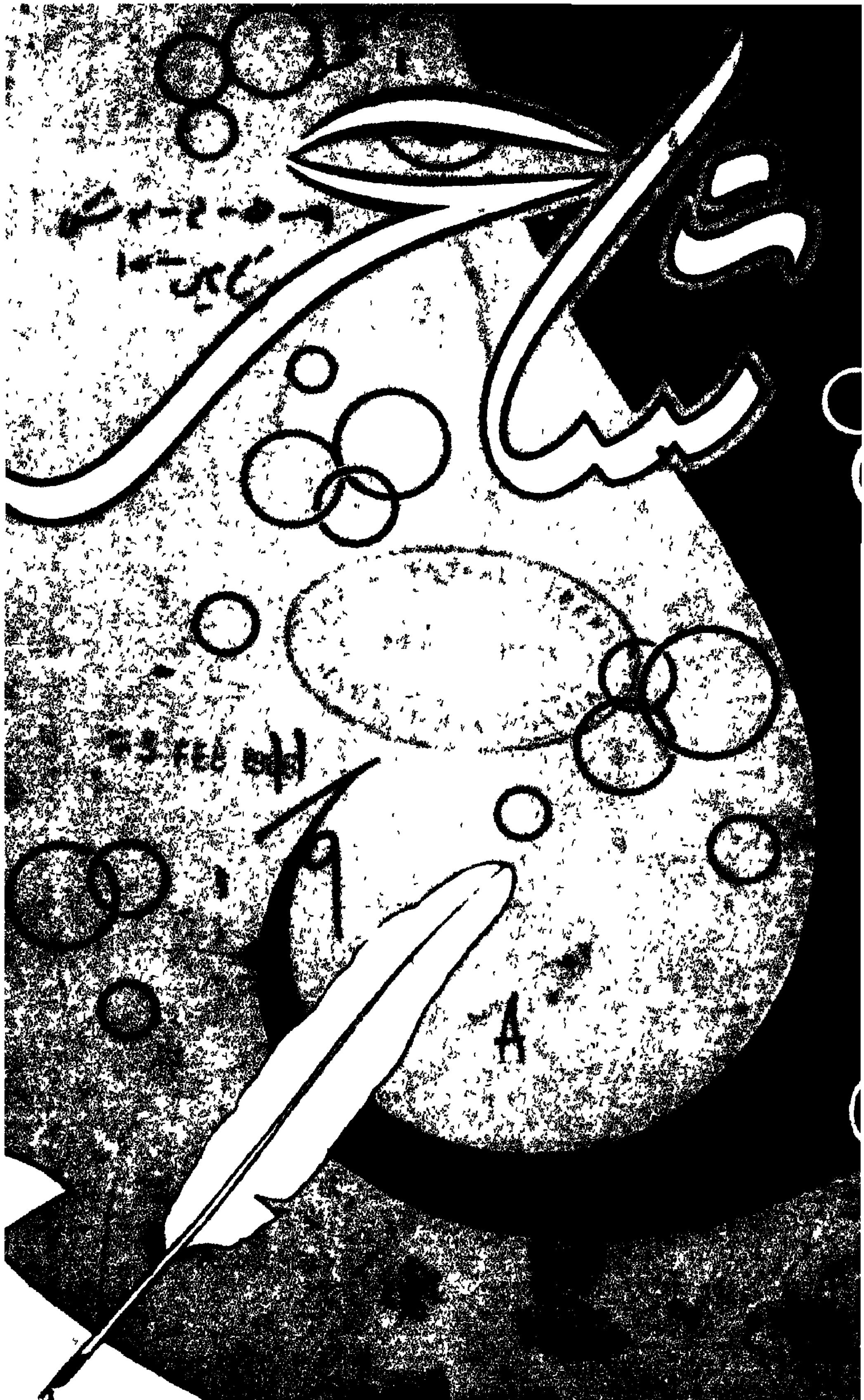


جاری شدہ ۱۹۳۰ء

بانی علامہ سیماب اکبرآبادی مرحوم

اردو کا پینتیس سالہ علمی ادبی اور تہذیبی ماہنامہ

سالنامہ

۱۹۶۶ء

شاعر

بمبئی

ادارہ

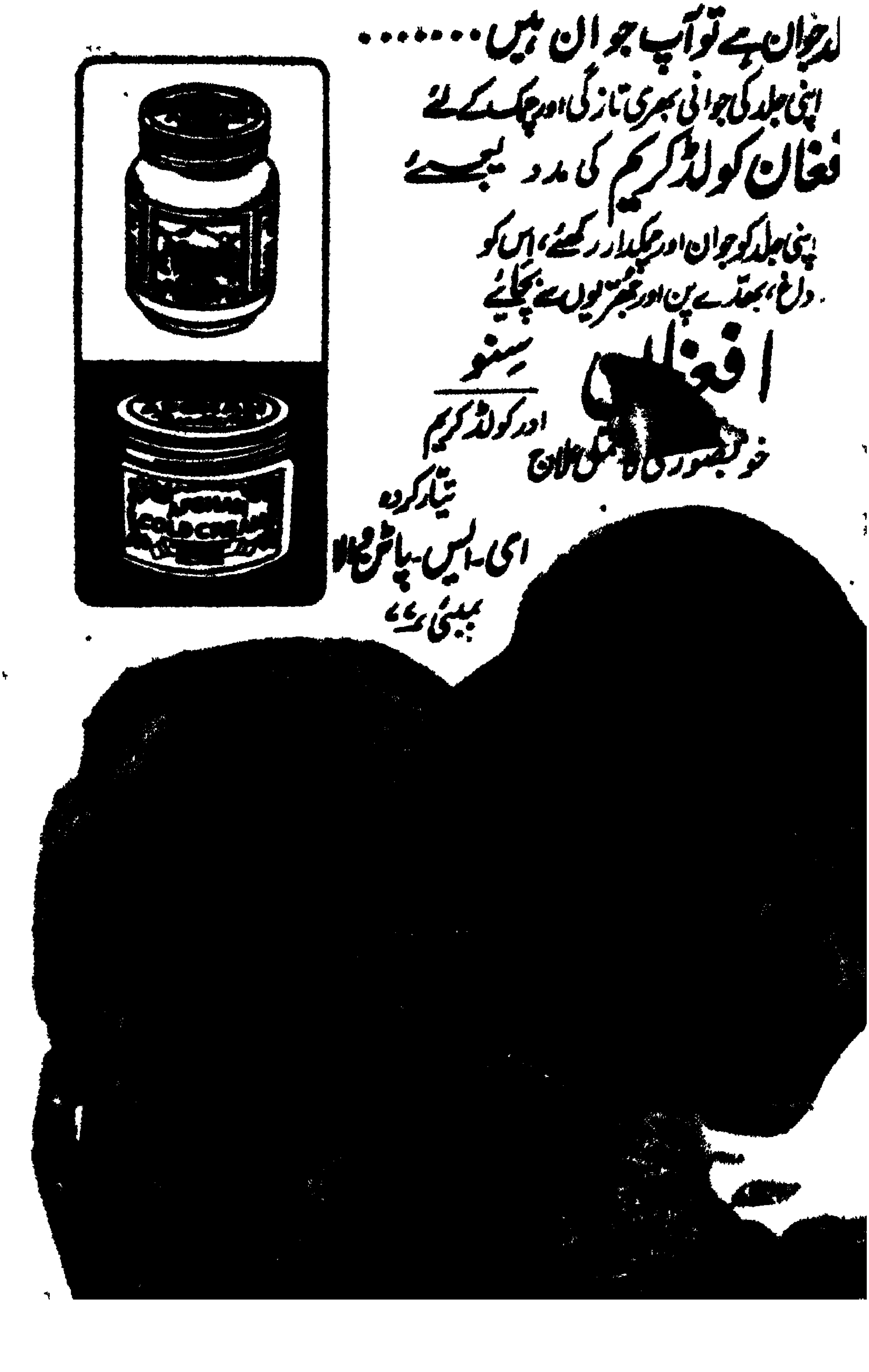
اعجاز صدیقی

مہندر ناتھ

قیمت سالنامہ	ممالکِ غیر سے	زرِ ششماہی	سالانہ
ایک روپیہ	۲۱ شلنگ	چار روپے	… ت روپے

مکتبہ قصر الادب

پوسٹ بکس ۴۰۲۲ بمبئی ۸


لد جوان ہے تو آپ جوان ہیں.......
اپنی جلد کی جوانی بھری تازگی اور چمک کے لئے
فغان کولڈ کریم کی مدد لیجئے
اپنی جلد کو جوان اور چمکدار رکھئے، اس کو
داغ، بھدے پن اور جھریوں سے بچائیے
افغا
سنو
اور کولڈ کریم
خوبصورتی
تیار کردہ
ای ۔ ایس ۔ پاٹن والا
بمبئی نمبر ۲

[illegible]ست

سالنامہ ۱۹۶۶

ادارہ شاہراہ فخر و مسرت کے ساتھ
اردو کے شہرۂ آفاق افسانہ نگار

کرشن چندر

پر نہایت ضخیم، شاندار اور مثالی نمبر پیش کر رہا ہے
کرشن چندر کی منفرد شخصیت اور اس کے ہمہ گیر فن پر نہ صرف ہندوستان کی
کئی زبانوں کے مشہور نقادوں بلکہ دنیا کے کئی بڑے مصنفین و مفکرین
کے مضامین و تاثرات

کرشن چندر نمبر

میں

پیش کیے جائیں گے

کرشن چندر

کی

ادبی زندگی کی لافانی تاریخ
اس کی عظمت کی کہانی، اس کی تصانیف کا جائزہ،
اس کے منفرد اسلوب، فکر اور شاہکار افسانوں، ناولوں اور ڈراموں پر
تنقیدی نظر
درجنوں تصاویر

تفصیلات اور تاریخ کا انتظار کیجیے

کرشن چندر نمبر میں
خود

کرشن چندر

کے اپنے قلم سے
ایک تازہ اور غیر مطبوعہ شاہکار

ناول

کے علاوہ

تین تازہ کہانیاں
ایک ڈرامہ
ایک مزاحیہ
میرے ادبی نظریات
میرے تنقید نگار
میری ادبی زندگی کا آغاز و انجام!

کرشن چندر کے شب و روز
(تصاویر کے ذریعہ)
اور

عکس تحریر

کرشن چندر کے
اہم خطوط

ارباب قلم اپنے مضامین کرشن چندر جلد از جلد ارسال فرمائیں

اُردو ادب کی تعلیم کا مسئلہ

[illegible] ادب کی اہمیت [illegible] [illegible]

[illegible] زندگی کے مسائل [illegible]

[illegible] ڈاکٹر خواجہ غلام السیدین [illegible] مسلم یونیورسٹی [illegible]

[illegible] اردو زبان و ادب کی تعلیم [illegible]

[illegible] اس سلسلے کی بہت سی مثالیں دی گئیں [illegible] دلچسپ بھی تھیں اور عبرت انگیز بھی [illegible]

[illegible] طلبہ کو بتایا کہ غالب نے صرف دو مسدس لکھے ہیں [illegible]

[illegible] لیکن ڈاکٹر خواجہ غلام السیدین نے اپنے [illegible]

[illegible] زیادہ وثوق سے نہیں کہہ سکتا لیکن بمبئی کے متعلق میں جانتا ہوں کہ وہاں کے بعض کالجوں میں اُردو زبان و ادب کی بہت [illegible]

[illegible] جاتی ہے تو بمبئی سے ایک [illegible] کی بنا پر راقم الحروف کو [illegible]

[illegible] نہیں کیا جا سکتا [illegible] کی بات یہ بھی تھی کہ [illegible] کالجوں [illegible]

[illegible] یہ بات جانتا تھا کہ بمبئی کے بعض کالجوں میں اُردو کی تعلیم نہیں دی جاتی۔ تعلیم کا سوال [illegible] زبان و ادب [illegible]

[illegible] اردو پڑھاتے ہیں۔ ایک خاتون لیکچرر [illegible]

[illegible] (م۔ س۔ ن۔ س۔ ن) کو مصنف (م۔ س۔ ن۔ ف) کہتی ہیں [illegible]

[illegible] کالجوں [illegible] تعلیم [illegible] طلبہ [illegible]

[illegible] سیدین صاحب اور وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی دونوں نے یہ بات [illegible]

[illegible]

[illegible] اُردو زبان و ادب کی تعلیم [illegible] اساتذہ [illegible]

[illegible] ضرورت ہے [illegible] زبان و ادب [illegible]

[illegible] دوسری زبانوں کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر اپنے طلبہ کو تعلیم دینی چاہیے۔

[illegible] مسلم یونیورسٹی نے [illegible] ہندوستان کے مختلف شہروں میں [illegible] سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ اُردو زبان و ادب کی صحیح تعلیم کے سلسلے [illegible]

[illegible] صرف تعلیم [illegible] مسئلہ نہیں۔

[illegible]

اعجاز صدیقی

مژدۂ غم رُبا

(تاشقند کانفرنس کا طرحی مشاعرہ)

مژدہ اہلِ چمن رُک گئی وہ بادِ سموم
جس نے چاہا تھا کہ شاخوں کو مفلس کر رکھ دے
جس نے سوچا تھا کہ غنچوں کی قبا جل جائے
زیرِ گُل آتشِ سیال بنے، گُل جل جائے

دل میں پیوست جو خنجر تھے، وہ باہر نکلے
کم ہوئی زرد جبیں پہ چبھتے ہوئے کانٹوں کی خلش
چھوڑ دی سینہ فگاری کی ادا تیروں نے
پائے غم چھوڑ دیا کاٹتی زنجیروں نے

رک گئیں خون کی بہتی ہوئی پاگل ندیاں
داغ اب کھا نہ سکے گا کوئی مظلومی کے
خندقیں اب نہ بھری جائیں گی پھر لاشوں سے
زخم اب بو نہ سکیں گے ٹینک پاشوں سے

ہاں چھلکاؤ کہ تازہ ہو گیا میخانے کا دَور
بھول بیٹھے تھے جو آئینِ وفا، رسمِ خلوص
جام ٹکراؤ، کہ رُوٹھے ہوئے میخوار ملے
لے کے نذرانۂ دل، پھر وہی دلدار ملے

شبِ دیجور کے ہاتھ کی لاشیں صبح کے رہیں
جو بڑھا رہا ہو تدبر میں، وہ پہلا ہی قدم
اتصالِ مہ و خورشید ہوا، رقص کرو
امن اور صلح کی تمہید ہوا، رقص کرو

کسے معلوم تھا، اس رقص کی جھنکاروں کو
جن کو ہاتھوں نے اٹھایا تھا بصد بیتابی
ڈوبنا ہوگا غمِ مرگ کی آوازوں میں
تندر کی چیخ ابھر آئے گی اُن سازوں میں

کسے معلوم تھا، پردیس میں دینے کے لئے
کسے معلوم تھا، بے ساختہ رُک کر اک سانس
قیمتِ صلح و صفا قیمتِ جاں ٹھہرے گی
ساری دُنیا کے لئے ایک فغاں ٹھہرے گی

منزلِ شوق جب آئی تو ہوا رہبر گم
ہائے، تھا زندگی و امن کا سودا بھی عجیب
دے کے جادوں کو لہو قافلہ سالار گیا!
ایک نے جیت لی اور دوسری [illegible] گیا!

ایک شب کی بھی تو پروانے کو مہلت نہ ملی
کم سے کم، اتنی ہی مل جاتی اُسے فرصتِ مرگ
کہ ذرا شمع سے تشریحِ وفا کر لیتا
سینہ چاکانِ حوادث کی دوا کر لیتا

عبرت انگیز ہے انساں پہ نگاہیں ــــ لوگو!
چند سانسیں جو ملی ہیں وہ سکوں سے کٹ جائیں
زیست پر غور کرو، زیست حباب آسا ہے
امن کی قدر کرو، جنگ میں رکھا کیا ہے

ڈاکٹر سلام سندیلوی۔ گورکھپور یونیورسٹی

مقالہ

منظر نگاری کا مفہوم

جس طرح کسی چیز کی تعریف کرنا اس کو الفاظ کے حدود میں لانا مشکل ہے، اسی طرح منظر نگاری کی تعریف الفاظ میں کرنا ایک [illegible] مشکل ہے۔ ادیبوں اور نقادوں نے منظر نگاری کی تعریف اپنے نقطۂ نظر سے کی ہے اور اس کے مفہوم کو ایک ہی [illegible] کے یکساں نہیں ہیں بلکہ ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یوں تو منظر نگاری اس شاعری کو کہہ سکتے ہیں جس میں کسی بھی منظر کی عکاسی کی [illegible] خاص طور سے منظر نگاری کا اطلاق اس شاعری پر ہوتا ہے جس میں مناظرِ قدرت کا بیان ہو۔

انگریزی ادیبوں اور نقادوں نے بھی منظر نگاری کے مفہوم کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہڈسن منظر نگاری کے لئے TREATMENT OF [illegible] کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔[1] ہڈسن کے علاوہ ای البرٹ بھی اس قسم کی شاعری کو TREATMENT OF NATURE سے تعبیر کرتا ہے۔[2] وہ نیچر کا اطلاق ان مناظر پر کرتا ہے جو زمین، ہوا اور سمندر میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ شاعری جو ارضی، فضائی، اور بحری مناظر سے تعلق رکھتی ہے، نیچرل شاعری کہی جا سکتی ہے۔ اسی بنا پر ہم منظر نگاری کو نیچرل شاعری کہہ سکتے ہیں۔

اردو میں نیچرل کا مفہوم دورِ حاضر میں زیادہ واضح ہو گیا ہے۔ مگر سرسید کے دور میں نیچرل شاعری کا یہ مفہوم نہ تھا۔ سرسید شاعری کا ایک جداگانہ مفہوم رکھتے تھے۔ انھوں نے ۶ اکتوبر ۱۸۷۴ء کو مولوی محمد حسین آزاد کو ایک خط لکھا۔ اس میں انھوں نے [illegible] کی مجلسِ مشاعرہ کا بھی ذکر کیا۔ اس خط سے نیچرل شاعری کے بارے میں ان کے نظریات پر روشنی پڑتی ہے۔

"میری مدت سے آرزو تھی کہ اس مجلس مشاعرہ [illegible] ہوتی ہے۔ میں مدت سے چاہتا تھا کہ ہمارے شعراء نیچر کے حالات کے بیان پر متوجہ ہوں۔ آپ کی مثنوی "خواب امن" پہنچی۔ بہت دل خوش ہوا۔ درحقیقت شاعری اور زورِ طبع کی داد دی ہے۔ ابھی [illegible] خیالی باتیں بہت ہیں۔ اپنے کلام کو اور زیادہ نیچر کی طرف مائل کرو۔ جس قدر کلام نیچر کی طرف مائل ہوگا اتنا ہی مزہ دے گا۔ [illegible] ضرور ہے کہ انگریزی شاعروں کے خیالات سے کہ اردو زبان میں ادا کئے جائیں۔ یہ کام بھلا ایسا ہے کہ کوئی کر [illegible] ہم میں خیالات [illegible] ہم بیان کیا کر سکتے ہیں۔"[3]

یہاں سرسید نے نیچرل شاعری کا مطلب [illegible] لیا ہے کہ وہ شاعری جو خیالی نہ ہو۔ بلکہ فطری ہو اور جو [illegible] سے پاک ہو۔ اسی سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ انگریزی شاعری کو نیچرل سمجھتے ہیں۔

---

1. An Introduction to the study of literature by Hudson. P. 4
2. A History of English Literature by Albert. P. 290

۳۔ خطوط سرسید [illegible]

[illegible]

سرسید نے ۱۸۷۴ء میں نیچر کے متعلق ایک مضمون بعنوان "اُردو نظم" لکھا۔ اس مضمون میں انہوں نے نیچرل شاعری کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ۱۸۷۴ء میں لاہور میں جس مشاعرے کی بنیاد ڈالی گئی تھی، انجمن پنجاب کے تحت نیچرل شاعری کا نمونہ و مشاعرہ سمجھتے ہیں۔ وہ مولانا آزاد اور مولانا حالی کی مثنویوں کو نیچرل شاعری کے زمرے میں رکھتے ہیں۔ مولانا آزاد کی مثنوی "خوابِ امن" اور مولانا حالی کی مثنویاں "حُبِّ وطن" اور "مناظرۂ رحم و انصاف" کو نیچرل شاعری کا نمونہ سمجھتے ہیں۔ اور موضوع کے اعتبار سے نیچرل شاعری میں فطری مضامین کا ذکر ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی سرسید نے اسلوب کے اعتبار سے بھی نیچرل شاعری پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے قول کے مطابق، یہ دونوں مثنویاں "بیان میں، زبان میں، ادا میں، الفاظ کی ترکیب میں، سادگی و صفائی میں کیسی عمدہ ہیں کہ دل میں چبھی جاتی ہیں۔"[1]

غرض کہ سرسید کے ذہن میں نیچرل شاعری کا مفہوم یہی تھا کہ جو شاعری موضوع اور اسلوب کے اعتبار سے فطرت کے مطابق ہو اُسی کو نیچرل شاعری کہا جاتا ہے۔

چونکہ مولانا حالی کی ذہنی تربیت بڑی حد تک سرسید کی رہینِ منّت ہے اور بقول ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں "اُن کی نظم و نثر کا بیشتر حصہ سرسید کی طریقت کی پیروی کی غمازی کرتا ہے۔"[2] اسی لئے مولانا حالی نے بھی نیچرل شاعری کا وہی مفہوم لیا ہے جو سرسید کے ذہن میں تھا۔ چنانچہ مولانا حالی فرماتے ہیں۔

"اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج کل جو نیچرل شاعری کا لفظ اکثر لوگوں کی زبان پر جاری ہے۔ اُس کی کسی قدر تشریح کی جائے۔ بعض حضرات تو نیچرل شاعری اُس شاعری کو کہتے ہیں جو نیچریوں سے منسوب ہو جیسے نیچریوں کے مذہبی خیالات کا بیان ہے۔ بعض یہ خیال کرتے ہیں کہ نیچرل شاعری وہ ہے جس میں خاص مسلمانوں کی یا مطلقاً کسی قوم کی ترقی یا تنزل کا ذکر کیا جائے۔ مگر نیچرل شاعری سے یہ دونوں معنی کچھ علاقہ نہیں رکھتے ہیں۔ نیچرل شاعری سے وہ شاعری مراد ہے جو لفظاً اور معناً دونوں حیثیتوں سے نیچر یعنی فطرت یا عادت کے مطابق ہو۔"[3]

مولانا حالی نے نیچرل شاعری کا جو مفہوم بتایا ہے وہ منظر نگاری کی شاعری پر منطبق نہیں ہوتا ہے۔ اسی لئے مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں۔

"اس بنا پر مثنوی، غزل اور قصیدہ، غرض قسم کی شاعری کے تمام اصناف جن پر یہ تعریف صادق آ سکے نیچرل شاعری میں داخل ہو سکتے ہیں۔"

اس کے بعد انہوں نے نیچرل شاعری کی تعریف یوں کی ہے

"لیکن اس دور میں، اس لفظ کا اطلاق صرف مناظرِ قدرت اور وصف نگاری پر محدود ہو گیا اور اس کا مطلب یہی سمجھا جاتا ہے تو اس سے یہی دونوں اصناف مراد ہوتی ہیں۔"[4]

مولانا عبدالسلام ندوی مناظرِ قدرت اور وصف نگاری میں بھی فرق قائم کرتے ہیں۔ اُن کی نظر میں مناظرِ قدرت اور وصف نگاری مترادف الفاظ نہیں ہیں۔ مولانا عبدالسلام ندوی وصف نگاری کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتے ہیں۔

"اگرچہ غلطی سے اس کو مناظرِ قدرت میں داخل کر لیا گیا ہے۔ لیکن بہ حقیقت وہ شاعری کی ایک مستقل صنف ہے۔ مناظرِ قدرت انسان کے دل میں مسرت، خوشی، انبساط، خوف اور حیرت کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے اس میں صرف جذبہ انگیز چیزیں مثلاً چاندنی، برسات، بہار، کوہ و صحرا اور قبرستان وغیرہ داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن وصف نگاری کو تحریکِ جذبات سے کوئی تعلق

---

[1] مقالاتِ سرسید حصہ نہم۔ مرتبہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور۔ ص ۱۴۱

[2] حالی کا ذہنی ارتقاء غلام مصطفیٰ خاں ص ۲۶۵

[3] مقدمہ شعر و شاعری مولانا حالی ص ۱۰۴، ۱۰۵

[4] شعر الہند حصہ دوم، مولانا عبدالسلام ندوی ص ۳۰۳ [5] شعر الہند حصہ دوم مولانا عبدالسلام ندوی ص ۳۵۲

تا نہیں ہے بلکہ اس میں صرف جذبات عالم کی خصوصیت بیان کرنے کے لئے مختلف صنعات لائی جاتی ہیں۔ اسی طرح کلاسیکی صنعتوں میں اشکبوں، صنائع بدائع وغیرہ کی اسی میں شامل ہو جاتا ہے [illegible] سے زیادہ واسطہ ہے۔ اسی طرح منیاکو جز جیسے عطر سے میں آجاتی ہے۔ چنانچہ منظر سے منسوب سلسلہ میں عام اصناف وغیرہ نظمیں بھی ہیں سے کچھ چیزیں یا مناظر قدرت میں داخل نہیں ہیں۔

مولانا عبد السلام ندوی نے نہایت صاف اور واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ وصف نگاری میں مادی و غیر مادی دونوں اشیاء کا بیان کیا جا سکتا ہے۔ مگر مناظر قدرت میں صرف منظری مناظر کا ذکر کیا جاتا ہے۔ لیکن مادی و غیر مادی بیانات میں فرق قائم کرنے کے سبب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مادی اشیاء کے بیان کے لئے وصف نگاری کا لفظ استعمال کریں اور غیر مادی یا نظری مناظر کی تصویر کو مناظر قدرت سے متعلق رکھیں۔ اسی طرح وصف نگاری اور مناظر قدرت کے درمیان حد فاصل قائم کیا جا سکتا ہے۔ مولوی عبد الرحمن نے "مرآة الشعر" میں وصف کے سلسلے میں ابن رشیق کے خیالات پیش کئے ہیں۔ ابن رشیق کے نقطۂ نظر سے بھی وصف کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ابن رشیق کا قول ہے۔

«الشعر الا اقله راجع الی باب الوصف ولا سبیل الی حصره واستقصائه وهو مناسب للتشبیه ومشتمل علیه ولیس به لانه کثیرا ما یاتی فی اضعافه والفرق بین الوصف والتشبیه ان هذا اخبار عن حقیقة الشیء وان ذاک مجاز وتمثیل» -

(ترجمہ: شعر بجز تھوڑے سے، قریب قریب کے سب وصف میں داخل ہے اور حصر و احاطہ اس کی اصناف کا ناممکن ہے۔ وہ تشبیہ سے مناسبت رکھتا ہے۔ لیکن تشبیہ نہیں اس لئے کہ تشبیہ اکثر وصف میں آتی ہے۔ فرق دونوں میں یہ ہے کہ وصف خبر ہوتی ہے کسی حقیقت کی اور تشبیہ مجاز و تخیل۔)

مولوی عبد الرحمن کی رائے ہے کہ فی الحقیقت تمثیلات، استفہام وغیرہ چند چیزیں ایسی ہیں جن کو ابن رشیق وصف کے دائرے سے خارج بتاتے ہیں۔ باقی کو چھوڑ کر وہ ساری شاعری کو وصف میں داخل کرتے ہیں۔ مگر لطف بات یہ ہے کہ انہوں نے جو وصف کی مثالیں دی ہیں ان کا تعلق مناظر و جزئیات سے ہے۔ اسی بنا پر مولوی عبد الرحمن نے مرآة الشعر میں وصف کی تعریف مندرجہ ذیل لکھی ہے۔

"وصف عالم یعنی مناظر قدرت و جزئیات کی تصویر کو کہتے ہیں۔"[ب]

بہر حال وصف نگاری کے دائرے میں مناظر قدرت اور دیگر مرئی اشیاء بھی شامل ہیں۔ مگر منظر نگاری کا تعلق خاص طور سے مناظر قدرت ہی سے ہے۔ اسی لئے منظر نگاری کی شاعری کو نیچرل شاعری بھی کہا جا سکتا ہے۔

منظر نگاری کے مفہوم کو مولوی سید امداد امام صاحب نے بھی واضح کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

شاعری [illegible] جو بہ سبب شاعری متعلق بہ مناظر قدرت ہے جو بزبان انگریزی [illegible]

ا۔ شعر الہند حصہ دوم، مولانا عبد السلام ندوی صفحہ ۲۲۰

نوٹ ا۔ مولانا عبد السلام ندوی کے خیال سے ظاہر ہوتا ہے کہ [illegible] متاثر ہوئے ہیں چنانچہ انہوں نے "حضرت اکبر کی شاعری" میں وصف نگاری کے متعلق وصف نگاری اور مناظر قدرت کا ایک ہی مفہوم بتایا ہے اور دونوں میں فرق ہے۔ مناظر قدرت سے انسانی جذبات متاثر ہوتے ہیں [illegible] اور انگیز چیزیں منظر ہو سکیں۔ شام، چاندنی رات، بارش، موسم بہار کی کیفیت، آبشار، پہاڑ، جنگل وغیرہ۔ اور وصف نگاری میں ان کو داخل کیا جاتا ہے [illegible] جو بلکہ قدرت کے مرئیات کی حقیقت و صداقت پائی جاتی ہے اور صاف بیان کئے جاتے ہیں۔ [illegible] گئے معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے اس سے الگ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

[illegible] (دہلی) مرآة الشعر، مولوی عبد الرحمن صفحہ ۲۵۵)

جسے زبانِ انگریزی میں سبجیکٹیو Subjective کہتے ہیں۔ اوّل قسم کی شاعری جس کا نام ......
برائے خارجی رکھا ہے، ایسے بیانات پر مشتمل ہے جو متعلقاتِ انسانی سے علاقہ رکھتے ہیں، حالات پیش نظر ہوجاتے ہیں۔ اس قسم کی شاعری میں
مخبریاتِ عالم، بزمِ عیش و جلسہ، تزک و احتشام، سلاطین، باغ، قصور، چمن، گلزار، سبزہ زار، دریا، چشمے، پہاڑ، صحرا، بیابان،
سیر، صبح، شفق، دوپہر، شام اور وقتِ شب، شمس و قمر، ستارے، فراست، قلب، رعب و دبدبہ وغیرہ سبھی اشیاء کے متعلق بیان ہوتا ہے۔

مولانا سید ... کے بیان سے یہ پتا چلتا ہے کہ خارجی شاعری میں مادی اور فطری مناظر دونوں آجاتے ہیں۔ یہاں خارجی شاعری میں
باطنی جذبات، مثلاً بزم کو بھی منظر نگاری کہا جا سکتا ہے اور باغ، چمن، شفق اور چاند وغیرہ کی بھی تصویر کھینچی جا سکتی ہے۔ اس طرح خارجی
شاعری کا دائرہ بہت وسیع ہے جس میں منظر نگاری بھی شامل ہے۔ مگر سہولت اور وضاحت کے لئے ہم خارجی شاعری کو دو حصّوں میں تقسیم کر سکتے
ہیں۔ ایک مادی چیزوں کا بیان جس کا نام وصف نگاری رکھا جا سکتا ہے اور دوسرے غیر مادی یا فطری اشیاء کا بیان جس کو منظر نگاری
کہا جا سکتا ہے۔

یہاں اس حقیقت کا اعتراف ضروری ہے کہ انگریزی ادب کے مطالعے سے منظر نگاری یا نیچرل شاعری کے مفہوم کو زیادہ واضح کر دیا ہے
اردو کے نئے نقادوں نے نیچرل شاعری کی اصطلاح کو گرفت میں لینے اور اس کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے
اقبال کے کلام کے سلسلے میں نیچرل شاعری کے مفہوم پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"اس صنف میں اقبال کا کلام کم ہوا ہے۔ اور ان کی وہ نظمیں جو نیچرل کہی جاتی ہیں وہ قدرتی مناظر پر ہیں، اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔ مثلاً
جگنو، صبح کا ستارہ، ایک پرندہ اور جگنو، ابر، وغیرہ۔ اصل نظمیں صحتِ بیان اور شیرینی زبان کے واسطے بھی لاجواب ہیں۔"[1]

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اقبال کی نیچرل نظموں میں جگنو، صبح کا ستارہ، ایک پرندہ اور جگنو اور ابر وغیرہ کو شامل کیا ہے۔ یہ تمام
موضوعات نیچر یا فطرت سے متعلق ہیں اس لئے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان موضوعات کا تعلق نیچرل شاعری سے ہے۔ جس کا نام ہم منظر نگاری
بھی دے سکتے ہیں۔

شیخ محمد اکرام بھی نیچرل شاعری کا اطلاق مناظرِ قدرت کی شاعری پر کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ غالب کی شاعری کے سلسلے میں فرماتے ہیں۔

"مرزا کی شاعری پر ایک عام اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ وہ نیچرل نہیں۔ جب حالی نے نیچرل شاعری کی اصطلاح شروع کی تو اس میں
پہلے پہلے استعمال کی تو اس نے اس سے وہ شاعری مراد لی تھی جو خیالی نہ ہو بلکہ نیچر یا فطرت کے مطابق ہو۔ مرزا غالب کے
کلام کو اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ اعتراض بجا نہیں معلوم ہوتا ...... مگر بعض معترضین نیچرل شاعری سے بالعموم
مناظرِ قدرت کی شاعری مراد لیتے ہیں۔"[2]

اس بحث و مباحثہ سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ مرئیات کے بیان کو خارجی شاعری کہا جا سکتا ہے۔ اور خارجی شاعری کے
دو حصے ہو سکتے ہیں۔ ایک مادی اشیاء کا بیان جس کو وصف نگاری سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ دوسرا غیر مادی یا فطری اشیاء کا بیان
جس کو منظر نگاری کہا جا سکتا ہے۔

یہاں اس امر کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ منظر نگاری کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ منظر نگاری کا اطلاق صرف اسی شاعری پر نہیں
کیا جا سکتا ہے جس میں مناظرِ قدرت کا بیان ہو۔ یعنی ہم منظر نگاری صرف DESCRIPTION OF NATURE کو نہیں کہیں گے بلکہ منظر نگاری
سے ہماری شاعری کو کہیں گے جس میں فطرت کا ذکر کسی نہ کسی شکل میں کیا گیا ہو۔ یعنی منظر نگاری کا مطلب TREATMENT OF
NATURE ہے۔ چنانچہ مناظرِ قدرت کے بیان کے علاوہ فطرت کے ان اسرار جیسے کا انکشاف، فطرت کی انسان سے ہمدردی، فطرت کی انسان سے
بے تعلقی، فطرت کی انسان کی خوشی میں شرکت، فطرت میں انسان کے لئے جذبۂ احترام، فطرت کی انسان کی موجودگی سے دوری، فطرت کی

---

[1] داستانِ تنقید، ... صدیقی ... [2] تاریخِ ادبِ اردو ... صفحہ ...

[3] غالب نامہ ... شیخ محمد اکرام صفحہ ...

فراق گورکھپوری

غزل

کچھ غریبوں کا بھلا کیجیے گا
یا فقط جور و جفا کیجیے گا

آپ اپنے تو ہیں اے حضرتِ دل
لیکن اک روز دغا کیجیے گا

اک زمانے سے ہوں مایوسِ کرم
کچھ مرے حق میں دعا کیجیے گا

میں تو بس اب ہی رہا ہوں کب تک
مجھ سے ناراض رہا کیجیے گا

دلِ بیتاب کو ممکن ہو تو آپ
اپنی اک برقِ ادا کیجیے گا

اپنے وعدے کی طرح مجھ کو بھی
کیا یونہی ٹال دیا کیجیے گا

میں خود اپنی ہی قسم ہو جاؤں
مجھ کو اس طرح فنا کیجیے گا

رو لیے حضرتِ دل اس کے حضور
پھر تو تا عمر ہنسا کیجیے گا

بعد میرے مرا افسانۂ غم
کم تو اک آپ سنا کیجیے گا

دل کو گلزارِ رخِ رنگیں کا
دامنِ موجِ صبا کیجیے گا

بے تعلق کوئی اتنا بھی نہ ہو
مجھ کو کیا اپنی بلا کیجیے گا

نگہِ روشن پہ یہ گیسو کی لٹک
کفر کو قبلہ نما کیجیے گا

دل کو سرشارِ مئے غفلت ہے
اس کو ہشیار ذرا کیجیے گا

انتہا جور و ستم کی مجھ پر
کیجیے گا بخدا کیجیے گا

چھوٹ کر اس سے جو ملیے آپ
تب تو آپ اور برا کیجیے گا

حضرتِ عشق مجھے ہے معلوم
آپ ہر بت کو خدا کیجیے گا

عشق کو موردِ ہر جرم و قصور
کیجیے گا تو بجا کیجیے گا

دوستوں سے بھی نہیں ملتی آنکھ
کیا مجھے اپنی حیا کیجیے گا

حضرتِ عشق فنا بھی ہو کر
ذرّہ ذرّہ بن کے اٹھا کیجیے گا

دوستو حال مرا میرے بعد
اک کہانی سی کہا کیجیے گا

مائلِ لطف و کرم ہے کوئی
نہ خطا کر کے خطا کیجیے گا

خود سری عشق کی فطرت ہی سہی
کبھی میرا بھی کہا کیجیے گا

وسعتِ دوست پہ یہ بے چینی
روز آئے گا تو کیا کیجیے گا

ہے پہنچنا جو وہاں تک خود کو
اک فقیرانہ صدا کیجیے گا

کون اپنا ہے زمانے میں فراق
یہ تو سنسار ہے کیا کیجیے گا

میکش اکبرآبادی

غزل

زمین و آسماں کوئی نہیں ہے
چلے آؤ یہاں کوئی نہیں ہے

سنا کرتے ہیں ہم یوں سب کی جیسے
ہماری داستاں کوئی نہیں ہے

جہاں میں ہوں وہاں تو بھی ہے کہ دوست
جہاں تو ہے وہاں کوئی نہیں ہے

ہے میرِ کارواں ہر اک یہاں پر
کہ میرِ کارواں کوئی نہیں ہے

کہیں بیٹھے تو دل برداشتہ ہے
فقیروں کا مکاں کوئی نہیں ہے

وہ آئیں گے۔ وہ آتے ہیں۔ وہ آئے
نہیں ہے کوئی۔ ہاں کوئی نہیں ہے

جبینِ شوق ہے کعبہ ہو یا دیر
تمہارا آستاں کوئی نہیں ہے

بدل جاتا ہے ہر لمحے وہ میکش
مقامِ عاشقاں کوئی نہیں ہے

افسانہ:- قرۃ العین حیدر

ایک رات

میں، فیروزہ اور نشیب گھر سے نکل کر سب سٹاپ کی طرف جا رہے تھے کہ بازار کے موڑ پر ایک ریسٹوران کے سامنے پہنچ کر مجھے شدید [illegible] کا احساس ہوا۔ فیروزہ اور نشیب نے اصرار کیا کہ مجھے انقلابی کوششوں کی زندگی میں آج تک ایسا نہ ہوا تھا۔ سخت کوفت کی کہ ساتھ میں چند سکنڈ کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی۔ دریچے میں بھی جوش کہنے کی چہروں کو بڑی کار روکے دیکھا اور ساتھ کھڑی ہو لی۔ نشیب جلدی سے ریسٹوران کے اندر چلے گئے۔

پچھلے دو روز سے میں اپنے کمرے میں دروازے بند کئے پوسٹر کلرز کا ڈبہ اور برشوں کے انبار میں گھری ہندوستانی طلبا کی طرف کے میلے کے لئے پانچ تصویریں بنانے میں مصروف رہی تھی۔ چونکہ آرٹ کی چھوٹی موٹی آرٹسٹ میں ہوں اس لئے نمائش سے چار دن قبل یہ کام بڑی دھوم دھام سے مجھے سونپا گیا تھا۔ جسے میں نے حسب معمول بڑی خود اعتمادی سے فوراً قبول کر لیا تھا۔ "ابھی میں پانچ تصویریں کیوں، سارا بھارت، سموچی الف لیلہ الشرٹیڈ ILLUSTRATED ملک کے ایک طرف ڈال دوں" یہ کہہ کر میں خوش خوشی کے ساتھ فوراً کام میں جٹ گئی۔ میلے کی نمائش میں دو فوٹو، منظر، آرٹ، ابراہام اور شدید فیوچرز، موزائک کا نقشہ دیوار پر رکھا ہے کہ ضرورت مند طلبا کے امدادی فنڈ کے لئے کام کرنے کا جوش کچھ ایسی تھی کہ سب جا بیٹھے کو کام بنانے میں مصروف تھے۔ اس لئے بھی احساس نہ ہوا تھا جب میری تصاویر پر تو دو منظر اور آرٹ کے شاہکاروں کے پہلو بہ پہلو رکھی جائیں گی تو کس قدر دھوبی پن کام ہوگا۔ مگر ایک عمر ایسی ہوتی ہے جب اس قسم کی حقیقت پسندی آدمی کے پاس نہیں پھٹکتی۔ اور اگر کسی نے ہمارے اخلاق کے معیار کی تعریف کر دی تو کسر نفسی سے سر جھکا کے کہا: "جی اپنا تو بس یہی ہے۔"

لیکن پھر ہمارے سرور یت کے مرقع چار دن تک پر بگڑا کر کے لگاتار کام کرتے رہنے کے بعد جب فیروزہ اور نشیب کے ساتھ باہر نکلی جہاں سے گذرا ان دنوں کی طرف قصبہ دار کی پہلی ٹنگ سے بار بار چند قسم کی دور لوں سے [illegible] کے لئے آئے تھے تو چند قدم چل کر یا جلد کی وجہ سے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا پھیل گیا۔

پگ بن کی سوئیاں تیزی سے آگے سرک رہی تھیں۔ میں کچھ دیر چائے پی کر تازہ دم ہو گئی کہ نشیب سیٹ پر [illegible] اٹھے۔ ریسٹوران سے نکلے اور ہم لوگ ہاگم ہائی [illegible] کے گھر پہنچے۔

[illegible] اور ہوسٹل میں رہتے تھے اور یہ مجلس کے ایک سرگرم رکن تھے اور حالانکہ ہندوستان اور پاکستان کے [illegible] ہیں مگر پاکستان کے ترقی پسند طلبا بھی اس مجلس کی سرگرمیوں میں شامل رہتے تھے اور مجلس کا کوئی کلچرل پروگرام یا [illegible] مشرقی پاکستان کے لڑکوں اور لڑکیوں کی شرکت کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔ [illegible] نہیں رہا مگر [illegible]۔ اس وقت [illegible] کے فلیٹ میں بہت سے ساتھی جمع ہو چکے تھے اور [illegible] کے آس پاس اور [illegible] روز کی سرخیاں [illegible] کی ٹیبل ہی [illegible] کر رہی تھی [illegible]

بے انتہا [illegible] نے پنڈت نہرو، چرچل اور مسٹر [illegible] کی [illegible]
بعد کہا کہ چاہے [illegible] کی جنگ [illegible] جیل [illegible] اب [illegible]
لندن کے شہریوں کے جلوس کے ساتھ ڈاؤننگ سٹریٹ جانے کے لیے تیار تھیں۔ [illegible] سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ [illegible]
اور [illegible] شروع کر دیں۔ جب ہم [illegible] کے کمرے میں داخل ہوئے تو پاکستان کا ایک جوشیلا [illegible]
لکھا تھا۔ [illegible] ہم آج دنیا کو دکھا دیں گے کہ [illegible] کے باوجود پاکستان اور ہندوستان متحد ہو کر اپنے مشترکہ دشمن پر
ثابت کر سکتے ہیں کہ [illegible] دوسری طرف [illegible] اور کلکتہ کے چند [illegible] نے [illegible] کا ایک جوشیلا [illegible] شروع کر دیا اور [illegible] قدم
رکھتے [illegible] روانہ ہو گئے جہاں انگریز مردوں اور عورتوں کا ایک زبردست [illegible] جلوس [illegible] ڈاؤننگ سٹریٹ جانے کے لیے
کھڑا تھا۔ جلوس خاموشی کے ساتھ ویسٹ منسٹر کی طرف بڑھنے لگا۔ لندن پولیس کا بڑا بھاری جتھہ جلوس کے ہمراہ چل رہا تھا۔ ہم لوگ راستے پر
ذرا آگے بڑھے تھے جب [illegible] اپنے گھروں کو واپس چلے گئے ہیں۔ اب جلوس نے آکسفورڈ سرکس کا رخ کیا۔ انگریز [illegible]
کے چاروں طرف کھڑے ہو گئے مگر ہندوستانیوں اور پاکستانیوں نے [illegible] کے وسط میں [illegible] پولیس نے ہمیں
ہٹانے کی ناکام کوشش کی [illegible] کیونکہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہم لوگ [illegible] کچلے جا سکتے تھے۔ مگر ان لوگوں کے سینے [illegible] انھوں نے
[illegible] کے ساتھ [illegible] شروع کر دیا۔ "یہ گاندھی کے دیس والے ہیں۔ [illegible] کون [illegible] سکتا ہے۔" کسی [illegible] انگریز نے [illegible] ایک کانسٹیبل
سے کہا۔ آکسفورڈ سرکس میں [illegible] گھنٹے تک [illegible] کے بعد ہم لوگ ہائیڈ پارک روانہ ہو گئے۔ جلوس جب پکاڈلی سرکس پہنچا تو [illegible]
ہوئے تماشائیوں میں سے چند نے چلا کر کہا "[illegible]" [illegible] کے موقع پر [illegible] انگریزی [illegible] کا مفہوم تقریباً
یہ تھا۔ "اس وقت [illegible] کیوں نہیں کیا؟" [illegible] جلوس میں [illegible] بہت کم تھے۔ ہزاروں [illegible] لندن کے
عام شہریوں پر مشتمل تھا۔ اچانک پولیس کی سرچ لائٹ سے آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ [illegible] فلیش تصویریں لینی شروع کیں۔ ایک فلیش جب
عین میرے چہرے پر آ رہا تھا۔

[illegible] ایک [illegible] نے کہا [illegible] (Tory [illegible]) اخبار [illegible] کام کر رہی تھی۔ یہ
[illegible] سال [illegible] تھے اور [illegible] تھے۔ وہ بہت سنجیدہ اور [illegible] انسان تھے۔

"[illegible] کیوں چھپ جاؤں۔ واہ۔ واہ۔" میں نے غصے سے جواب دیا۔

"[illegible]" انھوں نے [illegible] اور آگے بڑھ گئے۔

ہم پکاڈلی سرکس سے نکلے ہی تھے کہ [illegible] نے مائیکروفون [illegible] کہ [illegible] بھی [illegible] کر دی گئی۔ [illegible] پانچ
بجے [illegible] جلوس پر [illegible] ہوگی جس میں چند [illegible] اور [illegible] ہوں گی۔ [illegible] دیکھا۔ مجھ سے ذرا
دور ایک بوڑھا انگریز جھک کر اپنی بیوی کو دلاسا دے رہا تھا۔ اور وہ رو رو کر [illegible] رہی تھی: "مگر [illegible]" ان کے دو بچے ہیں۔ چھوٹے
چھوٹے [illegible] سے۔

اتنے میں ایک انگریز نے مائیکروفون پر کہا "آئیے، ہم سب ہائیڈ پارک میں [illegible] کریں۔"
جلوس [illegible] خاموشی کے ساتھ ہائیڈ پارک کی سمت بڑھنے لگا۔

میرے ہمراہ چلتا ہوا ایک بوڑھا انگریز پروفیسر [illegible] آہستہ آہستہ انجیل مقدس کے عہد نامہ قدیم کا تیئسواں [illegible] پڑھ
رہا تھا: "خداوند خدا میرا گڈریا ہے۔ مجھے کمی نہ ہوگی۔ وہ مجھے ہری ہری چراگاہوں میں [illegible] کراتا ہے۔ وہ مجھے [illegible]
لے جاتا ہے۔ اور گو میں موت کے سائے کی وادی میں سے گزروں [illegible] کا خوف نہیں"۔
راستے میں [illegible] انگریز مرد اور عورتیں [illegible] قدم [illegible] کھڑے
اور [illegible] ایک انگریز عورت [illegible]

[illegible] بجے [illegible] کے۔
[illegible] پنڈت جی [illegible] سب بات کے [illegible] چلے تھے
[illegible] ایک ساتھی نے میرے قریب آ کر کہا۔
[illegible] جواب دیا۔
[illegible] پنڈت جی [illegible] جاتے گا۔
[illegible] سے [illegible] لی۔

پنڈت جی آ [illegible] کے بعد [illegible] ہو چکے تھے۔ [illegible] انہوں نے [illegible] ایک [illegible] سے ایک [illegible]
[illegible] شگفتہ [illegible] سے [illegible] ہوئی تھی۔ [illegible] پھول ہی پھول تھے۔
[illegible] پنڈت جی خود بھی [illegible] اور [illegible] رہے تھے۔
[illegible] سے [illegible] کے [illegible] پنڈت جی [illegible] انہوں نے [illegible]
[illegible] ایک [illegible] لگے۔
[illegible] لمبی [illegible] ہیں پنڈت۔"
[illegible] پنڈت [illegible] جاتے: [illegible] سنتے ہیں۔"
[illegible] پنڈت جی [illegible] ہم سب کے [illegible] رہے تھے۔ [illegible] نے

تم سلامت رہو ہزار برس   ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

[illegible] بھی [illegible] انہوں نے [illegible] دیا۔
انہوں نے [illegible] سے [illegible] ہم لوگوں کے [illegible] سے [illegible] شروع کی تو انہوں نے
[illegible] آپ [illegible] بہت [illegible] ہیں۔"
پنڈت جی [illegible] جاتے: "ایک لڑکے نے [illegible] سے [illegible] کہا۔ پنڈت جی نے [illegible] شفقت سے [illegible]
[illegible] انہوں نے کہا۔
[illegible] کہنے لگے [illegible]۔"
[illegible] ایک لڑکے نے [illegible] کہا: "پنڈت جی [illegible] ہیں۔ [illegible]
[illegible] زبان؟"
[illegible] پنڈت جی [illegible] ایک لڑکے نے [illegible] آہستہ سے کہا ہم [illegible]
[illegible] باپ [illegible] ہے۔ دنیا کے [illegible] باپ کا سایہ [illegible] پر تھا۔
[illegible] ایک [illegible] بھی [illegible] نہیں؟
[illegible] پنڈت جی [illegible] کی طرف [illegible] گئے تھے جیسے
[illegible] پنڈت جی نے [illegible] میں کہا
ہندوستان [illegible] گیا۔
[illegible] گیا۔
[illegible] سے [illegible] ہو گئے

میرے عقب میں کھڑے ہوئے ایک لڑکے نے چپکے سے کہا۔ پنڈت جی کس قدر دلچسپ طریقے سے مخاطب ہیں
پنڈت جی کی تقریر جاری ہے۔

ہو بہو ۔ وہی کمسن بچوں جیسی باتیں ... ایسے خاصے بور اور دو از کار مباحث ہیں۔ میرے پیچھے سے ایک لڑکی نے آہستہ سے اظہار خیال کیا۔ یہ لڑکا کارڈ سے بہر تھا۔ چیاؤ لیہ چیانگ کائی ... وہیں جا کر ... کے دور سے تعلق رکھتا تھا۔ اظہار خیال کرنے کے بعد وہ ... اس بحث کی تقریر کو ... سنتا رہا۔

جلسہ ختم ہونے کے بعد جب پنڈت جی ... کے زینے سے نکلے تو سب ... ہم لوگوں نے انہیں گھیر لیا اور ... ان کو ... پڑھنے نہ دیا۔ اسے بھی ... وہ ہنس ہنس کر کہتے رہے۔ مجھے جانے دو دیر ہو جائے گی۔ حالانکہ صاف ظاہر تھا کہ ان کا خود دل چاہ رہا تھا ہم لوگوں کے ساتھ چند منٹ اور ٹھہریں۔ لیکن ساری دنیا اس وقت بین الاقوامی سیاست کے کسی اہم فیصلے کے متعلق ان کے مشورے اور رائے کی منتظر تھی اور انہیں فوراً ہی اس اہم کانفرنس کے لئے جانا تھا۔

دوسرے روز وہ لندن سے جا چکے تھے۔

دنیا بھر اسپیس سے بچنے والے کا نام شنگری اس وقت مجھے نا طلبیان نامہ ... روزن برگ بھی بچا جا سکیں گے۔ منظر عام میں حروف ... لکھے گئے ہیں۔ مگر یقیناً بچ جائیں گے۔

• چلو جلدی کو فون کر کے پوچھیں کہ پنڈت جی کو یورپ میں کہاں ملاقات کیجئے؟ میں نے ریحان صاحب، حمیدہ ریش اور فیروز فوراً ایک عمارت میں پہنچے اور ... کے پبلک ریلیشنز آفیسر کو فون کیا۔ معلوم ہوا جواہر لال جی ... میں ہیں اور پنڈت جی کا ہوائی جہاز بمبئی سے روانہ ہو چکا۔

ہم لوگ چپ چاپ ہائیڈ پارک واپس چلے گئے۔

بھیگی سی ... کر دھوپ ... رات بھیگ چکی تھی ... سکون کے ساتھ سو نے والی تھی۔ میں لکھنؤ سے آئی ہوئی صحافت کی طالب علم سعیدہ، فیروز، جو لندن میں یونیورسٹی میں رتن ناتھ سرشار پر ریسرچ کر رہی تھی اور ایک انگریز لڑکی، بیٹی جو سعیدہ کو ہم جماعت تھی، ایک پہلے کے پاس گھاس پر بیٹھ گئے۔ سعیدہ کہہ کر اٹھ رہے آئے ہوئے نرگس اسکالر بھی ہمارے پاس آ بیٹھے۔ سب خاموش تھے۔ یک لخت جلس والوں کے گروہ نے گانا شروع کر دیا۔

دنیا بھر کے ایک ہیں نوجوان۔ ایک ہیں ... خطرہ ہر طیارہ کا پھر بھی ہم لائیں گے شگفتہ چمن

حسب معمول ... کالے اور گلے کی ... اور ... ایک ... کو ... رہے تھے۔

• جب مجھے ... تو لیں ہوگا؟ ایلن نے آہستہ سے جیسا پتہ آپ سے پوچھا۔

• ہم ہر جگہ میں ... ہم جاپانی ہیں ہم ہندوستانی ہیں اور پاکستانی ہیں ہم موت پر ہنسنے والے سب ایک ہیں۔ ایک ہیں۔"
جلس والے گا رہے تھے۔

پھر بھی ہم لائیں گے شگفتہ چمن!" نرگس اسکالر نے دہرایا۔ "شگوفہ چمن! ———— سب الفاظ کی چکر پھیریاں ہیں۔ سیاست کے اٹل حقائق پر شاعروں کے تخیلات کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔" نرگس اسکالر نے آہستہ سے کہا۔

پھر وہ اداسی سے سعیدہ کی طرف مڑے۔ "آپ نہیں گاتیں؟ آپ سعیدہ بیگم؟" انہوں نے دریافت کیا۔
جی نہیں، سعیدہ نے گھٹنوں میں سر دے کے جواب دیا۔

میں، فیروز اور سعیدہ دیر تک ایک عجیب عادت تھی کہ اکثر لندن کی سڑکوں پر چلتے چلتے ... میں ... بسوں اور ... پر بیٹھ کر ہم لوگ خوب گاتے تھے۔ "سعیدہ، مست ہوئی ہے اور ..." منزل کی طرف دو گام بڑھیں اور سامنے منزل آ جائے ... شگفتہ و سبزہ ... کلی غنچہ و گل ... ہے۔ ... فصل بہار پر شاد ... "

جب جب پاس میں بیٹھے ہوئے سعیدہ انگریزی میں [illegible] دیکھتے تو سعیدہ [illegible] سالانہ [illegible]
قوالی شروع کر دیتی۔ ویسے میں اور سعیدہ خود کو [illegible] کے [illegible] گیتوں کا ہمسر مانتے تھے۔ [illegible]
بس میں ایسی قسم کا باہمی زندگی کا حاصل معلوم ہوتا ہے۔

تو اس وقت وہ ایک درخت کے نیچے گزر رہے تھے جب [illegible] باہر [illegible]
[illegible] لرزہ خیز خاموشی کی طرف [illegible] کر [illegible] صاحب نے
[illegible] مسکرا رہے کہا۔

"آپ کبھی سعیدہ سے سڑک پر چلتے ہوئے گانا سنیے۔"

"سڑک پر؟ یعنی آپ لوگ سڑکوں پر گاتی ہیں؟" انہوں نے بہت [illegible] ہو کر پوچھا۔

"جی ہاں"

"سیٹی بھی بجاتی ہوں گی؟"

"جی نہیں۔ مگر سنیے تو۔ ایک مرتبہ کیا ہوا کہ یہ سعیدہ جو ہے یہ [illegible] ہمارے پیارے مرحوم [illegible]
[illegible] اتنے میں [illegible] تو سعیدہ نے [illegible] گانا ختم کیا۔ [illegible]
[illegible] رہیں

ہا ہا ہا۔ واٹ نان سنس۔ آئی ایم ٹاکنگ۔ میں نے [illegible] اور سر جھکا کر [illegible] ایک [illegible]

خوش شکل [illegible] منظر [illegible] زندگی کے سہانے [illegible] گیتوں [illegible] ایک جلوس [illegible] رہا ہے۔ [illegible]
مسرت کی تکمیل۔ ذہنی عذاب۔ دکھ۔ بے انصافیاں۔

مری مری سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں   میں اپنی تسبیح پہ [illegible] شمار کرتا ہوں [illegible]
[illegible] ابھی اس میں حرکت نہیں آئی۔ چاند کے نیچے [illegible] بیٹھا ہے۔ [illegible]
[illegible] سعیدہ اب آہستہ آہستہ گنگنا رہی ہے۔ دو لمحے جانے [illegible]
[illegible] سو چکی ہیں۔ [illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible] کوئی اطلاع نہیں آئی۔ میں [illegible] رہی ہوں۔

"صبح تک یہیں بیٹھیں تو [illegible] گی۔ [illegible] جاؤ۔" [illegible] نے کہا۔

"اچھا۔" میں نے جواب دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کھول کر پلنگ پر جا لیٹی۔

[illegible] میں نے [illegible] آہستہ آہستہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] پر نظر ڈالی۔

"کیا ہوا امین؟" میں نے پوچھا حالانکہ مجھے معلوم تھا [illegible]

"[illegible] ہے [illegible]
[illegible]

خلیل الرحمن اعظمی

بیداریٔ ہند

اِس گنبدِ نیلگوں کے نیچے
ہر روز خلا کی وسعتوں میں
رتھ پر اپنے سوار ہو کر
سورج آتا ہے اور زمیں کے
چہرے کے نقوش ہیں اُبھرتے

کرنوں میں نہا کے ہیں نکھرتے
اصنامِ حسیں، جنھیں اجنتا
صدیوں سے ہے گود میں چھپائے
پڑتی ہے یہی شعاعِ رنگیں
سانچی کے عظیم معبدوں پر
رُکتی ہے کنارک کے اوپر
لیتے ہیں جہاں پہ سانس اب بھی
بن بن کے بُتانِ ماہ پیکر
ریتیلی زمیں پہ سرد پتھر
ہے دیکھتی چشمِ مرمریں سے
گرتے ہوئے اشکِ شبنمیں کو
ٹکراتی ہیں گاہ یہ ضیائیں
میناروں سے اس ستاکشی کے
اُڑتی ہوئی بلبلیں جہاں پر
پھیلائے ہوئے پروں کو اپنے
ڈوبی ہوئی فکر میں پڑی ہیں

مٹنے کی نہیں یہ شان و شوکت
بے مثل یہ پاک سرزمیں ہے
اس سازِ سکوت میں فسوں ہے
بیداریٔ زیست کا شگوں ہے
اُڑتا ہے ہوا میں آج دیکھو
آزادیٔ ہند کا پھریرا
پھر ابرِ کرم اُٹھا ہے ہر سُو
بھر جائیں گے کوہ و دشت و صحرا
پیاسا نہ رہے گا آج کوئی
جی بھر کے پئے گی آج جنتا
منزل کی طرف چلو رفیقو!
ہر ذرہ ہے یہ پیام دیتا

ہاں آگے بڑھے چلو عزیزو!
جس سمت نوائے زندگی ہو
جس سمت کہ امن و شانتی ہو
یکجہتی و آشتی ہو جس جا
ہر اک کو نصیب سرخوشی ہو
جنت کا رہے نہ ہم کو ارماں
دھرتی اتنی بدل گئی ہو
قصہ نہ ہو رام راج کوئی
آنکھ اپنی اب اس کو دیکھتی ہو
ہنسا کے کھلے ہوں پھول ہر سو
ہر سمت بسنت آ گئی ہو
ہر رنج کو ہم بھلا چکے ہوں
دکھ کی تصویر مٹ چلی ہو

آؤ سنو گیت اب خوشی کے
دامودر اور ہیراکڈ کے
رقصاں ہے صدائے برق و فولاد
ویرانے بھی ہو رہے ہیں آباد
پنجاب ہو یا کہ آندھرا ہو
درگاپور ہو کہ ہو بھلائی
ہر سمت مشین گا رہی ہے
آیا اب عہدِ آہنی ہے
دوشیزۂ کوہسار بھی اب
دلہن کی طرح سے سج رہی ہے

ماتھے پہ چمک رہا ہے جھومر
سیمیں پٹی کی کوئی یہ کہکشی ہے
لب پر نہیں کوئی آہ و فریاد
اب غم کی بساط اٹھ رہی ہے

قدموں میں ہے اپنے فتح و نصرت
ہر لحظہ ہے جشنِ عہدِ نو کا
لہراتی ہیں خسروی کی تانیں
آنکھوں میں بسا ہے پھر کنہیا
اغیار کا حال اب زبوں ہے
جو اپنا عدو ہے سرنگوں ہے
جاگو، جاگو، مرے رفیقو!
سورج نکلا ہے اس کی کرنیں
اپنی رگوں میں آج بھر لو
ہاتھوں میں اب اپنے جام اٹھاؤ
اس جام میں حریت کی مے ہے
جی بھر کے اچھالو اور پی لو
یہ کیسی ہوائیں چل رہی ہیں
اب دور نہیں وہ لمحۂ عیش
ویرانوں کے بھاگ پھر کھلیں گے
چپ چپ ٹپکیں گی رس کی بوندیں
برکھا امرت کی خوب ہوگی

(ایک اڑیا نظم کا ترجمہ)

زرینہ ثانی

سیماب کے ہیئتی تجربے

ہیئت اور اسالیب کے تجربوں کی روایت بھی اردو نظم کی روایتوں کے ساتھ ہی شروع ہوتی ہے۔ ابتدا میں حالی، آزاد اور اسمٰعیل میرٹھی کے یہاں اردو شاعری میں ہیئت کی تبدیلی کی ایک غیر شعوری کوشش ملتی ہے۔ اسی سلسلہ کی کوششیں باقاعدہ رومان زیر بحث کی جگہ نظم نگاری کا موجب ہیں۔ ردیف اور قافیہ کی پابندی، رسمی بندشیں کے مروجہ اصول، رسمی کہنہ اور روایتی طرز ادا، جنھیں ہم سے پہلے کے شعرا ورثہ سمجھ کر سینے سے لگا رکھا تھا خوش آہنگ اور بھلے معلوم ہوتے رہے۔ لیکن تا کجا، انسانی ذہن کسی ایک ہی ڈگر پر مطمئن نہیں رہ سکتا۔ زمانے میں تغیر ہی کو ثبات ہے۔ رفتہ رفتہ روایت کے بت ٹوٹنے لگے اور بہت سے نئے مغربی رجحانات کو قبول کرنے کے قابل ہوتے گئے۔ اسالیب اور ہیئت میں بھی مغربی ہیئت کا نفوذ سا قرار نہ ہو گیا اور آہستہ آہستہ اسالیب بدلے گئے۔ کہیں سانیٹ SONET کی شکل میں، کبھی مروجہ ارکان کی ترتیب بدل کر، کبھی مصرعوں کی شکلیں مختلف بنا کر پیش کر کے۔ ہیئت کی تبدیلی کے لئے بحروں میں نت نئے تجربے کئے گئے جو کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ اس قسم کے تجربے چکبست، سیماب، اختر شیرانی، عظمت اللہ خاں، حفیظ جالندھری، ساغر نظامی وغیرہ کے یہاں ملتے ہیں۔ یہ تجربے اکثر و بیشتر کامیاب رہے ہیں۔ تجربات کا یہ دائرہ محدود نہیں تھا۔ بلکہ جدید دور میں بھی ن۔م۔ راشد، فیض، میراجی، سلام مچھلی شہری وغیرہ کے تجربات سے اردو نظم کی نئی نئی ہیئتوں میں اضافہ ہوتا رہا۔

سیماب کی شاعری کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں یہ احساس شدت سے ہوتا ہے کہ سیماب نے ہیئتی تجربے بہ نسبت دوسرے شعراء کے بہت زیادہ کئے۔ اور اردو شاعری میں تجربے کی روایت کو کافی آگے بڑھا کر اس میں گراں قدر اضافے کئے۔

جہاں تک دور سوری کے شعری اسالیب کے اختراع اور تنوع کی مثالیں جو جدید دور کے حصے میں جیسی سیماب کے پاس نظر آتی ہیں وہ دوسرے شعراء کے یہاں کم نظر آئیں گی۔ سیماب نے نہ صرف نئی روایتوں کو ڈھونڈا بلکہ پرانی روایتوں میں بھی کہیں تغیر اور تشکیل اور کہیں تجزیہ روش اختیار کی۔ واسطے میں دیگر اساتذہ کی کئی جو اردو شاعری کی روایت میں پہلے سے بس گئی تھیں۔ مگر مصرعوں میں بہت زیادہ تبدیلی نظر آتی ہے۔ ان کے ہیئتی تجربوں میں ایک خاص بات یہ ہے کہ مواد MATTER اور ہیئت FORM میں ہم آہنگی ملتی ہے۔ جہاں شدت اور جوش کی کیفیت کا اظہار ہے، وہاں بحروں کے ارکان اور بندش سے جو ہیئت اختیار کی گئی ہے وہ بے حد رواں دواں ہے۔

زندہ دلانِ وطن ہیں دل و جانِ وطن
لاکھ پہ بھاری ہے آج ایک جوانِ وطن

ؔ جدید اردو شاعری۔

اہلِ وطن سے بڑھی — عظمت و شانِ وطن
یہ ہیں وطن کا دماغ — یہ ہیں زبانِ وطن
زندہ باد
اضطراب زندہ باد — انقلاب زندہ باد!

اِس چھوٹی سی بحر کی نظم میں خیالات و جذبات کی جو شدت دکھائی گئی ہے اُس سے قاری کا ذہن بے ساختہ متاثر ہوتا ہے۔ مصرعوں کے بعد "زندہ باد" کا ٹکڑا مفہوم کی وضاحت میں مدد دیتا ہے۔ اس کے بعد "اضطراب زندہ باد۔ انقلاب زندہ باد" ایک نئی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ اِس طرح ہیئت کے نئے تجربے نے مفہوم کو واضح تر بنا دیا ہے۔ اِس سلسلے میں ان کے تجربے قابلِ ... ہیں۔ "جنگی ترانہ" میں اسالیب کے تجربے میں دوسری انوکھی جدت ہے۔

دلاورانِ تیز دم — بڑھے چلو، بڑھے چلو
بہادرانِ محترم — بڑھے چلو، بڑھے چلو
تم افتخارِ قوم ہو — امینِ کارِ قوم ہو
نگاہ دارِ قوم ہو — تمہیں وقارِ قوم ہو
وقارِ قوم کی قسم
بڑھے چلو بڑھے چلو — دلاوران...!

پہلے مصرعے کے "دلاورانِ تیز دم" کو آخر میں بطور خطاب لا کر بڑی جدت پیدا کی گئی ہے۔
"ہم ہندوستانی ہیں" میں قافیے سے روانی پیدا کی گئی ہے۔ بحر میں تصرف احساس کے ارکان میں جو تبدیلی نظر آتی ہے۔ وہ یہ کہ مکمل بحر کی بجائے اُس کے پہلے ارکان کو آخر میں استعمال کیا گیا ہے۔

نہ ترکی ہیں نہ ایرانی، نہ رومی و کیانی ہیں — کہ ہم ہندوستانی ہیں
ہمالہ جس پہ ہے ہند اور ہم اُس کی نشانی ہیں — کہ ہم ہندوستانی ہیں

"کہ ہم ہندوستانی ہیں" ٹیپ کے مصرعے کی طرح ہر دوسرے شعر میں بار بار آتا ہے۔ احساس کی گونج کافی دیر تک فضا میں محسوس ہوتی ہے۔

کہیں مکمل بحر کو لے کر کچھ تصرف کے ذریعے نئے نئے پیکر تراشے ہیں۔ جیسے "جرسِ کارواں" میں۔
"یومِ آزادی" مخمس ہے۔ لیکن اِس میں تھوڑا سا اضافہ ہے۔ یعنی آخر میں ایک مصرعہ "کہاں ہے یومِ آزادی" مبہم سا چھوڑ دیا گیا ہے جس سے موسیقی ترنم میں اضافہ ہو کر یہ ادھورا ... بن گیا ہے۔ اِس قسم کی تخلیق ہے "جانانِ وطن" "اے اسیرانِ وطن"۔ "جاگ اے ہندوستان"... "کارواں کی پکار" "منزل قریب ہے" وغیرہ ہیں۔
"کوسِ رحیل" میں بھی بحروں کے ساتھ مصرعوں کی ترکیبوں میں تبدیلی ہے اور ترنم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک نیا تجربہ کیا گیا ہے۔ پہلے دونوں مصرعوں کا وزن یکساں ہے اور اِس میں ایک چھوٹے سے حصے کا اضافہ ہے۔ نظم بطور مستزاد شروع کی گئی ہے۔

رہبر کی ضرورت نہیں سامانِ سفر باندھ — اٹھ اور کمر باندھ
اب منزلِ اپنا نہ اِدھر اور اُدھر باندھ — اٹھ اور کمر باندھ

اِس کے بعد یہ جدت ہے کہ چھوٹی بحر کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے چار مصرعے ہم قافیہ ہیں۔ اس کے بعد ایک مصرعہ بڑی بحر میں آتا ہے اور پہلے کا ہم قافیہ ہے۔

کمزور ہے رفتار — ہیں راستہ پُرخار

سب سے پہلے فارمولی کے تمام امکانات کے مقابلہ میں اسے زیر کیا۔ وہ حفیظ جالندھری تھا۔ یہ حقیقت پر مبنی نہیں — کیونکہ سیماب کے یہاں ہیئتی تجربے دوسرے شعراء سے کہیں زیادہ ملتے ہیں۔ اس رجحان کو آگے بڑھانے میں سیماب کا اہم مقام ہے اور اس سلسلے میں اولیت کا قرآن انہی کو حاصل ہے۔ سیماب جس وقت ہیئتی تجربوں میں مصروف تھے وہ حفیظ جالندھری کے بچپن کا دور تھا اور جو زمانہ حفیظ جالندھری کے ہیئتی تجربوں کا شباب ہے اس زمانے میں سیماب کے شاگرد رشید ساغر نظامی اُردو نظم کی ہیئت میں ایسی جدتیں کر رہے تھے جس نے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اس کے ثبوت میں ساغر نظامی کا مجموعۂ کلام "بادۂ مشرق" پیش کیا جا سکتا ہے۔ "بادۂ مشرق" کی یہ نظمیں اس دور کی ہیں جب ساغر اپنے استادِ محترم کے زیر تربیت تھے اور اُن کی ادارت میں آگرہ سے ماہنامہ "پیمانہ" نکالا کرتا تھا جو ساغر نظامی کی صلاحیتوں اور جدتوں کا بہترین مظہر تھا۔ اس زمانہ ([illegible] ۱۹۲۳ء) میں کوئی دوسرا رسالہ اتنا ترقی پسند نہ تھا۔ ساغر نے اس وقت ایسی ایسی نظمیں کہی تھیں جو اچھے اچھے ماہرینِ موسیقی اس ترنم سے نہیں پڑھ سکتے تھے جس میں ساغر نظامی پڑھا کرتے تھے۔ مشاعروں میں سوائے حفیظ جالندھری اور ساغر نظامی کے کوئی شاعر اس طرح کی نظمیں اس آہنگ اور ترنم کے ساتھ نہیں پڑھا کرتا تھا۔ یہ دونوں جوان تھے دونوں کی آوازوں میں بلا کی کشش تھی۔ دونوں کے پاس نظم اور میں جدید ہیئتی تجربے تھے۔ محفلوں میں یوں معلوم ہوتا تھا کہ نغموں کا آبشار بہہ رہا ہے۔ اختر شیرانی بھی کافی بعد میں آئے۔ جوش اور عظمت اللہ خاں بھی سیماب سے عمر میں کافی چھوٹے تھے۔ اگر ہم سنین سے ان تاریخی کڑیوں کو ملائیں اور سنی سنائی باتوں کا اعتبار نہ کریں تو سوائے سیماب کے اس پچھلے دور میں کوئی دوسرا شاعر ایسا نظر نہیں آتا جس نے اتنے زیادہ ہیئتی تجربے کیے ہوں۔ اور پچھلے دور میں آنے والے اپنے جدید ذہن تلامذہ جیسے ساغر نظامی، اعجاز چاند پوری، مخمور جالندھری، ضیا فتح آبادی، منظر صدیقی، سیّد فیضی، عمار صدیقی، الطاف مشہدی وغیرہ سے کرائے تھے۔

میں نے اوپر پچھلے دور کا ذکر کیا ہے اور یہ پچھلا دور میں ۱۹۱۰ء تا ۱۹۲۰ء سے لیتا ہوں۔ اس دور میں کہیں بھی ہمیں جوش یا عظمت اللہ خاں کے نام نہیں ملتے۔ ہم نظم نگاروں میں چکبست کا نام ضرور لے سکتے ہیں۔ ایک اعلیٰ درجے کے قومی شاعر کی حیثیت سے چکبست کے یہاں بہت کچھ مل جاتا ہے۔ مگر اُن کے یہاں بھی نئے موضوعات کے باوجود اسالیب پرانے ہی نظر آتے ہیں۔ لے دے کر صرف اقبال اور سیماب رہ جاتے ہیں۔ علامہ اقبال کی چند نظموں سے بھی ہیئتی تبدیلی کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن شعوری طور پر اسالیب کے سلسلے میں جو بات سیماب کے یہاں نظر آتی ہے وہ اس دور کے کسی دوسرے نظم نگار شاعر کے یہاں نظر نہیں آتی۔ اُس دور میں سیماب جدید، ترقی اور مذہبی موضوعات پر نظمیں کہا کرتے تھے۔ اُن کی زیادہ نظمیں "نظام المشائخ"، "صوفی"، "ارشاد" وغیرہ میں شائع ہوا کرتی تھیں۔ مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ اب سے تقریباً پچاس سال پہلے یہ رسائل کثیر معاوضہ دے کر سیماب سے نظمیں حاصل کیا کرتے تھے۔ سیماب کے سب سے پہلے مجموعۂ نظم "نیستاں" جو ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا تھا، جس میں کچھ فلسفیانہ، کچھ متصوفانہ اور کچھ قومی اور مذہبی قسم کی نظمیں ہیں۔ اس کی دو نظمیں بطور نمونہ پیش کرنا چاہتی ہوں۔ جب میں نے ان نظموں کو پڑھا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی اور جیسے جیسے میں نے اُن کی نظموں کا مطالعہ کیا مجھے اُن کے تجربات کی رنگا رنگی کا علم و احساس ہوتا گیا۔ سیماب کے ان تجربات پر ایک مکمل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ اُن کے سلاموں اور غزلوں نظموں کے مجموعوں میں بھی کئی ایسی نظمیں مل جاتی ہیں۔ بچوں کے لئے انھوں نے جو نظمیں کہی ہیں اُن میں سے بھی اکثر میں نہایت خوشگوار ہیئتی تجربے ملتے ہیں۔

"نیستاں" میں شائع شدہ ایک نظم "عید قربان" ملاحظہ فرمائیے۔ یہ نظم ۱۹۱۳ء کی ہے اور رسالہ "نظام المشائخ" دہلی میں شائع ہوئی تھی۔ اب سے پچاس سال پہلے ؎

مری یہ حسرت نہیں، ہلالِ عید دیکھی کر
کہ میں شکستہ دل ہوں، اپنی امیدوں کے بیابانی سے
خدا رکھے تجھے روشن
نگاہیں تجھ پہ ہوں قرباں

مرا فخر اور گردن اس میں
کہ پورا پورا اس ان
مجھے [illegible] کے لئے اپنی خوش قسمتی کرنے کے سامان ہے۔

جدید اردو شاعری میں بلینک ورس BLANK VERSE اور فری ورس FREE VERSE کی تحریک زیادہ نہیں ہے۔ [illegible] مخدوم محی الدین اور دوسرے ترقی پسند شعراء نے ان اصناف نظم کو کافی ترقی دی۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ۱۹۱۲ء میں جبکہ اردو کے کسی دوسرے شاعر کا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا اور مغرب کے ان اسالیب نظم کو کسی نے چھوا تک نہ تھا سیتاب نے [illegible] مغرب کو اردو میں منتقل کر لیا۔ نظم "[illegible]" خاص طور پر ہے۔ آپ اس کا فنی تجزیہ کریں گے تو یقیناً آپ کو حیرت ہوگی کہ [illegible] یہ نظم ایک شاعر نے اب سے پچاس سال پہلے کہی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ سیتاب کے ایسی نظموں [illegible] پیدا کر دی ہیں۔
اس دور کی ایک دوسری نظم "دعوت روح" کا ذکر اور کیا جا رہا ہے [illegible] نظم بھی نظام الملک [illegible] میں موجود ہے اور اس پر خود سیتاب کا نوٹ ہے۔ نظم کے دو بند مع نوٹ کے یہاں نقل کر رہا ہوں یہ بھی ایک طویل نظم ہے۔

دعوت روح
(کچھلے پہر کے سناٹے میں)

سوتی ہے دنیا ہر سو — سوتی ہے پھولوں کی بو
ہر کنفس ہے بے حس بو — کب تک بدلے گا پہلو
اے دل بول اللہ ہو!
سب ہیں ساکت مردہ کہ — ساکن ہے چڑیوں کا زور
جگنو بجھ گئی ہے منور — گم ہیں آنکھوں میں آنسو
اے دل بول اللہ ہو!

نوٹ سیتاب:- "اس نظم کی تقطیع" فعلن فعلن فعلن فع" سے ہوتی ہے اور اس میں [illegible] کے لئے [illegible] کیا گیا ہے لیکن جو حضرات اس نظم کو زیادہ وسیع پیمانہ پر [illegible] جبکہ ہر طرف سناٹا چھا جاتا ہے [illegible] پیدا کرنے کے آرزو مند ہوں [illegible] اور اس کی ترکیب یہ ہے کہ "بول" [illegible] کو [illegible] کے ساتھ [illegible] اور "اے دل بول اللہ ہو" کی ترکیب موسیقی میں [illegible] مطلب یہ ہے کہ [illegible] اس طرح جھوم جھوم کر گا سکتا ہوں

اے دل بول اللہ ہو

تمام نظم میں [illegible] دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ موسیقی میں [illegible] اور اپنے عالم [illegible] میں اپنی خلوت میں اپنے سوز و ساز کی دنیا کو جگانے کے لئے خود گا گا کر پڑھا کرتے ہوں گے۔ دوسری بات فنی تجربہ سے تعلق رکھتی ہے جس میں [illegible] تجربہ کے واضح نشانات مل جاتے ہیں۔ اس میں فنی پابندیوں کو توڑنے کا احساس بھی تھا اور [illegible] کی جرأت بھی اور ان کے تجربات نے [illegible] نظم آزاد، معرّیٰ، اور [illegible] وغیرہ کو آگے بڑھنے کا حوصلہ بخشا۔

متین سروش

سازِ آہنگ

عشرتِ غم کی جو رہِ غم [illegible] نہ بنا جائے
سخت مشکل میں بھی شوخی کی بحالی جائے
گرچہ دنیا میں کوئی عشرتِ جاوید نہیں
لذتِ سعیِ مسلسل سے نہ خالی جائے
جتنے شعلے ہیں غمِ عشق کے پی جائیں
پیاس سہمے ہوئے ارماں کی نہ ٹالی جائے
بات تو جب ہے کہ یہ نظمِ تمنا بدلے
وصل و ہجراں کی ہر اک رسم اٹھا لی جائے
آج ذرّہ کا رہیں بجلی کے شرارے بن کر
اب کہیں اور غمِ دل کا سوالی جائے
حسرتِ تابِ سخن دل میں نہ رہنے پائے
بات جو کہنے کی ہے سب کو سنا لی جائے
سازِ آہنگ بھی محفل میں ضروری ہیں مگر
نغمہ و شعر میں ہر بات نہ ڈھالی جائے
جورِ ایام کے افسانے بہت عام سہی
صورتِ کیف و سکوں بھی تو نکالی جائے

ایک سی قید میں ہیں شام و سحر کے جلوے
اک نئی بزمِ تصور کی سجا لی جائے
عظمتِ شوق کے انوار نہیں ہیں محدود
چشمِ کمزور سہاروں سے بچا لی جائے
حسنِ تعبیر سے ہر خوابِ وفا روشن ہے
شرطِ اندازِ جلالی و جمالی جائے
جشنِ گلزار کہ کلی لالہ و گل جاگ اٹھے
فصلِ گل کی نئی تصویر بنا لی جائے
شیشہ و جام و سبو سب کا ہے انداز نیا
اک نئی طرح بھی میخواری کی ڈالی جائے

جو بری دور میں تیرہ خیالی کب تک
اشہبِ فکر کی رفتار بڑھا لی جائے
راستہ صاف ہے منزل پہ رسائی کے لئے
قیدِ اوہام سے تخئیل چھڑا لی جائے
ہمتیں ڈھونڈ رہی ہیں نئی راہیں ہر دم
ہر قدم پر نئی اک شمع جلا لی جائے
تیرہ و تار فضاؤں کو ضرورت ہو اگر
روشنی عارضِ خوباں سے چرا لی جائے
زلفِ بے رنگ زمانہ کو ہو درکار اگر
نکہتِ گیسوئے شب رنگ اڑا لی جائے
بختِ انساں کو ضرورت ہے نئی رفعت کی
عظمتِ عرش کی تقدیر منگا لی جائے
توڑ دیں حلقۂ زنجیر بہ صد کیف و سرود
دھوم اک لاشۂ زنداں پہ مچا لی جائے
حشر در حشر یہ ہنگامہ جو قائم کیا ہے
جان جلتی ہوئی صدیوں کی بچا لی جائے
حرکت و جہد و عمل کی نئی تاریخ بنے
داستاں اک نئی دنیا کو سنا لی جائے
دشتِ آلام میں پھولوں کے لگا دیں انبار
ہر کلی باغِ محبت کی کھلا لی جائے
یوں سلیقے سے کریں جشنِ کرم کا اظہار
طفلِ دہر کی تقدیر جگا لی جائے
رنگ یوں گلشنِ آفاق کے فانوس میں بھریں
ان کے خواب کی تصویر بنا لی جائے
کوئی گوشہ نہ رہے جشنِ مسرت سے الگ
روشنی ہر در و دیوار پہ ڈالی جائے
کیفِ جاوید مسرت کا نہ کھونے پائے
یوں بجا ساز کہ خاموش نہ ہونے پائے

مقالہ

لطف الرحمٰن

فنِ ڈرامہ اور انارکلی

ڈرامہ کی تکنیک میں مشرق و مغرب میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں۔ صرف تفصیلات میں فرق ہے۔ مغرب کے ڈرامہ کی تاریخ یونان سے چل کر موجودہ زمانے تک پہنچی ہے۔

جب یہاں ڈرامہ نگاری پر مغربی اثرات بہت زیادہ ہیں۔ اندر سبھا، ... لیلا، ... ہندوستانی اثرات ہیں۔ ہمارا کلاسیکی ادب جو سنسکرت کا ہے۔ اس کا اثر اردو ڈرامہ نگاری پر نہ ہو سکا۔ تفصیلات کے لئے ہم کو مغرب پر نظر ڈالنا ہوگی۔

جدید اردو ڈرامہ پر دو دور گزر چکے ہیں، ایک اسٹیج کا دور اور دوسرا ... جب طالب، احسن، حشر ... حسن، بیتاب وغیرہ اور دوسرے ڈرامہ نگار صرف اسٹیج کے لئے لکھتے تھے اور شیکسپیئر کا ترجمہ اتارتے تھے۔ البتہ اب ... تمام اثرات مغربی ہے۔

ارسطو نے ڈرامہ کے متعلق تین باتیں بتائی ہیں۔ اور تمام بڑے ڈرامہ نگاروں نے ان کا خیال رکھا ہے۔ ڈرامے کی تین وحدتیں مانی ہیں۔ انہیں کو DRAMATIC UNITIES کہتے ہیں۔

1۔ وحدتِ عمل UNITY OF ACTION

2۔ وحدتِ زمان UNITY OF TIME

3۔ وحدتِ مکان UNITY OF PLACE

جب تک یہ تینوں وحدتیں ڈرامہ میں موجود نہ ہوں ڈرامہ فنی اعتبار سے کامیاب نہیں کہا جا سکتا۔

1۔ وحدتِ عمل UNITY OF ACTION ڈرامہ میں ایک مرکزی عمل ہوتا ہے۔ ذیلی عمل اس مرکزی عمل کو ابھارنے، روشن اور واضح کرنے کے لئے آتے ہیں۔ سنسکرت ڈراموں کے ناقدین بھی اس بات پر متفق ہیں کہ ناٹک میں ایک رس ہوتا ہے۔ یعنی ایک مرکزی عمل، ورنہ ڈرامہ منتشر ہو جائے گا ... ایک کردار ... کردار نہیں ہوتا۔ چھوٹے چھوٹے کردار ہیرو کے کردار کو روشن اور نمایاں کرنے کے لئے آتے ہیں۔ "ولن" کا کردار ہیرو کے کردار کو مزید ... اور ... کے لئے آتا ہے۔ "ولن" اور ہیرو کا تعلق ... جو اپنی آرام اور ... کا ہوتا ہے۔

"ولن" کا کردار ... (1) ہیرو کے کردار میں عمل و حرکت اور ... پیدا کرتا ہے (2) ... CONFLICT یعنی الجھن پیدا کرتا ہے۔

لیکن یہ ضروری نہیں ... ڈرامہ ... ہیرو کے کردار کو ...

رہتا ہے۔

ڈرامے کی مثال نظامِ شمسی کی سی ہے جس میں ایک مرکزی نظام ہوتا ہے جو شدت سے زیادہ منظم اور مرکز ہوتا ہے۔ ان ساری باتوں سے وحدتِ عمل کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے کبھی کبھی دو کردار مل کر ایک کردار بنتے ہیں۔ جیسے MACBETH میں MACBETH اور LADY MACBETH مل کر ایک کردار بنے ہیں۔

۲۔ وحدتِ مکان UNITY OF PLACE یونانی ڈراموں میں وحدتِ مکان پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ مگر یورپی شیکسپیئر اور دوسرے ڈرامہ نگاروں کے یہاں مثلاً برنارڈ شا کے یہاں بھی اس کا خاص التزام نہیں رکھا گیا ہے۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ سنسکرت ڈرامہ نگاروں نے بھی وحدتِ زمان و مکان کی پابندی نہیں کی۔ مثلاً شکنتلا میں اس کی پابندی نہیں ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈرامے میں وحدتِ عمل کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ وحدتِ زمان و مکان کی شرط نہیں۔ یہ ڈرامہ نگار کی خواہش اور مرضی پر منحصر ہے۔

مختصر یہ کہ ڈرامے کی خصوصیات میں بنیادی خصوصیت وحدتِ عمل ہے۔ ڈرامے کی صنف کی ابتدا ہی اس وجہ سے ہوئی کہ زندگی کی گرماگرمی، بیقراری، شدت، حیرت، ناکی اور بوالعجبی کو پیش کیا جا سکے۔ اسی لئے ناول اور داستانوں میں جب بھی اچانک پن نمودار ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس میں ڈرامائیت پیدا ہو گئی ہے۔ ڈرامہ میں سراپا تیزی اور شدت ہوتی ہے۔ ڈراما میں ابتدا سے انتہا تک حرکت و عمل، شدت، تصادم اور اچانک پن کا احساس ضروری ہے۔ یہ ڈراما کی بنیادی ضرورتیں ہیں۔ بہرکیف! ڈرامہ میں "ACTION" عمل فن کار اور اداکار دونوں پیدا کرتے ہیں۔

کامیاب ڈرامہ نگاری ہمیشہ اسٹیج سے وابستہ ہوتی ہے اور اداکاری سے مل کر وحدت پیدا کرتی ہے۔ اگر اسٹیج سرگرم، چنچل اور متحرک نظر آئے تو ڈرامہ میں تیکھا پن اور دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ ACTION عمل تو اصل ڈراما ہے لیکن اس کو مزید ڈرامائی اور متحرک اداکار کرتے ہیں جسمانی حرکت کے پیچ و خم و نشیب و فراز سے عمل بڑھ جاتا ہے۔

ACTION دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک خارجی، دوسرا داخلی۔ ڈرامہ کی ابتدا میں خارجی عمل پر بہت زور دیا جاتا ہے لیکن داخلی عمل کو شدت کے ساتھ ابھارنا مشکل ترین کام ہے۔ داخلی طور پر نفسِ انسانی میں جو تلاطم پیدا ہوتا ہے۔ اس کو جسمانی حرکات و سکنات کے ذریعے اسٹیج پر پیدا کرنا آسان نہیں۔ لیکن کامیاب اور بڑے ڈرامہ نگار اس کو کامیابی سے پیش کرتے ہیں۔

اسٹیج کو بارونق، پرچہل، دلچسپ اور باعمل بنانے میں جاندار اداکاری کا بڑا دخل ہے۔ اداکار اپنی حرکات اور اپنے اضطراری عمل کے ساتھ ساتھ ادا کرتا ہے۔ تب جا کر ڈرامہ مکمل ہوتا ہے۔ اسٹیج کے لوازم کے اعتبار سے ڈرامہ کے مواد اور اداکاری کی ذمہ داریوں میں وحدت ہونی ضروری ہے۔

مکالمہ :- ڈرامہ کا ذریعۂ اظہار مکالمہ ہے۔ ڈرامے میں مکالمے کی اہمیت اور مکالمے میں ایک ایک لفظ کی اہمیت ناول اور افسانے سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ڈرامہ نگار کو لفظوں کے ذریعے داخلی جذبات و احساسات اور باطنی واردات و کیفیات کی پیشکش کرنا پڑتی ہے۔ اس لئے مکالموں میں لفظوں کا انتخاب اور جملوں اور فقروں کا لب و لہجہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ لفظوں کی بندش، نشست و برخاست، اندازِ اظہار اور لب و لہجہ سے بہت کچھ ظاہر ہو جاتا ہے۔ بالخصوص داخلی کیفیات کے اظہار کے ذرائع یہی ہیں۔

خود کلامی :- SOLILOQUY دل پر گزرنے والے واردات و سانحات اور طوفان و تلاطم کو پیش کرنے کے لئے خود کلامی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ لیکن اس میں اداکاری کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ SHAKESPEARE نے بھی خود کلامی کے نمونے پیش کئے ہیں۔ خود کلامی کے اتار چڑھاؤ سے باطن میں اٹھنے والی جذباتی موجوں کا پتہ چلتا ہے۔ کہیں کہیں یہ عنصر صرف ڈرامے کی مقبولیت میں بہت کام آتا ہے۔

منظر کی تنظیم :- ڈرامے میں منظر کی اندرونی تنظیم، مناظر کی آپس میں تنظیم یعنی سین کی تراش بندی بھی بہت اہمیت رکھتی ہے کبھی کبھی نغمہ و موسیقی کے ذریعے سے۔ LADY MACBETH ... کے ذریعے ... [illegible]

خود [illegible] کو ترتیب دیا جاتا ہے تو LADY MAC BETH کا ضمیر اُس کو پریشان کرتی ہے۔ اُس کا خلفشار جس طرح ہو کہ [illegible]
[illegible] بیٹھے ہاتھ میں جتنا ہوا چراغ لئے خود ہی سے گزر جاتی ہے۔ اُس کے دہ [illegible] سے اُس کے دل کی [illegible] ہو جاتی
ہے۔ ایسا [illegible] ہے جہاں اُس کی [illegible] اور اُس کا تجزیہ جو [illegible] ہے وہ احساس کے لمس کی [illegible] اُس کی فرشتہ ہے۔ HAMLET کا
[illegible] اُس کا [illegible] اُس کی [illegible] TO BE OR NOT TO BE [illegible] کشمکش بھی ہے۔ غرض یہ کہ [illegible] کے [illegible]
جذبات [illegible] کے [illegible] داخلی [illegible] کو ڈرامہ [illegible] ہوتا ہے۔ اس کے لئے منظر کی ترتیب و تنظیم
ضروری ہوتی ہے۔

[illegible] کی تعمیر۔ وحدت اور عمل ڈرامے کے لئے ضروری ہے۔ [illegible] ڈرامہ کی تعمیر [illegible] ہوتی ہے۔ ڈرامہ میں ابتدا سے
[illegible] تک [illegible] قسم کا اظہار ہوتا ہے۔ [illegible] ڈرامے میں [illegible] ہونی چاہئے لیکن نہایت ہی شدت اور تکمیل کے ساتھ۔
[illegible] کے لئے جو تکنیک برتی جاتی ہے اُس کو ڈرامہ کی تعمیر کہتے ہیں۔ اس میں اعمال کی شدت کا اظہار بہتر سے بہتر ذریعے سے
[illegible] ہے۔ عمل اور وحدتِ عمل ACTION AND UNITY OF ACTION سے [illegible] پیدا ہوتا ہے۔

ڈرامہ کی تعمیر کے تین حصے ہوتے ہیں:۔

۱۔ ابتدا

۲۔ عروج

۳۔ انجام

ان میں سب سے اہم وسطی حصہ ہوتا ہے جس کو [illegible]KE OF THE DRAMA کہتے ہیں۔ یہ پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی کے مانند
[illegible] ہے۔ وسطی حصہ کلیدی کردار ہوتا ہے۔ اسی کو CLIMEX کہتے ہیں۔ اس کے بعد انجام کی منزل آتی ہے۔ [illegible]
[illegible] ANTI CLIMEX یعنی [illegible] کہتے ہیں اور [illegible] انجام تک کو PREPARATION OF CLIMEX
[illegible] کہتے ہیں۔

تصادم:۔ ڈرامہ میں تصادم کی اہمیت بھی بہت ہوتی ہے۔ DRAMATIC CONFLICT یعنی ڈرامائی تصادم کے [illegible]
[illegible] نہیں ہو سکتا۔ بالعموم دو [illegible]، خیالات، تہذیب و تمدن، شخصیتوں، انسان اور تقدیر، فرد اور سماج، نیکی اور بدی کے
درمیان تصادم ہوتا ہے۔ اور یہی حصہ ڈرامہ کی جان ہوتی ہے۔ ڈرامہ میں شدت کو اور [illegible] اضافہ انگیز کرنے کے لئے تصادم پیدا
[illegible]۔ یہ ابتدا میں [illegible] ہوتا ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ تیز تر ہوتا جاتا ہے۔ عروج کے مقام پر تصادم اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے
[illegible] سے آہستہ آہستہ [illegible] کی طرف [illegible] CLIMEX کے بعد کے [illegible]
[illegible] ہو جاتا ہے۔ [illegible] آخری نقطہ پر تصادم ختم ہو جاتا ہے اور ڈرامہ کا اختتام ہو جاتا ہے۔

تصادم کے ساتھ ساتھ کشمکش کا ہونا ضروری ہے۔ اسی کشمکش کو DRAMATIC TENSION کہتے ہیں جب تک
تصادم قائم رہے گا کشمکش [illegible] رہے گی اور SUSPENSE باقی رہے گا۔ اس طرح تین عناصر ڈرامہ کی دلچسپی
برقرار رکھتے ہیں۔

۱۔ ڈرامائی تصادم DRAMATIC CONFLICT

۲۔ ڈرامائی کشمکش DRAMATIC TENSION

۳۔ ڈرامائی سسپنس و تجسس DRAMATIC SUSPENSE

ANTI CLIMEX یعنی [illegible] کے دور میں تصادم، کشمکش اور نتیجہ کا انتظار باقی رہتا ہے۔ اس کے لئے بڑی احتیاط کی ضرورت
ہوتی ہے۔ اس کے لئے [illegible] فنی کاوش سے کام لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی فنکار [illegible] مرحلے سے نکل گیا

قصہ کامیاب ہوتا ہے۔

گو ساخت و ترکیب کے لحاظ سے بنیادی طور پر ایک ہی ہوتا ہے۔ خواہ وہ ایک جو بیانیہ ہو۔ کردار نگاری۔ واقعات کی پیش کش، فضا بندی، نیز مکالمہ نویسی کے اعتبار سے تکنیک میں ڈرامہ کی بنیادی فوقیت اس کے ہر شعبہ پر حاوی ہوگی۔ ڈرامہ وحدت عمل اور شدت میں کو پیش کرنے والا فن ہے۔ ڈرامہ میں زندگی کا کوئی ایک تجربہ یا جذبہ، کیفیت یا رس اپنی پوری شدت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

وحدت عمل اور عمل میں سرگرمی ڈرامے کے بنیادی تقاضے ہیں۔ کردار نگاری کے سلسلے میں بھی یہی تقاضے قائم رہیں گے۔ کردار زیادہ نمایاں ہونا چاہیے۔ ڈرامہ کی وحدت کا تقاضہ ہے۔ کرداروں میں اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ مرکزی کردار نمایاں ہوتا ہے۔ ڈرامہ میں ایک مرکزی کردار ہوتا ہے۔ جس کو ہیرو کہتے ہیں۔ اس کے مقابلے کے کردار کو ولن کہتے ہیں۔ ولن بھی ہیرو کی خصوصیات کو واضح کرنے اور عمل کی شدت کو بڑھانے کے لیے ہوتا ہے۔ یہ ہیرو سے ٹکراتا ہے اور عمل کی شدت میں اضافہ کرتا ہے اور مرکزی کردار کا ہر قدم کی مرکزیت یہ ہے کہ سامنے آتی ہے۔ کرداروں میں مندرجہ ذیل خصوصیات ہونی چاہئیں۔

۱۔ کردار کی اپنی انفرادیت ہونی چاہیے۔ یعنی ڈرامہ نگار کی صدائے بازگشت نہ بن جائے۔ اہم کردار کے لئے ضروری ہے کہ اس کی داخلی کیفیات کو خارجی خصوصیت کے ساتھ پیش کیا جائے۔ داخلی کردار نگاری فن کار کی سب سے بڑی جانچ ہوتی ہے۔ کردار کی نفسی زندگی، جذباتی زندگی، احساسات، اندرونی و باطنی پیچیدگیاں، داخلی عمل اور رد عمل، ان کا سوچ بچار سب کچھ خصوصی ہنرمندی کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔ کرداروں کا اصل وجود داخلی ہوتا ہے۔ اس لئے کردار نگاری کا اہم مسئلہ داخلی ہوتا ہے۔

۲۔ کرداروں کو انتخابی ہونا چاہیے۔ جن میں انوکھا پن، دلکشی اور استعجابیت کے عناصر بدرجہ اتم موجود ہوں۔ دلکشی فنی تخلیق کے لئے ضروری ہے۔ خواہ وہ ناول ہو یا افسانہ یا ڈرامہ۔ مگر ڈرامہ میں اس کی اہمیت دوسری اصناف سے زیادہ ہے۔ اس لئے دلچسپ اور منتخب کردار رکھے جاتے ہیں۔

۳۔ کرداروں کا ارتقاء ہونا چاہیے۔ مسلسل و پیہم۔ اس لئے کہ زندہ چیزیں بڑھتی رہتی ہیں۔ حالات و واقعات۔ ماحول کی تبدیلی اور نفسیاتی ردعمل کے تحت مرکزی خصوصیات کے باوجود ان میں ارتقاء ہونا چاہیے۔ GROWTH IN CHARACTER بہت ضروری ہے۔ کردار کو جامد نہیں ہونا چاہیے بلکہ متحرک اور باعمل۔ کردار کس طرح ماحول اور سماج کے مقابلے میں اپنا ردعمل پیش کرتا ہے۔ جاننا کردار نگاری کا بہت بڑا جب ہے۔

واقعہ طرازی: ڈرامہ میں واقعات پیش کئے جاتے ہیں لیکن بیانیہ انداز میں نہیں بلکہ رونما ہوتے ہوئے دکھائے جاتے ہیں۔ بہرحال ہم اس کو واقعہ نگاری نہیں واقعہ طرازی کہیں گے۔ اس میں مناظر کی تنظیم ہوتی ہے۔ اور ہدایت دی جاتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے واقعہ کے ذریعہ اہم واقعات رونما کئے جائیں۔

دوسرے کرداروں کی حرکت و عمل کے ذریعے جو اسٹیج پر رونما ہوتے ہیں۔ واقعات کی پیش کش کی جاتی ہے۔ مثلاً سازش، جنگ، معاہدے وغیرہ کی شکل میں واقعات لائے جاتے ہیں۔

واقعات کی نمائش ایک اور طریقے سے ہوتی ہے۔ یعنی مناظر کے درمیان کسی کردار کے ذریعے کسی ہونے والے واقعہ کی اطلاع دی جاتی ہے۔ اس کو INDIRECT INFORMATION کہتے ہیں۔

یہ تین طریقے ہیں۔ جن کے معتدل و متوازن انداز سے واقعہ طرازی کی جاتی ہے اور یہی بنیادی فوقیت ہے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اس لئے کہ DRAMA IS THE STORY BY ACTION, NOT BY REPORTAGE NOT BY NARRATION.

ڈرامہ میں ایسے واقعات کی کثرت ہونا چاہیے جو قصہ اور کشمکش کو آگے بڑھائے۔ مگر ان کی مرکزیت کو مجروح نہ کرے۔ ایسے واقعات کا انتخاب کیا جائے جس سے وحدت قائم رہے۔ اس کو وحدت عمل کہتے ہیں۔

واقعات کے تسلسل اور ربط سے جڑے رہتے ہیں جبکہ ان میں ربط اور تسلسل ہوتا ہے۔ واقعات کا اصلی مرکز یہ ہے کہ کرداروں کی شخصیت کے ساتھ ہوں۔ یہ ناول اور افسانہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ واقعات کو کرداروں پر اس طرح [illegible] کرداروں کی نفسیات پر آہنگ کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ واقعات یا کرداروں سے پیدا ہوں یا کرداروں کو متاثر کریں۔ واقعات کا کرداروں سے یہ تعلق ہونا ڈرامہ کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

فضابندی:- فضابندی ناول، افسانہ اور ڈرامہ سب کے لئے ضروری ہے۔ کردار اور واقعات کسی نہ کسی فضا میں ابھرتے ہیں۔ فضا کے اثرات سے زندگی کی واقعیت اور حقیقت نمایاں ہوتی ہے۔ اور زندگی کی چہل پہل کا لطف پیدا ہوتا ہے۔ ناول میں فضابندی اور پس منظر بیان کی جاتی ہے۔ ڈرامہ میں دوسرے طریقے سے اس کو پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) ڈرامہ میں فضابندی پس منظر اور پردے سے ہوتی ہے۔ ڈرامہ اسٹیج سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ پردے اور پردے کا انتخاب رنگ و آہنگ کا معاملہ فضابندی کا معاملہ ہے۔ پردے کے نقش و نگار اور رنگ و آہنگ کا تعلق آنے والے واقعات سے ہوتا ہے۔

(۲) رقص و گانے سے بھی فضابندی کی جاتی ہے۔ رقص کے معنی ڈرامے میں بہت وسیع ہیں۔ قاتل کا ہاتھ میں خنجر لے کر کسی کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھنا بھی رقص ہے ACTION (عمل) اور ACTION کی تفصیلات کو رقص کہتے ہیں۔ اس سے بھی فضابندی ہوتی ہے۔ نیز سامان اور اسباب جو اسٹیج پر لائے جاتے ہیں۔ ان سے بھی فضابندی پیدا ہوتی ہے۔ گویا اسٹیج کی چیزوں کا تعلق بھی فضا آفرینی سے ہے۔ یہ خارجی فضابندی ہوئی۔ جدید دور میں ان کو بہت ہی تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔ شیکسپیر (SHAKESPEARE) کے دور میں اتنی تفصیل سے یہ چیزیں پیش نہیں کی جاتی تھیں۔

فضابندی کا تعلق داخلیت سے بھی ہے۔ یہ ڈائیلاگ کے ذریعے پیش کی جاتی ہے یا خود کلامی اور دوسرے علامات کے ذریعے بہرحال داخلی فضابندی بھی پراثر اور دلکش ہوتی ہے۔

فضا کے ساتھ ماحول بھی وابستہ ہے۔ دراصل اندرونی کیفیت کو [illegible] ناظرین کے اثرات [illegible] کے تمام جزئیات کے ساتھ پیش کرنا فضابندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ بڑا وسیع لفظ ہے۔ مختصراً اس سے مراد یہ ہے کہ ماحول اور منظر اتنے اچھی طرح کرداروں پر ظاہر کیا جائے۔ [illegible]

کچھ دنوں قبل تک کی تحقیق کی رو سے اردو کا پہلا ڈرامہ آغا حسن امانت لکھنوی کی تخلیق "اندر سبھا" کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ لیکن اب تحقیق کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ "اندر سبھا" اردو کی پہلی تمثیل نہیں بلکہ امانت لکھنوی سے پہلے بھی ڈرامہ نگاری کی تین چار منزلیں گزر چکی ہیں۔

۱۔ واجد علی شاہ کے ڈرامے جو شاہی دور میں بھی کھیلے گئے۔ مثلاً [illegible] میں بھی ایک [illegible] میں ڈرامہ کھیلا گیا تھا۔

۲۔ دوسرا دور [illegible] اسٹیج کا ہے جو [illegible] سے پہلے تک [illegible] میں ڈرامے پیش کرتا تھا۔ [illegible] دوروں کے درمیان [illegible] بھی کھیلے گئے۔

۳۔ تیسرا دور تھیٹر ہال میں کھیلے گئے ڈراموں کا ہے۔ اس زمانے میں [illegible] ڈرامے [illegible] کھیلے جاتے تھے۔

اس کے بعد اندر سبھا کا دور آتا ہے جس کا مصنف خالص ذہن اور مزاج کے ڈراموں سے متاثر تھا۔ لیکن ہندوستانی ڈراموں کو [illegible] سنسکرت ڈراموں کا فیض نہ مل سکا۔ [illegible] کے ڈراموں کا کوئی اثر اردو ڈرامہ نگاری پر نہ پڑا۔ پھر بھی آغا امانت لکھنوی کے [illegible] اردو ڈرامہ ہندوستانی [illegible] سے بلاشبہ بہت زیادہ متاثر ہے۔ اس وقت ڈرامے [illegible] منظوم لکھے جاتے تھے۔ آغا امانت لکھنوی کا ڈرامہ بھی منظوم ہے۔ وہ اپنی ساخت اور ترکیب کے لحاظ سے ایک طرف ہندو صنمیات اور دوسری طرف فارسی مثنویوں سے ماخوذ ہے۔

[illegible] کھیلے جانے لگے [illegible] کمپنیوں نے بہت [illegible] اردو [illegible] لکھنوی [illegible]

یہی وجہ ہے کہ اُردو ڈرامہ کا جدید تر دور یہاں سے شروع کیا جا سکتا ہے۔

ایسی حالت میں کہ ترقی کے دور میں ڈرامہ اپنی حیثیت اور اپنا مقام حاصل کر نے کا موقع نہ پا سکا۔ ظفر علی کا ڈرامہ پہلی جنگِ عظیم کے بعد ہی ڈرامہ اسٹیج پر گیا اور ایک حد تک اسٹیج سے الگ ہو گیا جس سے اس کی اہمیت باقی نہ رہی۔ حشر کے بعد چند اہم نام اُردو ڈرامہ نگاروں میں آتے ہیں۔ جن میں عبد الماجد دریا بادی نے (زود پشیماں) اور پنڈت دتاتریہ کیفی نے "مراری دادا" اور ظفر علی خاں نے "جنگِ روس و جاپان" لکھے، لیکن یہ طریقے بھی ہیں اور ان میں تصادم کی کمی ہے۔ گو یہ اسٹیج سے الگ ہونے کی وجہ پر ڈرامائی تصادم پیدا کرنے کی کوشش کا احساس نہیں ہونے پاتا۔ یہ ہمارے ادبی ڈراموں کی باقاعدہ ابتدا تھی۔

اس کے بعد عابد حسین نے "پردۂ غفلت" لکھا۔ اس دور میں مرزا اشرف اُردو ڈرامہ نگاری پر کام کر رہے تھے اور بیشتر ریڈیائی ڈرامے لکھے گئے۔ اشتیاق حسین قریشی نے "نفرت کا زہر" "نیلا لفافہ" "گناہ کی دیوار" "نقشِ آخر" وغیرہ ڈرامے لکھے۔ مگر سب اسٹیج سے الگ ہیں۔ پروفیسر محمد مجیب کے ڈرامے "کھیتی" اور "خانہ جنگی" بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن ان تمام میں "تاج" کی اہمیت اس لئے ہے کہ تاج " کا تعلق اسٹیج سے تھا لیکن حیرت یہ ہے کہ منظر تنظیم کا احساس، منظر، رقص اور پردے کی تبدیلی کا خیال رکھتے ہوئے بھی پلاٹ کی وسعت اور پھیلاؤ کے وجہ "انارکلی" میں نہ روک سکے۔ اس کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ پلاٹ کے لحاظ سے اس کو اسٹیج کرنا بہت مشکل ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کو اسٹیج کرنا جسارت کو اسٹیج کرنا ہے۔ غالباً تاج نے یہ ڈرامہ اسٹیج کے لئے نہیں لکھا تھا۔

"تحتِ شیدہ" تاج کا بہت بہتر ڈرامہ ہے۔ اثرات کے اعتبار سے بھی اور فنی تقاضوں کے لحاظ سے بھی۔ تاج اپنے دور کے لکھنے والے تمام لوگوں میں زیادہ کامیاب بہتر اور دانشور ڈرامہ نگار ہے۔ تاج بھی تھیٹریکل کمپنی سے تعلق رکھنے کے باوجود پوری تربیت حاصل نہ کر سکے۔ پھر بھی حشر کے بعد تاج اُردو کے سب سے بہتر ڈرامہ نگار ہیں۔

"انارکلی" کی قدر و قیمت متعین کرنے کے لئے قدرادبی کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا جو درج ذیل ہیں:-

(۱) کردار نگاری:- قصہ کی کوئی صنف ہو، کردار نگاری ایک بڑی ذمہ داری ہے۔ اور قصہ کی جان اس کی سیرت نگاری کی کامیابی پر منحصر ہے۔ "انارکلی" انتخابِ کردار، انفرادیتِ کردار، کردار کی خارجی و داخلی پیش کش، ارتقائے کردار اور کردار و واقعات کے ربط و ہم آہنگی کے اعتبار سے کامیاب ڈرامہ ہے۔ اس میں چند اہم کردار بڑی جوش کا رانہ تاثیر کے ساتھ پیش ہوتے ہیں۔ انارکلی، اکبر اور جہانگیر جیسے کردار تو مرکزی اہمیت رکھتے ہیں۔ مگر ساتھ ساتھ بختیار اور ثریا کا کردار بھی ثانوی کرداروں میں بہت اہم ہے۔ ان کی تشکیل میں فن کار نے بڑی چابکدستی کا ثبوت دیا ہے۔ یہ زندہ، متحرک اور ممتاز ہیں۔ ان میں سے کئی دلکش اور دل نشین ہیں اور ذہن و قلب پر اپنے دیرپا اثرات مرتب کرتے ہیں۔

چونکہ انارکلی ایک المیہ ہے اس لئے مرکزی کرداروں کے علاوہ ثانوی کرداروں پر بھی المیہ کی فضا طاری ہے۔ انارکلی غم اپنا جواب آپ مثال ہے۔ لیکن اکبر کا غم بھی امیدوں کی شکست کا غم ہے۔ خوابوں کے مٹ جانے کا غم ہے۔ جہانگیر کا غم محبت کی شکست، محبوب کی موت اور ساتھ ساتھ اس کا احساس کہ وہ شہزادہ ہندوستان ہونے پر بھی کچھ نہیں کر سکتا ہے یہ مندہ ہے۔ ثریا اور ثریا کی ماں کا غم فطری اور لازوال اور ابدی ہے۔

ڈرامے کی کردار نگاری یہ تقاضا کرتی ہے کہ کرداروں میں ڈرامائیت ہو یعنی ڈرامے میں تصادم اور کشمکش کی فضا جاری و ساری ہے۔ تاج نے ابتدا سے لے کر انتہا تک اس ڈرامائی تقاضے کو بحسن و خوبی پیش کیا ہے اور ڈرامائی تصادم کی شدت کو کہیں کم نہیں ہونے دیا ہے۔ مگر ڈرامہ تصادم کی جہتوں سے جس قدر خالی ہے ... اکبر اور انارکلی ٹکراتے ہیں یا سلیم اور دلارام یا سلیم کا ٹکراؤ ہے لیکن فن کار نے وہ ناز کہ حالات پیش کئے ہیں کہ جہانگیر یا سلیم کے سامنے منتشر ہوتا ہے۔ اور ڈرامے کی الم انگیزی شدید تر ہو جاتی ہے لیکن آخر میں جہانگیر یا سلیم کو اس نے میں کامیاب ہو جاتا ہے مگر بڑے [illegible]

بلا سے غم کھانے کے بعد۔ لیکن تاج نے بڑی لطافت آمیز فنکاری اور لطیف ہنرمندی سے کرداری تصادم کا یہ پہلو پیش کیا ہے۔ بے وطن اور بے حل اور بے مقدار روح کی اپنی تقدیس محبت کے لئے اپنے جذبات کی شدت کی بنا پر شہنشاہ ہند کے سامنے صف آرا ہو جاتی ہے۔ عشق [illegible] انسانی کمزوری [illegible] رگ جان کے اندر [illegible] رہتی ہے۔ وہ ازلی [illegible] رہتی ہے۔ دوسری طرف شہنشاہ ہند بھی لرزتا اور کانپتا رہتا ہے کیونکہ ان دونوں کے تصادم کو تیسرا [illegible] شدید تر کر دیتا ہے۔ اور وہ شہزادہ سلیم ہے۔ جو اکبر کی تخت و تاج کا وارث ہے [illegible] سلطنت ہے اور جو انارکلی [illegible] سلیم کا عشق جو [illegible] ہے وہ ماں کے خیال سے [illegible] نہیں کبھی کبھی محبت اور فرض کے درمیان کشمکش ہوتی ہے جو [illegible] ہے اور سلیم محبت کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ کبھی کبھی حالات ایسے ہوتے ہیں کہ شہزادہ سلیم بے بس ہو جاتا ہے اور آخر [illegible] ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ تقدیر کا فیصلہ ہے۔ یہ بے بسی اور ناکامی ابن آدم کی [illegible] ناکامی ہے۔ یہ تصادم ایک مثلث ہے جس کے ساتھ دو تین افراد اور بھی شامل ہو جاتے ہیں جو دانستہ یا نادانستہ تصادم کو تیز تر، شدید اور خطرناک بناتے ہیں۔ کچھ افراد [illegible] جو سازشوں کے ساتھ تصادم کو انتہا تک پہنچانے میں مدد و معاون ہوتے ہیں۔

ان میں دلآرام کا کردار بڑا اہم ہے۔ وہ بڑی حیثیت عورت ہے۔ لیکن اگر یہ نہ ہوتی تو ڈرامہ نہ ہوتا۔ یہ وہ [illegible] جو [illegible] سازشوں سے [illegible] دلچسپ ہے۔ فتنہ انگیز، موذی، شیطان۔ لیکن تاج نے اس [illegible] کہ اس میں بھی انسانیت کی روشنی دکھا دی ہے۔ دل آرام کے کردار میں بھی [illegible] جیسا ہونے لگتا ہے اور قارئین [illegible] کے دلوں میں کبھی کبھی اس کے لئے ہمدردی پیدا ہونے لگتی ہے [illegible] محبت کی ماری ہے اور اسی محبت کے غم میں اپنے مقابل پر [illegible] ہوتی ہے لیکن اس کے دل میں بھی انسانیت کی لہریں اٹھتی ہیں۔ یہی کردار نگاری کا بڑا کمال ہے کہ سفید صرف سفید، [illegible] سیاہ صرف سیاہ نہ ہو۔ [illegible] سلیم [illegible] نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن حالات و واقعات کی زنجیر سے کوئی آزاد نہیں۔ دونوں اپنی اپنی زنجیروں میں الجھے ہوئے ہیں۔ اکبر کا [illegible] سخت [illegible] اور ظالم معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مصنف نے [illegible] بڑی فنکاری سے پیش کیا ہے [illegible] دوسری طرف ایک [illegible] صورت [illegible] جس کے لئے کوئی چارۂ کار نہیں کہ وہ [illegible] ہزاروں [illegible] دیتے ہیں [illegible] لیکن [illegible] اکبر کو صرف سیاہ نہیں کر سکتے۔ [illegible] ایک انسان ہے جس کو فنکار نے ایک انسانی حیثیت سے پیش کیا ہے جو بہترین کردار نگاری کی بہترین مثال ہے

اکبر کی [illegible] ہے۔ آزاد نے بھی اکبر لکھا تھا جب [illegible] لیکن اس میں اکبر کا کردار [illegible] ہے۔ لیکن تاج نے اکبر کی کردار نگاری میں بہت ہی فنی شعور سے [illegible] ہے۔ اکبر بادشاہ ہے۔ اکبر باپ ہے۔ اور ان دونوں [illegible] دونوں [illegible] اکبر سے لڑتے ہیں جو اکبر کے دل [illegible] ہندوستان کو [illegible] چاہتا تھا۔ اور وہ [illegible] ایک کنیز [illegible] اکبر کے لئے اس سے بڑا سانحہ اور کیا ہو سکتا تھا؟

اکبر کا دبدبہ، جاہ و حشم، [illegible] شان و شوکت، [illegible] جلال، عظمت و بلندی اور [illegible] شہزادہ سلیم سے آنکھیں [illegible] ہے تو اکبر ایک ظالم نہیں [illegible] کے اندر [illegible] ہے۔ [illegible] کے علاوہ [illegible] کی زندگی [illegible] نصب العین ہے [illegible] جرأت [illegible] برداشت نہ کر سکا [illegible] کو تاج نے بڑی خوبصورتی اور بڑے [illegible] انداز میں پیش کیا ہے۔ [illegible] اکبر کا کردار [illegible] کی [illegible] کردار نگاری کی ایک نمایاں مثال ہے۔

ثریا کا کردار [illegible] ہے [illegible]

یا ایک ننھی سی چڑیا یا ایک بڑی مشین میں گھس گئی ہے اور اسباب مشین چل نہیں سکتی۔ یہی حال ثریا کا ہوا۔ وہ ایک چھوٹی سی چڑیا ہے جسے پا کر تو بلی کا دم حل گیا ہے اور۔ رو بھی شہزادہ سلیم کی۔ تاج نے ثریا کی بھی بڑی اچھی کردار نگاری کی ہے۔ ڈرامہ ختم ہونے کے بعد ثریا اور انارکلی کا تصادم اور بڑھ جاتا ہے۔ ایک ہے (انارکلی) جو محبت کی آگ میں جل جاتی ہے۔ اور ایک ثریا محبت کی نفسیات کی آگ میں۔ ثریا کا کردار بھی المناک ہے۔ لیکن بہت ہی معصوم اور عبرت خیزی کا شکار۔

غرض کردار نگاری کی ڈرامائی ضروریات خصوصیات کی روشنی میں "انارکلی" ایک کامیاب ڈرامہ ہے۔

بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ اس میں ہیرو کے کردار کی مرکزیت قائم نہیں رہی۔ بعض لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ آخر یہ کس کی ٹریجڈی ہے۔ اکبر کی یا سلیم کی۔ یا انارکلی کی؟ ہیرو کون ہے اور ولن کون؟ مرکزی کردار کون ہے اکبر یا سلیم یا انارکلی؟

ڈرامہ نگار کا خیال ہے کہ انارکلی مرکزی کردار ہے۔ اسی لئے اس کا نام انارکلی رکھا گیا ہے MACBETH اور LADY MACBETH کی طرح اس میں بھی دو کردار مل کر ایک بنتے ہیں۔ یعنی انارکلی اور سلیم۔ ڈرامہ نگار کے مطابق جو مخالف کردار ہے وہ اکبر ہے۔ یہاں پر سوال اٹھتا ہے کہ ولن اکبر ہے یا دلارام۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم جس دور میں جو میلان اور رجحان ڈرامہ نگاری کا رہا ہے اس کی رو سے شیکسپیرین اصطلاحوں کو دہرانا لاحاصل ہے۔ مرکزی بات یہ ہے کہ اس میں ڈرامائی عناصر ہیں کہ نہیں۔ ولن ایک مخالف کردار ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ وہ سرتاپا دشمن ہو۔ ولن کے فنکارانہ معنی یہ ہیں کہ ایک مرکزی کردار کے مقابلے میں ڈرامائی تصادم کو برقرار کرنے کے لئے دوسرا کردار آئے۔ اکبر روایتی ولن نہیں اور نہ روایتی ولن ہونے کی ضرورت ہے۔ گالس وردی اور برنارڈ شا کے یہاں جو ولن ہیں ان کے یہاں نیکی اور شرافت کے جذبات بھی موجود ہیں۔ ولن کا جو CLASSI - CONCEPTION تھا وہ پرانی بات ہوگئی۔

اکبر ایک مقابل کردار ہے۔ انارکلی کے کردار کو اور بھی ابھرنا چاہئے تھا۔ یہ سچ ہے کہ وہ مرکزی کردار ہے لیکن مقابل کا کردار یعنی اکبر مرکزی کردار یعنی انارکلی سے بھاری پڑتا ہے۔

تاریخی صداقت اور فن کارانہ صداقت میں بڑا فرق ہے۔ فن کار تاریخ سے مواد لے سکتا ہے اور اس میں کمی کو پورا بھی کر سکتا ہے اور اس میں اضافہ بھی۔ لیکن فن کار کو ضرورت ہے کہ اس PROBABILITY (امکان) کو ثابت کر سکیں۔ پھر بھی فن کار کو تاریخ سے اتنا نہیں کھیلنا چاہئے کہ انقباض پیدا ہو جائے۔

تاج نے خود لکھا ہے کہ قصہ غلط ہے اور قصہ کی جذباتی کیفیت نے ان کے دل میں ڈرامہ لکھنے کی تحریک پیدا کی ہے۔ فن میں جھوٹ فن بن جاتا ہے۔ قصہ جھوٹ سے شروع ہوتا ہے۔

تاج نے انارکلی کا حق ادا نہیں کیا۔ انارکلی کے کردار کو جتنا مخلص، منفرد، ٹھوس اور احساساتی ہونا چاہئے وہ نہ ہو سکا۔ انارکلی فن کار کے یہاں بھی کمزور رہی اور اکبر کے یہاں بھی مغلوب۔ یعنی وہ تاج و تخت دونوں سے محروم رہی۔ اکبر ناظرین کے ذہن پر چھایا ہے۔ اس کے کردار کو اتنا مضبوط نہیں ہونا چاہئے تھا۔ یہ اس ڈرامے کی خامی ہے اور ایک بڑا نقص اور عیب۔

در اصل فن کار کے اپنے جذبات و احساسات کے پس منظر کا اثر بھی اس کی تخلیق پر پڑتا ہے۔ اس زمانے میں تاج حجاب سے بڑے والہانہ جذبہ و شورش سے محبت کر رہے تھے۔ ان کی رومانیت کا اثر ڈرامے پر بھی پڑا۔

واقعات طرازی :- ڈرامہ میں واقعات کی پیش کش عمل انداز میں ہوتی ہے۔ بیانیہ انداز میں نہیں۔ اس میں واقعات کرداروں کے ذریعہ ظاہر ہوتے ہیں۔ ڈرامہ میں واقعات کئی نمایاں شکلوں میں پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) وہ واقعات جو اعمال کی شکل میں سرزد ہوتے ہیں۔ جیسے کردار ان واقعات کو پیدا کرتے ہیں اور عمل کے ذمہ دار ہوتے ہیں

(۲) دوسرے وہ واقعات جو سٹیج پر ہوتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ لیکن مکالمے کے ذریعہ ان واقعات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے یا روشنی ڈالتے ہیں۔ اور مواد دیتے ہیں۔ ایک کردار دوسرے کو مکالمے کے انداز میں واقعات کی اطلاع دیتا ہے۔

۲۔ ڈرامے میں جیسے جیسے واقعات سامنے آتے ہیں، ایک کردار اپنے طور پر سوچتا ہے اور پچھلے واقعات جو اس کے ساتھ گزر چکے ہوتے ہیں ان کو بھی ظاہر کرتا چلا جاتا ہے۔

ایسے واقعات کا انتخاب جن میں تصادم ہو، دلچسپی ہو اور جس میں ڈرامائیت ہو، ڈرامہ نگار کی کامیابی ہے۔ کرداروں کے ساتھ واقعات کا گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ کرداروں کا اثر واقعات پر اور واقعات کا کرداروں پر۔ پہلوؤں کے درمیان تسلسل، تنظیم، ہم آہنگی اور معنیاتی ربط بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

تاج کے ڈرامہ انارکلی میں سب سے نمایاں بات یہ ہے کہ اس میں واقعات کی کثرت ہے اور ڈرامے کا RANGE بہت وسیع ہے بلکہ ناول جیسا معلوم ہوتا ہے۔ اسٹیج کے وقت انارکلی میں چار گھنٹے سے بھی زیادہ وقت لگتا ہے۔ اور یہ ڈرامہ نگار کی غلطی ہے کہ زیادہ سے زیادہ ڈھائی گھنٹے میں اسٹیج ہو جانا چاہئے۔ اس ڈرامے کو پانچ گھنٹے میں پیش کرنا ممکن نہیں۔ اس میں کردار زیادہ نہیں لیکن واقعات زیادہ ہیں۔ مگر انتخاب واقعہ میں تاج کامیاب ہیں۔ جو واقعات انہوں نے پیش کئے ہیں وہ دلکش و دلنشیں ہونے کے ساتھ ساتھ سب مربوط ہیں۔ ان میں کوئی واقعہ بھرتی کا نہیں۔

ڈرامہ میں المیاتی شدت کو کم کرنے کے لئے کچھ ایسے واقعات لائے جاتے ہیں۔ ان کا ایک اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ تضاد اور تقابل پیدا کر کے المیہ کو اجاگر کرنے، غم کی شدت جب گوارا نہ ہو تو مسرت کی باتیں پیش کی جاتی ہیں۔ درمیان میں مزاحیہ کردار لائے جاتے ہیں۔ اس کو DRAMATIC RELIEF کہتے ہیں۔ آغا حشر نے بعض ڈراموں میں اس کو غیر فنی انداز پر پیش کیا ہے۔ مثلاً [illegible] کی لڑکی میں "میت اور گھسیٹا" کا کردار غیر فنی انداز ہے۔ اس کو اگر نکال دیا جائے تو اس سے ڈرامہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

پلاٹ یا سین کے وقفے میں لباس تبدیل کرنے کے لئے یا اسٹیج کی درستی کرنے کے لئے جو واقعات دکھائے جاتے ہیں ان کو DRAMATIC INTRLUDI کہتے ہیں۔

اچھا DRAMATIC INTERLUDE وہی ہے جو ڈرامہ میں معنیاتی طور پر منسلک ہو۔ یہ ڈرامہ کا ORGANIC PART معنیاتی حصہ ہوتا ہے۔ شیکسپیر کے یہاں DRAMATIC INTRLUDE بہت ہی معنیاتی ہیں۔ تاج کے یہاں یہ صورتیں آغا حشر کی طرح غیر فنی انداز میں نہیں بلکہ معنیاتی طور پر ڈرامے سے وابستہ ہوتی ہیں۔ ان میں مزاحیہ عناصر بھی ملتے ہیں۔ تہذیب کی جھلک بھی اور یہ دو طرح کی المیاتی شدت کو کم کرتی ہیں اور تقابل بھی پیدا کرتی ہیں۔ کیا دونوں مناظر جو ایک دوسرے سے منطقی طور پر مربوط ہیں۔ اس اعتبار سے بھی تاج ایک کامیاب ڈرامہ طراز ہیں۔

واقعات کی اہمیت کردار آفرینی میں معاون ہے۔ غرض واقعات کردار ساز بھی ہیں۔ اکبر کی شخصیت اور کردار اس عہد کی مغل تہذیب اور ہندوستانی معاشرت و تمدن میں ایک معمار کی حیثیت رکھتا ہے۔ جن کو اشارات، رموز و کنایات اور کبھی کبھی خود کلامی سے بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ اکبر کی تصویر کو ہم اکبر کی محفلوں میں دیکھتے ہیں۔ اکبر سلیم کو اکبر بنانا چاہتا ہے۔

غرض تاج نے واقعات کی خوبصورت ترتیب اور اشارات سے بہت لطیف کام لئے ہیں کہ ڈرامہ اس سلسلے میں آگے بڑھ گئے ہیں۔

انارکلی کا سب سے بڑا عیب اس کی ڈرامائی فضا کی شدت ہے۔ آغا حشر DRAMATIC SENSE زیادہ تھا لیکن فنکارانہ ربط و تسلسل میں تاج حشر سے آگے ہیں۔ اس میں واقعات کا تصادم بہت ہی کامیاب ہے۔ بلکہ تصادم پہلے سین سے شروع ہوتا ہے۔ یہی نہیں اس میں جگہ جگہ مختلف تصادم سامنے آتے ہیں۔ حرم سرا میں رقابت اور کنیزوں کی چشمکیں، اکبر کی جابرانہ قوت اور سلیم کی رگوں میں بغاوت کی لہر، ماں کی محبت و شفقت اور باپ کی قوت و انا کی ٹکر، دل آرام اور انارکلی کا ٹکراؤ، بختیار کی سلطنت سے وفاداری اور دوستی اور سلطنت سے ٹکراؤ، جہانگیر کی ٹکر اور انارکلی کا اکبر سے ٹکراؤ، محبت و نفرت، اسلبندی و شکست کا ٹکراؤ، غرض یہ کہ ڈرامے میں ابتدا سے انتہا تک ایک ایک تار میں ٹکراؤ ہوتا ہے جس سے اس کی ڈرامائی فضا

قائم رہتی ہے اور دلچسپی اور SUSPENSE کا احساس ہر جگہ جاری نظر آتا ہے۔

واقعات کی پیش کش میں تاج نے ہر جگہ ڈرامائی لوازم قائم رکھے ہیں۔ تصادم کا شدید ترین مکالمہ وہ ہے جہاں اکبر انارکلی اور سلیم کو آنکھوں کے اشاروں کو دیکھ لیتا ہے۔ انارکلی، سلیم اور اکبر تینوں کے عکس آئینے پر جھلکتے ہیں۔ غالباً آئینہ بھی ایک SYMBOL علامت ہے زندگی کا سے

سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

لیکن انارکلی اور سلیم کی محبت نے اس پر عمل نہ کیا اور یہ شیشہ محل چکنا چور ہو جاتا ہے۔

خود کلامی: اکبر کی خود کلامی بہ اعتبار تصادم، شدت جذبات اور المیہ بہت کامیاب ہے۔ اکبر کی شخصیت وہاں مظلوم جنید۔ بلکہ بالکل ظاہر ہے۔ خود کلامی میں اکبر کے المیہ کی شدت بہت زیادہ ہے۔ خود کلامی کی پیش کش اور واقعات کے دھارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکبر ڈوبا جاتا ہے۔

مکالمہ:۔ ڈرامہ میں چونکہ واقعات و حالات کے اثرات براہ راست شدنا ہوتے ہوئے دکھائے جاتے ہیں اس لئے اس میں مکالمہ نگاری بڑی قدر و قیمت رکھتی ہے اور ڈرامہ کی کامیابی و ناکامیابی کا ضامن بھی یہی ہوتی ہے۔ الفاظ کا انتخاب، لب و لہجہ کا اتار چڑھاؤ، جو اصل میں خود خارجی کیفیات و حالات کی تشریح کرتا ہے اس لئے مکالمے کو زوردار، مختصر اور بامعنی ہونا چاہئے۔ تاج نے مکالمہ نگاری کے فرائض بحسن و خوبی انجام دئے ہیں۔ لیکن کہیں کہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ الفاظ کے گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ گئے ہیں اور الفاظ کی رومانیت کے شکار ہو گئے ہیں۔ پھر بھی مجموعی طور پر انھوں نے مکالمہ نگاری میں بڑی مشاقانہ ہنرمندی کا ثبوت دیا ہے۔

اکبر کے مکالمے ایک پروقار شہنشاہ کے عہد بہ رعب اور جاہ و حشم کے اعتبار سے بڑے کامیاب اور با محل ہیں۔ الفاظ کی گھن گرج اور ان کا مشرقی رعب و دبدبہ ایک بادشاہ کی فطری افتاد کے مطابق ہے۔ اس کے مکالمے سے اکبر کا داخلی و خارجی کردار واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ دراصل اچھی مکالمہ نگاری کردار نگاری کے حسن و جمال میں اضافہ کرتی ہے۔ سلیم کے مکالمے ایک لاابالی اور بے پرواہ شہزادے کی فطرت کے غماز ہیں۔ اس کے مکالمے میں شعریت کا عنصر دراصل سلیم کی جذباتی نفسیات کے مقتضی ہے۔ البتہ اس کے مکالمے میں طوالت زیادہ ہے اور الفاظ کی زیادتی اور ظاہری حسن معنوی مطلب کے حجاب بن جاتا ہے۔ پھر بھی سلیم کے مکالمے اچھی مکالمہ نگاری کے نمونے ہیں۔

ڈرامہ میں سب سے اہم مکالمہ دل آرام کا ہے۔ اس کے یہاں اختصار بھی ہے زور و جوش بھی اور معانی و مطالب کے اعتبار سے بھی بڑی وسعت و تنوع ہے۔ پھر یہ کہ الفاظ با موقع اور برمحل لائے گئے ہیں۔ لب و لہجہ سے اس کی داخلی فطرت کا اندازہ ہو جاتا ہے کہیں کہیں پر تاج سے لغزش بھی ہو گئی ہے۔ مثلاً انھوں نے "خواجہ سراؤں" "بیگمات اور کنیزوں" کی گفتگو کے انداز اور لب و لہجہ کا فرق نہیں رکھا۔ یہ اچھی فنکاری کی دلیل نہیں۔ خلاف مراتب کے اعتبار سے الفاظ کا استعمال تحسین آمیز ہوتا ہے۔

لیکن مجموعی طور پر تاج کے مکالمے ڈرامے کی بنیادی ضرورتوں کو از ابتدا تا انتہا قائم رکھنے میں بہت ہی مدد و معاون ہیں اور ان کی ڈرامائیت اچانک پن اور ہیئت کی فضا میں دلکشی، رنگینی اور جاذبیت پیدا کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ فنی اعتبار سے "انارکلی" اردو ڈرامہ نگاری کا ایک شاہکار ہے اور بلاشبہ تاج آغا حشر کے بعد اردو کے سب سے اہم کامیاب اور عظیم ڈرامہ نگار ہیں۔

●

بقیہ افسانہ ایک رات صفحہ ۲۱

سے غور کر کے دیکھا اور آہستہ سے کہا۔

"تم لوگ۔ تم لوگ خوش قسمت ہو کہ تمہارے پاس زہر موجود ہے۔ مگر ہمارا ـــــــــ ایمان فروشوں کا کیا ہوگا۔ ۴۲"

سلام مچھلی شہری

خدا جانے

کب ٹھہرے گا یہ دورِ ایام خدا جانے
کب رقص میں آئے گا پھر جام خدا جانے
کیا لائیں گے رنگ اپنے اوہام خدا جانے
یہ صبحِ درخشاں ہے یا شام خدا جانے
تجدیدِ محبت کے افسانۂ رنگیں کا
آغاز تو بہتر ہے، انجام خدا جانے
آثار تو کہتے ہیں اب دور نہیں منزل
ہو جائیں نہ راہوں میں ناکام خدا جانے
اربابِ سیاست کے احکام تو جاری ہیں
کیا ہوگا محبت کا پیغام خدا جانے
معصوم تماشائی فرزانوں سے عاجز ہیں
کب آئے گا محفل میں خیام خدا جانے
رندوں نے سلام اپنا معبد تو سجایا ہے
اب شیخ و برہمن کا پیغام، خدا جانے

شاذ تمکنت

غزل

جفا آسودۂ و رقّت شناسا کر دیا تُو نے
خبر بھی ہے تجھے اے بے خبر کیا کر دیا تُو نے

شروعِ عشق کے قصّے بھلا بیٹھے تھے ہم دل سے
مآلِ عشق پر اُن سب کو تازہ کر دیا تُو نے

تری اُمید پر کیا کیا ادھورے کام چھوڑے تھے
ہجومِ دفترِ حسرت میں تنہا کر دیا تُو نے

وہ کیا ریلا تھا کیوں کر ہاتھ چھوٹے کس کو سمجھاؤں
بھرے میلے میں دُنیا کے اکیلا کر دیا تُو نے

مری کھوئی ہوئی باتیں ترے غم کی مناجاتیں
مرے پندار کو معجز سراپا کر دیا تُو نے

مری آواز آئی یا تری زنجیرِ در گونجی
مری خاموشیوں کو بھی تقاضا کر دیا تُو نے

کہاں جاؤں مجھے پہچاننے والا نہیں کوئی
ہر آئینے کے آگے جیسے رُسوا کر دیا تُو نے

میں تیرے واسطے دُنیا کو ٹھکراتا رہا برسوں
جسے ٹھکرا دیا تھا کیوں اُسی کا کر دیا تُو نے

پرائے آج اپنے ہو گئے تیری نگاہوں میں
مجھے اپنا سمجھ کر کیوں پرایا کر دیا تُو نے

چُراتا پھر رہا ہوں اپنی آنکھیں غمگساروں سے
کچھ ایسا لگ رہا ہے مجھ کو جھوٹا کر دیا تُو نے

لکیر اک کھینچ دی میں نے مقدّر کے نوشتہ پر
جلی حرفِ محبت کو شکستہ کر دیا تُو نے

سحر کا خوف، دن کا ولولہ، شب کی گراں جانی
کہ یوں مر مر کے جینا میرا حصّہ کر دیا تُو نے

کہاں اب حشر تک کوئی توقع تیرے پانے کی
خدا جانے یہ کیسا حشر برپا کر دیا تُو نے

کڑے کوسوں بھی تیری یاد کا دامن نہیں چھوٹا
کہ خوشبوئے وفا کو دشت پیما کر دیا تُو نے

خراشِ اک چیخ کی جس طرح سنّاٹے کے چہرے پر
کچھ ایسا ہی مرا حالِ تمنّا کر دیا تُو نے

مرے اشعار کو خاموشی و سنجیدگی دے دی
مرے نغموں کو پچھلے کا دھندلکا کر دیا تُو نے

ترا دامن گلستاں ہو کہ مدفن شاذ کے حق میں
بہر صورت مجھے اشکِ چکیدہ کر دیا تُو نے

○

افسانہ :- رام لعل

پورٹریٹ نمبر دو

بارش ابھی تک جاری تھی۔ مسافروں کی چہل پہل سے بس اسٹینڈ کی زمین کیچڑ اور دلدل سے ڈھک گئی تھی۔ ٹین کی چوڑی چھت کے نیچے بھی جہاں سیمنٹ کا فرش تھا کچھ لوگوں کے جوتوں کے ساتھ دلدل اندر چلا آیا تھا۔ بسوں کے اندر بھی کیچڑ پھیلا ہوا تھا جیسے اب تک رہا تھا ہم سارے [illegible] میں رہتے ہیں۔ کسی کو اپنے جوتوں اور کپڑوں کے خراب ہونے کا احساس نہیں ہے بینچ کے جنگلے پر بیچ میں ایک بچہ بیمار سا تھا یہاں بھی میرے قریب ایک شخص نے اپنے پیر دلدل کے کنارے ٹانگیں پھیلا دی تھیں۔

صبح سے صرف یہ بات معلوم ہو سکی تھی کہ آگے کہیں ایک پل ٹوٹ گیا ہے۔ دوسری وجہ خوف پیدا ہو جانا تھا پانی سے سڑک کٹ جانے کے مسئلے جو لگی تھی۔ اب سارے ہی مسافر بے چین تھے اپنے سامان کے اوپر یوں بیٹھے ایک دوسرے کو بے مقصد گھور رہے تھے ان لوگوں کے بیچ بیمار سا تھا۔

ایک عورت بچے کو جھنجھوڑ رہی تھی، گود میں روتا ہوا شیر خوار بچہ تھا ہوئے تھی۔ اسے چپ کرنے کے لئے بار بار چھاتی اس کے منہ میں دے دیتی اس طرف کا جھونکا اس کی طرف آتا تو منہ ہٹا لیتی۔ وہ بار بار منہ پھیر لیتا اور عورت کی چھاتی ننگی لٹکی رہتی اور وہ بے ترتیبی سے سنبھال جاتی۔

ایک بوڑھا اپنی گٹھڑیوں پر بیٹھا ہے اپنی سوکھی روٹی پتلے ہونٹوں سے چبا چبا کر کھا رہا تھا۔ ہر لقمے کے ساتھ پورا منہ کھول کر ادا ساتھ ہوتا اپنا لقمہ چبانے اور نگلنے میں اسے کم سے کم تین چار منٹ لگ جاتے۔

چار مسافر ٹکٹ گھر کی کھڑکی کے ساتھ چپکے سے کھڑے تھے۔ انہیں ٹکٹ ملنے تھے نہ ہی بسوں کے آنے جانے سے متعلق کوئی اطلاع ہو رہی تھی لیکن وہ منتظر بیٹھے ہوئے بابوؤں کے چہرے ہی تاکے جا رہے تھے۔

جھونپڑے سے بک اسٹال پر کچھ لڑکے فلمی پریوں کی تصویروں سے من بہلا رہے تھے۔ بک اسٹال کا مالک خود کوئی جاسوسی ناول پڑھنے میں مگن تھا پان بیڑی والے ایک کونے میں اکڑوں بیٹھے تھے۔ ان کا منہ نیچے زمین پر بیٹھا تھا اطمینان سے بیڑی پی رہا تھا اور دھواں بابو کی طرف لے رہا تھا۔

پھل والا اپنے چھابے میں امرود اور کیلے سجائے اونگھ رہا تھا۔ اس کے پاس کتنی دیر سے کوئی گاہک نہیں آیا تھا۔

میں بیٹھا بنچ کے اس پار ایک پچاس پچپن برس کے آدمی پر جا کر نگاہ ٹھہری جو اپنے زانوں پر بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اخبار تھا جسے اب وہ پڑھ نہیں رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا اخبار کو وہ کئی بار الٹ پلٹ کر پڑھ چکا تھا۔ اب اس میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہ گئی۔ وہ اپنے سگریٹ کے دھوئیں کو گھور رہا تھا۔ اس کے لئے وقت کاٹے کٹ نہیں رہا تھا۔ بلکہ وقت ہی اب اسے کاٹ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی جھریاں گہری ہو چکی تھیں۔ ضمیر جو موجود تھا [illegible] زندگی کی کوئی جھلک موجود نہیں تھی۔

میں نے سوچا یہ شخص ایسے لوگوں میں سال کے بعد دکھائی دیا تھا۔ وہ بہت بدل چکا تھا۔ اس کا چہرہ سر کے بال اور سراپا اس کی شخصیت ...!

وہ میری طرف متوجہ نہیں تھا اس لئے میں اس کا پیچھا ... میں لیٹا رہا۔ پھر سے لینا کے بارے میں سوچتا رہا جو اس کی بیوی تھی۔

دلی میں بچھو جو کمرے پچھلے ایک سے ... تھے۔ پھر بیٹھے بیٹھے اس کے فلیٹ پر تھا۔ یہ ایک بچھے تھے۔ پچھلا فرش پر چھ فٹ تھے۔ ان فلیٹوں میں کئی عورتیں بھی تھیں۔ طرح طرح کی۔ ... سب کے اسکیچ بنائے تھے میں نے۔ لینا ان سب میں ایسی تھی جو عورت تھی۔ اپنے لمبے بالوں اور شستہ سب جسم کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ ان ساحلی علاقوں کی ایک دلفریب مسکراہٹ بھی اس کے پاس تھی۔ جو بہت ہی اچھی لگتی تھی۔ گردن تک بھیگے ہوئے اور جیب ... چھپنے دکھانے والی سمندر کی طرح گہری نیلی اور اداس اداس آنکھیں بھی تھیں اس کے پاس۔ میں نے ایسا تیکھے رنگ کی ایسی دلکش عورت اور کہیں نہیں دیکھی۔

پہلے میں نے لینا کو چھپ چھپ کے دیکھ۔ سامنے ... ہی دل کو بہت سی جگہ لیتی تھی۔ ایک عجیب سا احساس کھڑکیوں پر موجود تھا۔ میں ... اس کے اسکیچ بنا رہا۔ دن کا بیشتر حصہ وہ بالکونی میں گزارتی تھی۔ جب وہ مہدی حسن کے ساتھ ... کی چائے پیتی تھی۔ ... مہدی حسن کو دفتر ... وقت جنگلے پر ... لٹکا لیتی تھی۔ کبھی کبھی بال سکھانے کے لئے دھوپ میں کرسی ڈال کر بیٹھ جاتی تھی۔ اور دوسری عورتوں کو ... کے لئے بھی ... تھی۔

میں نے اس کے بہت اسکیچ بنائے تھے۔ ان دنوں میں سندھی اور انگریزی کے دو ڈیلیز کے ساتھ وابستہ تھا۔ وہاں ... کے کئی خاکے چھپے تھے۔ لیکن کوئی بھی لینا کے بارے میں نہ جان سکا۔ ایک دن میں نے لینا کا پورٹریٹ بنانے کا ارادہ کر لیا۔ اس دن مجھے سخت بخار آیا تھا۔ لیکن میں اپنے کمرے سے نکل کر اس کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ اپنے ساتھ اس کے سارے ہی اسکیچ اٹھا لے گیا تھا۔

اس نے ایک عجیب مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ اپنے اسکیچ دیکھے تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔ اس انکشاف سے وہ بے حد مرعوب ہوئی کہ کوئی اسے ایک مدت سے چھپ چھپ کر دیکھتا رہا ہے۔ میں نے اس کا پورٹریٹ بنانے کی اجازت چاہی تو وہ گھبرا گئی۔ ڈر گئی۔ لیکن اس نے میری طرف سیدھی نظر سے دیکھا جس میں ... نہیں تھا۔ وہ سب سے چھپ کر میرے سامنے آ کر بیٹھنے کا خطرہ مول لے سکتی تھی۔

میں ایک عجیب سی مسرت سے کانپتا ہوا دو دو تین تین سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگتا ہوا اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ میرا کمرہ بہت گندہ رہتا تھا۔ ہر طرف گرد، کاغذات، کینوس، رنگوں کی شیشیاں، پنسلیں، برش، سگریٹ کی خالی ڈبیاں، کھانے کی جھوٹی پلیٹیں بکھری ہوئی اور شراب کی بوتلیں۔ مجھ سے ... جیسے کسی کباڑی کا اسٹور ہو!

لینا کے آنے تک میں کچھ بھی نہ ٹھیک کر سکا۔ وہ اچانک چلی آئی اور کمرے میں کھڑی ہو گئی۔ بکھری ہوئی چیزوں کے ٹھیک درمیان۔ وہ ہر چیز کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھنے لگی۔ جن کے ساتھ میں رہتا تھا۔

وہ مجھ سے ذرا الگ تھی۔ مجھے ... اس کی آنکھوں میں دیکھنا پڑتا تھا۔ میں نے اس کے سامنے خود کو کسی قدر جھینپا محسوس کیا۔ اسے جلدی سے بیٹھنے کے لئے کرسی دے دی۔ وہ بیٹھ گئی تو ... ذرا فاصلے پر جا کر دیکھنے لگا۔ اس کا جائزہ لینے لگا۔ اسے کس زاویے سے بٹھاؤں۔ وہ کس طرف دیکھے میری طرف یا کھڑکی سے باہر۔

اس وقت اس کے بال کھلے تھے۔ میں نے اس سے کہا "بالوں کو سمیٹ لیجئے" تو وہ بالوں کو جلدی جلدی ایک گٹھڑ کی طرح لپیٹ کر مسکرا دی۔

میں نے سوچا بال اس کے آگے پڑے ہوں تو وہ زیادہ جاذب نظر ہوگی۔ اس سے کہا "بال کھول کر آگے ڈال لیجئے تو ...!"

اس نے ویسا نہ کیا صرف مسکراتی رہی۔ چاہتی تھی میں خود ہی ویسا کروں۔ جیسا میں چاہتا تھا۔ میں نے اس کے پاس جا کر اس کے بال بکھیرے تو میرے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس سے قبل کسی عورت کے بال چھوتے وقت میری یہ کیفیت نہیں ہوئی تھی۔ وہ میری طرف بڑی بڑی اداس آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ بولی "آپ کو تو بخار ہے ...!"

اسے کوئی جواب دینے کے بجائے میں ایزل پر کینوس چڑھانے چلا گیا۔ وہ تب بھی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظروں سے بچنے کے لئے میں نے اسے کھڑکی کی طرف دیکھنے کے لئے کہا تو وہ میری مجبوری سمجھ کر مسکرا دی۔

وہ کئی روز تک آتی رہی۔ دن بہ دن جب پینٹنگ کا ہلکا ہلکا سا تصور درست ہوتا اور کچھ گہری دکھائی دیتی تو جیسے اُبھرتا چلا آتا۔ اس کا پورٹریٹ بنانے میں میں نے اپنی ساری محنت اور صلاحیت صرف کر دی۔ اس پورٹریٹ کو میں نے انتہائی شدت احساس کے ساتھ بنایا۔ اسی شدت احساس کے ساتھ جس میں اپنے ابتدائی وقت کے بعد ہو بھی شعور رہے ہوں گے۔ ٹرنر، ماڈرن، ونچی، مائیکل اینجلو، ریمبراں وغیرہ سے پیار تھا! جو پورٹریٹ ہونا تھا ایسا پورٹریٹ تو نہیں ہو سکتا تھا۔ اس پورٹریٹ کے لئے نا پختہ جذبات بھی موجود تھے۔ اپنی زندگی کے دور ہے ہود دھانت بھی۔ لیکن پھر بھی لیتا کے پورٹریٹ کو میں اپنی زندگی کا سب سے اچھا پورٹریٹ سمجھتا تھا۔ اسے بناتے وقت میرے تن من میں ایک ان کہی سی دوڑ تھی ہو جاتی۔ میں بار بار اس کی طرف دیکھتا اور اس کی سوا اس سرد آنکھیں، چہرے پر آئی ہوئی زلفیں تو میرے اندر ایک آگ اور بھی تیز ہو جاتی میری انگلیاں کانپنے لگتیں۔ اس سے پہلے کوئی عورت میرے جذبات پر اس طرح قابو نہیں پا سکی تھی۔ لیتا میرے لئے ایک معمہ بن گئی تھی۔ آرٹ کا غلبہ یا تخلیق اور تکمیل کا غلبہ۔ میں کہہ سکتا ہوں وہ میرے سامنے آنے سے پہلے ہی میرے ذہن کے کسی گوشے میں بیٹھی رہ جاتی تھی۔ جب میں اس کا پورٹریٹ بنا رہا تھا اس وقت بھی وہ میرے خوابوں میں رہتی تھی۔ لیکن اس کی شکل و صورت اس قدر صاف اور واضح دکھائی دیتی تھی کہ میں اس کے جسم کے سارے ذرات تک گن سکتا تھا۔ اس کی ساری دلربائی کینوس پر منتقل ہوتی چلی آئی تھی۔ جو بے حد خوشگوار بھی تھی اور بے حد پراسرار بھی۔ سراب اور حقیقت کا ایک امتزاج۔ جیسے خواب اور حقیقت کی کوئی عجیب سی مشابہت عمل میں آ سکتی ہے تو وہ مشابہت اس تصویر میں پوری طرح موجود تھی۔

جب تصویر مکمل ہو گئی اور میں برش کی نوک سے اس پر رنگ کا آخری نشان بھی لگا چکا تو یوں لگا میں نے محسوس کیا وہ میرے کاندھے پر سر رکھے سسک رہی ہے۔ اس کے رونے کا سبب میں نہ سمجھ سکا۔ میں اپنے جذبات میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ میرے لئے پورٹریٹ کے سامنے مزید کھڑے رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ مجھے یوں لگنے لگا جیسے میں شراب اور بیر کے سہارے کام کر رہا تھا۔ میں بہت کمزور ہو گیا تھا شاید۔ کہ لیکن میں نے خود کو گرنے سے بچایا۔ اسے بھی سہارا دیا اور ہم ایزل کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے۔

اس پورٹریٹ نے لیتا کے اپنے احساس حسن کو بڑی تقویت پہنچائی تھی۔ اس کی دلکشی کی تعریف کئی لوگوں نے کی تھی لیکن اس کی دلکشی کی عظمت کا اعتراف پہلی بار میں نے کیا تھا۔ اس اعتراف کے بعد وہ جان تک دے دینے کے لئے تیار نظر آئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی اس تصویر کی جب نمائش ہو اور لوگوں کی نظر خود لیتا پر بھی پڑے تو وہ کسی حسد کا شکار ہو جائیں۔ اس نے یہ بات اپنے لفظوں میں کہی تھی کہ تصویر کے مقابلے میں اس کی اپنی حقیقت کچھ نہیں ہے۔

وہ میری گود میں سر رکھ کر سسکتی رہی۔ اسے میں نے گلے سے لگایا۔ جذبات سے بہت دیر تک... اسے یقین دلانے کی کوشش کی کہ تصویر اتنی بڑی نہیں ہے جتنی تم سمجھتی ہو۔ تمہاری خوبصورتی اس کے سامنے ماند نہیں پڑ سکتی۔ تمہارے اندر جو خوبی ہے اسے تو ابھی دریافت کرنا ہے۔ اسے نئے زاویوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ مجھے بھی وہ سب زاویے معلوم کرنے ہیں جو اب تک کی بنائی تصویروں پر سبقت لے جائیں۔"

اُسے میری باتوں پر یقین نہ آیا۔ اگرچہ وہ میری خواہش پر کئی بار میرے سامنے گھنٹوں بیٹھی۔ میں نے اس کے کئی پورٹریٹ بنائے۔ اس نے اپنا سب کچھ میرے حوالے کر دیا تھا۔ وہ اپنا سب کچھ اب میرا ہی سمجھتی تھی۔ اس پر میرا بھی اتنا ہی حق تھا جتنا اس کے شوہر کا تھا۔ مجھے اس کے اور میرے تعلقات کا کوئی علم نہیں تھا۔ نہ ہی ان دنوں دیر تک... کسی کا پتہ تھا جو میری شہرت کا باعث بن رہے تھے۔ ہم دونوں کسی خوف یا احساس گناہ کا شکار بھی نہیں ہوئے۔ جیسے سب کچھ ایک معمول کے مطابق چلتا رہا۔ جیسے زندگی کا اپنا معمول ہوتا ہے جیسے حالات اپنے طور پر رونما ہوتے رہتے ہیں۔ دل و دماغ کو مطمئن کرنے والی ایک نیت کے ساتھ۔ بنا کسی رکاوٹ کے اپنا رستہ چلا کے۔!

پچھلے سے زیادہ خوبصورت بنانے پڑے ہیں کہ کسی ایک سے بھی مطمئن نہ ہو سکا۔ وہ پھر پر مبنی تھی کہ مجھے شکست دینے کے لئے کتنی لیکن پھر اس کا ایک بھی پورٹریٹ اس تصویر سے بہتر معلوم نہیں ہوتا تھا۔ مجھے میری ناکامی کا احساس تھا۔ اس کے ذہن کے اضطراب بھرے چہرے کو میں اس کی کامیابی سے تعبیر نہ کر سکا جیسے اسے بچھڑے گی وہ کیفیت اب میری گرفت سے باہر ہو چکی تھی۔ اس کی خوبصورتی کو اس کی جلد میں سے ایک بار پھر نکال کر جیسے چھین لیا تھا، ... اور ... ایک بار ایسا پورٹریٹ بنا سکے جس کے چہرے ... شکل ... مسکراہٹ ہونٹوں پر

پہچان بن گئی ہے۔ جب تک وہ میرے جسم میں داخل نہیں ہوتا تھا میری انگلیاں ایک عجیب سی تھرتھراہٹ لئے ہوئے کام کرتی رہتی تھیں۔

ایک روز میں کسی خاص رنگ کی تلاش میں تھا وہ نیوب بہت بے ہاتھ میں نے ..... سے چھوٹ کر ایک کونے میں جا پڑا تھا۔ میں نے اسے کرسی کو سرکا کر دیا۔ کرسی کا گھسٹنا بھی برداشت ہی نہ ہو سکا تھا۔ لیکن اب تک اس وقت دور بورش کا یقین نہیں ہوتا تھا۔ صرف احساسات کا یقین ہوتا تھا کہ جسموں کے اتصال سے خیالات کا اتصال کہیں زیادہ ..... ہے۔ کہیں زیادہ موثر اور حقیقی ہے۔

کوئی اور آتی بھی تصویر نہ بنا سکنے پر میں مایوس ہو گیا۔ میں نے اس ..... کو چھوڑ دیا۔ اپنی شاہکار تصویر ایک آرٹ گیلری کے حوالے کر کے اپنی ..... ہیں۔ تھوڑی پرورش جو باقی رہی تھی میں نے وہ بھی چھوڑ دی۔ میرے اچانک چلے جانے سے شیلا بہت حیران ہوئی ہوگی۔ اس کا یہ رویہ بہت عجیب سا ہوگا۔ میں واقعی ایک عجیب سی ذہنی کیفیت میں مبتلا تھا میں نے ..... کا سفر طے کیا۔ جگہ جگہ گاڑیاں اور پہاڑ .....
..... کر۔ سیلاب کی طرح رکا اور ایک دن جڑواں بھائی جیسے ..... جیل میں بند کر دیا۔ جب ..... تو پھر آوارہ گردی اختیار کر لی۔ اس طرح سفر کرتا رہا کبھی گاڑی سے کبھی پیدل بھی۔ کبھی کبھی کسی راہ رو کی مہربانی سے کار یا ٹرک سے بھی گیا۔

میں ہندوستان سے باہر چلا گیا۔ کئی ملکوں میں رہا ..... جاپان، روم، فرانس، امریکہ۔ وہاں بہت سے لوگ دیکھے۔ بہت سے لوگ ملے۔ بہت سے آرٹسٹ اور بہت سی عورتیں جو شیلا سے زیادہ خوبصورت تھیں، زیادہ نرم اور خوشبودار اور صحت مند اور باشعور تھیں۔ اور ذہین تھیں اور آزاد تھیں۔ آدمی اور عورت کے تعلقات ..... حقیقت پسند بھی تھیں لیکن ان میں شیلا کا بدل ایک بھی نہیں تھی۔ میں نے شیلا کو ہمیشہ یاد رکھا۔ اسے بھلانے کی کوشش بھی بے حد کی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

جب پھر میں اپنے وطن میں تھا ایک دن اسٹیشن پر اچانک ..... کو دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ لیکن میں اپنی حیرت اور خوشی کا جذبہ اس کا الجھا بنا رہا۔ جب اس نے اپنی محبت سے سلام کیا تو میں نے بھی ہاتھ روک لیا۔ ..... بند کر کے اور اپنا ہینڈ بیگ کاندھے سے لٹکا کر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

مجھے دیکھ کر وہ بھی حیران ہوا تھا۔ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ کر بولا "اچھا، تم دیوانہ آرٹسٹ ہو، وہی نا جو دلّی میں ہمارے ساتھ پڑھتے تھے دیوانہ۔"

میں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس نے پوچھا: "آج کل کہاں رہتے ہو؟ ادھر کیسے تشریف لے آئے؟"

میں نے اُسے بتایا: "آج کل بمبئی کی ایک ٹیکسٹائل مل کے لئے ڈیزائن بناتا ہوں۔ بمبئی کے لئے اب کچھ دیر جا رہا تھا بارش کی وجہ سے بس نہیں مل رہی ہے۔"

"میں بھی دہلی جا رہا ہوں آؤ بیٹھو۔"

اس نے اپنے ٹرنک پر سر رکھ کر تھوڑی سی جگہ میرے لئے بھی پیدا کی۔ لیکن میں نے کہا "چلئے کہیں بیٹھ کر کافی پی جائے۔ یہاں تو وقت گذارنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ بس نہ جانے کب تک آئے۔"

"بس آئے گی تو ضرور۔ بتاتے ہیں کچھ گھنٹے لیٹ ہے۔"

وہ میرے ساتھ چلنے پر تیار ہو گیا۔ اس کا سامان بکنگ آفس میں رکھوا دیا گیا۔ جب ہم باہر آئے تو وہ بولا "میرے پاس وہسکی ہے کچھ تم بھی پیو گے؟"

میں نے انکار نہ کیا۔ ..... سگریٹ کر ہم تانگے میں جا بیٹھے۔ بس اسٹینڈ اور سرکٹ ہاؤس تک کئی میل تھے۔ جب ہم مزید تھے کچھ ..... شوق سے اور ..... کے شوق سے لوٹتے ہوئے ..... جگہ جگہ گئے۔

"میں بھی اب دلّی میں نہیں رہتا۔ جب سے میری بیوی کا انتقال ہوا ہے۔"

..... حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ یقین نہ آیا۔ اس نے شیلا کے بارے میں یہ کہا ہے۔ لیکن میں نے اپنی حیرانی ایک پھیکی جھینپ

پالا گھونٹ میں حلق کے نیچے اتر رہی تھی لیکن تب بھی میرے دل کو جیسے کسی نے شہد میں ڈبو دیا تھا۔

شاید وہ بے ہوش ہو رہا تھا۔ اس مکان میں میرے ساتھ رہا تھا۔ آتے جاتے کبھی نظر آ جاتا وجود کبھی بڑا۔۔

میں نے ایک گھونٹ اور لیا۔ لیکن کچھ نہیں۔

اس کی عورت نے کہا آپ سے معافی چاہتی ہے۔ جو جانتے ہو [illegible] لیکن ہم نے شادی ایک لڑکی سے کی جو ساتھ رہنے والی تھی۔ در اصل مجھے اس سے محبت ہو گئی تھی۔ لیکن پہلی نظر میں نہیں۔

وہ ہنسنے لگا۔ میں پہلی نظر کی محبت کا قائل نہیں ہوں۔ پہلی نظر تو بس چونکا دیتی ہے۔ ایک نیا لمحہ دیتی ہے خواب دیکھنے کا وقت ہی لیکن جب جسم کی کشش اپنی طرف کھینچتی ہے تبھی دوسرے کے دل میں محبت کی پیاس جاگ جاتی ہے

میں کچھ دیر کے لئے کو چپ رہا تھا یہ شاید مجھے وہیں ملی تھی [illegible] شہر کے لوگوں کے لئے اس کے اندر بڑی کشش تھی۔ اس نے میرے سامنے ہم لوگوں کی بہت تعریف کی۔ [illegible] ساتھ رہنے کا ارادہ [illegible] ہم ایک دوسرے سے عشق کرنے لگے۔

یہ بتاتے وقت اس کا چہرہ جیسے پر ملال اور غمگین تھا [illegible] اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن وہ اور زیادہ افسردہ ہو گیا۔ اس کے ہونٹ کانپنے لگے اور چہرے کے بالوں کے پیچھے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اس کے اس طرح رو پڑنے کا مجھے پتہ نہ تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا وہ اپنی عورت سے اتنا زیادہ لگاؤ رکھتا ہے۔ میں نے فوراً سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے تسلی دینے لگا۔

روتے روتے وہ خود ہی چپ ہو گیا۔ اب اس کی آواز پہلے سے زیادہ بھاری اور دردناک تھی۔ میں جب اپنے عشق کی بات کرتا ہوں تو مجھے کتنے ہی مشہور لوگوں کے قصے یاد آ جاتے ہیں۔ ہمارے عشق کسی کے عشق سے کم نہیں تھے۔ ہم ایک دوسرے کے لئے ترستے تھے۔ جب ملتے تو بگلوں کی طرح ایک دوسرے سے لپٹ جاتے۔ بعض لوگ میرے جیسے قد پر ہنستے ہیں۔ لیکن اس نے میری اونچائی کو ہمیشہ پسندیدگی سے دیکھا ہمیشہ تعریف کی وہ خود بھی تو لمبی تھی۔ عام ہندوستانی عورتوں سے اونچی اور دلکش۔ اس کا رنگ [illegible] تو اس کا شمار دنیا کی حسین ترین عورتوں میں ہو سکتا تھا لیکن میرے لئے تو حسین ترین ہی تھی۔ مجھے معلوم تھا لوگ اس کی طرف پلٹ پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اس کے ساتھ بات کرنے کے لئے ترستے تھے بعض اس پر شعر بھی کہتے تھے۔ کچھ لوگوں نے اس کے قریب ہونے کے لئے مجھ سے دوستی پیدا کرنا چاہی تھی۔ لیکن وہ بے حد نیک اور ذہین تھی۔

اس کی آواز اور بھی بھاری ہو گئی۔ اس کا گلا بھر آیا۔ وہ کچھ دیر کو خاموش رہا۔ میں گھونٹ اور پیتے پھر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

میں گشتوں پر کا غذ بھیجنے کی پنسل چلاتا رہا۔ اس کی باتیں بجلی کی طرح میرے دل میں چبھ رہی تھیں۔ وہ آدمی مجھے بہت اچھا معلوم ہوا۔ بہت بھلا اس سے الگ ہو جانے کو جی نہ چاہا۔

اس کا چہرہ اپنی پوری متانت کے ساتھ ابھر رہا تھا۔ اپنی شخصیت کے سچے سنجیدہ اور ملائم تاثر کے ساتھ۔ اس نے اپنے لئے ایک پیگ اور بنا لیا۔ میں اپنی بیوی کی پاکیزگی کی تعریف کر رہا تھا۔ پاکیزگی کے بارے میں میرا تصور وہی ہے جو عام آدمی کا ہے۔ پاکیزگی کے بارے میں یہ تصور ہر کہیں ایک سا ہے۔ پاکیزگی دراصل مرد کی فوقیت اور اس کے دباؤ کی علامت ہے۔ مرد اور عورت کی بنیادی خواہشات اور ضروریات میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ میں نے اپنا کوئی کسی سے ملنے سے نہیں روکا تھا۔ کبھی اس پر پابندی نہیں لگائی تھی نہ کبھی اس پر کڑی نگاہ رکھی تھی۔ اگر آپ اس سے ملے ہوتے۔ آپ دونوں کی دوستی ہو گئی ہوتی تب بھی مجھے کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ کیونکہ مجھے یقین تھا وہ مجھ سے بے انتہا محبت کرتی ہے۔ جب بیوی سے پیار کیا جائے تو [illegible] مجھے اس کا احساس ہمیشہ رہا۔ وہ میری خدمت پوری طرح کرتی تھی۔ میں نے ایسی شکایت کیوں نہیں کی؟ کیوں ایسا نہیں ہوتا؟

وہ کچھ دیر [illegible] میں اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ اس کے آنسو آ گئے۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے آنسو پونچھ ڈالے شراب کا ایک گھونٹ

بہار، ستارے، سائے اور بیشمار رنگوں و صورتوں کا ایک بادل سا تان لیا۔ جب پورٹریٹ کے قابل ہوا تو لیا۔ ایک دن اچانک میں نے اس کے مزاج میں ایک عجیب سی تبدیلی دیکھی۔ اس نے اپنی سب تصویریں دیواروں سے اتار اتار کر توڑ ڈالیں اور پھاڑ دیں۔ یہ سب کی سب ٹوٹ کر فرش پر بکھری ہوئی تھیں۔ کہنے لگی: مجھے کوئی تصویر اچھی نہیں لگتی۔ میں انہیں دیکھنا تک نہیں چاہتی۔

میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اپنی تصویروں کو وہ بہت ہی پسند کرتی تھی۔ اب اچانک اسے اُن سے دشمنی کیوں ہو گئی۔

میں نے اس کی تصویریں اتروانے کا وعدہ کیا۔ کئی اچھے فوٹو بنانے والوں کے نام لیے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ میں نے دو ایک آرٹسٹوں کو بھی مدعو کیا تاکہ وہ اس کا پورٹریٹ بنائیں۔ انہیں بہت سا روپیہ دیا لیکن لیکا نے ان کی بنائی ہوئی تصویریں بھی ناپسند کیں۔"

"ایک دن کسی نمائش میں میں نے ایک عورت کا پورٹریٹ دیکھا جو ہو بہو لیکا کا لگتا تھا۔ میں تو دیکھتے ہی دنگ رہ گیا۔ اسے خرید کر گھر لے گیا۔ مجھے یقین تھا اسے دیکھ کر لیکا بھی حیران رہ جائے گی۔ خوش بھی ہو گی۔ لیکن اسے دیکھتے ہی جانتے ہو اس نے کیا کہا؟"

میرے سامنے ایک سوالیہ نشان سا کھڑا کر کے خاموش ہو گیا۔ اس کے لب کپکپانے لگے۔ اس کے چہرے پر اتھاہ کرب نمودار ہو گیا جیسے وہ بکھر رہا تھا۔ میرا جی کانپنے لگا۔ لیکن اس نے کچھ طاقت جمع کر کے کہا۔ "لیکا اس تصویر کو دیکھتے ہی چیخ اٹھی۔ نہیں یہ تصویر میری نہیں ہے۔ میری نہیں ہے! اور اس نے تصویر پھاڑ دی۔ اور خود بھی گر گئی اور ختم ہو گئی! ہمیشہ کے لئے!"

میں بہت دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ وہ جلدی جلدی گلاس میں سے بچی ہوئی پی رہا تھا۔ شراب ختم کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بولا "میں چلتا ہوں۔ بہت دیر ہو گئی۔"

وہ جلدی سے باہر نکل گیا۔ میں نے ایک نظر اپنے سامنے رکھے ہوئے پورٹریٹ پر ڈالی۔ پورٹریٹ مکمل ہو چکا تھا۔ لیکا کے پورٹریٹ کی طرح موثر تھا۔ حقیقی بھی تھا۔ جو کچھ وہ کہتا رہا تھا وہ سب بھی اس میں موجود تھا۔

رفعت سروش

روشنی کی نہر

ں ازل سے نُور کا پیغامبر
ں ابد کا چشمۂ آبِ بقا
ں ہمیشہ موت سے لڑتا رہا
ہاری نظریں تھیں ہادی نُور کی
ج اندھیرا ہے فضاؤں پر محیط
اندھیرا موت کا ہم رنگ بیشک ہے مگر
س اندھیرے میں نہاں کچھ نُور کے دھارے بھی ہیں
ندگی کے سوز کے سیّال انگارے بھی ہیں

ں پُرانا بادہ کش
سے پہلے بھی مجھے پینے پڑے آتش نشاں
سے پہلے بھی مجھے پینی پڑی ہیں بجلیاں
ت نے کب پائی ہے مجھ سے اماں
ج پھر میں قطرہ قطرہ پی رہا ہوں زندگی کے زہر کو
من کے قہر کو
اگل ڈالوں گا میں لیکن روشنی کی نہر کو

رحمان جامی

سرگوشیاں

یہ اندھیروں کی سرگوشیاں
اُن اُجالوں کے بارے میں
جو میرے حصّے میں آئے ہوئے ہیں
بہت تیز تر ہیں

اور اب میں بھی چپکے سے سرگوشیوں کو
(ذرا ان اندھیروں سے ہٹ کر)
کھڑا سن رہا ہوں
مگر مطمئن ہوں
مجھے ان کی سازش سے خطرہ نہیں ہے
کہ میں تیرہ راہوں سے واقف ہوں
جن میں کئی قافلے کھو گئے ہیں
مگر میں بہرحال ان تیرہ راہوں میں
کھو کر بھی اک روشنی پا گیا ہوں
بھٹک کر خود اپنا ہی رہبر بنا ہوں
کئی منزلوں کے نشاں جانتا ہوں
مری جستجو، میرا حاصل ہے
میں راہبر ہوں

اور اب یہ اندھیروں کی سرگوشیاں
اُن اُجالوں کے بارے میں
جو میرے حصّے میں آئے ہوئے ہیں
جنھیں میں نے اپنے تجسّس سے حاصل کیا ہے
بہت تیز تھیں
لیکن اب سرد سے سرد تر پڑ چکی ہیں



سالنامہ ۱۹۹۳ (۵۱) شاعر بمبئی

طنز و مزاح

کنہیا لال کپور

آغا صاحب

Principal

Phone 26

D. M. College,
MOGA (Punjab)

D/ 17.12. 1965

علامہ اعجاز صدیقی و مولانا مہر زادہ صاحبان!

بعد تسلیم!

آپ کے متعدد نوازش نامے۔ محبت نامے۔ شکایت نامے ملے۔ ان کے علاوہ "شاعر" بھی ملتا رہا۔ لیکن اس کم بخت کو ہی وقت نہ ملا کہ آپ کے کسی خط کا جواب دے سکوں۔ گنہگار ہوں۔ شرمسار ہوں۔ یعنی "زندانِ ندامت" میں گرفتار ہوں۔ معذرت چاہتا ہوں۔ سب گناہ آپ کی محبت کے زور پر کیے ہیں۔ یہ بھی جانتا ہوں اگر آپ مجھے "سزا" دیجئے تو پھر گستاخی معاف، دوزخی کسے ٹھہرائیے گا۔

یہ گنہگار کو جو بخش دیا
تو جہنم کو کیا دیا تو نے!

ایک خاکہ بعنوان "آغا صاحب" "شاعر" کے لیے بھجوا رہا ہوں۔ شاید آپ کو پسند آئے۔ اس میں رنگ خود بھرئیے گا یعنی اس کی نوک پلک سنوار لیجئے گا۔ آپ کی نظمیں اور مضامین کی کہانیاں اکثر پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ مگر انہیں پڑھ کر آپ دونوں پر رشک، اور بعض اوقات آپ پر غصہ آتا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے این سعادت بزور بازو نیست۔

خدا آپ کو اور شاعر کو زندہ رکھے۔ کرشن چندر صاحب کو میرا سلام پہنچا دیجئے گا اور کہئے پیام کی۔ کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔

دوبارہ معذرت کے ساتھ۔ آپ دونوں کا دور افتادہ مداح

ک: لال کپور۔ مرحوم و مغفور!!

یوں تو آغا صاحب نے سامنے سے مشورہ رکھا تھا، جس کا نام اُسی کو سانجھے۔ لیکن اُن کا خیال تھا کہ بہت ہی کہنہ اور قوموں کی طرح یہ کہاوت بھی ایک ڈھکوسلا ہے۔ چنانچہ جب روزنامہ "پامال" کے شیخ اکبر علی نے انھیں ادارت کے فرائض انجام دینے کے لئے کہا، حالانکہ انھیں اخبار نویسی کا کوئی تجربہ نہیں تھا، انھوں نے فوراً یہ پیشکش منظور کرلی اور پروفیسری سے استعفا دے دیا۔

اخبار کا چارج لینے کے بعد انھیں محسوس ہوا اس کا نام کچھ عجیب سا ہے۔ انھوں نے ایک نرخشندہ و دُرخشندہ کی مثل پیدا ضروری کا طرح پہلا کرتے ہوئے اخبار کا نام "پامال" سے "کمال" ... نیا نام اُن کے علاوہ اُن کے اسسٹنٹ ایڈیٹروں کو بہت پسند آیا لیکن خدا جانے پریس برانچ والوں کو اس نام سے کیا چڑ تھی۔ انھوں نے آغا صاحب کے نام ایک نوٹس جاری کردیا۔ آپ نے بیاڈکلریشن داخل کئے بغیر اخبار کا نام بدل دیا ہے۔ اس لئے زیر دفعہ فلاں آپ پر مقدمہ چلایا جائے گا۔ آغا صاحب بہت سٹپٹائے کہ یہ کیا ماجرا ہے ... شیخ صاحب کی ... بیان کا اعلان نوٹس منسوخ کردیا جائے۔ بڑی مشکل سے اس شرط پر ... ہوئے کہ جب تک نیا ڈکلریشن منظور نہیں ہوتا، اخبار بند رہے گا۔

اخبار کے دوبارہ جاری ہونے پر ... آغا صاحب کو سب سے زیادہ مشکل نظر آیا۔ وہ ہر روز ایڈیٹوریل لکھنے کا تھا۔ آغا صاحب اُن لوگوں میں سے تھے جو کبھی کبھار ایک آدھ مضمون ضرور لکھ لیتے ہیں۔ لیکن یہاں تو ہر روز ایک نہ ایک موضوع پر طبع آزمائی کرنا تھا۔ اس مصیبت سے بچنے کے لئے انھوں نے اپنے پہلے اداریے میں اعلان کیا۔ ہمیں خشک اور غیر دلچسپ اداریوں سے سخت نفرت ہے۔ ہم اس وقت تک کسی موضوع پر قلم نہیں اٹھائیں گے جب تک وہ واقعی دلچسپ نہ ہو۔ آئندہ ہم اداریے کے بجائے مشہور شعراء کے لطائف شائع کیا کریں گے۔ اس کی ابتدا انھوں نے غالب اور ذوق کے لطائف سے کی اور وعدہ کیا کہ اگلی اشاعت میں قارئین کی ضیافت طبع انشاء اور مصحفی کے لطائف سے کی جائے گی۔ جو لطائف غالب اور ذوق سے منسوب کئے گئے۔ اُن میں سے تین یہ تھے۔

۱۔ ایک دفعہ ذوق نے غالب کو اپنا مشہور مصرع سنایا۔ "کون جائے ذوق پر دلّی کی گلیاں چھوڑ کر"۔ غالب نے برجستہ کہا۔
"ہم نے یہ مانا۔ یہی دلّی میں پر کھائیں گے کیا؟"

۲۔ ایک دن ذوق نے غالب سے فرمائش کی۔ میرے اس مصرع پر گرہ لگائیے ع ہو عمر خضر بھی تو کہیں گے بوقتِ مرگ۔
غالب نے فوراً گرہ لگائی ع نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہیں رکاب میں

۳۔ غالب غزل سنا رہے تھے۔ جب انھوں نے یہ مصرع پڑھا ع غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
تو زوروں کی داد ملی۔ ذوق سے نہ رہا گیا۔ انھوں نے پکار کر کہا ع چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔

پانچ سات دن یہ سلسلہ خوب چلا۔ اس کے بعد شیخ اکبر علی کو خطوط موصول ہونے لگے۔ یہ کیا مذاق ہے۔ اداریے کے بجائے خود ساختہ اور بے ہودہ لطائف کیوں شائع کئے جا رہے ہیں۔ شیخ صاحب نے آغا صاحب کو فہمائش کی کہ آئندہ لطائف کے بجائے اداریہ شائع کیا جائے۔

اُس سے اگلے دن۔ آغا صاحب نے بڑے طمطراق سے اپنے سکریٹری کو امن اور جنگ کے موضوع پر اداریہ لکھوانا شروع کیا۔ سگریٹ کے چند کش لگانے کے بعد انھوں نے کہا "لکھو۔ اس وقت سارا عالم جنگ سے بیزار اور امن کا خواہاں ہے۔ عالمی امن قائم ہوسکتا ہے بشرطیکہ ... بشرطیکہ"

سکریٹری نے پوچھا "بشرطیکہ ..."

آغا صاحب نے دماغ پر زور دے کر جواب دیا "بشرطیکہ یعنی بشرطیکہ ..."

"آپ کا مطلب ہے بشرطیکہ تمام ممالک ایک دوسرے کے ساتھ شریف ہمسایوں کی طرح رہیں۔"

"ہاں ہاں ہاں بالکل یہی مطلب ہے۔"

سکریٹری نے یہ فقرہ لکھنے کے بعد پوچھا "اس کے آگے؟"

"اس کے آگے لکھو اور لکھو ... اور لکھو ..."

"جی لکھ لیا"

"ہاں [illegible] ... اور لکھو"

"آپ شاید یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے علاقے کو ہتھیانے کی کوشش نہ کریں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے یہی لکھ دو۔"

"اس کے بعد؟"

"اس کے بعد لکھو۔ اور وہ ..... اور یہ سب قومیں ... یعنی دنیا کے مختلف ممالک ..."

سکریٹری نے لقمہ دیتے ہوئے کہا "ایٹم بم بنانے اور چلانے سے احتراز کریں۔"

آغا صاحب اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے بولے "واہ یار تم سکریٹری نہیں اچھے خاصے ایڈیٹر ہو۔ بس ... باقی کا حصہ اپنے گھر سے بیٹھ کر لکھو۔ جب ایڈیٹوریل مکمل ہو جائے تو کاتب کو بھجوا دو۔ ہم تمہارے چھپانے بھجوانے کا بندوبست کرتے ہیں۔"

چند دن آغا صاحب اسی طریقہ پر عمل کرتے رہے یعنی ایڈیٹوریل کا پہلا فقرہ لکھتے ... باقی کلرک حوالے ... شیخ صاحب نے آ میں مسکرایا اور کہا کہ متعدد قارئین نے شکایت کی ہے کہ "پاتال" کے ایڈیٹوریل کسی مکتدی کے لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ آغا صاحب نے شیخ صاحب کو یقین دلایا کہ انشاءاللہ آئندہ قارئین کو یہ شکایت نہیں ہوگی۔ دفتر میں آکر انھوں نے اپنے سکریٹری کو ڈانٹ بتایا ... سب تمہاری شرارت معلوم ہوتی ہے۔ تم جان بوجھ کر فضول سا ایڈیٹوریل لکھتے ہو۔ اس نے اپنی صفائی میں کہا ... میرے پاس جو آغا صاحب کا اب ... دو سو منٹ ہیں کی ایک کتاب ہے۔ بہت سے فقرے میں اس میں سے نقل کرتا ہوں۔"

"یہ نہایت غیر مناسب حرکت ہے۔ تمہارا نہیں تو کاپی رائٹ کا کچھ خیال کیا ہوتا۔"

"معاف ... آئندہ ایڈیٹوریل آپ خود لکھ لیجئے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن ہر روز لکھنے کا بیڑہ بھی کون اٹھائے۔ کیا تم کوئی اور تدبیر نہیں سوچ سکتے۔"

"ایک تدبیر بھی ہے اگر آپ کو پسند ہو تو۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"میرے پاس روزنامہ "مجال" کی جسے بند ہوئے پانچ سال ہوئے ہیں مکمل فائل ہے۔ اگر آپ اس میں سے چیدہ چیدہ ایڈیٹوریل نقل کر دیں تو۔"

"لیکن اگر کسی کو پتہ چل گیا۔"

"پتہ کیسے چلے گا، قارئین کا حافظہ اتنا تیز نہیں ہوتا۔"

"لیکن آج کے ایڈیٹوریل کا کیا بنے گا؟"

"آج آپ کسی معاصر کے ... ایڈیٹوریل کو دو دن میں حرف بحرف نقل کر دیجئے۔"

"ٹھیک ... ہو گا۔"

"بالکل نہیں۔ آخر میں آپ ... لکھ دیجئے کہ ہمیں معاصر کے مندرجہ بالا خیالات سے سو فی صد اتفاق ہے۔"

ایک ہفتے کے بعد آغا صاحب کو "مجال" کے سابق ایڈیٹر سے ایک شکایتی خط موصول ہوا کہ وہ ہر روز ان کے اداریے اپنے نام سے شائع کر رہے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ بند نہ کیا گیا اور تحریری معافی نہ مانگی گئی تو معاملہ عدالت میں لے جایا جائے گا۔ کوئی اور چارہ کار نہ دیکھتے ہوئے آغا صاحب نے اپنے اخبار میں معذرت شائع کر دی۔ "کاتب کی غلطی سے ہمارے اخبار میں "مجال" کے اداریے چھپتے رہے ہیں۔ ہمیں اس غلطی کا سخت افسوس ہے۔"

اس سانحہ کے بعد آغا صاحب نے یہی مناسب سمجھا کہ ایڈیٹوریل کا مسئلہ حل کرنے کے لئے حاجی نبی بخش اسسٹنٹ ایڈیٹر "جریدہ" کی خدمات حاصل کی جائیں۔ موصوف نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ صرف ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار پر "پاتال" کے لئے ایڈیٹوریل لکھنا منظور کر لیا۔

ایک دن آغا صاحب کے دونوں اسسٹنٹ ایڈیٹر چھٹی پر چلے گئے۔ اس دن اُنھیں خبریں مرتب کرنے کا کام بھی کرنا پڑا۔ بڑی مشکل سے اُنھوں نے پہلا صفحہ مرتب کیا۔ اس کے بعد انھیں تھکاوٹ سی محسوس ہوئی اور وہ صوفے پر دراز ہو گئے۔ جب اُن کی آنکھ کھلی تو کاتب نے مزید مواد کا مطالبہ کیا۔ اُنھوں نے جھلا کر کہا۔ "کیا ابھی تک اخبار مکمل نہیں ہوا؟" کاتب نے جواب دیا: "ابھی تو تین صفحے باقی ہیں۔"

"تین صفحے! تو انھیں کیسے پُر کیا جائے گا؟"

"یہ تو جناب بہتر جانتے ہیں۔"

"اچھا یوں کرو کہ ان تینوں صفحوں پر "اسٹاپ پریس" لکھ کر انھیں خالی چھوڑ دو۔"

"جناب اسٹاپ پریس کے لئے اتنی جگہ نہیں چھوڑی جاتی۔"

"خواہ مخواہ کی تکرار مت کرو۔"

کاتب نے اُن کے حکم کی تعمیل کی۔ جب دوسرے دن پرچہ شیخ صاحب کے ہاتھ میں پہنچا تو اُنھوں نے آغا صاحب کو فوراً اپنے کمرے میں حاضر ہونے کو کہا۔ آغا صاحب کو دیکھتے ہی وہ گرج کر بولے "یہ کیا حرکت ہے؟ اسٹاپ پریس کے لئے تین صفحے! کام چوری کی حد ہو گئی۔" آغا صاحب نے اُنھیں سمجھانے کی کوشش کی۔ "آج کل بین الاقوامی صورتِ حال بڑی تشویش ناک ہے۔ کسی وقت بھی کسی ملک کے رہبرِ اعظم کے بیان کی توقع کی جا سکتی ہے۔ چونکہ ایسے بیانات عموماً طویل ہوتے ہیں۔ اس لئے احتیاطاً تین صفحے خالی رہنے دئے تھے۔" شیخ صاحب کی تسلی نہ ہوئی۔ اُنھوں نے میز پر مکا مارتے ہوئے کہا۔ "ہم ایسے فضول بہانے سننے کے لئے تیار نہیں۔ آپ کو برخاست کیا جاتا ہے۔"

آغا صاحب نے بڑی نرمی سے کہا: "شیخ صاحب! سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے۔ لیکن جان کی امان پاؤں تو عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے ہمارے ساتھ وہی سلوک کیا ہے جس کا شکوہ اس شعر میں کیا گیا ہے ؎

میں بھی کوئی چیز تھا لیکن نہ پہچانا مجھے بندہ پرور! قدر ہی تم نے نہیں جانی مری

سید حرمت الاکرام

افسانۂ آدم

شکوۂ نیرنگیٔ عالم لئے جاتا ہوں میں — دل پہ اور اک زخمِ بے مرہم لئے جاتا ہوں میں
حادثوں کی برق پرور آندھیوں کے سامنے — زیست کا شیرازۂ برہم لئے جاتا ہوں میں
شوخیٔ حالات کا ہے کچھ تقاضا ہی عجیب — تلخیٔ احساسِ کیف و کم لئے جاتا ہوں میں
سعیٔ پیہم بھی رہی محرومِ کیفِ زندگی — لذتِ ناکامیٔ پیہم لئے جاتا ہوں میں
کھو کے تیری بزم میں سرمایۂ صبر و سکوں — آخرش آخر اپنی چشمِ نم لئے جاتا ہوں میں
تیرے نغموں کی کھنک پہنچی کہاں تک خلدِ گوش — اپنے سازِ دل کا زیر و بم لئے جاتا ہوں میں
طعنہ زن ہیں مجھ پہ میری منزلوں کی وسعتیں — اجنبی راہوں کے پیچ و خم لئے جاتا ہوں میں
سونپ کر تیرے لبوں کو خندۂ گل کی بہار — اپنی خاطر گریۂ شبنم لئے جاتا ہوں میں
یاد آنے کی تمنا یاد کرنے کا جنوں — اک نیا کیف اک نیا عالم لئے جاتا ہوں میں

تیرے دامن کو بنا کر اپنے اشکوں کا امیں
اپنے غم کا اک نیا محرم لئے جاتا ہوں میں

رہنے گی اس سادہ لوحی کو مسیحائی تری — شہد کا جویا تھا لیکن سم لئے جاتا ہوں میں
روح میں اپنی سمو کر تیرا دردِ لازوال — دولتِ پائندگیٔ غم لئے جاتا ہوں میں
ہو ہی جائے گی ادا شرطِ وفا کی رسم بھی — کیا ہے، اگر اک قصۂ مبہم لئے جاتا ہوں میں
کچھ نہ پا کر بھی ترا ممنون ہونا تھا مجھے — دین ہے تیری کہ تیرا غم لئے جاتا ہوں میں
حسن کے خاموش وعدو! تم کو رہنا ہے گواہ — دو دلوں کا رشتۂ محکم لئے جاتا ہوں میں

حرمت اس فردوس سے خونِ تمنا کے عوض
سرخیٔ افسانۂ آدم لئے جاتا ہوں میں

ندا فاضلی

اپولونیر کی تصویری نظمیں

فرانسیسی شاعر فطری طور پر نہایت تیز اور حساس واقع ہوا ہے۔ مجموعی طور پر دنیا کا سچا احساس اور نبی نوع کی تخلیقوں کی شعوری پہچان فرانسیسی ادب و آرٹ کی نمایاں خصوصیات رہی ہیں۔ جمالیاتی تحریکات سے متاثر ہونے میں فرانس نے عہد جدید میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ زندگی، وقت اور شعور کے متوازن امتزاج کو [illegible] ہے۔ ماحول کا ہر اُتار چڑھاؤ زندہ ادب میں پارے کی لکیر کی طرح اپنی رفتار تشخیص کرتا رہتا ہے۔ ادب بھی جتنی پھرتی زندگی کی نشاندہی کرتا ہے جیسے سب اہم کے ہمراہ ساتھ زندگی اور ادب کے درمیان وقت کی خلیج کو پاٹنے میں فرانس کے جدید شاعروں نے سارے یورپ کو نئی تحریکوں کی طرف متوجہ کیا ہے۔

اپولونیر کا جنم ایک غیر قانونی بچے کی صورت میں ۲۶ اگست ۱۸۸۰ء میں روم میں ہوا۔ اس کی ماں ایک آزاد طبیعت پولش خاتون تھی۔ اپولونیر کے مزاج کا کھلنڈراپن، طبیعت کی آزاد روی اور روایت شکنی شاید ماں کو ورثے میں ملی ہو۔ اپولونیر کی شاعری کے ساتھ اس کا [illegible] بھی فرانس کے ادبی حلقوں میں توجہ کا مرکز رہا ہے۔ مجاز مرحوم کی طرح وہ بھی محفل میں مسکراتا اور کمرے میں آنسو بن کر زندگی بسر کرتا رہا۔

نرالے ڈھنگ کی پوشاک، بے تکلف بیوپار، لطیفہ گوئی کی عادت، خوبصورت اور نایاب اشیاء کو جمع کرنے کی دُھن وغیرہ اس کی شخصیت کو عجیب و غریب طریقے سے پبلک کے سامنے پیش کرتی ہے۔ نفسیاتی زبان میں اسے ہم MASK-WEARING نقاب پوشی بھی کہہ سکتے ہیں۔ ٹوٹتے ہوئے چہروں پر نقاب میں اس کے منہ کی روشنی متوسط طبقے کی حیثیت سے گزر رہی ہے۔

اپولونیر بہت کم عمر رہا [illegible] اتنی کم مدت میں جس کا بیشتر حصہ پہلی عالمی جنگ میں جیسے تک محاذوں پر گذرا۔ اس کے ذہن کی خداداد صلاحیت اور تخلیقی انفرادیت فرانس کے ادب میں اپنی مثال آپ ہے۔ CALLIGRAMS اور A[illegible]S اپولونیر کے مجموعے بھی [illegible] بودلیر اور رمباں کی شاعری کی طرح فرانس کی ادبی تاریخ میں نئے باب کا اضافہ کرتے ہیں۔ اچھی شاعری ہر عہد میں تجرباتی رہی ہے۔ تجربہ بسا اوقات بے جان روایتوں سے بے اطمینانی کا اظہار ہوتا ہے، نئے فنون کی نشاندہی، بدلتی ہوئی سمتوں کی جانکاری بھی ہے لیکن تجربہ پرانا بھی ہے اور ذہن کو بینائی بھی بخشتا ہے۔ روایات عادت کی طرح غیر شعوری طور پر ہمارے ذہن میں گھل مل جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ہم کسی شخص کو ایک خاص وضع قطع میں دیکھنے کے عادی ہو جائیں اور لباس کی ذرا سی رد و بدل ہماری آنکھوں میں کھٹکنے لگے۔ عادی کچھ عجیب عجیب سا دکھائی دینے لگے۔ ظاہر ہے۔ اجنبیت لباس کی تبدیلی میں نہیں بلکہ ہماری آنکھوں کی ہوتی ہے۔

اپولونیر بیسویں صدی کے یورپ کا شاعر ہے۔ وہ اپنے ڈھنگ، تیور، روپ اور ہر پہلو سے پکاسو، بریک اور [illegible] تہذیب کے کھوکھلے پن پر طنز کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کی شاعری میں اسکول کے لڑکے کی سی شوخی اور دیہاتی حیرت کا ملا جلا [illegible] دنیا کو تماشہ سے دیکھنے کا عادی ہے۔ وہ رمباں کا ہم منزل [illegible] تھا وہ بھی بیرونی شکستگی پر یقین رکھتا تھا لیکن وہ صرف خارجی اشیاء کی فہرست کا شاعر نہیں تھا۔ اس کا ذہن کسی طلسمی شیشے کی طرح مختلف اشیاء کو نئی نئی شکلیں عطا کرنے میں ماہر تھا۔ خیالات اس کے ذہن میں آ کر تصویر کا روپ دھار لیتے تھے۔ اپنی ایک نظم

'ZONE' میں اس نے خود ایک مجرد فن مصوری سے اپنے پیدائشی
لگاؤ کا اعتراف کیا ہے۔

یہاں اپولینیئر کی پوری شاعری کو موضوع بحث نہیں بنانا ہے
بلکہ صرف CALLIGRAMMES کی ان نظموں پر بات چیت
کرنا ہے جو اپنے بناؤ، روپ اور ہیئت کے لحاظ سے بھی نوعیت کی
نئی اور انوکھی نظمیں ہیں۔

CALLIGRAMMES کی بیشتر نظمیں جو اپولینیئر نے میدانِ جنگ
سے پوسٹ کارڈ پر لکھ کر اپنے دوستوں کو بھیجی تھیں۔ یہ نظمیں تصویری
روپ میں لکھی گئی ہیں۔ برستے پانی کی دھاریں، دل اور تاج، دھواں
چھوڑتا سگار، ٹیک ٹائی، فوارے سے چھوٹتا پانی، رات کا
آسمان وغیرہ اچھی نظموں کے علاوہ خوبصورت آرٹ کے نمونے
بھی ہیں۔ ان نظموں کی خاص تکنیک سے جیسا کہ کچھ نقادوں کی رائے
ہے صرف چند دوستوں کی سرپرستی طبع مقصود تھی یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا
ان نظموں کے پیچھے بھی وہی احساس کارفرما نظر آتا ہے جس سے انیسویں
صدی کا انگریز ہیئت پرست شاعر تخیلی دوچار ہو چکا تھا۔ شیلے کا
جملہ MIND IN CREATION A FADING COAL تخیلی اڑان کے سامنے الفاظ کی
کم مائیگی کا ثبوت ہے۔ لیکن شیلے کے یہاں اس کم مائیگی کے تدارک کی
کوئی واضح کوشش نظر نہیں آتی۔ مجبوری کے سامنے سپر ڈال دینا
بھی ٹھیک نہیں۔ جنگلی معاشرے میں لوگ گیتوں کی ساخت اور ان
میں ایک خاص قسم کی لے اور فطری ڈھلاؤ جذبات و احساسات کے
مقابلے میں زبان کی اسی کمزوری کے غیر شعوری احساس کو ظاہر کرتا ہے۔

ادب میں زبان دو فریقوں کے درمیان جذباتی ارتباط قائم
کرتی ہے۔ ہر فنکار اپنے غم و خوشی میں دوسروں کو بھی اسی شدت و
تاثر کے ساتھ شریک کرنا چاہتا ہے جس طرح وہ خود اس سے گزر چکا
ہوتا ہے اور شاید یہی فنکار کا خلوص اور انفرادی نوعیت کچھ یوں کہ یہ
بھی ہے۔ الفاظ سے ہمارا رشتہ صرف خارجی ہی نہیں نفسیاتی بھی ہوتا
ہے۔ بار بار سننے اور بولنے سے بھی ان کی اشتعال انگیز قوت میں ضعف
پیدا ہو جانا ایک فطری عمل ہے۔ شاعر کا ذہن جتنا شعور مند اور حساس
ہوگا اسے اتنا ہی اس نفسیاتی ردِ عمل کا احساس ہوگا۔ ہر ادیب
تجرباتی اور جذباتی سطح پر دوسروں سے الگ ہوتا ہے۔ وہ مانگی
ہوئی قباؤں سے اپنے بدن کو نہیں ڈھانکتا بلکہ اپنے بدن کی ساخت
کے مطابق قبا بھی تلاش کرنے کی سعی کرتا ہے۔ کسی بھی کوشش

کو صفحہ کاغذ پر اس طرح نمایاں کرو کہ ایسا تو کبھی نہیں ہوا ہے۔ یا اپنے آپ کو
مناسب باتیں ترتیب دی جا سکتی۔

اپولینیئر کی نظموں کا جو رنگ، جو روپ ہمارے عہد میں نکھرا ہے
فنکار شعر جو توجہ کا پیمانہ دیتا ہے۔ امریکی بھی بادلیر کے الفاظ
میں حسن کو جاذب نظر ہونے کے لئے اس کے اندر عجیبیت کا ہونا
بہت ضروری ہے۔ اپولینیئر کو زبان کے کمزور رشتوں اور احساسات کی
نازکی دونوں کا احساس تھا۔ اپولینیئر کا آرٹ جذبات و احساسات
کو ان کے اپنے فطری روپ میں نمایاں کرنے اور انہیں قاری کے
تخیل و تحریک تک منتقل کرنے کی کوشش ہے۔ وہ ہر خواہش جیسے
جذبے کی تاثراتی کیفیت کو زندہ حالت میں محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔
ان نظموں میں شاعر کی انفرادیت برقرار رکھنے کے لئے فن مصوری
سے اس کی گہری وابستگی کو جاننا ضروری ہے۔ جس طرح SYMB
OLISTS کی علامتی شاعری میں موسیقی کے تاثرات نمایاں ہیں اور جس
میں الفاظ سے وجدانی تاثراتی لہریں پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے
اسی طرح اپولینیئر نے پینٹنگ سے تکنیکی بناؤ
اور غیر مرئی جذبات کو منتقل کرنے کا فن سیکھا ہے۔ اپولینیئر خارجی
مظاہر کا عاشق تھا۔ اس نے خارجی رنگا رنگی کا تماشا دیکھنے کے
لئے مصور کی آنکھ سے کام لیا۔ اپولینیئر کی مصوری سے وابستگی
اس کے ذاتی رشتوں اور ذہنی رجحانات سے پیدا ہوئی ہے۔ پکاسو
اور پکابیا سے اس کی گہری دوستی تھی۔ 1911 کی نمائش میں اپولینیئر
نے پکاسو، براک، پیچے اور پکابیا وغیرہ کے آرٹ پر ایک
مضمون تنقیدی مقالہ لکھ کر عوام کو ان کی تجرباتی اپج اور تکنیکی باریکیوں
سے متعارف کرایا تھا۔ اس تنقید سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کیوبسٹ مصوری
کے ساتھ اس حد تک جڑا ہوا تھا۔ مصوروں سے اس کے
تعلق اور کیوبزم CUBI - پینٹنگ کی تحریک جس میں شے
کی خصوصیات کو تصویروں میں ابھارنے کی کوشش کی جاتی ہے)
سے اس کے لگاؤ نے اپولینیئر کو الفاظ میں وہی تجربہ کرنے پر آمادہ کیا جو
اس کے ہمعصر مصور چیزوں کا کر رہے تھے۔

اپولینیئر صوفی تھا نہ سائنسداں۔ وہ زندگی کے تخیلی حسن اور رنگین
شوخی، چہچہاٹوں اور متضاد حقیقتوں کا شاعر تھا۔ اس کی رائے میں اس کے
عہد کے شاعر فرسودہ سے زیادہ رومانی، مصنوعی اور روایتی تو زینے
صرف بالا کے ماننے والے تھے۔

پیکر پلیشن دکھا، شکل سلوب سرد لفظ، دھیں سے الوات اور نظموں کا چونکا تا ہوا اثر جیسے اپنی خبر اڑ کے بڑے محل کی صورت میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

ان تصویری نظموں میں برسات، والے تاج اور آئینہ تاج اور برسات کا آسمان، پانی سے رات ہوا دھواں۔ بڑی صفائی اور سدھے ہوئے ہاتھوں سے بنائی گئی ہیں۔ ان تصویروں سے نظموں کا مرکزی خیال اپنی پوری شدت اور تاثراتی کیفیت کے ساتھ ذہن کی سطح پر آگ کی کرنوں کی طرح پھیل جاتا ہے۔

کچھ نظموں کی تصویریں دیکھئے:۔

T
a s
r a
s P
g u
The evenin ctasl gem
s m
h e
i d
n a
e i
s d
l
i
k r j a
e a h s
s the
lovely
look some
sends

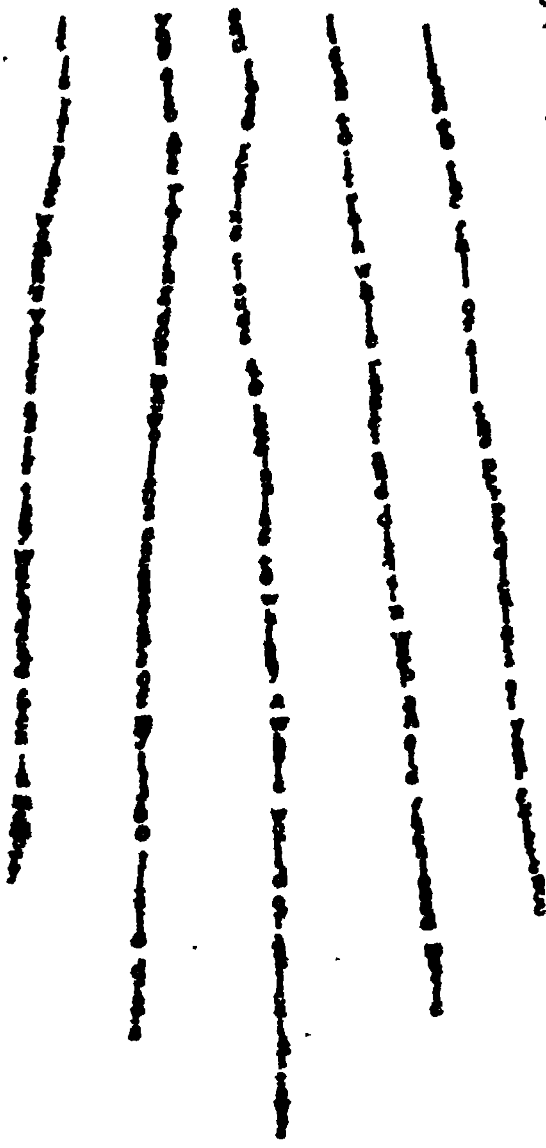
er like the shi ning
on our
battery

ترجمہ:۔ شام کا ستارہ ایک موتی کے اندر اپنے مقررہ وقت پر کسی ماہر کے خوبصورت تاج سا جھلملا رہا ہے۔ یا کوئی حسین دوشیزہ ہماری توپ کی جانب اپنی ملتجی سی نظر پھینک رہی ہے۔

HERE
IS THE C
OFFIN IN
WHICH H
E REST
ED RO
TTING
AND P
ALE

LONG LIVE FRANCEI
HE SLEEPS IN HIS LI
TTLE SOLDIER'S BED
MY RESUSCITATED
P O
O T
E

ترجمہ: یہ وہ تابوت ہے جس میں وہ رکھا گیا ہے۔ ریک سڑ رہا ہے۔ فرانس کی جے ہو۔ اپنے چھوٹے سپاہیانہ مرقد میں بکمال ارد پیار وا نہال سے آزاد ادبی نیند سو رہا ہے۔



ترجمہ:۔ میرے کانوں میں ایک عورت کی آواز ہے، برسوں میں جا بیلا و اشعت ہو چکی ہیں، باد شبک کے نقشے تیر و ابر چھائے اور پھر کا زندگی کی خوبصورت ماہ و تاب جھلک رہی ہیں۔ اور شعبدہ نے میری ساعت کو اور نغمگی بستیوں کو ٹپکایا ہے۔ جنگ ہولے ہولے برسات میں رس سے چھلک ناک کی مانی سے اتنی سنگیت کی صدا دیں میں بہہ نکلے، اپنے وجود کے نیچے گرتے ہوئے ابدی بکھرے وقتی کا اور شی۔

ہوتو نیر کی ان نظموں کا اثر چونکانے والا ہے جو ایک
فن شناس شاعر کی نفسیات کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ ان نظموں کا شعری
ب جذبات کے دیکھے ہیں کہ ایک مشعل کی طرح ابھرتے ہوئے ہے
ں نظموں سے لطف اندوز ہونے کے لئے جس بات دھیان میں رکھنا
ردری ہے کہ یورپ کی شاعری ہمارے ملک کی طرح ایسے کبھی نہیں
ی۔ وہاں شاعر اور قارئین کے درمیان صرف کاغذ کام کرتا ہے جبکہ
رے یہاں شعر کی لکیر اسٹیج ، ادبجا ، آواز کے اتار چڑھاؤ
بدن کے شاؤ سنگار سے پُر کیا جاتا رہا ہے۔ ہوتو نیر کی یہ نظمیں
ں حالات میں انکشاف ذات کا واضح اظہار ہیں جس کے آئینے میں
اراپنے پورے قد اور باحرکت ذہن کے ساتھ ہمیں گھورتا ہوا
ظرآتا ہے۔

برسات میں رنگتی ہوئی پانچ متوازی لکیریں ، تابوت
رکھتے میں ایک ارفع کی تصویر اور برسات کے آکاش میں ستارے
ایسے پڑھنے والوں کے ذہن میں جنگ کا ڈراؤنا ماحول اور اس میں
انسی لیئے انسان کے کرب کو اپنی پوری شدت و تاثر کے ساتھ
ولی ہیں۔ یہی نظمیں اگر سیدھی طرح اور عام طریقے سے لکھی جاتیں
مرکزی خیال چاہے وہی رہے مگر تاثراتی کیفیت اور جذبے کی
رت جس سے اچھی شاعری عبارت ہے اور جو قاری اور شاعر میں
باہمی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہیں نظر نہ آتی۔
انسانی حواس میں ایا مرہ ، ٹھہرے ہوئے پانی میں ایک کنکری
ہے۔ جس کے بغیر ذہنی اور تخئیلی دنیا میں روشنی بجھی بجھی سی رہتی
ہے۔ پیدائشی اندھوں کی نفسیات مختلف ہو سکتی ہے۔ امریکہ میں
ٹ کی نئی تحریک op - art کی تکنیک باصرہ کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

ان نظموں کی تصویر نما ہیئت داخلی احساس کے لئے ایک اضافی
ہی کینوس کا کام کرتی ہے جب پر شاعر کی سوچ خوب سے خوب تر
ر دیسے ویسے انداز میں پھیلتی رہتی ہے اور پڑھنے والے کے ذہن
دیر تک متحرک رکھتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آپاکو فسکی اور کچھ
سرے جدید شعراء نے اپنی نظموں میں کہیں کہیں لفظوں کو اپنے
اپنی ٹائپ کے بجائے کہیں تو ذرا بڑے اور کہیں الگ حروف میں لکھنا مناسب
جانا۔ آپاکو فسکی نے اپنی نظم میں Battle اور Fine
توڑ کر Bat اور tle دو حصوں میں بانٹ کر

بشر نواز

غزل

○

آہٹ پہ کان در پہ نظر اِس طرح نہ تھی
ایک ایک پل کی ہم کو خبر اِس طرح نہ تھی

تھا دل میں درد پہلے بھی، لیکن نہ اِس قدر
ویراں تو تھی حیات مگر اِس طرح نہ تھی

جب تک صبا نے چھیڑا نہ تھا نکہتِ گلاب
کوچہ بہ کوچہ محوِ سفر اِس طرح نہ تھی

ہر ایک موڑ مقتلِ ارمان و آرزو
پہلے تو تیری راہگزر اِس طرح نہ تھی

ہوتی تھی پہلے برسوں میں نم آستیں کبھی
ارزاں متاعِ دیدۂ تر اِس طرح نہ تھی

○

کرشن موہن

غزل

○

ہم فکر کی کشاکش میں جھولے
سگرٹ کے دھوئیں کے مرغولے

بے کیف حقیقت میں اے دل
گا ہے خوابوں کی خوشبو لے

رنگیں فرصت کی رفعت کو
اپنی سنگیں محنت چھو لے
ق
جو سعی و عمل سے بے پروا
خوابوں کے جھولے میں جھولے

وہ لوگ بہت دل شاد رہے
دنیا کے سب جھگڑے بھولے

بغض و نفرت کو جنم دیا
ہم کیسے پھلے، کیسے پھولے

○

افسانہ

ستیہ پرکاش سنگر

دھمکی

رمیش اور میں بچپن کے ساتھی ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ متضاد طبیعتوں کے مالک ہونے کے باوجود ہم ایک دوسرے کے ساتھ خوب نباہ کر رہے ہیں۔ جھگڑا کئے بنا ہم اکٹھے رہتے ہیں۔ اس ضمن میں ہمارے درمیان ایک خاموش معاہدہ ہو چکا ہے۔ ایک دوسرے کی عادات سے نفرت کرنے کے باوجود ہم اس جذبے کو اپنی زندگی میں منتقل ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ ہماری عادات بھی کسی قدر مختلف ہیں۔ میں مطالعۂ کتب کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ رمیش مطالعہ کے بغیر ہی رہ سکتا ہے۔ میں سینما گھر کے نزدیک تک نہیں پھٹکتا، رمیش وہاں زندگی بتا سکتا ہے۔ میں چھ گھنٹے سے زیادہ سو نہیں سکتا، رمیش چھ گھنٹے زیادہ جاگنے کا مخالف ہے۔ اگر میں سگریٹ پینا چاہوں تو وہ مخالفت کرے گا، اور اگر میں شراب نوشی کے خلاف لیکچر دوں، تو رمیش دختِ رز کا مزید لطف اٹھائے گا۔ گوشت خوری کا وہ محض اس لئے شیدا ہے کہ میں اس سے پرہیز کرتا ہوں۔ وہ انھیں سبزیوں کو پسند کرتا ہے جنھیں میں میز پر لانے کی اجازت نہیں دیتا۔ میں لمبی سیر کرتا ہوں، رمیش کمرے کے اندر گھوم لیتا ہے۔ میں بس کی سواری کرتا ہوں اور وہ رکشا میں چکر لگاتا ہے۔

یہی بات ہمارے دوستوں کے متعلق کہی جا سکتی ہے۔ میرے دوست دھرم پال ہیں، تو اُن کے محرم ناش۔ میرے امر سنگھ یام ہیں تو ان کے لالہ ہوری پرشاد ہیں۔ میاں صابر خان کی دوستی کا دم بھرتا ہوں، رمیش مرزا اکبر خان سے یارانہ رکھتا ہے۔ میرے ساتھی خادم ہیں۔ ان کے مخدوم بخش۔ میں صنفِ نازک کی محبت سے کنی کاٹتا ہوں، وہ ان کی محبت کے بغیر زندگی کو زندگی ہی تصور نہیں کرتا۔

اگر میرا دوست چھ فٹ چار انچ لمبا ہے تو رمیش کا ساتھی چار فٹ پانچ انچ سے زیادہ نہیں ہوگا۔ اگر امر سنگھ یام کا وزن کپڑوں اور جوتوں سمیت تیس سیر سے تجاوز نہیں کرتا۔ تو لالہ ہوری پرشاد کا کپڑوں اور جوتوں کے بغیر تین من سے کم نہیں ہوگا۔

اتنے زبردست تضاد کے باوجود ہم دونوں گذشتہ بیس سال سے اکٹھے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کو پسند نہ کرتے ہوئے بھی ساتھ نبھا رہے ہیں۔ اس کی وجہ ہے وہ خاموش معاہدہ ہے جس کے مطابق ہم ایک دوسرے کے حقوق کے حدود اربعہ میں دخل انداز نہیں ہوتے۔ اسی معاہدے کی شق نمبر پانچ کے مطابق گھریلو معاملات کا انتظام اُن کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ قرار پایا کہ میں نہ تو ان کی کسی بات میں مخل ہوں گا۔ بلکہ اُن کے ہر مشورہ پر عمل کروں گا۔

میں اُن کے مشورے کو اکثر خاموشی سے اختیار کر لیتا اور مجھے تاکید کرتے کہ نوکروں کے سامنے بھی مجھے مکمل خاموش رہنا ہوگا۔ انھیں شک تھا کہ میری خشک مزاجی نوکروں کو بھاگ جانے پر مجبور کرتی ہے۔ بے بنیاد ہونے کے باوجود مجھے اس الزام کو قبول کرنا پڑتا۔ جھگڑے سے بچنے کا یہی ایک طریقہ تھا۔

ایک دن شام کو دفتر سے لوٹ کر آرام کرسی پر بیٹھ کر پاس پڑی ہوئی تپائی کو انگلیوں سے بجانے لگے۔ اُن کا یہ عمل آنے والی مصیبت کا پیش خیمہ ہوتا۔

"بھائی صاحب! آپ نے پھر نوکر کو نکال دیا۔" لہجے میں سنجیدگی بھرتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہوئے۔

"میں نے؟"

"آپ کے سوا یہاں کوئی دوسرا نہیں جس سے مخاطب ہو سکوں۔"

"نوکر کو خدا نے دور رکھنے کے آپ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں اور مجھے آج تک دخل انداز ہونے کا موقع ہی نصیب نہیں ہوا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ لیکن اس نوکر کو آپ کی وجہ سے جانا پڑا۔" وہ الفاظ میں تلخی بھرتے ہوئے بولے۔

"آپ سے نوکر نے کہا؟"

"نہیں۔"

"نوکر کے کسی دوست نے کہا؟"

"نہیں۔"

"الہام ہوا؟"

"یوں ہی سمجھ لیجئے۔"

"پاگل پن کا دورہ کیوں نہ سمجھ لوں؟"

"بھائی صاحب! میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"آپ کبھی ایسے موڈ میں ہو سکتے ہیں، ایسا سمجھ کر میں آپ کے مذاق کی توہین نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن آپ اس طرح مجھ پر شک کرتے ہیں، اس کی وجہ سمجھ نہیں سکا۔"

"اس کے چلے جانے کا دوسرا سبب میں نہیں سمجھ سکتا۔"

"لیکن اُسے ڈانٹنا تو در کنار، میں نے اُس سے بات تک نہیں کی۔"

"یہی سبب ہے" تو وہ کھانستے ہوئے اور پیشانی پر انگلیاں بجاتے ہوئے بولے۔ "اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ ان کے غصے کا پارہ چڑھ گیا ہے۔ اُسے یہی شکایت رہی ہوگی کہ میری عدم موجودگی میں آپ نے اُس سے بات نہیں کی۔ اُس کا دل نہیں لگا اور وہ اداس ہو کر بھاگ نکلا۔"

"لیکن ہمارے سمجھوتے میں نوکر کا دل بہلانے کی شرط کہاں تھی؟" میں نے از راہ برداشت کہا۔

"سبھی شرائط قلم بند کیسے کی جا سکتی ہیں؟"

"زبانی اشارتاً بتا دی ہوتی۔"

"کامن سینس بھی کسی شے کا نام ہے۔" وہ طنز کا نشتر چبھوتے ہوئے بولے۔

حملے کی شدت سے گھبرا کر ایسے موقع پر میں ہنومان چالیسا کا ہم جتنا ضروری کر دیتا ہوں، اس کے زیر اثر دفاع مضبوط ہو جاتا ہے اور میں رمیش سے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاتا ہوں۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اُسے دوسری جگہ زیادہ تنخواہ مل گئی ہو۔" میں نے ہمت باندھ کر کہا۔

"کیوں نہیں ہو سکتا، بالکل ہو سکتا ہے۔" رمیش کو مجھ سے متفق ہونا پڑا۔

"اس میں آپ مجھے کس طرح قصوروار ٹھہرا سکتے ہیں؟"

"ہر طرح سے"۔ اُس نے جواب دیا۔

"مثلاً؟"

"مثلاً یہ کہ اس کی تنخواہ میں اضافہ کرنے کی بات آپ کو کیوں نہیں سوجھی؟"

"آپ کو بھی کہاں سوجھی؟" مجھے کہنا پڑا۔ آخر میں کیوں ڈروں!

"آفس کی فائلوں سے فرصت ہی کہاں ملتی ہے جو ان باتوں کے متعلق سوچ سکوں؟"

"اور آپ یہ بھی نہیں چاہتے کہ میں اس معاملے میں دخل اندازی کروں۔ نہ سہی۔ آپ کو یہ کیسے خیال آیا کہ میں بیکار رہتا ہوں؟"

"ایسی سو پچاس چھوکرے چھوکریوں کو لیکچر دینا کس کام میں شمار کیا جاتا ہے؟" وہ لہجے میں تلخی اور حقارت کی آمیزش کرتے ہوئے بولے۔

ہمیشہ کی طرح جیت رمیش کی ہوئی۔ مکان اُسی کے نام تھا، میرے لئے دوسرے مکان کے ملنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ ایک کے چلے جانے کے بعد رمیش دوسرے نوکر کو پکڑ لائے گا۔ اور سچ مچ اگلے دن نیا نوکر آ گیا۔ تین فٹ چار پانچ قد کا مالک اور اس کے مطابق سولہ سال، گیارہ ماہ، انیس دن کی عمر والا گول صورت بندہ کسی قدر چست لگتا تھا۔ لیکچر دینے اور بازار سے آنے کے بعد، رمیش اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے میری چھوٹی آنکھوں پر غلبہ ڈالنے کے انداز سے دھیرے دھیرے اور الفاظ کو تولتے ہوئے بولا۔

"بھائی صاحب! بندہ گزشتہ پانچ ماہ میں چھٹا نوکر ہے۔"

"جہاں تک مجھے یاد ہے۔ پچھلے چھ ماہ میں پانچواں نوکر ہے۔"

"میں ہر کسی وقت مذاق کا عادی نہیں۔"

"کسی وقت بھی نہیں۔" میں نے فوراً کہا۔ "ویسے اپنے خاص موڈ میں جب اور جتنا چاہیں مذاق کر سکتے ہیں، پھر ناحق گھٹنا اور

بچت کرنے کے لئے وقت سے بڑھ کر عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔

"آپ تیر اندازی کرتے جائیں اور میں نشانہ لگاتا ہوں یہ"

"فرمائیے!"

"اگر بدری یا قسمت سے لگ گیا تو ......"

"کیا تحفہ مل جائے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کہنا آسان ہے۔"

"آپ غلط نہیں فرماتے۔"

"اب میں چاہتا ہوں، آپ ٹھیک انداز سے سنیں، بچت کرتے ہوئے بولا۔ "اس نوکر کو آپ چھوڑیں گے نہیں، اسے کال نہیں دیں گے، خفگی کا اظہار نہیں کریں گے بلکہ اس سے اچھا سلوک کریں گے۔"

"منظور۔"

"قصور وار ہونے کی صورت میں اسے کچھ نہیں کہیں گے۔"

"یہ بھی منظور۔"

"اس کی تنخواہ تیس روپے ہوگی۔ جیسی آپ دیں گے۔ اور اس کے پیسے ہم آدھے آدھے چکا دیں گے۔"

"یہ بالکل نہیں ہو سکتا۔"

"یہی ہوگا۔ اگر آپ دوسرا مکان لیں گے تو پگڑی کے پیسے چکانے میں ہاتھ دھونا پڑے گا۔"

"تو میں بھی اسے تیس روپے دوں گا۔" یہ میں نے تجویز کیا۔

"یہ بھی نہیں۔" مہر نے اسے رد کرتے ہوئے کہا۔

"وجہ؟"

"اس سے آپ کا سرفی صدی اس پر کنٹرول ہو جائے گا۔"

خاموش رہنے کے سوا میں اور کر ہی کیا سکتا تھا۔؟

اگلے دن بدری نے ناشتہ تیار کیا اور اسے میز پر سجایا تاکہ کوئی شاید کوئی یقین نہ کرے۔ لیکن اُن دنوں عام طور پر لوگ دیسی گھی استعمال کرتے تھے اور کچھ باہمت لوگ چھپا کر بناسپتی گھی گھر پر لا سکتے تھے۔ بدری نے دُودھ میں آٹا گوندھ کر دیسی گھی میں پراٹھے اور آملیٹ میز پر رکھ کر ناشتے سے نپٹنے کے بعد میں دوسری گھر میں گیا تو اسے ناشتہ کرنے میں مصروف پایا۔ اس کا منہ بھی بھینس جیسا تھا۔ محض پراٹھوں کی تعداد گنی مشکل نہ تھی۔ نئے ملازم کے آنے پر اچھا تیار کیا تھا، ثبوت

سیٹھ کے لئے رکھی گئی آدھی گرل فرینڈ کو دو گرتا تھا۔ ایک پیشہ ور ملازم بھی بچا دیتا۔ بازار جا کر سبزیاں اور پھل خریدنا اور چیزیں لانا تھا۔ مہینے کے آخر میں اسے حساب دیکھنے اور اپنے بچے کے پیسے چکانے کے لئے کہتا۔ وہ ناراض ہو کر کہتا "اچھا" ۔ پھر وہ کہہ کر چلا جاتا۔ وہ تین دن تک ناراضگی کا اظہار کرنے کے لئے مجھ سے بات چیت نہ کرتا۔ غصہ تھا۔ ہاتھ جوڑ کر کہتا۔

"مہاراج! آپ کے پیسے چکانے تک میں کیسے بچ سکتا ہوں۔ پیسا نہیں دوں گا تو اگلے جنم میں حساب چکانا ہوگا۔"

اور نہ کسی بات پر بحث کر سکتا تھا۔ وہ بچا ہوا تھا اور اگلے جنم سے بالکل بے خبر رہتا۔ لیکن اس جنم پر کامل یقین رکھنے کے سبب میں اس کی دلیل کو تسلیم کر لیتا اور خاموش ہو جاتا اور جب اس کا من چاہتا وہ کچھ پیسے چکا دیتا۔ اس کے بعد اگلے پھر لے لیتا۔ وہ جانتا تھا کہ مکان اُس کے نام ہے اور وہاں سے نکل کر میں برلب سڑک ہی رہ سکوں گا۔ اور میں اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ مستقل سکونت کے لئے سڑک کوئی آرام دہ جگہ نہیں۔ اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں اس کے بہانوں کے بوجھ کو خاموشی سے برداشت کر لیتا، اور اس کے ہر نخرے کو خوشگوار فرض سمجھ کر سہن کرتا۔ اخبارات اور رسائل کے بل چکانا بھی میرا ہی کام تھا۔

نوکر کو تنخواہ میں دیتا۔ اس سے کام وہ لیتا۔ ہر نوکر اس کی بیٹھی چاپلوسی اور سرکی مالش کرتا۔ اس کی گرل فرینڈ کے پاس خطوط لے کر جاتا اور اُن کے جواب لاتا۔

اتوار کو چھاؤنی نے میز پر سجے ہوئے کھانے کو دیکھ کر خوش ہو اُٹھے۔ ہاتھ دھوئے بنا کھانے کی طرف لپکے۔ پہلا نوالہ منہ میں رکھتے ہی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ جیسے کسی غم کے زیر اثر جیبوں سے رومال نکال کر آنکھوں کو پونچھنے لگے۔ پھر ناک سے نیچے بہتے ہوئے مادے کو سنبھالنے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن اس نوالے نے حلق سے نیچے اترتے ہی پورے بنگ کا وہ کام کیا کہ پانی کا سرچشمہ پھوٹ نکلا اور آنکھ اور ناک کی راہ باہر آنے کے لئے بیتاب ہو اُٹھا۔ اس مواد پر قابو پانے کے لئے رومال کو ناکافی سمجھ کر چھاؤنی کا تولیہ منگانے کے ساتھ ہی ہاتھ روم روانہ ہوا۔ اور آنکھوں کو دھونے، ناک صاف کرنے اور کُلّی کرنے کے بعد باہر آیا۔ بدری اس بات کا قیاس تک نہ کر سکتا تھا کہ یہ لوگ کھانے سے [illegible]

فارغ ہو جائیں گے اور تانگوں میں سوار ہو کر مال روڈ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ وہ یہ بھی نہیں سوچ سکا کہ یہ لوگ گھر کا کھانا چھوڑ کر ہوٹل پر جا کر اپنی بھوک کو شانت کریں گے۔ وہاں پہنچ کر رمیش نے چینی ہوٹل کے بیروں کو کم نا سمجھ کر نے بھانوں کو کھانے اور بچہ سے پیسے چکانے کو کہا۔

رات کو مجھ سے مخاطب ہو کر رمیش کہنے لگا۔

"بھائی صاحب! آپ سے یہ امید نہیں تھی کہ آپ مجھے اس طرح ذلیل و خوار کریں گے۔"

"اور کس طرح امید کرتے تھے؟"

"آپ پھر اس قدر سنجیدہ بات کو مذاق میں ٹالنا چاہتے ہیں۔"

"اس لئے کہ آپ ہمیشہ مجھ پر الزام تھوپنا چاہتے ہیں۔ بھلا آج میرا کیا قصور تھا؟"

"آپ نے کھانا چکھ لیا ہوتا۔"

"آپ نے خود کیوں نہیں زحمت فرمائی؟"

"میں تو اپنے دوستوں کے ساتھ مصروف تھا۔" وہ قدرے نرم پڑ کر بولے "کم از کم آپ کچن میں جا کر دیکھ لیتے کہ کیا؟"

"کہ وہ نمک مرچ اور کھانڈ کا بجا استعمال کر رہا ہے۔"

"ہاں مجھ سے اتنی بھول ضرور سرزد ہوئی۔" میں نے غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "اسے یہ سمجھانا بھول گیا کہ اس نیم ترقی یافتہ سماج میں دال سبزی میں چینی نہیں ملائی جاتی۔ شاید سال کی عمر پا لینے کے بعد بھی بچہ ہی ہے۔ نمک زیادہ ڈال دیا تھا اس کا اثر کم کرنے کے لئے مرچ ڈالنی پڑی اور دونوں کا اثر مٹانے کے لئے چینی سا

"بس چینی کچھ زیادہ ڈال دی۔ بچہ ہے نا۔ آپ درست فرماتے ہیں۔" رمیش نے جواب دیا۔

"آپ تو کہتے ہیں بچہ ہے۔"

"ایماندار بھی۔"

اور سچ کہ بڑا ہی تھا وہ اپنا کام نکالنا درست طریقہ ... جو سودا لاتا، باقی پیسے فوراً لوٹا دیتا۔ بغیر پیسے کے بھی سودا لے آتا اور پیسے نہ مانگتا۔ مجھ دن نکلا گیا کہ ... سوسائٹی کے لئے سامان لے آتا۔ ایک دن خوبصورت پھول دان کو دیکھ کر رمیش چلایا۔

"سالا بڑا بدمعاش ہے۔ کتنی مدت سے مجھ سے ... آپ نے منگوایا ہوگا۔"

"بالکل نہیں۔"

"چھوٹو! کہاں چلا گیا ہے بدذات! ادھر آؤ۔"

وہ کچن میں سے آیا۔

"تو نے یہ پھول دان کہاں سے لیا؟"

"بازار سے۔ اور کہاں سے۔"

"پیسے، اس کے لئے؟"

"ردی بیچ کر۔"

"شاباش!" رمیش اس کی پیٹھ ٹھونک کر بولا "بات ہوئی نہ۔ سب اخبار بیچ ڈالے؟"

"کاپیاں بھی۔"

"کاپیاں کہاں سے لیں؟" میں نے پوچھا۔

"آپ کی الماری میں سے۔"

میں اچھل کر الماری کی جانب بھاگا۔ سچ مچ وہاں کاپیاں نہ تھیں۔

"بے وقوف کہیں کا! تو بھاگ جا یہاں سے۔ ابھی نکل جا۔" میں نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔ "سنا نہیں؟"

"کیا بات ہوئی؟" رمیش نے پوچھا۔

"کیا بات نہیں ہوئی؟ اس گدھے نے میری چار سال کی محنت چار ٹکے میں بیچ ڈالی۔ میرے ریسرچ کا سارا میٹر ختم کر ڈالا۔"

"پھر اکٹھا کر لینا۔" رمیش بولا۔

"بالکل ان پڑھ جیسی بات کر ڈالی۔" میں نے غصے کی حالت میں کہا۔ "تم سمجھتے ہو مواد اکٹھا کرنا آسان ہے؟ مجھے ایسے نوکر کی ضرورت نہیں۔"

"لیکن صلح نامہ....؟"

"نہ صلح نامہ کی......"

"آپ شانتی سے کام لیجئے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" رمیش مجھے دلاسا دیتے ہوئے کہنے لگا "ارے چھوٹو! جا صاحب سے دس روپے لے کر ردی والے سے کاپیاں واپس لے آ۔ تم گھبراؤ نہیں، آئندہ تمہیں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی علاوہ ازیں تم اپنی محنت کو رکھ لینا۔"

"ہوں۔"

فریاد نے ... روک دیا۔

اگلے دن بدری کو کر دوسری اسکیم سوجھی۔ اس نے کپڑے دھونے کا پروگرام تیار کیا۔ سب سے پہلا جانے کے بعد اس نے بڑے ٹب میں پانی ابالا۔ اس میں صابن اور سوڈا ڈالا۔ اور اس میں کپڑے سکانے۔ دھیان اس بات کا رکھا کہ ان میں ایک بھی سوتی کپڑا نہ ہو۔ سرج کے سوٹ، جینٹ، سوئیٹرز اور کوٹ بھی اس کھولتے صابن کے پانی میں اشنان کرنے گئے۔ پانی بھر بھر بچ گیا۔ اس میں کٹ نیاں ڈالی گئیں۔ لیکن وہ پھر بھی ختم ہو رہا تھا۔ اسے نظر نہیں آ رہے تھے جو کمروں میں بند تھے۔

اس نے تالوں کو للچائی نظر سے دیکھا اور ان پر اینٹوں کے وار کئے۔ بلکہ ان وزنی تالوں نے بھی اصلی اور اپنے مضبوط ہونے کے ... تو پھر جب اس کے زرخیز دماغ میں ایک بات آئی۔ کیوں نہ صابیوں کو بھی گرم پانی میں اشنان کرایا جائے؟ آخر ان کی بھی حالت سدھر جائے گی۔ لیکن نتیجہ اس کے برعکس ہی۔ انہوں نے اس طرح دم توڑا کہ جسم کے ساتھ روح بھی کھولتے پانی میں جل گئی۔ روح کے بیرا قبت بننے اور بگڑنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

شام کو لوٹ کر آنگن میں رسیوں پر گرم شرٹوں، مفلروں، نائیوں اور رضائیوں کو رسیوں پر لٹکتے دیکھ کر ہم حیران نہ ہوتے تو کیا کرتے؟ انہیں اس حالت میں دیکھ کر ہمیں تو کیا ان کے سخت ترین دشمنوں کو بھی رحم آجاتا۔ پژمردہ چہرے، مرجھائے ہوئے جسم، شکل سے بے شکل، رمیش کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ بدری نے یہ نیا تجربہ محض میرے ہی کپڑوں پہ کیا ہے۔ اس لئے ناشتہ کے وقت میں اسے مخاطب کر کے بولے۔

"ارے یہ کیا کر دیا ہے۔ گرم کپڑوں کی نمائش لگا رکھی ہے!"

"بابو جی! آج فرصت تھی۔ میں نے سوچا انہیں دھو ہی ڈالوں۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ ... وہ دونوں ہاتھوں سے تالیاں پیٹتے ہوئے بولا۔ "کوئی گرم کپڑے بھی گھر پر دھوتا ہے؟"

"نہیں بابو جی! سب کو آ جاتا ہے۔"

"ارے کچھ دل کو رہا ہیں؟" وہ میری طرف کنکھیوں سے دیکھ رہے تھے تاکہ میں ان کی تصدیق کر کے کچھ کہہ سکوں۔ "مجھے"!

میں خاموش رہا۔

"تو بھی عجیب ... ہے۔ کیسے کیسے کام کرتا ہے۔"

"بابو جی۔ غلطی معاف۔" بدری نے نگاہ کر کہا۔ "گرم کپڑے نہ دھو سکا۔ تالے مضبوط تھے۔ ٹوٹے نہیں۔"

"تو نے توڑنا ...؟" وہ گھبرا کر چونک اٹھا۔ "میرے کپڑے تو بھی باہر تھے۔ ٹرنکوں میں تو ساتھی صاحب کے کپڑے بند تھے۔ تو بھی میرے کپڑے دھو ڈالے۔ تجربہ بھی پر کرنا تھا! ایک بھی کپڑا نہیں دھویا؟"

اور وہ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کرسی میں دھنس گئے۔

اب میں ان کی طرف کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ انہیں اپنی تباہی کا اس قدر ملال نہیں تھا جتنا اس بات کا کہ میں صاف بچ نکلا تھا۔

اگلے اتوار کو ہمارا کھانا باہر تھا۔ ہمارا پروگرام رات کو گیارہ بجے لوٹنے کا تھا۔ لیکن میزبان کو ضروری تار آنے اور کہیں باہر جانے کے سبب ہم وقت سے کافی پہلے لوٹ آئے۔ گھر آ کر اپنی آنکھوں پر یقین نہ کر سکے۔ ڈرائنگ روم میں کھانے کی میز پر بیٹھے ان کے ... نوکر اور گرد ... بیٹھے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ میں نے اور رمیش نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ لیکن ہمیں کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ وہ لوگ ڈونگوں میں سے میٹ اور سبزیاں لے رہے تھے۔ تبھی بدری کی آواز چمچوں کی آواز پر غالب آ گئی۔ ... وہ ان سے مخاطب ہو رہا تھا۔

"بھائیو! مجھے خوشی ہے کہ آپ لوگوں نے میرا دعوت نامہ قبول کر کے یہاں آنے کی تکلیف کی۔ یہ دعوت میرے صاحب رمیش بابو کی ہونے والی شادی کے بارے میں ہے۔ اس بات کا مجھے پتہ نہ چلتا۔ اگر وہ اپنی ہونے والی بیوی سے میرے ذریعے خط و کتابت نہ کرتے اور مجھے اس خط و کتابت کو پڑھنے کا موقع نہ دیتے۔ کل دونوں کی کافی دیر تک خفیہ ملاقات ہوئی اور میں نے چھپ کر ساری بات سن لی۔ ..."

میں نے رمیش کو آگے بڑھنے سے روکا۔

"تم اس وقت کہاں تھے؟" ایک آواز آئی۔

"میں دراصل صاحب کے پلنگ کے نیچے سو رہا تھا۔ مگر جب شور ہوا تو میری آنکھ کھل گئی۔"

میں نے دوسری بار رمیش کو آگے بڑھنے سے روکا۔

بدری کی بات کا تالیوں سے سواگت کیا گیا۔

"میں اس بدمعاش کو جوتے مار کر گھر سے باہر نکال دوں گا۔"

"میں اسے انعام دوں گا۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"انعام! میں اسے ایک منٹ بھی گھر میں نہ رہنے دوں گا۔"

"میں اسے گھر سے باہر نہیں جانے دوں گا۔"

"لیکن چودھری!" رمیش میری طرف دیکھ کر بولا۔

"آپ جمہوریت کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

شاید ہمارے الفاظ پہلوانوں کے کان تک پہنچ گئے تھے۔ ایک سیٹی کی آواز فضا میں گونجی اور ایک پل کے اندر کمرہ خالی ہو گیا۔ سبھی ایسے غائب ہو گئے جیسے زمین کے اندر دھنس گئے ہوں۔ میز بالکل صاف تھی نہ اس پر طشتریاں تھیں نہ ڈونگے۔ مہمان اپنا اپنا سامان لے کر اس طرح غائب ہوئے جیسے گدھوں کے سر سے سینگ۔

"چودھری!" رمیش نے چلا کر آواز دی۔

کوئی جواب نہ ملا۔

"چودھری!" اس کی آواز پھر سے فضا میں گونج اٹھی۔

لیکن ہال میں ہم دونوں کے سوا کوئی دوسرا آدمی موجود نہیں تھا۔ اور ہم دونوں کے بیچ چودھری کو لے کر ایک بحث چل نکلی۔ وہ اسے نکالنے کی فکر میں تھا اور میں تنخواہ میں اضافہ کرنے کی۔ بحث کے سبب ہمارے دل میں مسرت سے کہیں زیادہ تیزی آ گئی تھی۔ تبھی کسی نے آ کر خبر دی کہ چودھری ایک ایکسیڈنٹ میں بری طرح زخمی ہو کر ہسپتال میں پڑا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد لوٹے گا۔

اور وہ سچ مچ لوٹ آیا۔ اس کے ساتھ ایک پہلوان قسم کا آدمی تھا۔ شاید وہ [illegible] گھریلو ملازمین کی انجمن کا سیکریٹری یا صدر تھا۔ رمیش نے اس دن کی دعوت کا تذکرہ کیا تو چودھری نے حیرت کا اظہار کیا۔ وہ تو ایک سنجیدہ ایکسیڈنٹ میں مبتلا تھا۔ سنجیدہ مزاج پہلوان بھی عدم شمولیت کا پتا کر رہا تھا۔ اُن کی دلیلوں میں وزن دیکھ کر میں بھی قائل ہو گیا۔ [illegible] میں یہاں بلایا گیا تھا۔ میں نے بحث کو بند کرنے کے لئے رائے شماری کا مشورہ دیا تاکہ جمہوریت کی برکات کا ہم بھی فائدہ اٹھائیں۔ اور کون فائدہ اٹھائے گا؟ رمیش کے سوا سبھی نے میری بات سے اتفاق کیا۔ اکثریت رائے سے یہ قرار پایا کہ چودھری کی باتوں کا فی وزن ہے۔ رمیش اپنی بات پر اڑا رہا۔ [illegible] نظر کرتے ہوئے میں نے کہا۔

"چودھری! آج سے تمہاری تنخواہ میں پانچ روپے کا اضافہ کیا [illegible] اعلان میں رمیش بابو کی طرف سے کر رہا ہوں۔"

"بالکل غلط! میں ہر سال انعام کا حکم صادر فرماتا ہوں۔"

"بابوجی! ایسا کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔" چودھری نے جواب دیا۔

"کیوں؟" رمیش نے پوچھا۔

"ہم لوگ اب [illegible] انجمن کا سیکریٹری مسٹر جناب [illegible] ہیں گے۔" اس نے پہلوانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"میں نے زندگی میں پہلی بار [illegible] پہلوان [illegible] خلاف [illegible] جلوس نکالیں گے [illegible] بدنام کریں گے آپ کا [illegible] اگر ضرورت پڑی تو آپ کو ..."

"بس، بس، بس۔" رمیش بول اٹھا۔

اس کا مضبوط جسم کانپ رہا تھا۔ اس کا [illegible] کی دیوار سے ٹکرا کر آواز پیدا کر رہا تھا۔

"ایک ملازم کے ساتھ برا سلوک ہونے پر ہم لوگ [illegible] جلوس ہی نہیں نکالتے [illegible] کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں۔"

"اور اگر ملازم کو انعام دے تو؟" میں نے پوچھا۔

"تو مالک کی خدمت کا [illegible] ہیں۔"

"آپ جا کر [illegible] کیجئے۔" میں نے پہلوان کو مشورہ دیا۔

"آپ مناسب فرما رہے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ اور رخصت ہو گیا۔

"صاحب آپ کے لئے چائے تیار کرتا ہوں۔" چودھری نے [illegible] کے طور پر کہا۔

"ہم دونوں کے لئے۔" میں نے کہا۔

چودھری کو شاید یہ تجویز پسند نہیں آئی۔ نہ ہی رمیش کو۔

بقیہ [illegible] کی تصویری نظمیں ص ۵۹

[illegible] تصویری نظمیں [illegible] اُمید ہے [illegible]

محمود سعیدی

مشورہ

نئے لوگوں کی بستی میں جہاں تم مدتوں پہلے
سفیرِ عہدِ نو بن کر بڑی چاہت سے آئے تھے
نئے شعر و ترنم کے لئے گلشن مرادوں سے
نئے احساس کی سوغات اپنے ساتھ لائے تھے

جو راہیں ہر قدم پہ چاہتی تھیں روک لیں تم کو
چلے آئے تھے تم اُن سے گزر کر بے نیازانہ
بھلا کر دل سے سب دیرینہ یادیں عمرِ رفتہ کی
نئے عنواں سے چھیڑا تھا نئے خوابوں کا افسانہ

مگر اب مدتیں گزریں کہ تم چپ چپ سے رہتے ہو
کسی نے اس نئی محفل میں پہچانا نہیں تم کو
بدلتے وقت کو اپنا سمجھ کر تم بہت خوش تھے
بدلتے وقت نے اپنا مگر جانا نہیں تم کو

خلوصِ دل کا نذرانہ کہاں لے کر چلے آئے
یہاں جنسِ پذیرائی کی قیمت اور ہی کچھ ہے
پرانے لوگ اپنی عادتوں میں اور ہی کچھ تھے
نئے لوگوں کا اندازِ طبیعت اور ہی کچھ ہے

شناسا مدتوں کے اس طرح آپس میں ملتے ہیں
کہ جیسے غور سے اک اجنبی کو اجنبی دیکھے
چٹانوں سے سوا سنگین چہرے گرد و پا سے
مشینوں سے زیادہ بے مروت آدمی دیکھے

جب اپنی کس مپرسی زندگی محسوس کرتی ہے
کوئی اندر ہی اندر گھٹ کے جیسے مرنے لگتا ہے
بسا اوقات تنہائی کے وہ لمحے بھی آتے ہیں
کہ آپ اپنے ہی احساسات سے جی ڈرنے لگتا ہے

بدل لو فیصلہ اپنے جو گھر سے لے کر نکلے تھے
بھلا دو تم نے جو وعدے کیے تھے زندگانی سے
شکستِ انجام امیدوں پہ اپنی نوحہ خواں کیوں ہو؟
کہ یہ زندہ نہ ہوں گی اب تمہاری نوحہ خوانی سے

چلو اپنے ہی ویرانے کی جانب لوٹ چلتے ہیں
وہاں شاید یہ چاکِ دامنِ احساس سِل جائے
تمہارے درد کا محرم، تمہیں پہچاننے والا
پرانے دوستوں میں کوئی شاید اب بھی مل جائے

افسانہ:-

اکرام جاوید

موم کا بدن

اُسے اپنے باپ سے بے حد محبت تھی۔ وہ اس کے نزدیک دنیا کی سب سے بہترین شخصیت تھی۔ چودہ سال کی زندگی میں اُس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا ایک مسلسل نظر آتا اپنے باپ کے ساتھ ہی دیکھا تھا۔ اس کا باپ بھی اسے اپنی اولاد میں سب سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ شہر کے ایک شریف خاندان کے لوگ جو بزرگوں سے صوبے کے بستی اور خوبصورت مکان میں وہ اپنے باپ کے ساتھ اکیلا نہیں رہتا تھا۔ اس کا بڑا کنبہ داری تھی۔ اس کی اماں اور دو چھوٹے بھائی بہن تھے۔ علاوہ ازیں ایک بڑا خاندان تھا جو اماں، خالہ، خالو، چچا، چچی اور پھوپھا پر مشتمل تھا۔ بھائی بہن تھے۔ پھر خاندان کے علاوہ بے شمار دوست احباب۔ اس کے خاندان میں سب ہی طرح کے لوگ شامل تھے۔ لیکن وہ سب اپنے باپ کی نسبت سے مرعوب اور متاثر تھا۔ وہ اکیلا ہی گھر سے بہت چھوٹا تھا۔ اور اس کا باپ کبھی کبھی اسے چھوڑ کر کہیں جاتا تھا تو وہ بہت اداس ہو جاتا۔ اسکول میں داخل کرا دیا۔ اور اسکول بھی اسے دہشت ہوئی۔ باپ پہلے ہی سے ساتھ اسکول جاتا اور شام میں انہی کے ساتھ گھر لوٹتا تھا۔

اس کے خاندان میں سب ہی بڑے نیک تھے۔ اور اس کا باپ بھی نیک آدمی تھا۔ لیکن وہ دولت جمع کرنا اس کی فطرت کے خلاف تھا۔ وہ مذہبی آدمی تھا پھر بھی نہایت دلچسپ، منکسر اور روشن خیال تھا۔ وہ گہرے سانولے رنگ کا معصوم صورت اور بلند قد آدمی تھا۔ سر کے بال گھنگھریالے تھے۔ آنکھیں کالی سیاہ اور چمکدار تھیں۔ ناک اونچی اور ستواں تھی۔ ہونٹ پتلے پتلے تھے۔ اور داڑھی نہ بہت زیادہ گھنی تھی اور نہ ہلکی۔ دہانے کی ساخت بھی ایسی تھی کہ اس کے پتلے پتلے ہونٹ ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے۔ ایک نہایت پیاری، پُرخلوص اور شفقت بھری مسکراہٹ چہرے پر ہمیشہ تازگی رہتی تھی۔ اور آنکھوں پر ہمیشہ سنہری فریم والی عینک چڑھی رہتی تھی۔ عینک کے اندر سے جھانکنے والی سیاہ چمکدار پیاری آنکھوں میں ہمیشہ ایک نرم نرم گداز سی روشنی فروزاں رہتی۔ موم جیسے دل کے وہ چراغ جو پیار، محبت کا نور روشن کرتے تھے۔ اس کے چہرے پر نرمی، بردباری، علم و انکسار کے ساتھ ساتھ گہرے تفکر کے نقوش بھی ابھرے رہتے تھے۔ وہ ایک بڑا محقق بھی تھا۔ اس کی دیانت، صداقت، محبت اور شائستہ فکر کے سب ہی لوگ قائل اور معترف تھے۔ وہ حیرت اور شوق سے اپنے باپ کی باتیں سنا کرتا تھا۔ مذہب، فلسفہ جدید اور قدیم دینی اور دنیاوی علوم و فنون پر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ اُسے اپنے باپ کی صفات اور علم پر فخر تھا۔

اس کے باپ نے زندگی بھر کوئی جائیداد پیدا نہیں کی تھی۔ لیکن بزرگوں کی پیدا کی ہوئی جائیداد کچھ آتی تھی کہ زندگی بھر کبھی اسے روپے پیسے کی پریشانی نہیں ہوئی۔ پھر وہ اپنی ذات پر نہایت کفایت شعاری سے خرچ کیا کرتا تھا۔ اور دوسروں پر بے دریغ اور بے حساب خرچ کیا کرتا تھا۔ وہ اپنے وقت کا حاتم تھا اور دوسروں کے لئے زندہ تھا۔

زندگی تجربوں کا مجموعہ ہے۔ ایک ایسا قصہ ہے جس میں انسان کی آزمائش کی جاتی ہے اور اسے بقدر ظرف مقام دیا جاتا ہے۔ دنیا فانی، زندگی دو روزہ ہے اور انسان کی زندگی اللہ والی۔ دنیا میں کوئی کچھ واقعی کمائی اور پائی جا سکتی ہے تو وہ ہے نیکی اور تجربہ۔ انسان ایک سچائی ہے باقی سب جھوٹ ہے۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا۔ ”دل کا سکون اور روح کی مسرت ہی دنیا کا سب سے بڑا خزانہ ہیں“

اس کا باپ ہر قسم کے لوگوں سے ملتا تھا۔ اس کے دوستوں میں علمائے دین بھی تھے اور رندانِ خانہ خراب بھی۔ مختلف قسم کے عجیب

پسند بھی تھے اور ایک گروہ ایسے نیک لوگوں کا بھی تھا جو نجات کے لئے جسم کو سخت اذیت پہنچاتے تھے۔ اور وہ بھی تھے جو جسمانی آسودگی اور لذت ہی کو حاصلِ زیست سمجھتے تھے۔ شہر بھر کے شاعر، ادیب، مصور اور موسیقار اس کے دوست تھے۔ اور شہر بھر کے دکانداروں اور رئیسوں کی محفلوں میں بھی اس کا نام احترام سے لیا جاتا تھا۔ اس کے باپ کی عمر ساٹھ برس سے اوپر ہو چکی تھی۔ مگر وہ بڑھاپے میں بھی جوان اور تندرست نظر آتا تھا۔ اس میں خود پسندی کا شائبہ تک نہ تھا۔ اپنی زندگی میں اس نے کسی کا دل نہیں دکھایا تھا۔ دل کا دل جام جم ہے۔ ایک بار ٹوٹ گیا تو پھر کوئی اسے جوڑ نہیں سکتا۔ جب یہ حالت ہے تو کوئی کسی کا دل کیوں توڑے۔ یہ وہ اکثر کہا کرتا تھا۔ مذہبی لوگوں میں پائی جانے والی جھوٹی بہت تنگ مزاجی اور تعصب کا اس میں نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ تھا نیک، انسان پسند، وسیع المشرب اور خود آگاہ خدا پرست آدمی تھا اور سدا شبہوں کے لئے لگاتا تھا۔ اور وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسے عظیم و پیارے آدمی کو بھی موت آ سکتی ہے۔

لیکن ایک دن اسے موت آ گئی۔!

وہ ابھی ہائی اسکول ہی میں تھا کہ ستمبر کی ایک سرد اندھیری رات میں اس کے لئے اس کی زندگی کی روشنی گم ہو گئی۔ اس کا باپ جو شام کو زندہ تھا، ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا معمول کے مطابق گھر سے اسکول پہنچا آیا تھا۔ وہ رات کو دیر میں ایک سرد لاش بن چکا تھا۔ وہ غم سے پاگل ہو گیا۔ رات بھر وہ پہلا شخص تھا جو سب سے زیادہ رویا۔ جب لوگوں نے میت کو نہلا دھلا کر سفید کفن میں لپیٹ دیا تو آنسو بھری آنکھوں سے حیرت اور غم سے اس نے دیکھا کہ اس کے باپ کے ہونٹوں پر وہی بات کی سی ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی اور جس کے بعد وہ ابدی نیند سو رہا تھا۔ ایک عجیب سی گہری مسکراہٹ کسی کو پتہ بھی نہ تھا۔ ایک تسلی اور پر سکون اور ناقابلِ بیان حسن لئے پر اسرار مسکراہٹ جو زندگی میں کم دیکھنے میں آتی ہے۔ اور آخری دیدار کرنے والے اس کی بلندی پر ساختہ اللہ اکبر کہتے چلے آ گئے تھے۔ سب نے اس ابدی مسکراہٹ کو مرحوم کی نجات اور اس کے جنتی ہونے کی نشانی قرار دیا تھا۔ پھر جنازہ اٹھا۔ اور جلوس جنازہ میں بے شمار لوگوں نے شرکت کی۔ انسانی سروں کے سمندر میں اس کے باپ کا جنازہ ہے۔ سو کشتی کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ اس کے نیچے سوگوار سمندر کی لہروں پر تیرتا ہوا چلا۔ فضا سوگوار تھی۔ اور کلمہ کی گونج سے جو جھلک تھی آسمان اداس تھا اور زمین نوحہ کناں۔ اور پھر شہر کی بڑی مسجد میں نمازِ جنازہ سینکڑوں لوگوں نے غم اور سوگواری کے عالم میں پڑھی۔ اور شہر کے ایک آباد محلے کے قلب میں سرخ اینٹوں کی چار دیواری سے محصور قبرستان میں اس کے پیارے اور عظیم باپ کی میت کو سپردِ خاک کر دیا۔ غم و اندوہ کی حقیقت ہے، سو کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ اسے وہ سب کچھ ایک خواب کی طرح یاد ہے کہ وہ ایک انتہائی کربناک اور روح فرسا خواب۔ اور جب اس کے باپ کو تنگ لحد میں سلا دیا گیا تو کفن کے سرہانے کے بند کھول دئے گئے اور چہرہ دکھایا گیا۔ لوگوں نے بے اختیار پکار کر کہا۔ سبحان اللہ! اور یہاں بھی اس نے آنسوؤں کی چلمن سے دیکھا۔ گہری تنگ لحد میں اس کے باپ کا نورانی چہرہ قبلہ رو تھا۔ بند آنکھیں، پر سکون اور مطمئن چہرہ قبلہ کی طرف رکھا گیا تھا اور یہ اس بات کی نشانی تھی کہ مرنے والے کا خاتمہ بخیر ہوا اور وہ جنت میں جانے والا ہے۔ اور اس کا دل چیخ اٹھا۔ "ابا آپ اکیلے جا رہے ہیں۔ پھر کبھی نہ آنے کے لئے۔ مجھے بھی ساتھ کیوں نہیں لے چلتے۔ مجھے اکیلا کیوں چھوڑ رہے ہیں؟" لوگوں نے اسے سنبھال کر وہاں سے ہٹانا چاہا تو وہ کشمکش کرتے ہوئے بولا۔

"چھوڑ دو مجھے اتنا ظلم نہ کرو۔ میں اپنے ابا کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ آخری بار۔ آخری بار۔" اس کے بڑے چچا نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "بچے سے بھائی جان مرحوم کو بے حد انس تھا۔ وہ اسے جیتے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اسے دیکھ لینے دو۔ اب وہ زندگی بھر اپنے پیارے اور شفیق باپ کی صورت نہیں دیکھ سکے گا۔"

اور وہ دیر تک اپنے باپ کے مردہ چہرے پر نگاہیں جمائے کھڑا رہا۔ کتنا سکون تھا کتنی بے خوفی۔ کس قدر اعتماد اور اطمینان سے اس نورانی چہرے پر مرنے کے بعد بھی اسی طرح سہانی مسکراہٹ تھی۔ مطمئن چہرہ جسے دیکھ کر کوئی ڈرتا تھا اور نہ دہشت ہوتی تھی۔ جیسے گلاب کے فرش پر سویا وہ محبت بھرا جسم جو جلد ہی خاک ہوں سے اوجھل ہونے والا تھا۔

ابھی وہ جی بھر کر اپنے باپ کا چہرہ دیکھ بھی نہ سکا تھا کہ لوگوں نے پتھر کی سلیں قبر پر جلدی جلدی رکھنا شروع کر دیں۔ ایک سل، دوسری سل۔ پہلے گردن ڈھک گئی پھر دوسری سل رکھی۔ اور اب سینہ بھی ڈھک گیا۔ اور ایک سل رکھنے کے بعد پتھر کی ایک چوڑی سی سل، آخری سل جس نے لحد میں اس کے باپ

لوگ جو دیکھا بھی ہے جو کہ مردوں کو زندہ کرنا ہوتا ہے۔ اور پھر لوگ ان چادروں سے ہو کر پیچھے آتے گئے۔ وہ سارے درست ہو کر اللہ کی جنت میں جا پہنچے اتنی بیتیں بات کہ کے ہر پہلی منزل۔ اور پھر جو ہر بعد بھی ایک ایسی قبر کی صورت میں اس کے سامنے تھا جس کے نیچے ان کا نتیجہ تھا تقبیل اور پیار ایک سمجھ کر سکون کی نیند سو رہا تھا۔ فاتحہ خوانی کے بعد سب لوگ واپس چلے گئے اور اس کے ابو نے زبردستی سے وہاں سے چلنے پر مجبور کیا۔

"میرے بابا! دیکھو ابھی تک یہاں میں ہی ہوں۔ آپ بھائی بہن ہیں، والدہ اماں ہیں، نانا جان ہیں، نانی اماں ہیں۔ اور ہم لوگ ہیں۔ تم قبر کے پاس بیٹھ کر اس طرح تم روؤ گے اور اپنی حالت تباہ کرو گے تو تمہارے ابا کی روح کو تکلیف پہنچے گی۔"

"کیا بابا ہمیں دیکھ رہے ہیں؟"

"بالکل۔" اس کے ابو نے کہا۔ "مگر ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔"

"پھر کون دیکھ سکتا ہے انہیں؟"

"کوئی نہیں۔" اس کے ماموں پریشان ہو گئے۔ "صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے انہیں دیکھ سکتے ہیں۔"

"اب مرنے کے بعد بھی انہیں دیکھنا ممکن نہیں ہے؟" وہ کھوکھلی آواز میں بولا۔

"اب صرف قیامت کے روز دکھائی دیں گے بابا۔" اس کے ماموں کی آواز لرز رہی تھی۔

اور اس نے پوری شدت سے سوچا کاش قیامت ابھی اسی وقت آ جائے تاکہ وہ اپنے پیارے ابا کو دوبارہ دیکھ سکے۔ مل سکے، ان کے ساتھ باتیں کر سکے۔ ان کی قربت کے لذت بخش احساس سے قوی بن سکے۔

لیکن قیامت نہیں آئی۔ اور وہ رات بھر بیٹھے بیٹھے بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ رات بھر اسے … کے آنسو … اور اس کی والدہ اور بوڑھی دادی اس کے بستر پر … کر رہی تھیں۔

"دادی جان! ابو کیا قبر میں بیٹھے …" وہ بار بار پوچھتا تھا۔

"دادی اماں۔ ابا اب کیا کر رہے ہوں گے؟"

اور دادی اماں دل پر جبر کر کے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیتی تھیں۔

"بیٹا۔ اب منکر نکیر سوال و جواب کے بعد جا چکے ہوں گے۔ تمہارے ابا تو جنتی تھے۔ اب قبر ان کے لئے روشن اور کشادہ کر دی گئی ہو گی۔ اور قبر میں جنت کی کھڑکی کھول دی گئی ہو گی۔"

"ابا جنت کو دیکھ رہے ہوں گے؟" وہ بے تابی سے پوچھتا۔ "ابھی وہ قبر ہی میں ہوں گے نا۔ لیکن جنت کو وہ ابھی نہیں گئے ہوں گے نا؟"

"وہ قیامت تک قبر ہی میں رہیں گے۔ خدا کی عبادت اور ہم تمام کے لئے دعا کرتے ہوئے، سکون کی نیند کرتے ہوئے وہ قیامت تک قبر ہی میں رہیں گے۔ اور جب صور اسرافیل پھونکا جائے گا تب وہ قبر سے نکلیں گے اور خدائے بزرگ و برتر کے آگے حاضر ہوں گے۔ اسی دن وہ ہم سے ملیں گے۔ اسی دن خدائے واحد مطلق فیصلہ اور حساب کرے گا۔"

تو ابا قبر ہی میں ہیں۔ وہ دل ہی دل میں کہہ اٹھا۔ اور قیامت تک وہیں رہیں گے۔ کہیں نہیں جائیں گے۔ ابا قبر میں زندہ ہیں۔ ہمیں دیکھ سکتے ہیں۔ ہماری آواز سن سکتے ہیں۔ اس طرح ابا کہیں گم نہیں ہوئے ہیں۔ کھو نہیں گئے ہیں۔ وہ قبر میں موجود ہیں اور موجود رہیں گے۔ ساتھ ہی اس نے ایک انتہائی بچگانہ سوال کیا۔

"دادی اماں۔ ابا کو قبر میں کیوں دفن کیا گیا۔ ہمارا گھر تو اتنا بڑا تھا۔ کسی کمرے میں انہیں رکھ دیتے تو کیا ہوتا؟"

دادی اماں خوف اور غم سے زرد پڑ گئیں۔ اور درد بھری آواز میں بولیں۔ "بیٹا ہمارا گھر تو قیامت تک نہیں رہ سکتا تھا بھلا اس گھر میں ان کو کیسے رکھا جا سکتا تھا وہ جو قیامت تک رہنے والے ہیں۔" وہ رک کر بولیں۔ "سچی بات تو یہ ہے بیٹے کہ ہمارے یہ مکان تو ناپائیدار فنا ہو جانے والے اور غیر حقیقی ہیں۔ اصلی اور حقیقی مکان تو قبر ہی ہے جہاں سب کو ایک دن جانا ہے اور قیامت تک رہنا ہے۔ خواب میں ہو یا راحت میں قیامت تک قبر ہی میں رہنا ہے۔"

اور اسی وقت سے اس کے ذہن میں اپنے باپ کی قبر کو پختہ اور بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ اور چہلم کے دن جب مٹی کی کچی قبر پختہ ہونے اور سیمنٹ کی ایک خوبصورت سی پختہ قبر میں تبدیل ہو گئی اور سفید پھولوں کی چادر چڑھنے کے بعد تعویز مزار پر گلاب کے تازہ سرخ پھول رکھ کر فاتحہ کے لئے لوگوں نے ہاتھ بلند کئے تو بے ابر نیلگوں آسمان پہ گرمیوں کا پورا چاند ابھر آیا تھا۔ اور سفید نورانی قبر کا بھی چاندنی کے پھول بن جاتے لگا تھا۔ قبر کے سرہانے سے خوشبودار دھواں بلند ہو رہا تھا۔ پھول اور خوشبو ہی روحانی غذا ہیں۔ مرنے والوں کی واحد غذا جس سے انہیں سکون ملتا اور آسودگی نصیب ہوتی ہے۔ بوڑھی دادی اماں کی کہی ہوئی یہ بات اس کے ذہن پر رقم ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ ہر روز سورج نکلنے سے پہلے باپ کی قبر پر پہنچ جاتا۔ اور خوش شگفتہ پھولوں کو قبر پر چڑھاتا۔ خوشبودار اگربتیاں سلگاتا۔ اور ... درود پڑھ کر فاتحہ پڑھتا۔ اس نے مسجد کے پیش امام سے سن رکھا تھا کہ گیارہ بار درود پڑھنے سے اہل قبور کو قبر پر آنے والے کی اطلاع ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

صبح سویرے وہ اپنے باپ کی قبر پر پہنچ جاتا۔ درود و فاتحہ کے بعد گھنٹوں قبر سے باتیں کرتا۔ اپنے باپ کو گھر اور باہر کی باتیں سناتا۔ اور جب سورج بلند ہو جاتا تو بوجھل قدموں سے واپس ہوتا۔ اور شام میں اسکول سے واپسی کے فوری بعد پھر باپ کی قبر پر پہنچ جاتا۔ اپنے باپ کو اپنا سبق سناتا۔ درسی کتب پڑھتا۔ قبر سے باتیں کرتا رہتا۔ قبر کے اندر اپنے باپ کی موجودگی کا احساس اسے سکون بخشتا تھا۔ وہ اب اس قدر غمگین اور دل شکستہ نہیں رہتا تھا۔ آنکھوں سے دور ہو کر بھی اس کا باپ دور نہیں ہوا تھا۔ وہ جب بھی قبر پر بیٹھا چشم تصور اسے اس کے باپ کا چہرہ دکھا دیتی۔ وہ مسکراتا ہوا چہرہ، وہ محبت بھرے ہاتھ، وہ بازو، وہ سینہ، وہ جسم۔ وہ روح وہ لازوال محبت اور وہ شفقت۔ وہ اپنے باپ کو اسی طرح محسوس کر سکتا تھا۔ اس کی آواز کو سن سکتا تھا۔ اس کی بے پناہ قربت میں بیٹھا رہتا تھا۔

ایک سال گزر گیا مگر اس کے معمول میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ صبح اور شام پابندی سے باپ کی قبر پر جاتا۔ فاتحہ پڑھتا، گھنٹوں اس سے باتیں کرتا۔ ایک دن اس نے اپنے باپ کی قبر کو مخاطب کر کے کہا "ابا جان! میں میٹرک میں فرسٹ کلاس سے کامیاب ہو گیا ہوں"

چند دنوں بعد اس نے اپنے باپ کو بتایا کہ اس نے کالج میں داخلہ لے لیا ہے۔ پھر چند ماہ بعد اس نے شام میں باپ کی قبر پر آنا ترک کر دیا۔ اس میں اس کے ارادے کو مطلق دخل نہ تھا کالج کی زندگی اور مصروفیت کی وجہ سے وہ مجبور ہو گیا تھا۔ چند ماہ بعد ایک صبح اس نے تاخیر سے آنے پر معذرت چاہی۔ اپنے باپ کی قبر سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ابا جان میں ہر روز یہاں نہ آسکوں گا مجھے روز کالج جانے میں دیر ہو جاتی ہے۔ اچھا ابا میں اب ہر جمعہ کو آیا کروں گا آپ کوئی خیال نہ کریں میرے لئے دعائے خیر فرماتے رہیں۔"

زندگی کے ہنگاموں نے تو اسے پوری طرح اپنی آغوش میں سمیٹ لیا تھا پھر بھی وہ اپنے باپ کے خیال سے غافل نہ ہو سکا تھا۔ وہ کہ پیار اور شفقت بھی اس کے خیالوں میں زندہ تھا۔ وہ ہر جمعہ کے روز جب وہ اس کی قبر پر پہنچتا تو اس کے جسمانی وجود کو بھی محسوس کرتا تھا۔ اس نے کچھ ذہن میں [illegible] خالی خواب اس میں ذرا سا کم ہو چکا تھا۔ اس کا عقیدہ پختہ ہو چکا تھا کہ قبر میں اس کا باپ موجود ہے، جو اسے دیکھ سکتا ہے۔ اس کی آواز سن سکتا ہے اس کی خوشی اور کامیابی کے لئے دعائیں کر سکتا ہے۔!

وہ گرمیوں کی ایک رات تھی۔ اور اتوار کی رات تھی۔ وہ خلاف معمول اور خلاف وقت، اپنے باپ کی قبر پر پہنچ گیا تھا۔ اور آنسوؤں سے بھری آواز میں کہہ رہا تھا۔

"ابا۔ دادی اماں کا ابھی ابھی انتقال ہوا ہے۔ وہ۔۔ وہ مجھے آپ کے پاس بھیج گئی ہیں۔ کیا آپ کو یہ سب معلوم ہے؟"

باپ کی موت کے بعد دوسرا گہرا دکھ تھا جو اس کے دل پر لگا تھا۔ بوڑھی دادی سے اسے بہت انس تھا۔ باپ کی موت کے بعد وہ دادی کی شفقت میں سکون محسوس کرنے لگا تھا کہ وہ مر گئی۔ یہ بے حد غم تھا۔!

رات ہی میں اس کے چچا نے طے کیا کہ دادی اماں کو اس کے باپ کے سرہانے سپرد خاک کیا جائے۔

"بھائی جان مرحوم بہت خوش نصیب ہیں انہیں ماں کی پائنتی مل رہی ہے۔"

"ماں کے قدموں میں جنت ہے" [illegible] یادیں ذہن میں تازہ ہو گئیں اور اس طرح دادی اماں جوں ہی ابا کے سرہانے دفن ہوئیں [illegible] جنت [illegible] وہ جنت اور دوزخ کے بارے میں سوچتا ہوا [illegible]

زیادہ تر کام روشنی ہی کے اندھیروں میں ان کا اکیلا پن سا منتشر ہو رہا تھا۔

قبرستان میں جب وہ پہنچا تو سورج ڈوبنے والا تھا۔ دھوپ پیلی پڑ چکی تھی اور سایہ قائم رکھنے والی شاخوں کے بیچ [illegible] گزرے رہے تھے ان میں سے ایک اداس قبر سب سے نمایاں تھا جس کا آخری کتبہ [illegible] وہ جو بوڑھا تھا۔ وہ مرا ہوا کہ اس کے باپ کا [illegible] وہ بھی تھا مگر اس کی صورت پہچاننے کے لیے [illegible] نہیں دیتی تھی دونوں کو لگتا تھا کہ [illegible] سینے تلے پڑا رہے سینے کا بوجھ بھی جو تیز چلنے میں [illegible] قبر میں اس کے باپ کی قبر کے پاس [illegible] وہ حیرت، غم اور خوف سے کھڑا ہوا دیکھنے لگا۔ [illegible] خیال آیا کہ آپ کے سرہانے کھڑا ہو کر [illegible] — شور و غل ہو رہا ہے کیا اس کے کانوں میں عبادت میں خلل نہیں پڑ رہا ہوگا۔ [illegible] "پھر ایک خیال اور۔ [illegible] معلوم ہے ان کے سرہانے کون کھڑا ہے۔" پھر کچھ دیر کے بعد وہ کچھ سوچنے لگے۔

اچانک ایک جھٹکا سا محسوس ہوا۔ اور دونوں گورکن ایک آواز خوف سے چیخ پڑے۔ وہ چونک کر دیکھنے لگا کہ قبر کی پائنتی کھودتے ہوئے [illegible] نے جس کے باپ کی قبر کے سرہانے کو کھود دیا تھا۔ اور تازہ کھدی ہوئی قبر میں سے بالکل اور پرانی [illegible] کی طرح دکھائی دے رہا تھا جس تازہ گری ہوئی مٹی کا غبار چھایا ہوا تھا۔ [illegible] تو بدن میں سنسنی کا ایک جال سا دوڑ گیا [illegible] برس بعد اس بند تجوری کا پٹ کھلا تھا جس میں اس کی روح کا [illegible] ایک بار اپنے باپ کا چہرہ دیکھنے کی خواہش شدت سے ابھر آئی۔ اس کا باپ جو اس قبر میں اس کا انتظار [illegible] اس کا ایک عظیم اور خدا پرست باپ جس کے [illegible] خود اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں۔ وہ جو قبر میں قیامت تک رہنے والا تھا۔ جنت کے نظاروں اور خدا کی عبادت میں محو، پُر سکون اور [illegible] زندگی بسر کر رہا ہوگا۔ وہ جس کے ساتھ وہ برسوں سے [illegible] رہ چکا ہے۔ وہ جو اس قبر میں تھا۔ وہ اب ہمیشہ رہے گا۔ ....!!!

وہ ڈوبتے دل سے تازہ کھدی ہوئی قبر میں کھلے ہوئے دہانے کی طرف دیکھنے لگا جس پر سے گرد و غبار اب صاف ہو چکا تھا۔ اس کا دل کسی نامعلوم خوف سے ڈوبنے لگا۔ اس نے جھک کر اس تاریک سرنگ میں جھانک کر دیکھا۔ سفید کفن، کافور، عطر، عبیر اور گلاب کی خوشبو کا نام و نشان تک نہ تھا۔ قبر میں کچھ بھی نہ تھا۔ ہڈیاں تک دکھائی نہ دیتی تھیں۔ اس پر سکتے کا سا عالم طاری ہو گیا۔ اس ایک لمحے میں اس کے خیالوں کا خیشن محل روشنی کی بلندیوں سے فرش پر آ رہا تھا۔ قبر بالکل خالی تھی۔ اندر کچھ تھا تو وہ مٹی تھی اور اندھیرا۔ وہ پریشان ہو کر اوپر آ گیا۔ اور گورکن جو اپنی غلطی ..... پر نادم تھے جلدی جلدی قبر کے کھلے ہوئے دہانے کو بند کرنے لگے۔

قبر میں ہڈیاں تک گل گئیں۔ [illegible] کچھ بھی نہیں تھا کچھ بھی نہیں۔ زمین اس کے باپ کو کھا چکی تھی۔ تو کیا زندگی یہی ہے۔ قبر کی طرح خالی، تنہا، ویران اور کھوکھلی ۔۔ اور بے حقیقت . ؟

اس کے نرم و نازک ذہن پر کچے خیالوں کے بنائے ہوئے سارے گھروندے مسمار ہو چکے تھے۔ اور روح کی گہرائیوں میں ایک دبیز اور بھیانک سناٹا چھا گیا۔ زخمی دل اور بوجھل قدموں سے چلتا ہوا جب وہ قبرستان سے باہر نکلا تو اسے محسوس ہوا جیسے اس کے باپ کا درحقیقت آج انتقال ہوا ہے۔ اور وہ اب اسے سپرد خاک کرکے جا رہا ہے ۔۔!

بقیہ منظر نگاری کا مفہوم صفحہ ۱۳ کا

انسانی فطرت سے متاثر ہونا، فطرت پر انسانی ہیئت کا اقرار اور فطرت کے ذریعہ متصوفانہ، فلسفیانہ، اخلاقی اور نفسیاتی مسائل کا تجزیہ وغیرہ بھی منظر نگاری کے زمرے میں شامل ہے۔ ممکن ہے کہ منظر نگاری کی اس وسعت سے کچھ ناقدین متفق نہ ہوں۔ اور ان کے ذہن میں منظر نگاری کا مفہوم محدود رہے۔ مگر انگریزی کا ادب میں منظر نگاری کے اس مفہوم کو اپنا لیا گیا ہے اور فطرت کے مختلف پہلوؤں کو منظر نگاری کے ذیل میں شمار کیا گیا ہے۔

محسن زیدی

غزل

شعلہ ہوں مگر برف کی چادر سے ڈھکا ہوں
نغمہ ہوں مگر ساز کے پردے میں چھپا ہوں

اکثر تجھے پاکر بھی یہ محسوس ہوا ہے
جیسے کہ کسی اور کو میں ڈھونڈ رہا ہوں

اے اہلِ ستم نقشِ سرِ آب نہ سمجھو
مجھ کو نہ مٹا پاؤ گے میں نقشِ وفا ہوں

شاید ہو کوئی شمع کسی سمت سے روشن
حیران سا میں کب سے اندھیرے میں کھڑا ہوں

وہ عہد جو ہر دور میں اک خواب رہا ہے
اس عہد کے آثارِ سحر دیکھ رہا ہوں

صہبا سے بھروں جام کہ اب خونِ جگر سے
کچھ تلخیِ حالات کا حل سوچ رہا ہوں

محسوس یہ ہوتا ہے کوئی اور ہو جیسے
میں اپنی ہی تصویر سے اب کتنا جدا ہوں

اک شب بھی نہ اس طرح جلی ہوگی کوئی شمع
اک عمر میں جس سوزِ مسلسل میں جلا ہوں

محسن ہے مجھے ناز کہ اس شہرِ نوا میں
اپنا ہی میں آہنگ ہوں اپنی ہی صدا ہوں

نامی انصاری

غزل

عشق میں تھی گرچہ پہلے کیف سامانی بہت
دھیرے دھیرے بڑھ گئی دل کی پریشانی بہت

دیکھ کر اہلِ جہاں کی مصلحت اندیشیاں
یاد آتی ہے مجھے صحرا کی ویرانی بہت

سادگی میں بھی ہیں پنہاں شوخیوں کی بجلیاں
آئینہ در آئینہ ہے سحر سامانی بہت

دیکھئے کیا رنگ لاتا ہے جہانِ رنگ و بو
خونِ دل کی جنسِ حاضر میں ہے ارزانی بہت

کون کر سکتا ہے اب چاکِ جگر کا حوصلہ
ہم سے دیوانوں کو ہے بس چاک دامانی بہت

بادۂ رنگیں تری سرمستیوں کی خیر ہو
مدتوں کرتے رہے ہم بھی گل افشانی بہت

نقش ہائے خونِ بسمل کا بھی ہے کوئی جواب
شہر میں پاتا رہا ہے خامۂ مانی بہت

بادۂ انگور سے جاتی نہیں تشنہ لبی
اس لئے ارزاں ہوا ہے خونِ انسانی بہت

چھیڑئیے محفل میں نامی اب کوئی سازِ دگر
کر چکے حسن و محبت کی ثنا خوانی بہت

افسانہ ۔ نگہت ابوالحسن

سمندر

جس وقت تائی اماں کا انتقال ہوا مجھے کچھ ایسا احساس ہوا کہ ایک ضخیم اور قیمتی صفحات سے بھری ہوئی کتاب پڑھنے سے رہ گئی۔ یقیناً مجھے اس کتاب سے کتاب کے لئے کچھ اور ہوش مند ہونا چاہئے تھا۔ اس احساس کے بعد میں نے بے حد ضبط کیا لیکن چند آنسو میری آنکھوں سے تائی اماں کے چہرے پر ٹپک ہی گئے۔ لوگوں نے مجھے فہمائشی نظروں سے دیکھا لیکن تائی اماں کی بند آنکھیں میری نظر کے دائرے میں مسکرا پڑیں جیسے مجھ سے چپکے چپکے خاموشی ہی خاموشی میں بہت کچھ کہہ دیا ہو۔

تائی اماں عجیب و غریب شخصیت کی مالک تھیں۔ ایک ایسا انسان جو بظاہر شانت سا محسوس ہوتا لیکن قریب سے دیکھنے پر بے تکلف اور [illegible] کر رکھنے والا [illegible] رہ جائے۔

تائی اماں کو بچوں سے بے حد محبت تھی۔ شاید وہ [illegible] تھیں۔ خاص طور پر چاندنی راتوں سے انہیں بڑی نفرت تھی۔ ہمیشہ [illegible] چاندنی راتوں میں کمرے کی کھڑکیاں اور دروازے بند کر کے پردے گرا دیا کرتیں۔ تائی اماں کو دنیا کی ہنسی سے بھی سخت چڑ تھی اگرچہ انہوں نے ہنسنے والوں کو کبھی نہیں [illegible] لیکن معلوم یہی ہوتا تھا جیسے کہہ رہی ہوں۔ جتنا ہنسو گے اتنا ہی روؤ گے۔

تائی اماں کو دنیا سے بھی دلچسپی نہیں تھی۔ پھولوں سے، رنگوں سے، بہاروں سے وہ بے حد دور رہتی تھیں۔ آنے جانے والوں سے بھی انہیں کوئی غرض نہ تھی۔ ان کا ایک پرانا چھپر کھٹ تھا۔ [illegible] جانے وہ اس حویلی میں [illegible] زیادہ تر وقت آرام کرسی پر بیٹھے رہتے [illegible] کر دیتیں۔ ان کی آنکھیں ہمیشہ بند رہتیں۔ لوگ کہتے وہ کسی وظیفے میں مصروف رہتی ہیں لیکن ناچیز کے خیال میں تائی اماں کو دعاؤں یا وظیفوں کی برکتوں پر بھی کبھی اعتقاد نہیں رہا۔ انہیں دیکھ کر کبھی کبھی جذب کا احساس ضرور ہوتا لیکن [illegible] اپنی اس حماقت آمیز خیال پر ہنسی آ جاتی۔ اتنی بڑی کوٹھی، ایسے چاہنے والے تایا ابا، جاہ و حشمت، عزت، مرتبہ، عشرتوں کی ریل پیل، بھلا ان میں کوئی زخم بھی ہو سکتا ہے۔ بہ فرض محال تشخیص کرنے والے حال جان کر [illegible] ادا کر دیں۔؟؟

لیکن ان کے انتقال کے بعد میرے ذہن میں یہ بات بیٹھ ہی گئی کہ بعض وقت ماہر فن بھی دھوکہ کھا جاتے ہیں اور یہ دھوکہ شاید لوح محفوظ میں مشیت کے علم سے درج ہو چکا ہوتا ہے۔ پھر کوئی انسان سر پٹکے، مداوا ہو ہی نہیں پاتا۔

اگر تائی اماں کی کوئی اولاد ہوتی تو شاید ان کی ہستی کا عقدہ کسی نہ کسی حد تک ضرور ہی کھل جاتا لیکن سب لوگوں کی طرح میں نے بھی سنا تھا تایا ابا کو اولاد سے ازلی دشمنی تھی۔ وہ اولاد سے یوں دور بھاگتے رہے [illegible] جیسے سانپ۔ دو ایک مرتبہ امید ہوئی بھی تو فوراً [illegible] کے بال بال کرتے [illegible] برابر کر کے دم لیا۔ لیکن تائی کو ہمیشہ [illegible] اور ان کے عیش و آرام [illegible] میں کبھی کمی نہ ہونے دی۔ یہ بھی سنا کرتا تھا کہ [illegible] تائی کا گھر سے کبھی قدم نہیں گیا۔ لوگوں نے انہیں ہمیشہ مگن دیکھا [illegible] جنت گھر بسا رہے [illegible] تائی اماں [illegible] تھیں لیکن دنیا بھر کی اولاد میں ہمیشہ [illegible] رہیں۔ انہیں اس طرح مانا کہ ان کی اپنی گود کی اولاد بھی نہ مانتی۔ بچوں کے [illegible] سے ان کی ہر بات [illegible] کرتے۔ وہ کسی سے اپنا کام کروانا منظور نہ کرتیں تب بھی لوگ ان کے آگے پیچھے جاتے

اور ان کا کام کر لینے پر فخر سے سر بلند کئے گھر لوٹ آتے۔

میں شدت سے اس شام کو فراموش نہ کر سکوں گا جب میں نے ان کا سوٹ کیس کھولا تو خوبصورت قلم اور ان کی مجلد کاپی کے ایک صفحے پر گھسیٹا ہوا بد صورت قلم کی لکھی تحریر سے مرعوب ہو کر، بیٹھے اندھیرے میں نہ جانے اپنا لکھا کیوں یاد آیا تھا۔ تائی ماں کا لکھا ہوا۔ تاہم اس میں درج ہوا ہر لفظ میرے ذہن میں ان موتیوں سے مشابہ رہا جو ایک لڑی میں بڑی ترتیب و تزئین سے پرو دیئے گئے ہوں، پھر ان کی آہٹ سن کر میں عجلت سے بھاگ آیا تھا۔ لیکن ہمیشہ مجھے حسرت [illegible] کو سورج کی تیز روشنی میں غور و اطمینان سے دیکھوں۔ یہی وجہ تھی کہ جب میں نے ان کے مردہ جسم پر گھسے ہوئے چہرے اور بند آنکھوں کو غور سے دیکھا تو مجھے دفعتاً محسوس ہوا میں لاعلمی کے گہرے کنویں میں منہ کے بل گرا ہوا ہوں اور ایک بڑی قیمتی انمول کتاب جس کی قیمت کا کوئی تعین کبھی نہیں کیا جا سکتا، میرے سامنے میں آنے نیز اکتساب علم کرنے سے پہلے بند کر دی گئی۔

اس روز میں دیر تک روتا رہا۔

یوں تو سب ہی رو رہے تھے لیکن میرے رونے پر اکثر لوگ متعجب تھے۔ لوگوں نے بہت کم مجھے تائی ماں کے رہن سہن کے حصے کی طرف جاتے دیکھا تھا جب کہ قریب قریب ہر روز کچھ نہ کچھ حاصل کر لینے کے لئے وہاں ضرور چکر لگاتا رہتا۔

میں نے خواب میں کم از کم تائی ماں خواب میں آ کر مجھے اپنے بارے میں کچھ بتائیں لیکن یہ آرزو کبھی پوری نہ ہوئی اور تایا ابا ایکدم مجہول سے نظر آنے لگے۔ وہ ہر صبح باقاعدگی سے سب کے آگے اپنے خواب بیان کرتے جو اعف سے و سلام تک تائی ماں کی آمد اور حکایات سے بھرپور ہوتا۔ اور سب بڑے دھیان سے سنا کرتے۔ مگر مجھے محسوس ہوتا، تایا ابا مکر کر رہے ہیں۔ یہ ان کا لاشعور ہے جو ہر شب ان کی بند آنکھوں کے آگے من چاہے رقص دکھا کر صبح اجالے میں گم ہو جاتا ہے۔ اندھیرا تایا ابا کی بڑی کمزوری تھا۔ انھوں نے ہمیشہ اجالے سے پیار کیا تھا اور اجالے ہی میں اندھیرے کی بابت سوچا تھا۔ ورنہ ہر شام یہ وہ بتی جلا کر آنکھیں بند کر لیتے اور کبھی رات کی تاریکیوں کو بڑھتے اور پھیلتے ہوئے نہیں دیکھتے۔ ہاں سحر کا پہلا سورج طلوع کرنے کے ساتھ وہ بستر چھوڑ دیتے اور گرد و پیش کی ڈالی چڑیوں کی طرح چہچہانے لگتے۔

ان کے دوست احباب محدود تھے۔ انھیں دنیا کی ذرہ برابر فکر نہ تھی۔ ہمیشہ یہ دنیا تائی کے وجود میں تلاش کی اور ہمیشہ مطمئن رہے۔ تائی کی زندگی میں پہلی مرتبہ اتفاقاً ہم تائی کے مرنے کے بعد دودھ گرم کرنے کی غرض سے انگیٹھی میں دوسری بار میں نے وہ مجلد کاپی دیکھی۔ تایا اسے اوراق انگیٹھی سے جھونک رہے تھے۔ تایا کا چشمہ ان کی ناک کی نوک پر پھسل کر آ گیا تھا۔ اور جانے آگ کی قربت سے یا خود جذبات سے چند ستارہ جیسے ان کی آنکھوں کے گرد گڑھے سے چمک رہے تھے۔ میں نے جھجھک کر تایا کی آنکھوں میں پوچھا [illegible] جو وہ [illegible] تایا ابا؟

تایا ابا گو خدا اپنی ہی اولاد سے بڑھ کر تھے وہ سب بہن بھائیوں کے ہم عمر ہونے کے سبب بے حد چاہتے تھے۔ میری بات سن کر پہلے تو چونکے پھر بے حد تھکے ہوئے انداز میں بولے۔ بیٹے، وہ تمہاری پھوپی سے انھوں نے جو بقیہ اوراق کو آگ دکھا دی۔ میں سوچ رہا کیا تایا ابا نے واقعی ان اوراق پر درج تحریریں نہیں پڑھی ہوں گی؟

کیا واقعی وہ ایسے مضبوط با ہمت اور سچے انسان ہو سکتے ہیں؟ مجھے پتہ نہ چل سکا لیکن جب تھوڑے دنوں میں صدمے کی تاب نہ لا کر وہ بھی اس دار فانی سے کوچ کر گئے تو میں واقعی بلک بلک کر رو پڑا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میرا کوئی نہیں رہا۔ اتنی بڑی دنیا میں اتنے اپنے لوگوں کے بیچ میرے بے حد اپنے پیارا ماں نے مجھے دو جانے لگا کے ... ماں نے مجھے تسلی دی لیکن میرا دل بوجھل تھا۔ ایک ایسے بوجھ سے بھرا ہوا جس کا ہلکا ہو جانا ممکن ہی نہ تھا۔

چالیس دن تک تایا تائی کا سامان محفوظ رہا۔ اکتالیسویں دن ان کے بہن بھائیوں میں سامان کا بٹوارہ ہوا۔ میں از حد مشتاق ایک کونے میں دبکا رہا۔ تائی کی ہم راز اس مجلد کاپی کے جل جانے کے باوجود مجھے کسی ایسی چیز کی تلاش تھی جو تائی کی پر اسرار زندگی کا غماز خواہ مختصر ثابت ہو۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا کمرہ خالی ہوتا گیا۔ بے رونقی بڑھتی گئی ... تائی کے عدم وجود کو کھنگال کر جب سب لوگ اٹھ گئے اور کمرہ صفائی کے لئے کھلا چھوڑ دیا گیا ... پھینکے جائے ... کونا کونا چھان رہا تھا پھر ... تائی کا بستر تھا وہاں مجھے ...

راج نرائن راز

حیف

میں نے جو طوطا پالا تھا
میری باتیں دہراتا تھا!
سُن کر دوست سبھی خوش ہوتے
میں بھی بے حد خوش ہوتا تھا
اور کمالِ فن پر اپنے
اکثر ناز کیا کرتا تھا

جانے اک دن بات ہوئی کیا
میں کھویا سا، سوچ میں ڈوبا
سوچا ــ کام پرندوں کا ہے
کھُلی فضا میں اُڑنا پھرنا
اور سُریلے نغمے گانا!
بھور بھئے گھر واپس جانا

لیکن جو میرا طوطا ہے
پنجرے کے اندر رہتا ہے
میری باتیں دُھراتا ہے

ــ کھُلی فضا میں اُڑتا پھرنا
ڈال ڈال پر بور کترنا
بھور بھئے گھر واپس جانا
اُس کو بھی تو بھاتا ہو گا

پنجرے کا دروازہ کھولا
طوطا سہما سا بیٹھا تھا
گویا خود کو بھول گیا تھا

میری باتیں دوہراتا تھا!

طوطا، طوطا بھی نہ رہا تھا!
طوطا، انسان بن نہ سکا تھا!

پیرزادہ اقبال بیجاپوری

غزل

برہم ہے اُن کی زُلفِ دوتا خیر مانگئے
اب شہر میں ہے رقصِ قضا خیر مانگئے

اُڑنے لگی ہے گردِ بلا خیر مانگئے
میلی نہ ہو شگوں کی قبا، خیر مانگئے

ملنے لگے ہیں شر کے خداؤں کو حوصلے
خاموش خیر کا ہے خدا خیر مانگئے

اُٹھنے کو ہیں کچھ اور بگولے میانِ دشت
چلنے کو ہے کچھ اور ہوا خیر مانگئے

اک بھیڑ سی ہے بابِ اجابت کے آس پاس
گھبرائی جا رہی ہے دعا، خیر مانگئے

اقبال پھونک پھونک کے رکھئے گا اب قدم
رہزن ہوئے ہیں راہنما، خیر مانگئے

طنز و مزاح:-

یوسف ناظم

علم سے قلم تک

علم سے قلم تک پہنچنے میں آدمی کو بڑا ہونا پڑا اور سنا ہے لگن بھی چاہئے تھا کیونکہ آدمی قلم تک سیدھے راستے سے پہنچا بھی نہیں۔ آدمی نے یوں بھی کب سیدھا راستہ اختیار کیا ہے۔ جس راستے سے وہ قلم تک در آیا وہ بڑا کٹھن اور پیچیدہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ کسی راہبر کو پہچانتا بھی نہ تھا اس لئے وہ ہر راہ رو کے ساتھ تھوڑی دور چلتا اور پھر کئی دن اور کئی مہینے بھٹکتا۔ چلنے میں آدمی کو زیادہ تکلیف نہیں ہوتی کیونکہ وہ تو خلد سے چل کر دنیا میں آیا تھا۔ لیکن بھٹکنے کے معاملے میں البتہ اُسے بڑی محنت کرنی پڑی۔ شروع شروع میں تو اُس سے مطلق بھٹکا ہی نہیں گیا۔ وہ جب بھی بھٹکنے بیٹھا جلد ہی تھک جاتا۔ لیکن آگے چل کر بفضل تعالیٰ اُسے بھٹکنے کی اچھی مشق ہوگئی۔ جیسے ہمارے بچّوں کو ٹی وی کے ٹکڑوں کی ہو جاتی ہے۔ اس مشق کے بعد آدمی کو بھٹکنے میں ایسا مزہ آنے لگا کہ وہ راستہ چلے بغیر بھی بھٹکنے لگا۔ اس کو اس میں اتنا لطف آیا کہ یہ بھی کافی وقت صرف ہو گیا ورنہ آدمی کب کا قلم کی منزل پر پہنچ گیا ہوتا۔ علم سے چھوٹ کر تو اسے مدت ہو گئی تھی۔ اور اگر اُس کا سفر مسلسل ہوتا تو آدمی بہت پہلے قلم کو پہنچ جاتا۔ لیکن اس معاملے میں آدمی کے نظری تساہل کے علاوہ چند دوسری خلیجیں بھی تھیں جو مسلسل پڑنے کے بعد ہی پہچانی جاتیں۔ شاید کہ اُس زمانے میں فن تعمیرات نے بھی زیادہ ترقی نہیں کی تھی اور شہروں میں فلائی اوور بھی نہیں بنے تھے۔ راستہ چلتے چلتے آدمی کو طرح طرح کے کئی موافقات سے سابقہ پڑتا تھا۔

قلم تک پہنچنے میں آدمی نے کچھ زیادہ تجسس بھی نہیں دکھائی تھی کیونکہ اُسے اُس کے ایرانی والدین نے بتایا تھا کہ جو کام دیر سے ہوتا ہے اچھا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ آدمی کو یہ بھی معلوم تھا کہ مرغی کا انڈا اچھا ہے تو کیا ہوتا ہے۔ وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ اسے یقین تھا کہ وہ کسی راستے سے چلے اللہ چاہے تو گلی چال چلتا ہے سرپٹ جائے گا وہ قلم تک پہنچ جائے گا۔ بلکہ اسے اس کا بھی یقین تھا کہ اگر وہ قلم کی طرف چلا نہ گیا تو خود قلم اُس تک پہنچ جائے گی کیونکہ علم سے چھوٹنے کے بعد اُس کی منزل ایک ہی تھی۔ قلم۔ FLY OVER BRIDGE

کہا جاتا ہے کہ فیضی اور ابوالفضل کے عہد تک آدمی علم میں باضابطہ اور بے حد مگن تھا۔ فیضی اور ابوالفضل کی مشترکہ وفات کے بعد بھی اکّا دکّا واقعات میں آدمی کا علم سے تعلق ثابت ہوتا ہے لیکن یہ واقعات ایسے ہی ہیں جیسے ہزاروں شادیوں میں ایک آدھ کامیاب شادی کا اکّا دکّا واقعہ۔ علم سے آدمی کے تعلق کے اِن واقعات میں، مسافرات کا روز مرّہ نہیں ملتا۔ علامہ جیسے آدمیوں کو تو یہ دنیا زیادہ دن برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ ارسطو، سقراط، بقراط، لقمان، ارشمیدس اور ایسی ذات کے دوسرے سیکڑوں انسانوں کی موجودگی کا خیال نہ، دنیا بہت پہلے گنگنا چکی تھی معذرت میں۔ ایسے بزرگ علما لوگوں کا گزر ممکن نہیں۔ علم سے انسان کا رشتہ ٹوٹنا ضروری تھا۔

علم سے جب انسان کی ضروریات کی تکمیل ممکن نہ رہی تو قوم نے سوچا کہ اب علم کو چھوڑ کر قلم کے میدان میں قسمت آزمائی کر لینا چاہئے اور آپ کو معلوم ہے جب قوم کسی کام کے بارے میں سوچ لیتی ہے تو پھر دوبارہ نہیں سوچا کرتی۔ دوبارہ وہ لوگ سوچتے ہیں جنہیں اپنی رائے پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ قوم کبھی دوبارہ نہیں سوچتی۔ اس کی پہلی سوچ ہی آخری سوچ ہوا کرتی ہے۔ قوم نے جب قلم کے پاس آنا چاہا اس وقت

نائی توم کو وارڈ کاربوریشن کی سرپرستی حاصل تھی۔ وارڈ کاربوریشن کی کمپنی سماجی مصروفیات بہت زیادہ تھیں۔ انھوں نے کاربوریشن
سرکس بہت دیکھے تھے اور اُن کی رائے میں ایسے لحاظ سے بہا اور غذا کے بعد کارنوال ہی کا نمبر آتا تھا۔ بعض موقعوں پر انھوں نے
کارنوال کو بہا اصفہانی کی ترجیح دینے میں مختلف موسم سہانے بنا رہے تھے۔ غالباً وارڈ کارنوالس ہی نے توم کی پیٹھ ٹھونکی اور توم کو فلم کی طرف
راغب ہونے کا قیمتی مشورہ دیا اور ہمارے ہاں فلم شاید بہت پہلے بن جاتی اور ہمارے مسلمان کو بھی ایک آدھ فلم دیکھنے کا موقع مل جاتا
لیکن ہمارے مسلمان بہت زیادہ شریف تھے۔ وہ بغیر فلم دیکھے ہی مر گئے۔ وہ غالباً دور اندیش بھی تھے۔ عالم آرا دیکھے بغیر ان کا فوت
ہونا، گرشتہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ عالم آرا نے سچ پوچھئے تو توم کی زندگی کا رخ بدل دیا۔ یا یوں کہیے کہ توم عالم آرا سے پہلے گہری طرح سو رہی تھی۔
اس وقت کا مورخ لکھتا ہے کہ وہ گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی۔ اور گھوڑے بیچ کر سونا نہایت گہری اور طویل نیند کی علامت ہے۔ اب ایسی
نیند صرف خواب آور گولیوں کی مدد سے نصیب ہو سکتی ہے۔ عالم آرا سے پہلے توم بڑی ہی گہری نیند میں تھی۔ ساری فضا پر غنودگی چھائی
ہوئی تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ اگر سانپ سونگھ لے تو آدمی کا اتنا ہی نقصان ہے جتنا کہ سانپ کے کاٹنے
سے ہوتا ہے۔ توم ابھی غنودگی کے عالم ہی میں تھی کہ عالم آرا کا معجزہ عمل میں آیا۔ یک بیک فضا بدل گئی اور لوگ عالم آرا کو دیکھ کر بولا گئے۔

دیکھو لے ساکنانِ خطۂ خاک ... اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
کہ زمیں ہو گئی ہے سرتا سر ... روکشِ سطحِ چرخِ مینائی

عالم آرا کو آپ بارش کا پہلا قطرہ سمجھ لیجئے۔ اس کے بعد تو وہ موسلا دھار بارش ہوئی کہ لوگ سیاست دانوں کے بھاشن بھول گئے۔
پہلے بھی فلم ہمارے یہاں صرف پڑھے لکھے لوگوں کے لئے تیار ہوتی۔ وہ فلم خاموش فلم تھی۔ اداکاروں کے ہونٹ ہلتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں
زبانی بھی ایک محنت سے دوسری محنت میں گردش کرتے تھے۔ لیکن آواز نہیں آتی تھی۔ کس نے کس سے کیا کہا۔ پردۂ فلم پر تحریری شکل میں لکھا ہوتا
تھا۔ یعنی پہلے ہیرو ہیروئن کے ساتھ نہایت عشق کے عالم میں گفتگو کرتا دکھایا جاتا اور پھر فوراً پردۂ فلم پر نظر آتا کہ "تو اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے۔
یک جا پڑ رسید کروں تو دکھا جائے تیرا"۔ پڑھے لکھے لوگ یہ جملہ پڑھ کر خوش ہوتے اور اپنے بازو بیٹھنے والے اَن پڑھ لوگوں کو بآوازِ بلند یہ
ایک لاکھ سناتے۔ اتنی دیر میں پردۂ فلم پر دوسرا منظر آ جاتا۔ جس میں ہیروئن ہیرو سے کہتی نظر آتی "میں آپ کو بہت حسین سمجھتی ہوں۔ ایک ہاتھ کہ دو دن
زلیخا بگڑ جائے۔" خاموش فلموں کو لوگ بڑی محنت سے دیکھا کرتے۔ خاموش فلم دیکھنے اور مکالمے پڑھنے اور دوسروں کو پڑھ کر سنانے میں لگ کر
ایک لاکھ کمانے کے بجائے ہی لوگ تین ٹکٹ بھی خرید لیتے تھے۔ یہ سلسلہ کئی دن تک چلتا رہا۔ لیکن جب فلم انڈسٹری والوں کو اور دوسرے
کو یہ معلوم ہوا کہ فلم دیکھنے والوں میں پڑھے لکھے اور ان پڑھ لوگوں کی تعداد ہے اور فلم انڈسٹری کی ساری آمدنی اَن پڑھ طبقہ ہی کی جیب
سے ہوتی ہے تو فلم انڈسٹری والوں نے بولنے والی فلمیں بنانے کی سازش تیار کی۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ فلم دیکھیں۔ انھوں نے سوچا
کہ جتنی زیادہ تعداد میں ان پڑھ لوگ فلم دیکھیں گے اتنا ہی توم کو فائدہ پہنچے گا۔ بولتی فلم بننے کی دیر تھی کہ توم کی بند آنکھیں یوں کھل گئیں
جیسے بند کھڑکی کا پٹ کھلتا ہے۔ جہاں بھی بولتی فلم دکھائی جاتی وہاں سرِ شام گھروں کو تالے لگ جاتے، بازار اور دکانیں بند ہو جاتے
اور لوگ فلم دیکھنے یوں بھاگتے جیسے کسی کا گھر لٹنے جا رہا ہوں۔

بولتی فلم بننے سے پہلے کوئی ہیرو باغ میں ہیروئن کے پیچھے دوڑتے ہوئے گانا نہیں گا سکتا تھا۔ نہ ہی کوئی ہیروئن یا ہیروئن
کی سہیلی مرتے وقت درد بھرا راگ چھیڑ سکتی تھی۔ عشق اور موت کے مشاغل میں ہر وقت گانا گانے سے عشق کا میاب اور
موت آسان ہو جایا کرتی ہے۔ بولتی فلم سے پہلے یہ سہولت میسر نہ تھی۔ ایکٹروں کو البتہ دوسری تکالیف نہیں تھیں مثلاً اُن کی
آواز کا ٹسٹ نہیں ہوا کرتا تھا۔ پھٹے ہوئے بانس یا ریلوے انجن کی آواز رکھنے والے ایکٹر بھی خاموش فلموں میں حصہ
لے سکتے تھے۔ ان ایکٹروں کو صرف ہونٹوں کا ٹیسٹ دینا پڑتا تھا اور یہ دیکھا جاتا تھا کہ بغیر آواز نکلے اُن کے ہونٹ ہل سکتے
ہیں یا نہیں۔ اداکاراؤں کے ہونٹوں کا ٹیسٹ دوسرے طریقے سے لیا جاتا تھا۔

فلمیں دیکھنے اور دیکھ کر صبر کرنے کے معاملے میں قوم نے بڑے ایثار اور بے حد حب الوطنی کا ثبوت دیا۔ قوم کی اس

نوجوانوں اور سیکس انڈسٹری کو دیکھ کر ملک کے کئی سیاستدانوں اور جنہوں نے شہرت حاصل کی۔ عوام کے اینشو کا تحفظ نے بھی دو نمایاں شکلیں اختیار کیا۔ اکثروں نے اپنے آباؤ اجداد کے گھر لٹنے کا بدلہ لینے سے توڑ کری اور تسلیم بازی کا بیوپار شروع کیا۔ اگر لوگ عوام کے ساتھ فلمیں کا پیٹ بھرا دوسرے نہ ہوتے تو جوان لڑکوں اور کم عمر لڑکیوں کو گھر سے بھاگنے کا موقع نہ ملتا۔ فلمیں جنہیں تو کہتے ہیں گھروں کو گھر پھونکنا سے آگ لگ جاتی۔

ہم سے فلم تک پہنچ جانے کے بعد آدمی نے علم کی طرف واپس جانے کا خیال ترک کر دیا۔ یہ کوئی سچ لفظ سے ہٹا کر کردار اور یہ پہنچو۔ فلم تو مستقل عبادت ہے۔ اب آدمی دو قسم کی فلمیں بناتا ہے۔ ایک ہٹ HIT فلمیں اور دوسری فلاپ FLOP: فلمیں۔ ہٹ فلمیں وہ جنہیں دیکھ کر دل پر چوٹ پڑتی ہے۔ اور فلاپ فلمیں وہ جو باہر کے ملکوں کو بیچی جاتی ہیں۔ یہ ساری فلمیں سنسر بورڈ پاس کرتا ہے۔ سنسر بورڈ سے فلم جب پاس ہو کر باہر آتی ہے تو شور اٹھتا ہے

میں کا کروں رام مجھے بڈھا مل گیا

سنسر بورڈ کے خوف سے اب فلموں میں تیراکی کے مناظر زیادہ رائج ہو گئے ہیں۔ کیونکہ تیراکی کے سین میں لباس کم اور ضرورتاً ہوا کرتا ہے۔ فلموں میں عورتوں کی زیادتی کی وجہ سے کہانی کی سمجھ ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ہٹ فلموں کے اندر بھی کئی راز ہیں! فلاپ فلم بنانے والوں کو معلوم نہیں ہیں۔ ہٹ فلمیں بنانے والے کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتے۔ لیکن فلاپ فلم بنانے والے جب چاہیں ڈاکومینٹری DOCUMENTRY فلم بھی بنا سکتے ہیں۔ اس فلم کو فلاپ فلم کا معرکۂ ثانی کہہ لیجئے۔

(بقیہ گلدستۂ نسیم (دہلی) صفحہ ۸۵)

میں چاند آثار چڑھا ہو کر غضب ہے۔ سیدھا تو چل ہی نہیں سکتا ہے۔ ورنہ کترانے کی کیا ضرورت تھی۔ یوں پڑھا ہے

شب وہ آئے خفا ہو کر سوئے گئے ہیں اس طرح | ناز دل جس طرح جاتے ہیں تھرّاتے ہوئے

(۲۴) فکر ——— جناب بابو دین دیال صاحب شاگرد تعشق۔ تضمین ہے سے

ہم ہوں گے پھر کسی دن گریباں افراز ہیں | ہائے وہ گردن جھکانا تیرا شرماتے ہوئے

مشبہ ۱

تیغ بن کر چل گیا ہے حلق پر عشاق کے | ہائے وہ گردن جھکانا تیرا شرماتے ہوئے

(بقیہ افسانہ سمندر ز صفحہ ۶)

مجھے سمندر میں کچھ شکوک نشانات نظر آئے۔ اور دریا کی کوشش پر وہ پتھر پانی جلدی سے نکل آئے۔ ایک ڈبہ مجھے ملا۔ میں نے ہوشیاری سے پتھر ہٹائے اور ڈبا اپنے کمرے میں لے آیا۔ پھر دروازہ بند کر کے میں نے تالا توڑا۔ میری آنکھیں جلنے لگیں۔

چند مزید اوراق۔ دھوپ موتیوں کی لڑیوں جیسی صاف ستھری خوبصورت تحریر مختصر لیکن اتنے ہی میں ایک داستان۔

داستان تو میں آپ کے سامنے نہیں دہراؤں گا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر وہ تانی کی ذات کا المیہ نہ ہوتی تو تانی یقیناً محفوظ شدہ کہانی ہو جیسی جلد ایک خوفی باقی ہستی ہوتی۔ تانی کا اجالے سے ان لوگوں سے دنیا کی رونق اور قہقہوں سے پیار ہوں کا تو برقرار رہتا۔ رنگوں سے پھولوں سے۔ خوشبوؤں سے تانی ہمیشہ بے خبر رہتیں۔ ان کی گود بھی ہر فصل سے بھر پور رہتی مگر تانی کی خاموشی نے صبر و ضبط کا ایک ایسا باب میرے سامنے کھول دیا جس کے الفاظ غیرہ اور معنی بے حد اشارہ تھے۔ میں نے اس وقت تک سمندر نہیں دیکھا تھا لیکن پھر سمندر دیکھنا میری محبوب عادت بن گئی۔ سمندر لہریں گہرائی سے ایک دوسرے کی جانب ایک دوسرے کے تعاقب میں مسلسل لپکتی ہوئیں لیکن سطح ایسی ہموار کہ دیکھنے والا آئینہ بنا رہے۔ طوفانوں اور تھپیڑوں کے باوجود ایسا ٹھنڈا اور پُرسکون اجلتی ہوئی آنکھیں سرور پا جائیں۔

لوگ کہتے ہیں میں پاگل ہوں۔ دنیا جہاں کو چھوڑ کر سمندر سے۔ مد و جزر سے پیار کرتا ہوں لیکن میں نے تو ہمیشہ اس پیکر کو پانے کی کوشش کی ہے۔ جو ہزاروں طوفانوں کو اپنے اندر سمو کر بھی اتنی عمیق اور شانت ہوتی ہے کہ نظر ڈال کر دیکھنے والے کو صرف اپنا ہی چہرہ نظر آئے

بدیع الزماں خاور

اُردو

اس کی پیدائش کے قصّوں میں دکن کی بات ہے
اس کے خوابوں کا فسانہ مالوے کی رات ہے
اس کے بچپن کی کہانی، خطۂ گجرات ہے

پرورش پائی ہے اس نے شاہ کے دربار میں
اُس نے اپنے نقش چھوڑے ہر در و دیوار میں
اس کے نغمے گونجتے ہیں، کوچہ و بازار میں

تاج کے سرشار دیوانوں نے سینچا ہے اسے
قلعۂ دہلی کے پروانوں نے سینچا ہے اسے
خون سے ہندو مسلمانوں نے سینچا ہے اسے

اس کی نظموں میں مچلتے فکر و فن کا روپ ہے
اس کی غزلوں میں غزل کے بانکپن کا روپ ہے
اس زباں میں گنگناتے شعر و سخن کا روپ ہے

اس میں کوکن کی حسیں امرائیوں کا ذکر ہے
وادیٔ پنجاب کی رعنائیوں کا ذکر ہے
جنتِ کشمیر کی انگڑائیوں کا ذکر ہے

یہ زباں تاریخ کے شانوں پہ ہے زلفِ دراز
یہ زباں ہر ایک عالم میں رہی ہے ہمدساز
اس زباں پر ہے ہماری جنگِ آزادی کو ناز

اس زباں میں موجۂ گنگ و جمن کی بات ہے
اس زباں میں قلبِ شیخ و برہمن کی بات ہے
اس زباں میں پیار دواں قوم و وطن کی بات ہے

عرش سے برسی ہوئی اس میں نئے الہام ہے
ہے بنارس کی سحر اس میں اودھ کی شام ہے
حسنِ فطرت سے جو ہے لبریز، یہ وہ جام ہے

یہ زباں ہے صبح کا پیغام سازِ نور پر
یا ہے کوئی نغمۂ شیریں لبِ جمہور پر
عکس اس کے نور کا پڑتا ہے میرے ملک پر

اس کے افسانے میں پنہاں سحر ہے بنگال کا
اس کے ناول میں ہے موسم، خاکِ نینی تال کا
اس کا ہر فن کار، پنچھی ہے وطن کی ڈال کا

نیم باز آنکھوں کا جادو، یہ زبانِ میر ہے
خامۂ غالب کی اس میں شوخیٔ تحریر ہے
جو دلوں پر نقش ہے، وہ پیکرِ تصویر ہے

خوشنما تہذیب کے پھولوں کا یہ گلزار ہے
سرزمینِ ہند کا، میری زباں سنگار ہے
اس کے چوڑے زیوروں میں ایک چندن ہار ہے

عظمتِ انعامِ نہرو[ٹ] کو مٹا سکتے نہیں
گل کے جو دشمن ہیں، خوشبو کو مٹا سکتے نہیں
خود یہ مٹ جائیں گے اُردو کو مٹا سکتے نہیں

ٹ بہلہ
ٹ وہ انعام جو روس کی طرف سے "ایک خواب اور" پر سردار جعفری کو دیا گیا۔

تمنا مظفرپوری

گلدستۂ نسیم

اواخر انیسویں صدی میں گلدستہ شائع ہونے کا عام رواج ہو گیا تھا۔ گلدستہ میں ایک ہی مصرع طرح پر مختلف شعرا کی کہی ہوئی غزلیں شامل ہوتی تھیں۔ یہ مصرع طرح اخبار یا رسالے میں شائع ہوا کرتا تھا اور اہل ذوق اس پر طبع آزمائی کرکے مرتب گلدستہ کے پاس روانہ کر دیتے۔ بمبئی سے ایک گلدستہ جناب عبدالحمید فرخ دہلوی مدیر بمبئی پنچ بہادر و سلطان الاخبار کی نگرانی میں ارمغان فرخ کے نام سے شائع ہوا تھا لیکن ارمغان فرخ سے پہلے دہلی سے گلدستۂ نسیم شائع ہو چکا تھا۔ گلدستۂ نسیم کے پہلے شمارے کی تاریخ اشاعت معلوم نہیں ہو سکی لیکن یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ دوسرا سال ۱۸۸۷ء میں جناب قربان علی خان صاحب بسمل کی نگرانی میں شائع ہوا تھا۔ مصرع طرح تھا ؎

ہنسنا وہ گردن جھکانا تیرا شرماتے ہوئے

اور شاید یہ مصرع طرح دہلی پنچ میں شائع ہوا تھا اور اسی اخبار کے ذریعے شعرا کو دعوت سخن دی گئی تھی۔

گلدستۂ نسیم میری نظر سے نہیں گزرا البتہ ہفت روزہ مزاحیہ اخبار بمبئی پنچ بہادر بمبئی٭ ۱۸۸۷ء میں گلدستۂ نسیم پر ریویو شائع ہوا تھا۔ اسی پنچ اخبار کی مدد سے یہ مضمون لکھ رہا ہوں تاکہ گلدستہ میں شریک شعرا کے متعلق معلومات فراہم ہو جائے۔

یہ ریویو جناب چندی پرشاد صاحب شیدا دہلوی کا ہے اور بمبئی پنچ بہادر میں ستمبر، اکتوبر اور نومبر کے تین شماروں میں شائع ہوا تھا۔ ریویو میں زیادہ تر ایسے ہی اشعار شامل ہیں جن میں خامی ہے یا شاعر کے کہنے کا مطلب واضح نہیں ہوتا۔ شیدا صاحب نے پہلے ان کے شعر کا مطلب لکھا اور پھر وہ اصل شاعر کہنا کیا چاہتا ہے، اسے ظاہر کرتے ہوئے ان کے اشعار پر اصلاح بھی کی ہے۔ میں ریویو سے شعرا کا نام اور کلام نوٹ کر رہا ہوں۔

(۱) آشفتہ ——— ریویو کے پہلے شاعر ہیں ان کا پورا نام سید ظفر حسین تھا اور آشفتہ تخلص۔ یہ شاعر دہلوی کے شاگرد تھے۔ ان کی غزل کا مطلع ہے ؎

تیرا عالم بس مٹا دیتا ہے یاد آتے ہوئے ۔۔۔ مسکرا دینا پھرا کر منہ وہ شرماتے ہوئے

اس شعر پر شیدا صاحب لکھتے ہیں ——— اسے مطلع دل کیا مطلع لکھا ہے جس سے مطلع خورشید کی بھی رنگت زرد ہو گئی۔ مطلب تو خیر خاصا تھا لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ کس کو مٹا دیتا ہے اور حضرت پھرا کر منہ یا پھیر کر منہ۔ یوں فرمائیے ؎

مجھ کو سے عالم مٹا دیتا ہے یاد آتے ہوئے ۔۔۔ پھیر کر منہ مسکرانا تیرا شرماتے ہوئے

(۲) احقر ——— آشفتہ صاحب کے تین شعر کے بعد جناب منشی احسان صاحب احقر کا نمبر آتا ہے۔ لیکن ان کے تین شعروں سے کسی پر بھی اصلاح یا تنقید نہیں ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔ مقطع ہے ؎

جھوٹ ہے احقر زبانی ان کا وعدہ تو ہے ۔۔۔ ایک مدت ہو گئے اُردو زبان آتے ہوئے

٭ بمبئی پنچ بہادر سے متعلق راقم الحروف کا مضمون ماہنامہ شاعر کے سالنامہ ۱۹۹۲ء میں دیکھیے۔ [illegible] ۔ت۔م

(۳) احسان ——— جناب عبدالرحیم خاں صاحب تلمیذ شاکر دہلوی۔ احسان صاحب کے تین شعر ہیں۔ ایک شعر ہے ؎

درد فرقت سے جلا اور داغ چمکے واہ واہ　　دیکھ لیتے ہیں کبھی تارے نکل آتے ہوئے

اس شعر پر شیدا صاحب لکھتے ہیں۔ جی ہاں۔

حالت خفتہ بست و تو خفتہ　　خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

آدھا تیرا آدھا بٹیر۔ یہ شعر کہا ہے یا گلا گھونٹا ہے۔ یوں کہیے ؎

داغِ دل چمکیں اگر پھٹ جائے ردِ جسم کہیں　　دیکھ لیں ہم بھی کبھی تارے نکل آتے ہوئے

(۴) آخگر ——— اب چوتھے شاعر ہیں جناب منشی سوہن لال صاحب آخگر شاگرد شاکر دہلوی۔ ان کا شعر ہے ؎

ہائے ہائے ہی کلیجہ ہے ہمارا ہی جگر　　اُف نہیں کرتے ہیں ظالم برچھیاں کھاتے ہوئے

شیدا:۔ جناب منشی برچھیاں کھانے کا ثبوت اگر کوئی مشل آفتاب نیکڑ سو مانگے تو خدا جانے کہیں نہیں ملے گا۔ یوں پڑھیے ؎

روکتا ہے ترچھی نظروں کو ہمارا ہی جگر　　اُف نہیں کرتا ہے ظالم برچھیاں کھاتے ہوئے

(۵) اعجاز ——— نام سید اعجاز حسین خاں صاحب تخلص اعجاز تلمیذ خبیر۔ شعر ہے ؎

پھر رہے ہیں حشر میں بھی وہ غضب ڈھاتے ہوئے　　ترچھی نظروں سے چلے جاتے ہیں دھمکاتے ہوئے

شیدا:۔ مطلع تو خوب کہا ہے لیکن ایک آنچ کی کسر رہ گئی یوں درست ہے ؎

پھر رہے ہیں حشر میں بھی وہ غضب ڈھاتے ہوئے　　ترچھی نظروں سے چلے ہیں سب کو دھمکاتے ہوئے

(۶) قبول ——— شیدا صاحب کی نظر میں چھٹے شاعر ہیں گذشتہ سن کے مہتمم و مدیر جناب قربان علی خاں صاحب قبول۔ شعر ہے ؎

کل جنھیں ہستی تھی ہر دم تاجِ زریں کی ہوس　　آج وہ سر پھر رہے ہیں ٹھوکریں کھاتے ہوئے

شیدا ——— کچھ مدعا ہی نہ رہا تاجِ زریں کی ہوس نے ... بلکہ یہ شعر عوام کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ورنہ یہ ہی عبرت خیز شعر ہے۔ دیکھیے ہم کہاں تک پہنچا دیتے ہیں ؎

کل رہی سر کو کئے زینت وہ تاجِ شاہیں　　آج وہ یوں پھر رہے ہیں ٹھوکریں کھاتے ہوئے

ریویو کی پہلی قسط چھ شاعروں پر مشتمل ہے اور میں نے ان کا ایک ایک شعر اس لئے نوٹ کر دیا ہے کہ ان میں سے بہت سے شعراء کے متعلق لوگوں کو علم نہیں ہے تاکہ ان کے کلام کے ساتھ واقفیت حاصل ہو اور یہ ریویو اور اصلاح کی نقل سے میرا مقصد یہ ہے کہ ایک اچھے خیال کو جلد بازی یا بے توجہی سے کتنا نقصان پہنچتا ہے۔ علاوہ ازیں اس زمانے کی تنقید و تبصرہ سے روشناس کرانا بھی مقصود ہے۔

اب ریویو کی دوسری قسط جس میں آٹھ شعراء شامل ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

(۷) جلال ——— دوسری قسط کے پہلے شاعر ہیں سید ضامن علی لکھنوی، تخلص جلال لکھنوی۔ ان کا شعر ہے ؎

کنگھی، پوٹی، مسی، کاجل، زیب و زینت، ناز کی　　کس نے کس نے اُن کو روکا ہے گھر آتے ہوئے

"انتخاب الشعراء جناب ضامن علی صاحب جلال لکھنوی کے شعر پر جناب شیدا لکھتے ہیں

شعر خاصا ہے لیکن دوسرا مصرعہ ذرا سست ہے یوں بدل دیجئے ؎

کنگھی، پوٹی، مسی، کاجل، زیب و زینت، ناز کی　　ہائے کس کس نے انھیں روکا ہے یاں آتے ہوئے

(۸) حسرت ——— مرزا قیاث بیگ صاحب رئیس سونی پت، تخلص حسرت۔ ان کا شعر ہے ؎

یاد آ گیا ہے شب وصلت سوالِ وصل پر　　ہائے وہ گردن جھکانا تیرا شرماتے ہوئے

شیدا: حضرت تضمین تو اچھی تھی لیکن شب وصلت مشکوک ہے۔ اس کے بجائے "عشرت" کہہ دیجئے۔

(۱۱) خطیب ——— اب جناب مرزا رحمت اللہ بیگ صاحب خطیب کا شعر پڑھئے اور اس پر جناب شیدا کا اصلاح۔ شعر ہے

بیٹھتے ہو تم اگر پہلو میں گھبراتے ہوئے
لے بھی رو اک بوسۂ لب ہم کو شرماتے ہوئے

——— واہ واہ مطلع تو خوب کہا ہے لیکن ذرا مطلب تو دیکھئے جب پہلو ہی میں وہ گھبراتے ہوئے بیٹھتے ہیں تو بوسۂ لب کے نام سے کوسوں بھاگیں گے۔ اس گھبراہٹ پر بوسۂ لب کی فرمائش، وہ مزہ ہے۔ یوں پڑھئے

بیٹھتے ہیں میرے پہلو میں تو گھبراتے ہوئے
کچھ جھجکتے سے، سنبھلتے سے وہ شرماتے ہوئے

(۱۲) رسوا ——— جناب بابو کرشن داس تخلص رسوا، شاگرد شاعر دہلوی۔ شعر ہے

وہ عیادت کے لئے آئیں نہ آئیں غم نہیں
موت کو بھی موت آتی ہے یہاں آتے ہوئے

شیدا: شعر تو اچھا ہے لیکن مصرعِ ثانی میں حضرت خاقانیِ ہند شیخ ابراہیم ذوق کی گرہ لگی ہوئی ہے۔

(۱۳) رشید ——— جناب سید محمد مصطفیٰ مرزا عرف پیارے صاحب لکھنوی۔ شعر ہے

فتنۂ محشر صدا دیتا ہے جب چلتے ہیں آپ
ہم بھی آتے ہیں جلو میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے

شیدا: کیوں حضرت، ایک مصرع میں واحد، ایک میں جمع، یہ اختلاف کیسا۔ یوں کہئے

فتنۂ محشر صدا دیتے ہیں جب چلتے ہیں آپ
ہم بھی آتے ہیں جلو میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے

(۱۴) رمزی ——— جناب قاضی نور بہادر الدین صاحب۔ شعر ہے

چل دیئے وہ چھوڑ کر مجھکو یہ فرماتے ہوئے
پھر کبھی آئیں گے تیرے گھر کہیں جاتے ہوئے

شیدا: مصرعِ اولیٰ ذرا چست نہیں بیٹھا۔ یوں فرمائیے

دے گئے مجھکو تسلی وہ یہ فرماتے ہوئے
پھر کبھی آئیں گے تیرے گھر کہیں جاتے ہوئے

(۱۵) شاعر ——— اب حضرت شیدا کی نظر شاگردوں کی لمبی فہرست رکھنے والے شاعر جناب آغا شاعر دہلوی پر ہے۔ جناب شاعر دہلوی کے کئی اشعار پر ریویو ہے۔ یعنی پنچ بہادر کا پورا دور کالم حضرت شاعر دہلوی کے کلام اور جناب شیدا کے تبصرے سے بھرے ہیں۔ شاعر کا شعر ہے

اک زمانے میں پھرا کرتے ہو اتراتے ہوئے
یاں بھی ہو جاؤ کبھی آتے ہوئے جاتے ہوئے

شیدا: اے سبحان اللہ.. کیا مطلع ارشاد فرمایا ہے اور اس پر زبان دانی کا دعویٰ، یوں کہئے

یوں تو پھرتے ہو زمانے بھر میں اتراتے ہوئے
یاں بھی ہو جاؤ کبھی آتے ہوئے جاتے ہوئے

جناب شاعر کا دوسرا شعر ہے

دیکھتے ہی مجھ کو تم اٹھے کدھر پھرنے لگے
چاند کیوں شرما گیا ہے بام پر آتے ہوئے

شیدا: معلوم نہ ہوا کہ آپ نے یہ کیا بات دیکھی جو چاند بام پر آتے آتے لوٹ گیا۔ شرما گیا.. حضرت یوں کہئے

جلوہ کس کے عارضِ تاباں کا آیا ہے نظر
چاند کیوں شرما گیا ہے بام پر آتے ہوئے

(۱۶) شاکر ——— نام قاضی عبد الشکور تخلص شاکر۔ شعر ہے

ایک دن تعریف کی تھی چال کی اس دن سے پھر
دیکھئے با کبر وہ چلتے ہیں بل کھاتے ہوئے

شیدا: شعر تو درست ہے لیکن اولیٰ مصرع کی بندش ذرا ثقیل ہے یوں فرمائیے

چال کی تعریف جب سے منہ سے نکلی ہے مری
دیکھئے با کبر وہ چلتے ہیں بل کھاتے ہوئے

دوسرا [illegible] کے اکثر شعر [illegible] پہلا یوں ملاحظہ ہو ؎

(۱۵) **طرّار** ——— جناب [illegible] حسین صاحب [illegible] شعر ہے ؎

ہم [illegible] | اُن کو ہیں کتنے [illegible] ہاتھ آئے ہوئے

شیدا — جناب [illegible] ہم [illegible] استعمال کرتے ہیں

دوسرا مصرعہ اس طرح بدل دیجئے ع

کتنے مانے ہوئے اُن کو یہاں آئے ہوئے

(۱۶) **ثاقب** ——— جناب محمد [illegible] صاحب ثاقب [illegible] شعر ہے ؎

ذکر [illegible] | سیکڑوں [illegible] کھاتے ہوئے

شیدا — [illegible]

(۱۷) **قابل** ——— نام سید [illegible] تخلص قابل۔ شاگرد [illegible] شعر ہے ؎

[illegible] قابل تماشا بن گیا | تم بھی آ کر دیکھو [illegible] آئے ہوئے

شیدا — بہت اچھی [illegible] ہے ؎

اس قدر [illegible] قابل تماشا بن گیا | تم بھی آ کر دیکھو [illegible] آئے ہوئے

(۱۸) **کلیان** ——— نام منشی کلیان سنگھ تخلص کلیان شعر ہے ؎

شاعری [illegible] نہیں آتا مجھے | [illegible] تسلیم سخن مانے ہوئے

(۱۹) **مائل** ——— جناب منشی [illegible] صاحب مائل شاگرد [illegible] شعر ہے ؎

[illegible] میں آتے ہوئے | دیکھ لو تصویر سے تصویر بن جاتے ہوئے

شیدا — منشی صاحب آپ کا مطلب تو یہ ہے [illegible] میں آتے ہوئے [illegible] تصویر سے تصویر بن جاتے [illegible] دیکھو۔ [illegible] یوں کہو ؎

دیکھ کر عکس آئینہ میں محو حیرت ہو گئے | دیکھا تصویر سے تصویر بن جاتے ہوئے

دوسرا یوں ؎

[illegible] | شوخیاں [illegible] میں آتے ہوئے

(۲۰) **مرزا** ——— جناب ابو مرزا محمد ہادی صاحب بی اے [illegible] مقطع ہے ؎

[illegible] | [illegible] دیکھا کہیں جاتے ہوئے

(۲۱) **منتظر** — جناب سید کاظم حسین صاحب منتظر لکھنوی۔ شعر ہے ؎

[illegible] | دیکھئے [illegible] آنکھ تک آئے ہوئے

شیدا — مصرعہ اولیٰ یوں بدل دیجئے ع — [illegible] تیرے [illegible]

(۲۲) **مجتبیٰ** ——— نام محمد [illegible] تخلص [illegible] شاگرد [illegible] شعر ہے ؎

اس [illegible] گیا | [illegible]

(۲۳) **وحید** ——— جناب سید [illegible] صاحب [illegible] شعر ہے ؎

[illegible] | [illegible] ہوئے

[illegible]

ظفر حمیدی

آشوبِ آگہی

اے مرے دوست تری یاد کے رنگیں لمحے
جب سرِ ذہن کے پردے پہ ابھر جاتے ہیں
یا اچانک تری تصویر کا دھندلا خاکہ
گر کبھی میرے تخیل میں جھلک جاتا ہے
ایسا لگتا ہے کہ جیسے کسی غم کا سایہ
دل کی تاریک گپھاؤں میں اجالا کر دے
دل کی دیوار پہ ماضی کے سنہرے نقشے
لے کے انگڑائی اٹھیں جیسے اجنتا کے نقوش
اک محقق کی نگاہوں کو مسخر کر لیں
اور حیرت میں وہ خود نقش بہ دیوار بنے

اے مرے دوست تری پاک محبت کی قسم
زندگی آج عجب موڑ پہ آ پہنچی ہے
حوصلہ ہے نہ وفا کا، نہ جفا کے شکوے
ہجر کا غم بھی نہیں، وصل کا ارماں بھی نہیں
ولولے سرد ہیں جذبات کا طوفاں بھی نہیں

ٹمٹماتے ہیں کہیں دور امنگوں کے دیے
کان دھرتا نہیں پازیب کی آہٹ پہ کوئی
دستِ نازک بھی کوئی آج حنا گیر نہیں
دائرہ تنگ ہے احساس کی برنائی کا

دامنِ تار نہیں، چاکِ گریباں بھی نہیں
منجمد زخمِ تمنا کا لہو ہے کب سے
دشت میں خار ترستے ہیں کوئی قیس چلے
اب نہ شیریں ہے نہ فرہاد کی وہ کوہ کنی
کوئی سنتا ہی نہیں موجِ صبا کے نغمے
بربطِ وقت کا آہنگ دل آویز نہیں
گردشِ جام میں خیام کا وہ رنگ نہیں
اب نہ سرشاریِ حافظ ہے نہ فکرِ غالب
تاب کس کو ہے کہ اب چھیڑ سکے دیپک راگ
میگھ دوت آج کہاں پریم کا سندیس لئے
آج بس عقل کی باتیں ہیں خرد کے چرچے

افسانہ:-

مانک ٹالہ

نریندر بھیا

نریندر بھیا کو وکالت کی پڑھائی کا آخری سال تھا۔ امتحان قریب آیا تو وہ ہمارے والد صاحب کے پاس تشریف لائے۔ بہت ادھر ادھر کی باتوں اور مسکا پالش کے بعد والد صاحب سے گویا ہوئے۔

"چاچا جی، ہر روز گاؤں سے شہر آنے جانے میں بہت وقت ضائع ہوتا ہے۔ آخری سال ہے یہی وقت اگر پڑھائی میں صرف ہو، تو اچھے نمبروں سے پاس ہو سکتا ہوں۔"

والد صاحب حسب عادت ہوں ہاں کہہ کر مراقبے میں چلے گئے۔

"اگر آپ اپنی شہر والی بیٹھک کا ایک کمرہ تین چار مہینے کے لئے مجھے دینے کے لئے کہہ دیں تو میں بے فکر ہو کر پڑھائی میں جٹ جاؤں گا۔"

نریندر بھیا کو جب کبھی اپنا مطلب نکالنا ہوتا تو اُن کی زبان سے شہد ٹپکنے لگتا۔

والد صاحب نے حامی بھر دی۔

والد صاحب ضلع کچہری میں وکالت کرتے تھے۔ شہر میں ایک آفس لے رکھا تھا۔ سستا زمانہ تھا۔ بڑے بڑے دو کمروں کا آفس تھا۔ ایک برآمدہ بھی تھا۔ آفس کے کام کے لئے ایک ہی کمرہ کام میں آتا تھا۔ دوسرے کمرے میں وکالت کی پرانی کتابیں، آل انڈیا رپورٹر کی پرانی جلدیں، ایک بڑی میز اور چند ٹوٹی پھوٹی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

نریندر بھیا نے اس کمرے کی صفائی کروائی۔ کتابوں کی گرد جھاڑی۔ اور انہیں قرینے سے لگایا۔ ٹوٹی ہوئی کرسیوں کو ٹھیک کروا کے کمرے کی زینت بنایا اور کمرے میں ایک چارپائی ڈلوا لی۔ ایک ٹوٹے پھوٹے ٹیبل لیمپ کو ٹھیک کروا کے اپنے کام کے قابل بنایا۔ اور پڑھائی میں جٹ گئے۔

چند روز کے بعد والد صاحب وکالت کے امور سے فراغت پا کر شام کو گھر جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ نریندر بھیا چہرے پر معصومیت طاری کرتے ہوئے عرض مند ہوئے۔ "چاچا جی! ایس۔ ایس۔ ہوٹل والا ادھار کھانا نہیں کھلاتا۔ آپ کی ضمانت مانگتا ہے۔ ماہوار حساب لیں بھی کھانا سستا پڑتا ہے۔"

والد صاحب نے ڈھابے والے کو ضمانت دے دی تو کہنے لگے کہ "حلوائی کو بھی ضمانت دے دیجیے۔ صبح کو ناشتہ پانی اور رات کو دودھ جلیبی کی ضرورت پڑتی ہے۔ مہینے کے مہینے حساب چکا دیا کروں گا۔"

لگے ہاتھوں حلوائی کو بھی ضمانت دے دی گئی۔

تین چار ماہ پلک جھپکنے میں گزر گئے۔ نریندر بھیا امتحان دے کر واپس گاؤں لوٹ گئے۔ ان کے واپس جانے کے بعد والد صاحب نے دیکھا کہ نریندر بھیا جس کمرے میں براجمان تھے۔ اس کمرے میں پھٹا ہوا پرانا میز اور بہت سی کتابیں غائب تھیں۔

والد صاحب بہت جلال میں آ گئے۔ نریندر بھیا سامنے ہوتے تو لگے ہاتھوں پکڑ لیتے۔ نریندر بھیا کو بلانے کے لئے والد صاحب کئی مرتبہ بلاتے لیکن وہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹرخا جاتے۔ اسی دوران میں والد صاحب کا غصہ ناک میں آ چکا تھا۔

ایک روز اچانک سرِ راہ ملاقات ہو گئی۔ نریندر بھیا نظر بچا کر کھسکنا ہی چاہتے تھے کہ والد صاحب نے پکار لیا۔

— چاچا جی نمستے۔ یہ کہہ کر نریندر بھیا تصویر بنے بچے کی طرح آنکھیں جھکا کر با ادب با ملاحظہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ والد صاحب نے میز اور کتابوں کے متعلق پوچھا تو کھسیا کر کہنے لگے۔

— چاچا جی۔ وہ۔ وہ میں ۔۔۔ وہ قرض۔ ہوں۔ جی ۔۔ لے آیا تھا۔ جی میں نے سوچا۔ جی۔ ہوں۔ آپ کے پاس فالتو پڑی ہے۔ ہی ہی۔ میں وکالت شروع کروں گا تو ضرورت پڑے گی۔ بس وکالت چلتے ہی لوٹا دوں گا۔ چاچا جی: ہماری کیا۔ چار چھ پیسے کی تو بات ہے۔ آپ فکر نہ کریں میں غیر تھوڑا ہی ہوں ۔۔

والد صاحب میز اور کتابوں کو رو کر بیٹھے تھے کہ کچھ صاحب والا اور حلوائی بھی اپنے بل لے کر حاضر ہو گئے۔ پتہ چلا کہ زبانی جیب خرچ کے علاوہ نریندر بھیا نے ایک پائی بھی اپنے پلے سے نہیں ڈالی تھی۔

والد صاحب نے نریندر بھیا کو گھیر گھار کر پکڑا۔ حلوائی اور قصاب وغیرہ لوگوں کی بابت کہ تو وکالت چلنے پر پائی پائی چکا دینے کا وعدہ کیا۔ والد صاحب نے غصے میں آ کر بہت سی جھاڑیں پلائیں۔ لیکن نریندر بھیا انہیں شیر مادر کی طرح پی گئے۔ عمر کا تقاضہ ڈھیل نہیں کی۔

یہ نریندر بھیا کی وکالت سے پہلے کی شروعات تھی۔ امتحان کا نتیجہ نکلتے ہی انہوں نے بڑے دھڑلے سے وکالت شروع کر دی۔ باتوں کے دھنی تھے۔ موکلوں کو گھیر گھار کر ایسا اڈے پر جاتے کہ وہ بکرے کی طرح ہر وقت ان کی گرفت میں رہتے۔ جلد ہی قرابت کسی بھی ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ موکلوں کو ایسے سبز باغ دکھاتے کہ انہیں یقین ہو جاتا کہ پہلی ہی پیشی میں ان کا حریف چاروں شانے چت ہو جائے گا۔ چنانچہ نریندر بھیا مقدمے کے اخراجات اور اپنی پوری فیس پیشگی وصول کر لیتے۔

اس کے بعد نریندر بھیا آگے آگے اور موکل ان کے پیچھے پیچھے ہوتے۔ نئی وکالت تھی لیکن اخراجات شاہانہ تھے۔ فیس کے ساتھ مقدمہ دائر کرنے کے لئے لئے ہوئے اخراجات بھی خورد برد کر دیتے۔ موکل مقدمہ دائر کرنے کو کہتے تو وہ کوئی نیا بہانہ گھڑ دیتے۔ پہلے تو کئی دن تک جھوٹے تسلی دیتے کہ موکل چپ ہو جاتے۔ چنانچہ نئے موکلوں سے وصول کئے ہوئے پیسوں سے پہلے موکلوں کے مقدمے دائر کئے۔ اور پھر نئے موکل جو تاریخ پہ تاریخ بھگتتے پھرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ موکل ان سے دور بھاگنے لگے۔ چرب زبانی کا جادو ختم ہو گیا اور نریندر بھیا ٹھوکریں مارنے لگے۔ اور شاہانہ اخراجات دوستوں رشتہ داروں سے ادھار لے لے کر پورے کرنے لگے۔ وہ چار ماہ بعد کوئی اپنے پیسے کا مطالبہ کر بیٹھتا تو اس سے اور ادھار مانگ بیٹھتے۔ چنانچہ اپنے روپیہ کا مطالبہ کرنے والے اب ان سے چھپے چھپے پھرتے کہ کہیں نیا مطالبہ نہ کر بیٹھیں۔

آخر ایک روز ایک بیرسٹر صاحب نے انہیں اپنا اسسٹنٹ بنا لیا۔ بیرسٹر صاحب کا کام بہت بڑھا ہوا تھا اور انہیں ایک لائق نائب کی ضرورت تھی جو ان کے چھوٹے موٹے کام سنبھال سکے۔ چنانچہ نریندر بھیا تنخواہ کے ساتھ فیس میں سے بھی حصہ وصول کرنے لگے۔ کافی عرصہ تک ان کی گاڑی چلتی رہی۔ پھر ایک روز نریندر بھیا بیرسٹر صاحب کی خوبصورت جوان لڑکی کے ساتھ روپوش ہو گئے۔

بیرسٹر صاحب کی بیگم کو بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے۔ بیرسٹر صاحب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ انہیں بیگم سے محبت تھی۔ دراصل بیگم سے بیرسٹر صاحب کی لو میرج ہوئی تھی اور بیگم ان کی سب سے بڑی کمزوری تھیں۔ خود ہندو تھے بیگم مسلمان تھیں۔ دونوں اپنے مذہبوں سے منسلک رہے تھے۔ اس لئے ان کی شادی پر اعتراض نہیں ہوا تھا۔ نہ کسی نے کسی کو مذہب تبدیل کرنے کے لئے مجبور کیا۔ اولاد کے متعلق انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ ایک بچہ مسلمان بنے گا تو دوسرا ہندو۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

وہ لڑکی جو نریندر بھیا کے ساتھ بھاگی تھی بیگم صاحبہ کے مذہب کی پیروکار تھی۔ چنانچہ بیگم صاحبہ بیماری کی شدت سے دورے پڑنے لگے تھے جس کو دیکھ کر بیرسٹر صاحب کی ساری رحم ہونے لگی تھی۔ چنانچہ بیرسٹر صاحب نے پولیس کی مدد سے فرار ہونے والوں کو دو مہینوں کے اندر اندر ہی پکڑ لیا۔

بیرسٹر صاحب نے تو زینب بیگم کو [illegible] تھے۔ [illegible]
[illegible]

یہ حالات قریب ہی زینب بیگم کی شادی [illegible] تھے۔ [illegible] شادی کا [illegible] سے پہلے [illegible] زینب بیگم [illegible] بیرسٹر صاحب [illegible]

جب زینب بیگم نے [illegible] بیرسٹر صاحب کی [illegible] صاحب [illegible]

بیرسٹر صاحب [illegible] زینب بیگم [illegible] بیرسٹر صاحب [illegible] صاحب کے مقابلے [illegible]

ایک [illegible] زینب بیگم [illegible]

مقدمہ [illegible] صاحب [illegible] زینب بیگم [illegible]

اس دوران میں زینب بیگم نے [illegible] صاحب سے [illegible]

مقدمے [illegible] زینب بیگم [illegible]

عدالت [illegible] زینب بیگم [illegible]

زینب بیگم [illegible] صاحب [illegible] ہے۔

زینب بیگم [illegible] زینب [illegible]

بہرحال یہ بات سب سے متفق تھے کہ وہ بڑا خوش نصیب ہوتے ہیں زبیدہ بیگم صاحب سے بیاہ ہونا شاہ اللہ کی بیگم ہوں گے۔

لیکن ایک روز زبیدہ بیگم نہ معلوم کیوں والد صاحب کے پاس آئے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں سا سینہ پڑھ کر ہوئی تھیں سے ڈھنگ کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ اس روز وہ صاحب ان کے یہاں تشریف لائی ہوئی تھیں۔ بند کرے میں حفظ کے بعد انھوں نے بھی ذاتی اچھے چھوڑ صاحب سلام سے بیمار تھیں اڑ لئے تھے۔

اس کے بعد انھوں نے شالامار باغ میں بیٹے پیارے کو سیر میں جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ یہ بیمار بیٹے کے پہلے بھی گھر سے ملا تھا اس روز بھی پہلا پہر تھا۔ کوئی تہوار بھی تھا اس لئے عدالتوں میں چھٹی تھی۔

زبیدہ بیگم نے تانگے کا انتظام کیا اور ان کے بچے کے ہمراہ باغ کے لئے روانہ کر دیا۔

تانگا شالامار باغ کے پاس پہنچا۔ ان کے پاس اپنے دو تین پہلوان قسم کے دوستوں کے ساتھ باہر نکلے، تیمور صاحب کو تانگے سے نیچے اتار اپنے دوستوں کی مدد سے زبردستی اغوا کر کے لے گئے۔

زبیدہ بیگم کو اطلاع ملی تو بھاگم بھاگ والد صاحب کے پاس آئے مقرر تھا تھانے کا تھانیدار ان کا واقف کار تھا۔ زبیدہ بیگم چاہتے تھے کہ تھانیدار کی مدد سے اغوا کرنے والوں کو پکڑ کر حوالات میں بند کر کے وہ صاحب ان کو سونپ دی جائیں۔ والد صاحب زبیدہ بیگم کی بات سن کر فرمانے لگے ذرا ٹھہرو اس بارے میں مشورہ ہوتا تو بہتر تھا۔ تمہارے میاں بیوی کے بیچ میں میں اپنی ٹانگ کیوں اڑاؤں؟ تمہارے عدالتی جھگڑوں کے لئے نہ اس وقت ہے، نہ میں اپنے دوستوں سے مدد حاصل کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

پھر خلاف توقع مسکرا کر فرمانے لگے۔ حق بحقدار رسید۔

ڈراما۔

اظہر افسر

مومن

افراد:-

مومن

صاحب جی

شیفتہ

ایک موسیقار

(قدیم طرز کا ایک خوبصورت دالان، اُجلا اُجلا فرش، فرش جس پر بیچوں بیچ ایک نہایت قیمتی قالین بچھا ہے۔ دالان میں گاؤ تکیے سے لگے مومن (کشیدہ قامت، سرخ و سفید رنگ، روشن آنکھیں، کھنچی ہوئی بھنویں، لمبی ستواں ناک، پتلے پتلے ہونٹ جن پر پان کا لاکھا جما ہوا، ہلکی ہلکی مگر گھنی خوبصورت داڑھی، سر پر گھونگر والے لمبے بال، [illegible] کچھ پیچھے کچھ کندھوں پر پڑے ہوئے ہیں۔ بدن پر شربتی ململ کا نیچا انگرکھا۔ گلے میں سیاہ رنگ کا فیتہ جس سے تعویذ بندھا ہوا ہے۔ [illegible] رنگ کے دوپٹے کو بل دے کر کمر سے لپیٹ لیا ہے جس کے دونوں کونے سامنے پڑے ہیں۔ انگرکھے کی آستین الٹ کر چڑھا لی ہے۔ سر پر گلشن کی پیچ دار ٹوپی پہنے) بیٹھے ہیں۔ سامنے کچھ کاغذات بکھرے ہوئے ہیں۔ ایک چھوٹا سا پاندان رکھا ہے۔ داہنی طرف چلمن لگی ہے۔ دالان میں پیچھے ایک خوش وضع مرتبان [illegible] پر سفید کپڑا ڈالا گیا ہے۔

پردہ اٹھنے پر مومن مراقبانہ بیٹھے ہیں۔ سامنے ہی ایک نوجوان [illegible] سر جھکائے کھڑا ہے۔ [illegible] کی کوشش کرتا ہے۔ موسیقار [illegible] گا رہا ہے۔

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مومن۔ (آنکھ کو آہستہ آہستہ پونچھنے لگتے ہیں)

موسیقار۔ وہ نئے گلے وہ شکایتیں، وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مومن۔ (چہرہ ہاتھ پر ٹکا لیتے ہیں)

موسیقار۔ جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومنِ مبتلا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

(موسیقار کی آواز کے ساتھ ساتھ وہ سایہ بھی غائب ہو جاتا ہے۔ داہنی جانب کی چلمن ہلنے لگتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مومن کی محبوبہ صاحب جی جو زرد رنگ کا ململ آستینوں کا کرتا، کاہی [illegible] پائجامہ، دھانی دوپٹہ اوڑھے کھڑی ہے)

مومن۔ (کچھ دیر تک چلمن کی طرف دیکھتے ہیں پھر مسکرا کر)
خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

صاحب جی۔ (ذرا کھسکتی ہے اور چلمن سے کچھ پیچھے ہٹ جاتی ہے)

مومن۔ صاحب۔

صاحب جی۔ (جواب میں صرف چلمن ہلتی ہے)

مومن۔ تم نے وہ نہیں سنا۔

لے پردہ نشیں چلمن اٹھا دے کہ زجس جانے
کرتا ہوں میں سوزِ غمِ پنہاں کی شکایت

صاحب جی۔ (چلمن کے پیچھے سے جو بڑے اُداس لہجے میں)

ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ مٹے وہ
دل میں رہی رنجش جو ... کی شکایت

مومن۔ صاحب باہر نہیں آؤ گی، تمہارے رشتہ دار تمہیں مجھ سے جدا کرنے پر تلے ہوئے ہیں، کیسی کیسی آفتیں ڈھا رہے ہیں۔ آسمان نے جو یہ گھڑی مل بیٹھنے کو بخشی ہے کیوں ہم الگ الگ گزار دیں، صاحب۔

صاحب جی۔ (چلمن اٹھا کر آہستہ باہر آتی ہے، مومن نہایت وقت سے اس کا ہاتھ تھام کر قالین پر لا بٹھاتے ہیں)

مومن۔ (ایک کاغذ سامنے رکھتے ہوئے)۔ لو اسے پڑھو۔

صاحب جی۔ (دوسری طرف منہ پھیر لیتی ہے)

مومن۔ ناراض ہو؟

صاحب جی۔ یہ بتاؤ اُس نامے کا کیا ہوا؟

مومن۔ نامے کا! کوئی پیام بھجوایا تھا میری صاحب نے؟

صاحب جی۔ میں کیوں پیام بھجواتی، آپ اپنی کہیے،

مومن۔ بھئی کہہ کر میاں نہ بجھواؤ، کس نامے کا ذکر کرتی ہو،

صاحب جی۔ کپور تھلہ والے، وہ نامہ جو مہاراجہ کپور تھلہ نے آپ کو بھیجا تھا،

مومن۔ (قہقہہ لگاتے ہیں) بھئی ایسے وقت کس کا ذکر کو اُس نامے کا خیال آسکتا ہے،

صاحب جی۔ آخر لکھا کیا تھا؟

مومن۔ لکھتے کیا، مہاراج ساڑھے تین سو روپے مقرر کئے تھے پیام کے ساتھ آنے جانے کا خرچ بھی بھیجا تھا۔

صاحب جی۔ اور آپ نے نادرہ اور مہاراج دونوں کو ٹھکرا کر...

مومن۔ صاف جواب دے دیا کہ میں مصاحبی اور پابندی سے عاجز ہوں، ایک ہی صاحب کافی ہے۔

صاحب جی۔ (مسکراتی ہے)

مومن۔ بھلا سوچو تو جب دربار کے تنخواہ دار بھانڈ ایک معمولی گویا ساڑھے تین سو روپے مہاراج کماتے، میں بھی اسی دربار سے وہی تنخواہ پاؤں۔

صاحب جی۔ خدا داد کی آپ سے سیکھے۔ مظہر الحسن صاحب تفضل کر رہے۔ جب آپ کو جب اپنے ساتھ لے جانا چاہا تو آپ نے ٹال دیا۔

مومن۔ صاحب دلی ہمارے لئے ابھی اس قدر سستی نہیں ہوئی کہ اُس کو تھوڑے سے ہمارے عوض بیچ دیا جائے۔

دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

صاحب جی۔ جن حضرت کے آپ شعر پڑھتے ہیں وہ اور سودا، سوز، انشا، مصحفی، میر، ناسخ، آتش، خلیق، جرات حضرت ذوق بھی تو آپ کے سامنے ہیں کتنے نام آپ کو گنواؤں، سبھوں کے لئے دربار کی پابندی لازم رہی ہے

مومن۔ حضرت میرزا مظہر جانجاناں، آبرو، حسین، شاہ حاتم، حضرت خواجہ میر درد، انہیں کیوں بھول رہی ہو۔ نہیں صاحب نہیں میں مدح کو گداگری اور ہجو کو دنی الطبعی گردانتا ہوں۔ زندگی عیش رہے اجیت سنگھ والی پٹیالہ اور نواب ... خان والی ٹونک کے نام جو قصیدے لکھ دئیے ہیں بہت ہیں۔ میں اب اور کسی کا ممنونِ احسان ہونا نہیں چاہتا۔

غیر کرتے ہیں سشبہ نے مجھے گلگوں عنانی
ساغرِ چشم میں ہم دل کا لہو بھرتے ہیں

خیر چھوڑو اس ذکر کو کوئی اور بات کرو، تمہارے اس شعر کا کیا بنا۔ کیا مصرع تھا وہ ۔۔۔؟ ہاں

گر نہ کیا منہ کہ نظارے میں ذرا بھی

دوسرا مصرع ملا یا نہیں؟ یا شعر ابھی تک لنگڑا ہے۔

صاحب جی۔ (منہ پھیر لیتی ہے) (مومن آگے کو سرکتے ہیں) (صاحب دوسری طرف منہ پھیر لیتی ہے)

مومن۔ (پھر آگے بڑھ کر) صاحب آگئی ہو؟ (آنکھوں میں آنسو) کیوں بھی ہیں؟

صاحب جی۔ (مسکرا اٹھتی ہے) جائیے نہیں تو۔

مومن۔ نہ جائیں تو۔

صاحب جی۔ [illegible]

یہاں جو ہم گھر میں آیا تو دیکھا
گڑ گیا صنم کے نظارے میں زاہد

. . . .

مومن۔ ہاں۔ گڑ گیا صنم کے نظارے میں زاہد
(پھر صاحب جی کی طرف نگاہیں نیچے کر کے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے)
خدا نے یہ جلوہ دکھایا تو دیکھا

صاحب جی۔ خوب شعر ہو گیا۔ واہ۔ (پھر شیفتہ کی طرف دیکھ کر)
کچھ کچھ قدرت خدا سے تری ہو چلے ہیں وہ
یک چند اور گردش اے آسماں نہ چھوڑ

مومن۔ دفعتاً نہیں کوچے میں تیرا صاحب کا ہو چکے
اے عندلیب اس کے لئے گلستاں نہ چھوڑ

صاحب جی۔ (ہنستی ہے) خوب ہے (دکھاتی ہے)

مومن۔ ہاں ہاں خوب ہے؟

صاحب جی۔ وہ میں چاہتی ہوں کہ آپ کی وہ غزل سنوں اور آپ ہی سے

مومن۔ کون سی غزل؟

صاحب جی۔ کس کو غیرت آنے کی ہے کس سے ہے یہ بیتابی
کھڑے جو ہم بیٹھے ہم پھرتے تھے بیٹھ جاتے ہیں۔
سنائیے گا؟

مومن۔ ہاں ہاں!

صاحب جی۔ لیکن۔ ترنم سے۔

مومن۔ (صاحب جی کی طرف دیکھتے ہیں پھر ترنم سے پڑھتے ہیں)
کس کو غیرت آنے کی ہے کس سے ہے یہ بیتابی
کس عالم میں ہم جو ہیں آتے ہی اٹھ جاتے ہیں
شکوہ کیا بیداد کر سکتا […] دیکھو تو
دیکھے […] عالم […] نکلتے ہیں
ہوش گئے […] نہیں رات
یہ تو […] آپ کے کہتے ہیں
[…] عہد […] چمن
[…] کھل جاتے ہیں
[…] تنہائی پر
[…] جاتے ہیں

(کسی کے قدموں کی آہٹ ہوتی ہے)

صاحب جی۔ شاید کوئی آیا ہے (اچانک مومن کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے)

(قدموں کی چاپ قریب سنائی دیتی ہے)

(صاحب جی جلدی جلدی چلتی چلمن کے پیچھے جا کر غائب ہو جاتی ہے) (بائیں طرف سے شیفتہ۔ نگین انگرکھا۔ ایک برا پاجامہ […] پہنے داخل ہوتے ہیں)

شیفتہ۔ تسلیمات بجا لاتا ہوں۔

مومن۔ (چلمن کی طرف دیکھتے ہوئے) مصطفیٰ خاں تم بڑے وقت آئے۔

شیفتہ۔ کیا فرمایا حضرت نے؟ کچھ گستاخی ہوئی ہو تو در گزر کیجئے گا۔

مومن۔ کس لطف کی صحبت تھی صاحب جی سے۔ تم نے آ کر سب کا سب […]

شیفتہ۔ کون صاحب جی؟ یعنی امۃ الفاطمہ بیگم؟

مومن۔ ہاں امۃ الفاطمہ بیگم صاحب جی۔

شیفتہ۔ […] نصیب […] کہیں […] ہاں اب […] ہے۔ آپ آرام کیجئے

مومن۔ کیسی باتیں کرتے ہو شیفتہ۔

شیفتہ۔ میں بالکل سچ عرض کر رہا ہوں۔ […] کا ذکر […] کے لئے اور کیا چاہئے۔

مومن۔ ناممکنات۔ تو کیا ہم صاحب جی یہاں نہیں آ سکتیں؟

شیفتہ۔ […] صاحب جی کو اس کے […] زبردستی […] ہو چکے ہیں وہ لکھنؤ میں ہیں۔ اور آپ کہتے ہیں صاحب جی یہاں تھیں۔ میں […] نہیں کہوں گا۔ بس آپ آرام فرمائیے۔ میں ابھی حکیم […] کو بلا کر لاتا ہوں۔ (شیفتہ گھبرایا ہوا چلا جاتا ہے)

مومن۔ (حیران چلمن کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ […] میں یہ شعر پڑھتا ہے)

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

(کچھ دیر کے بعد […] اور […] آہستہ آہستہ گرتا ہے)

مکتوبات

یوسف ناظم ——— ایسسٹنٹ ڈائرکٹر۔ خواجہ کاؤس جی بلڈنگ دھوبی تالاب بمبئی ۱

شاعر کا شمارہ شمارہ حسب معمول دلچسپ اور وقیع ہے۔ آپ کی نظم گرب آخوند کا نامہ تو دھوم مچا دی۔ مکتوبات کا سلسلہ مقبول ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن کیا اچھا ہو کہ یہ صفحات تنقید اور ذاتی باتوں سے مبرا رہیں۔ بیچارے رفعت صاحب اکولہ کے بارے میں ذرا سی بات لکھ کر پھنس گئے۔

" خلیل بدایونی کی رومانی شاعری " پر تبصرہ بہت پسند آیا۔ یہ کتاب میری نظر سے بھی گزری ہے اور مجھے بھی ایسا معلوم ہوا کہ کتاب فن کتابت اور فن طباعت کے مظاہرے کے لئے چھاپی گئی ہے۔ تبصرہ نگار نے تو " بنج سود " کا حوالہ دیا لیکن مجھے تو کشیدہ کاری کے نمونے کا شبہ ہوا تھا۔

محمد عظیم ——— نادیجنس اینڈ کو فیروز آباد (ضلع آگرہ)

آپ کے اس خیال سے مجھے اتفاق ہے کہ " شاعر " کے مکتوبات دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔ خود میں بھی رسالہ کھولتے ہی مکاتیب پر نظر ڈالتا ہوں۔ نہ صرف " شاعر " بلکہ دوسرے رسائل میں شائع شدہ مکتوبات پڑھ کر مجھے اندازہ ہوا ہے کہ بیشتر مکاتیب رسالہ کا بالاستیعاب مطالعہ کئے بغیر ہی لکھے جاتے ہیں۔ بعض اس لئے لکھے جاتے ہیں کہ اپنے احباب کی مدح سرائی مقصود ہوتی ہے۔ بعض مکتوب نگار اپنا نام چھپا ہوا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اپنا نام چھپوانے کی سہل ترین ترکیب یہ ہوتی ہے کہ یا تو ایڈیٹر کی کسی تخلیق کی تعریف کی جائے یا پھر شاعر کے کسی کارنامے پر اظہار رائے کیا جائے اور یہ رائے عام طور پر تحسین پر مبنی ہوتی ہے۔ بیشتر رائیں عام طور پر بغیر پڑھے ہی ظاہر کی جاتی ہیں اور ہر صاحب رائے کو عافیت اسی میں نظر آتی ہے کہ وہ مشاہیر کی تخلیقات کی تعریف کرے۔ نئے اور غیر معروف حضرات کی کتنی چیزیں قدر داں کی چھپتی ہیں لیکن مکتوبات میں شاذ و نادر ہی ان کا ذکر ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اکثر مکتوب نگار پرکھنے کی صلاحیت کم رکھتے ہیں لیکن اعتبار ہے کہ اپنی ذاتی رائے ظاہر کرنے سے ہماری کم نظری منظر عام پر آئے گی یا مستند ادبا ہمارے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے، اپنی سچی رائے کا اظہار نہ کرنا بڑی کم ظرفی کی بات ہے۔ ہماری رائے صحیح ہو یا غلط۔ ہمارے لئے یہ فخر کیا کم ہے کہ ہم نے یہ رائے خود پڑھ کر قائم کی ہے۔

میں جرأت a free thing but my own ہے وہ دوسروں کے تاج محل میں کہاں۔! مجھے مسرت ہوگی اگر آپ میرا یہ خط شائع فرما دیں۔

قمر ندیم رئیسی ——— آغا حسین کا باڑہ۔ حسب نقل صاحب ناگپور ۱

آپ نے نومبر ۱۹۶۹ء کے " شاعر " کے اداریہ میں چند ایسی باتیں پیش کیں جن کی طرف مہاراشٹر حکومت کو حقیقتاً فوری طور پر توجہ دینی چاہئے بالخصوص یہاں کے ادبا اور شعراء کو ان کی تخلیقات اور خدمات کے صلے میں وہ مراعات ملنی چاہئیں جن کے وہ مستحق ہیں۔

بمبئی خاص کے ساتھ مہاراشٹر کے چھبیس اضلاع ہیں۔ ان میں اردو اضلاع کو چھوڑ کر اگر تحقیق کی جائے تو ہر ضلع میں ایک ادیب یا شاعر ایسے نکلیں گے جن کی پوری زندگی اردو زبان و ادب کی خدمت میں صرف ہوئی ہے۔ مستحقین کی باقاعدہ ایک فہرست مرتب ہونی چاہئے اور حسب مراتب انہیں ان کے حقوق ملنے چاہئیں۔ بمبئی خاص میں بھی ایسے مستحقین کی ایک خاص تعداد موجود ہے جن کی زندگی کا ہر لمحہ زبان و ادب کی خدمت میں صرف ہوا اور ہو رہا ہے۔ ایسے شعراء اور ادبا کی فہرست حکومت مہاراشٹر تک پہنچائی جائے۔ صوبہ کی مختلف اردو انجمنوں کی طرف سے اشتہار نے چھپنے چاہئیں۔ اور یہ سب کام انجمن ترقی اردو بمبئی کی وساطت سے ہونا چاہئے۔

دوسری صوبائی حکومتوں کی طرح حکومت مہاراشٹر کا یہ اقدام نہ صرف فن کاروں کی معاشی الجھنوں کو دور کرے گا بلکہ [illegible]

اہمیت میں ایک نمایاں اور اچھا اضافہ بھی ہوگا۔ اگر "شاعر" کے ذریعے یہ تجویز حکومت تک پہنچ جائے اور اس کا کوئی مستقل حل نکل آئے تو میں سمجھتا ہوں کہ "شاعر" کے ادبی و لسانی کارناموں میں یہ سب سے بڑا اور اہم کارنامہ ہوگا۔

"دانستہ و نادانستہ" کے تحت آپ کے "اداریے" اور "نوٹ" کے ذریعے جو خصوصیات سامنے آئیں وہ قارئین کی معلومات میں بہترین اضافے کا سبب ہیں۔ مولانا سیماب کی ان کتابوں کا شائع ہونا بہت ضروری ہے۔ آپ نے مولانا مرحوم کی غیر مطبوعہ کتابوں کی جو فہرست پیش کی ہے اس میں کتاب "میرے خاکے" کا اندراج نہیں ہے جو سنہ ۱۹۶۲ء میں مرحوم نے اپنے نام سے ایک کتاب بہ ترتیب دے رہے تھے۔

اشرف فاروقی ——— ۱۴۰۰، جونا بازار، اورنگ آباد (مہاراشٹر)

"شاعر" کی آمد سے قبل ۱۷ نومبر کو میں نے حضرت سکندر علی وجد صدر انجمن ترقی اردو مہاراشٹر سے تفصیلی گفتگو کی تھی اور مہاراشٹر میں اردو کو سرکاری زبان بنانا چاہئے۔ صاحب موصوف نے بتایا کہ انجمن کے ایجنڈے میں یہ بات شامل ہے۔

انجمن اس سلسلے میں نمائندگی کرے گی اور یقیناً اس کے مفید نتائج برآمد ہوں گے اور سب ہی انجمنوں کی اس مطالبے کو تائید حاصل رہے گی۔ "دیگر تحریکات کا جائزہ" میں شامل تھی۔ فی الواقع آپ ہر ایک کے ملال کی بات کہنے میں پیش پیش ہیں۔

منظر امام ——— پروگرام ایگزیکیٹیو آل انڈیا ریڈیو۔ گوہاٹی (آسام)

اردو سے متعلق آپ کے اداریے "بڑے جاندار اور پُر زور" ہوتے ہیں۔ اگر سچائی فتح یاب ہوتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اردو اپنا جائز مقام حاصل کرنے سے محروم رہے۔ آپ نے اخبارات میں بزم اردو ناگالینڈ کی رپورٹ پڑھی ہوگی۔ یہ بزم ناگالینڈ کے دارالخلافہ کوہیما میں چند اردو دوستوں کی کوشش سے قائم ہوئی ہے جس کے صدر شری سنہا جو راج رتن ہیں جو اردو کے جانے پہچانے ادیب اور حکومت ناگالینڈ کے ڈائریکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلسٹی ہیں۔ بزم کے سکریٹری ابراہیم الدین انصاری ہیں جو مقامی سائنس کالج میں لیکچرار ہیں۔ اس بزم کے روحِ رواں کیول کرشن نیتر ہیں جو آل انڈیا ریڈیو کوہیما میں پروگرام ایگزیکیٹیو ہیں۔ اس بزم کے کئی اہم مقاصد ہیں۔ مثلاً اردو زبان و ادب کی نشر و اشاعت۔ اردو لائبریری کا قیام۔ ناگالینڈ کی لوک کہانیوں پر اردو میں تنقید وغیرہ۔

حکومت ناگالینڈ نے یکم دسمبر کو اپنی ریاست کے قیام کی دوسری سالگرہ کی تقریب میں مجھے شرکت کے لئے مدعو کیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس ریاست کی جانب سے کسی اردو شاعر کو سرکاری تقریب میں نظم پڑھنے کی دعوت دی گئی تھی۔ ہر چند نظم کا انگریزی ترجمہ وزرا اور دیگر عمائدین حکومت کے درمیان پہلے ہی تقسیم کر دیا گیا تھا لیکن اردو جاننے والے اور سمجھنے والے بھی کافی تعداد میں تھے اور انہوں نے نظم بڑی توجہ اور مسرت کے ساتھ سُنی۔ در اصل اس تقریب میں میری شرکت بزم اردو ہی کی کوشش تھی۔ اس بزم نے میرے اعزاز میں ایک خصوصی جلسہ بھی کیا تھا جس کی صدارت وہاں کے وزیر تعلیم شری کیکشان نے فرمائی۔ انہوں نے بزم اردو سے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔

نومبر کے شمارہ میں جناب عارف قریشی اور مظفر حنفی نے میری غزل (مطبوعہ شاعر اکتوبر سنہ ۱۹۶۴ء) کے مطلع کے بارے میں اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ میں دونوں احباب کا ممنون ہوں۔ مطلع میں واقعی "ایطا" ہے۔ میں نے اپنی غزلوں میں اس طرح کے عیب سے ہمیشہ اجتناب برتا ہے۔ اس لئے مذکورہ غزل کا مطلع بھی تبدیل کر دوں گا۔ یہ غلطی "ندرا ات" میں نہیں بلکہ "بے خیالی" میں سرزد ہوئی ہے۔

عروج احمد عروج ——— نزد مکرم ٹاکیز جالنہ (مہاراشٹر)

"شاعر" کے دسمبر سنہ ۱۹۶۴ء کے شمارے کے حصہ "گفتگو" میں محمد عظیم فیروز آبادی کے اس مشورے کی میں پُر زور تائید کروں گا کہ آپ علامہ سیماب پر خصوصی نمبر شائع فرمائیں۔ ویسے بھی یہ کام آپ کے اولین فرائض میں شامل ہے۔ نومبر سنہ ۱۹۶۴ء کے شمارے میں علامہ مرحوم کا نوحہ نظر سے گزرا تھا۔ علامہ کی غیر مطبوعہ تصانیف کی اب بھی کافی تعداد موجود ہے۔ ان کی اشاعت کی جانب بھی توجہ دیجئے۔

حیدرآباد کی لائبریری میں ایک "تصنیف" پتہ اور "تلاش" کرنے پر دستیاب ہوئی ہے۔ آپ کی تحریر کے مطابق علامہ سیماب نے

یہ بھی اور منی سام پروانہ کو لکھ کر دیا تھا۔ اگر آپ کہیں تو آپ کے پتے پر بھجوا دوں۔؟

دسمبر ۱۹۶۶ کے شمارے کی منظومات میں شاذ تمکنت۔ رونق نعیم اور تسنیم پیمانہ کی نظمیں پسند آئیں۔ غزلیات میں تابش دہلوی، شمیم سیالانی، شبین سروش۔ اقبال سجاد پوری اور افتخار احمد فخر دہلوی کی غزلیں بہت اچھی ہیں۔ حسن نظر بھی اس بار بہت جاندار ہے۔

بدیع الزماں خاور ۔۔۔۔ نشاط منزل مال۔ والپلی ضلع رتناگیری۔

دسمبر کا شاعر مل گیا ہے۔ اب تک صرف نظمیں اور غزلیں پڑھ سکا ہوں۔ دور اں کی نظم نے مجھے کافی متاثر کیا۔

۲۰ دسمبر (۱۹۶۶ء) کے اکثر مراٹھی اخباروں میں ایک خبر جلی طور پر شائع ہوئی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ "مراٹھی ساہتیہ سمیلن" نے ایک تجویز پاس کی ہے جس کا مقصد حکومت سے یہ مطالبہ کرنا ہے کہ آل انڈیا ریڈیو بمبئی سے صرف مراٹھی پروگرام نشر کئے جائیں جس طرح کلکتہ اور مدراس ریڈیو کے تمام نشری پروگرام بالترتیب بنگالی اور تامل میں ہوا کرتے ہیں۔ مہاراشٹر کے تمام ریڈیو اسٹیشن مراٹھی کے ساتھ پورے انصاف سے کام لے رہے ہیں۔ اس کے باوجود معلوم نہیں "ساہتیہ سمیلن" کو مذکورہ تجویز پاس کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ پھر اس تجویز کے ذریعہ جو مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ وہ دوسری زبانوں کے حق میں سخت نقصان دہ ہے۔ اگر خدانخواستہ اس مطالبے کو حکومت نے مان لیا (جس کی کم از کم مجھے اُمید نہیں) تو نتائج یقیناً بہتر نہ ہوں گے۔ علاقائی زبان کی حیثیت سے مراٹھی کی اہمیت مسلّم ہے۔ مگر مراٹھی والوں کو کوئی ایسا غلط انداز اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ جس سے مہاراشٹر میں عام طور پر بولی اور سمجھی جانے والی "اردو" ہندی، گجراتی جیسی دوسری زبانوں کی حق تلفی ہو۔ دوسری زبان والوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ "ساہتیہ سمیلن" اپنی تجویز پر نظر ثانی کرے اور اسے صحیح انداز سے پیش کرے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ بھی "شاعر" میں اس سلسلے میں کچھ لکھیں گے۔

شفیق تنویر ۔۔۔۔ منگل واڑہ۔ بھوپال

"شاعر" کا دسمبر کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ آپ "جرعات" میں مسلسل اردو کے بارے میں جس بےباکی سے لکھ رہے ہیں۔ وہ یقیناً قابلِ تعظیم ہے۔ اس خوشامدی دور میں ایسی بےباکی کا مظاہرہ آپ کا اردو سے حقیقی محبت کا پتہ دیتا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ اس بےباکی سے آپ کو نقصان پہنچ رہا ہو۔ پھر بھی سے "فروغِ فرقِ سردار کو نظر نہ لگے"۔

آپ نے "جرعات" میں کتنی اچھی بات لکھی ہے کہ "اردو والوں کو انعامات نہیں چاہئیں۔ اردو والوں کو سرکاری امداد و اعانت نہ دیجئے۔ صرف اس کی تعلیم کا عام انتظام ابتدا سے ثانوی مدارس تک کر دیجئے"۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر ہم اردو کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کی تعلیم کا انتظام باقاعدہ طور پر ابتدا سے ثانوی مدارس تک کرنا پڑے گا۔ ورنہ ہمارے بعد کی نسل اردو سے کافی حد تک ناواقف ہوگی۔

"شکیل جرالی کی رومانی شاعری پر تبصرہ" پڑھ کر ڈاکٹر شکیل الرحمٰن پر بہت ترس آیا۔ "جدید شاعری میں ہیئت کا مسئلہ" میں اُمید صاحب نے لکھا ہے کہ "یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ سجاد ظہیر کا تجربہ ہر طرح سے کامیاب رہا ہے اور مستقبل قریب میں لوگ اسی کو فن مان لیں گے۔ اگر یہ اسلوب رائج ہوگیا تو اردو شاعری میں مزید تجربوں کی زحمت نہیں اٹھانی ہوگی۔"

یہ ٹھیک ہے کہ سجاد ظہیر کا تجربہ کامیاب رہا ہے۔ یہ بھی بجا کہ لوگ اس کو فن بنا لیں گے۔ پھر بھی اردو شاعری میں تجربات ہوتے رہیں گے اور ہونے بھی چاہئیں۔ جد و جہد ہی کا نام زندگی ہے جہاں جد و جہد ختم ہوئی۔ زوال شروع ہوا۔ خود سجاد ظہیر کا یہ پسند نہیں کریں گے کہ اردو شاعری میں اُن کے بعد تجربات نہ ہوں۔

غزلیات میں اعزاز افضل اور حسرت قادری کی غزلیں پسند آئیں۔ حسرت رسیانی کی غزل پڑھ کر علامہ سیماب مرحوم کا یہ شعر بے ساختہ یاد آیا۔

جو راز زمانگ کے لائق تھی چار دن ۔۔۔ وہ آرزو میں کھوگئی وہ اختیار میں

حلیم آختر منظر نقوی کی غزل کا یہ شعر

بن ملے یوں ہی کوئی بات بنی ہو جیسے — کسی جنگل میں کہیں رات ہوئی ہو جیسے

تے مصرعہ ثانی میں "کہیں" حشو ہے۔

تسنیم منظر پیپی ——— پنجاب نیشنل بینک آف انڈیا۔ پوسٹ بیگ ۱۰ پٹنہ (بہار)

دسمبر کا شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ بیک نظر یہ شمارہ خاص نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اس میں شامل قلمکار کثیر نئے ہیں۔ مگر مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ یہ شمارہ بھی حسب سابق اہم اور بہت اہم ہے۔ مقالات کی جدت اور تنوع، نظموں کی رنگا رنگی، غزلوں کی دلکشی، افسانوں کی جمالیات آفرینی، سب یوں لگے کہ دل و دماغ عش عش کر اٹھتے ہیں۔ پیتر علی کمال گورکھپوری اور روشن آرا تبسم کے افسانے بہت پسند آئے۔ روشن آرا تبسم کے کچھ اور افسانے بھی دیکھے تھے۔ مگر ان میں وہ بات نہیں تھی جو یادر رکھی جا سکے۔ مگر موجودہ افسانہ پڑھ کر ایسا احساس ہوتا ہے، جیسے انھوں نے اپنی راہ بنالی ہے۔ یں ان کو بار بار مبارکباد دیتا ہوں۔ تبسم گرشاید وہ پاکستان جا چکی ہیں۔

نومبر کے شمارہ میں "زہر کرن" چہرے "خوبصورت، قابل غور اور بعد آفریں نظم تھی۔ اگرنیسی صاحب کی وہ نظم ہے تو اس سے خود ان کی سہل پسندی ظاہر ہوتی ہے۔

منظر حنفی ——— میراں پورہ۔ بھوپال گیٹ سیہور بھوپال۔ (ایم پی)

شاعر کی اشاعت دسمبر ۱۹۹۸ء میں حضرت نامی نے میرے اس شعر

بے اندر فقط پشیمان کہاں ہوتے ہو — پھول جب توڑ لیا ہے تو مسکنا ہوگا۔

میں "کہاں" کا لفظ بے محل بتایا ہے۔ اس جگہ یہ لفظ طنزیہ "یوں کیوں" کا مفہوم ادا کرتا ہے اور میرے خیال میں برمحل ہے۔ مثال کے طور پر تین جملے دیکھئے۔

(۱) آپ بھی کہاں کی بات لے بیٹھے۔ گزرے مردے اکھاڑنے سے فائدہ " (۲) "آپ یہاں کہاں؟ یہ عید کا چاند اودھر کیسے نکل آیا" (۳) "اس جملے میں ہم کہاں آنے والے ہیں، کسی اور کو پھانسئے"۔

مندرجہ بالا اقتباسات میں لفظ "کہاں" بالترتیب کب، کیسے اور نہیں کا مفہوم طنز کے ساتھ ادا کر رہا ہے۔ امید کہ نامی صاحب مطمئن ہو گئے ہوں گے۔

عبدالرحیم نشتر ——— گجری بازار۔ کامٹی (ناگپور)

دسمبر کا شاعر دیکھا۔ اس بار بھی رسالہ بہت خوب ہے۔ "بہار قید ہے" اور "تاثر" دونوں نظمیں بہت پسند آئیں۔ یوں تو تمام غزلیں اچھی ہیں لیکن شمیم سرفروش کی غزل بہت ہی اچھی ہے۔ افسانوں میں "دروپ" اور "احساس جیاجاگا" پسند آئے۔ مقالات کا حصہ بہت ہلکا پھلکا ہے۔ تبصرہ میں "تشکیل جدایدہ کی رومانی شاعری" پر بے لاگ تبصرہ، تبصرہ نگار کے خلوص اور دیانتداری کا ثبوت ہے۔ تاریاندپوری نے حضرت سیماب اکبرآبادی پر جو مضمون لکھا تھا اور اس پر آپ نے نوٹ دیا تھا۔ اس سلسلے میں کچھ عرض ہے۔ اگر حضرت سیماب سے متعلق مضامین شاعر میں شائع ہوں تو بہتر ہے۔ مضامین نگار دیگر رسائل میں بھی بھیجیں تو کوئی وجہ نہیں کہ شائع نہ ہوں۔ سیماب کی شخصیت اس قابل ہے کہ انھیں ان کا حق دیا جائے اور صحیح قدر کی جائے۔

ضیا حسنی ——— کاشانۂ سنجری، چھوٹی بازار، فتحپور (یوپی)

ماہ کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ آپ نے موجودہ دور کے آخری صفحات پر جو باتیں لکھی ہیں، وہ بہت سچی ہیں۔ اگر اس پر عمل ہو تو یقیناً خوشگوار نتائج مرتب ہوں گے۔ مقالات کا باب بڑا ہی دلکش ہے۔ خاص طور پر پسند آیا۔ اور خاص طور پر وہ صاحب جو اپنے کو متفق اور نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ یقیناً یہ ایک اہم دستاویز ہے۔ صابر دت کا مقالہ بھی اچھا ہے۔ منظومات میں "شکستہ" اور "دیس" اچھی ہیں۔ غزلوں میں قیصر پرواز اور اشفاق غوری پسند آئے۔ رشید سرفراز، حلیم آختر فرخ آباد نقوی... کلام اور ... غزلیں بھی اچھی ہیں۔

[illegible]

ادارہ

محفلِ اپنی...!

سالنامہ

"شاعر" بمبئی اپنی سینتیسویں سالگرہ پر یہ ضخیم سالنامہ پیش کر رہا ہے۔ تقریباً دس سال پابندی کے ساتھ ہر سال "شاعر" کا ایک سالنامہ اور ایک خاص نمبر شائع کیا جا رہا ہے۔ "شاعر" نے سالناموں اور خاص نمبروں کی روایت کو بہت آگے بڑھایا ہے۔ اردو کے کسی رسالے نے اس پابندی کے ساتھ سالنامے اور خاص نمبر پیش نہیں کئے۔ اب تک کے نکلے ہوئے تمام سالناموں میں یہ سالنامہ سب سے کم حجم ہے لیکن اپنے علمی و ادبی حسن معیار کے اعتبار سے سب سے اہم اور بہت بڑا ہے۔ یہ حقیقت ہم دل کھول کر کہہ سکتے ہیں جو ضخیم سالناموں میں بھی عام طور پر نہیں ہوتا۔ اس کی کتابت و طباعت بھی قابل دید ہے۔ چند ماہ سے "شاعر" کی کتابت مرزا رفیق مکتبہ ہی سنبھال رہے ہیں جو خود اہل قلم ہیں اور حسن خطاطی میں یدِطولیٰ رکھتے ہیں۔ بہرحال سالنامے کے حجم کی کمی محسوس نہ ہوگی۔ یہ کمی موجودہ حالات کا تقاضا ہے اور اخباری کاغذ کی پابندیوں کا نتیجہ۔ دوسری طرف اشتہارات کے نئے قوانین بھی "شاعر" کے لئے باعثِ نقصان ہیں۔ تیسری طرف وہ عام بے کاری ہے جو توسیعِ اشاعت کے مقصد کو آگے نہیں بڑھنے دیتی۔ چوتھی وجہ آئندہ چند ماہ میں شائع ہونے والا ضخیم ترین "کرشن چندر" نمبر ہے۔

ہاں سالنامہ میں وہ سب کچھ ہے جو ذوق کی آسودگی کو درکار ہوتا ہے۔ اس میں طنز و مزاح۔ تنقید و تحقیق، افسانہ، ڈرامہ اور نظم و غزل کے کئی شاہکار ہیں۔ مندرجات پر الگ الگ نقد و تبصرہ ممکن نہیں۔ جگہ کی کمی اور دیر سے موصول ہونے کی وجہ سے بہت سے منتخب مضامین نظم و نثر رکھے پڑے ہیں۔ امید ہے سب آئندہ شمارے میں شائع ہوں گے۔ امید ہے کہ سالنامہ کا انتخاب کیا جائے گا۔ عدمِ گنجائش کی وجہ سے ادبی خبریں اور نقد و نظر کے ابواب نہیں دئے جا رہے ہیں۔

توسیعِ اشاعت کی بات

گزشتہ ماہ دسمبر کے شمارے میں سب ہی قارئینِ "شاعر" سے توسیعِ اشاعت کے سلسلے میں ایک عملی قدم کی درخواست کی گئی تھی جس کا نتیجہ ان سطور کے قلمبند کرنے تک حوصلہ افزا رہا ہے۔ جن کرم فرماؤں نے اس سلسلے میں توجہ دی ہے ادارہ "شاعر" اُن کا ممنون ہے۔ اُن کے نام ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ "شاعر" کے تمام معزز قارئین سے پھر درخواست ہے کہ وہ سب اسی طرح توسیعِ اشاعت میں حصہ لے کر "شاعر" کو تقویت پہنچائیں۔

۱۔ جناب بدیع الزماں خاور۔ داپولی (رتناگری)	۴۲	خریدار
۲۔ جناب محی الدین احمد ایم۔ اے۔ رانچی	۹	"
۳۔ جناب نسیم گوالیاری۔ احمد آباد	۷	"
۴۔ جناب یکتین انصاری۔ آکولہ	۶	"
۵۔ جناب تاج کوٹھی۔ احمد آباد	۵	"
۶۔ جناب پیرزادہ اقبال ہاشمی ایم۔ اے۔ بیجاپور	۳	"
۷۔ جناب ضیاء غنی خجوری۔ (یوپی)	۳	"
۸۔ جناب عبدالستار مائل۔ ممکور	۲	"
۹۔ جناب ل۔ م۔ شاہد جمشید پور	۱	"
۱۰۔ جناب پروفیسر عزیز دھولیوی ایم اے۔ جلگاؤں	۱	"
۱۱۔ جناب سرشار رسیلانی۔ بمبئی	۱	"
۱۲۔ جناب اویس احمد دوراں۔ کلکتہ	۱	"
۱۳۔ جناب عزیز عدل آباد۔ جلگاؤں	۱	"
کل تعداد	۷۳	

سب سے زیادہ خریدار بدیع الزماں خاور نے دئے ہیں۔

آہ تلوک چند محروم

۶ جنوری کو اردو زبان کے نہایت مشہور و مقبول بزرگ شاعر تلوک چند محروم کا اسّی سال کی عمر میں دہلی میں انتقال ہو گیا۔ وہ دہلی کے ولنگڈن ہاسپٹل میں صاحبِ فراش تھے۔ اردو کے بزرگ نظم نگاروں کی وہ آخری کڑی تھے۔ اکبر الہ آبادی، چکبست، سیماب اور ظفر علی خاں کے ساتھ اُن کا ذکر ہوتا تھا۔ انھوں نے اپنی یادگار گنجِ معانی، رباعیاتِ محروم، کاروانِ وطن، بہارِ طفلی، نیرنگِ معانی اور شعلۂ نوا چھوڑی ہیں۔ ان کی شاعری میں قومی اور حب الوطنی اُن کا خاص موضوع تھا۔ انھوں نے بچوں کے لئے بھی بہت زیادہ نظمیں کہیں۔ وہ نہایت سیدھے سادے ملنسار اور خلیق انسان تھے۔ ایک بڑے شاعر کی حیثیت سے ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ان کے صاحبزادے جگن ناتھ آزاد ہیں۔ محروم صاحب کی موت اردو ادب کے لئے صدمۂ عظیم ہے۔ ادارہ "شاعر" آزاد صاحب اور مرحوم کے دیگر پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

Regd No. MH 244 ANNUAL NUMBER, JA

The "SHAIR" Bombay 8
(37 Years of Publication)
THE MOST POPULAR OLDEST LITERARY & CULTURAL URDU JOU

علامہ سیماب اکبر آبادی

کی چند حیات افروز تصانیف

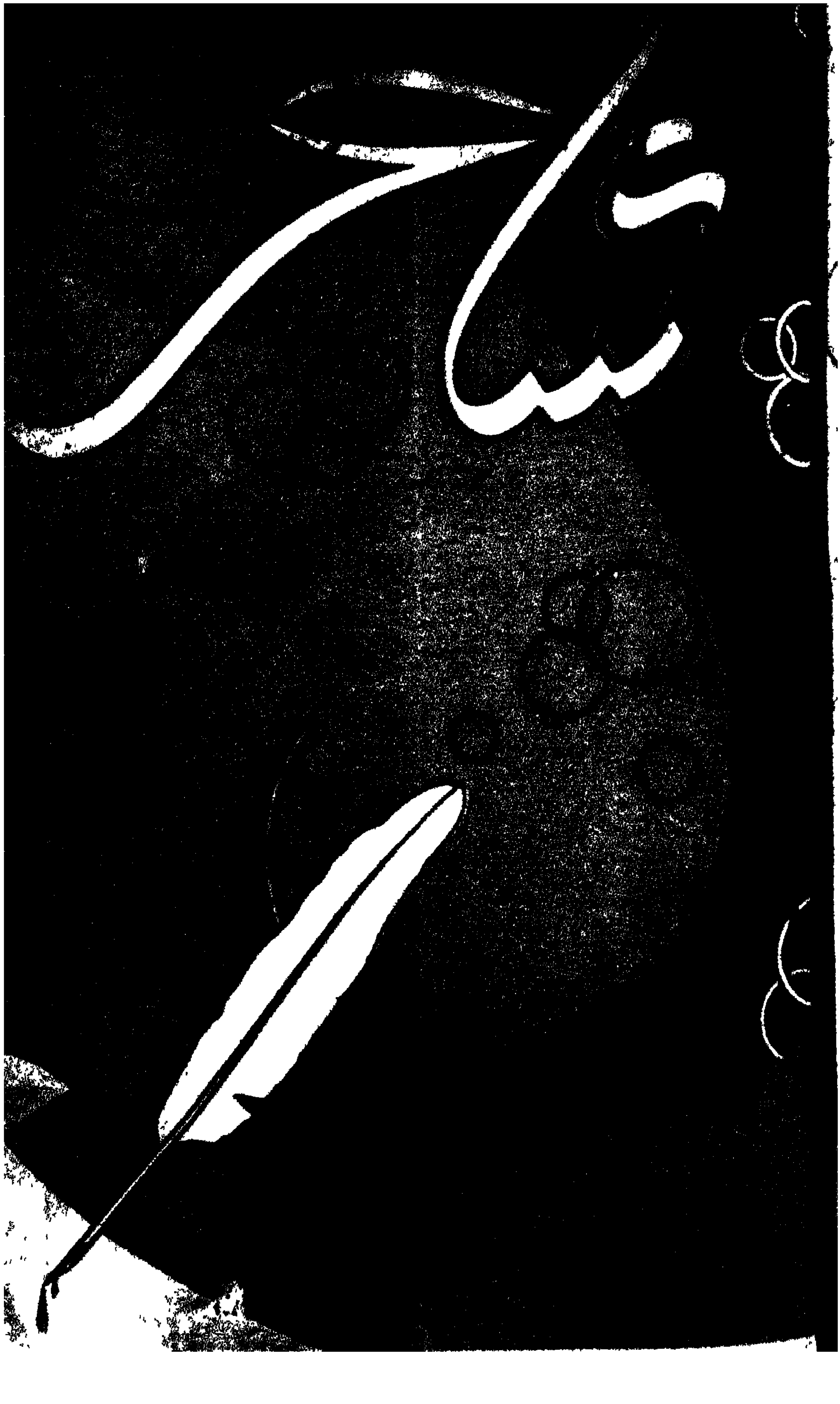
کلیم عجم	(غزلیات)	چار روپیہ آٹھ آنے
سدرۃ المنتہیٰ	(غزلیات)	چار روپیہ
کار امروز	(نظمیں)	چار روپیہ آٹھ آنے
شعر انقلاب	(نظمیں)	دو روپیہ
عالم آشوب	(رباعیات)	دو روپیہ
میر عجم (غزلیں نظمیں اور سلام)		ایک روپیہ

جلدوں پر خوبصورت اور رنگین گردپوش

(مکمل سیٹ کی خریداری پر نصف محصول ڈاک معاف)

منیجر قصر الادب، مکتبہ قصر الادب پوسٹ بکس ۵۳۶ بمبئی ۸

Only cover printed at Adabi Printing Press, Bomb





جاری شدہ ۱۹۳۰ء

بانی علامہ سیماب اکبر آبادی مرحوم

اردو کا سینتیس سالہ علمی، ادبی اور تہذیبی ماہنامہ

شمارہ ۳ - ۱۹۶۶ء

شاعر

بمبئی

ادارہ

اعجاز صدیقی

مہندر ناتھ

فی پرچہ	ممالک غیر سے	زر ششماہی	زر سالانہ
۱۰ آنے (۶۲ پیسے)	۱۶ شلنگ	چار روپے	سات روپے

مکتبہ قصر الادب

پوسٹ بکس ۴۵۲۶ بمبئی ۳ بی بی

شاعر

ترتیب

مکتوبات

انجم انا انجم · بدیع الزماں خاور · سہیل اکبرآبادی
مظہر صدیقی · شکیل جعفری · محمود ہاشمی
حامدی کاشمیری · عبدالعزیز خالد · تمنا مظفرپوری

جلد ـــ ۳۷ شمارہ ـــ ۳

ادارۂ "شاعر" فخر و مسرت کے ساتھ
اُردو کے مشہور و نامور افسانہ نگار

کرشن چندر

پر نہایت ضخیم، شاندار اور مثالی نمبر پیش کر رہا ہے
کرشن چندر کی منفرد شخصیت اور اس کے ہمہ گیر فن پر نہ صرف ہندوستان کی کئی زبانوں
کے مشہور اہلِ قلم کا بلکہ دنیا کے کئی بڑے مصنفین اور مفکرین
کے مضامین و تاثرات

کرشن چندر نمبر

میں

پیش کئے جائیں گے!

کرشن چندر کی ادبی زندگی کی لافانی تاریخ، اُس کی
عظمت کی کہانی، اُس کی تصانیف کا جائزہ
اُس کے زندہ اسلوبِ فکر اور شاہکار افسانوں
ناولوں اور ڈراموں پر تنقیدی نظر

درجنوں تصاویر
تفصیلات اور تاریخ کا انتظار کیجئے

کرشن چندر نمبر میں
خود

کرشن چندر

کے اپنے قلم سے
ایک تازہ غیر مطبوعہ اور شاہکار
نئے

ناول

کے علاوہ
تین تازہ کہانیاں
ایک ڈرامہ
ایک مزاحیہ
میرے ادبی نظریات
میرے تنقید نگار
میری ادبی زندگی کا آغاز و انجام

کرشن چندر کے کچھ ورڈز
(تصاویر کے ذریعہ)
اور
عکسِ تحریر
کرشن چندر کے
اہم خطوط

اربابِ قلم اپنے مضامین کرشن چندر پر جلد از جلد ارسال فرمائیں

جرعات۔

آل انڈیا ریڈیو کی نئی لسانی پالیسی

ہمارے ملک میں زبانوں کا مسئلہ جس قدر اہمیت رکھتا ہے لسانی بنیادوں پر یہاں صوبوں کی تقسیم ہوئی ہے اور ہر ایک نے علاقائی زبانوں کو زیادہ سے زیادہ ابھرنے اور پھیلنے کا موقع دیا ہے۔ اردو کو پہلے ہی جو کم و بیش اپنے تحفظ اور ترقی کے لئے کوشاں ہے۔ یہ صورتحال ایسی ہے جس میں جب ملک کی زبان کا مسئلہ بھی کسی حد تک اسی زاویے سے دیکھا جانا چاہیئے۔ حق کہ ہندی زبان جسے ہم نے "راشٹر بھاشا" کا درجہ دیا ہے جب تک پورے ملک کی وہ ایک زبان نہ بنا دیا جائے گا اس وقت تک ہمارا مستقبل بھی اس کی امید پر ہی چھوڑا جاتا ہے۔ ہر چند کہ اس کو ملک بھر کی زبان بنایا گیا ہے اور اسے COMMON LANGUAGE کی حیثیت دی گئی ہے مگر ہندی زبان کو اس حیثیت سے سرکاری زبان تو بنا دیا گیا لیکن بدقسمتی سے ہندی کے بجائے عملی طور پر سنسکرت سے بھاری بنا دیا گیا اور اس حد تک کہ عام فہم غیر ہندی علاقے کے لئے یہ نہ صرف کہ اجنبی ہو گئی بلکہ مشکل بھی۔ ریڈیو کی پالیسی تکنیکی طور پر ضرورت کے مطابق بنائی جاتی تو درست ہوتا کہ ہندوستان کی تمام بڑی زبانوں کے الفاظ سے مالا مال ہو اور کوئی وجہ نہ تھی کہ یہ سرکاری زبان پورے ملک کے لوگوں کی زبان نہ بن جاتی۔ لیکن ہوا اس کے بالکل برعکس۔ ہندی زبان میں سنسکرت کے نہایت بوجھل اور ثقیل الفاظ شامل کر دیئے گئے بلکہ نہایت مشکل علمی زبان کو عوام پر لادا گیا جو نہ صرف غیر مانوس بلکہ عام فہم بھی نہیں۔

علمی، ادبی اور کتابی ہندی قواعد ہی کی پابندی۔ ریڈیو جیسے عوامی ادارے کی زبان کو بھی اتنا مشکل بنا دیا گیا کہ ہندی نہ جاننے والے تو کیا، اس کے جاننے والوں کی سمجھ میں بھی بمشکل آتی ہے۔ سب سے اہم چیز ریڈیو کی خبریں ہیں۔ ہند پاک کی چھ روزہ جنگ کے دوران جب خبریں نشر ہوتی تھیں تو دکان دکان، ہوٹل ہوٹل اور گلی گلی خبریں سننے کے لئے ہندوستانی عوام سیکڑوں کی تعداد میں جمع ہو جاتے تھے۔ لیکن ان میں سے پانچ فیصد بھی ایسے نہ ہوتے تھے جو ان خبروں کو سمجھ لیتے۔ چنانچہ ایک دوسرے سے پوچھتا کہ کیا کہا؟ اگر آج ہندوستان کے تمام صوبوں کے عوام سے پوچھا جائے کہ وہ موجودہ ہندی زبان کو سمجھتے ہیں تو اکثریت نفی میں جواب دے گی۔ پنڈت جواہر لال نہرو کے دور تک بھی ریڈیو کی زبان کسی حد تک عام فہم ہوا کرتی تھی۔ لیکن ان کی موت کے فوراً بعد ہی جس طرح زبان کو بدلا گیا اور دو سال ہی میں اسے ثقیل سنسکرت زدہ بنا دیا گیا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ اسی دن ہندوستانی عوام کو ریڈیو کی لسانی پالیسی کی سختی کا اندازہ ہو گیا تھا جس دن پنڈت نہرو کے جلوس جنازہ کا آنکھوں دیکھا حال ریڈیو سے بتایا جا رہا تھا۔ اس میں شاید ہی کوئی ایسا جملہ تھا جو آسانی سے سمجھ میں آیا ہو۔ پنڈت نہرو کو ہمیشہ اس کی شکایت رہی کہ وہ موجودہ ہندی کو نہیں سمجھ سکتے۔

کوئی بھی عوامی زبان مشکل بنا کر نہ بولی جاتی ہے اور نہ سمجھی جاتی ہے۔ اسے اس کا عوامی چلن مقبولیت اور محبوبیت عطا کرتا ہے۔ ریڈیو کی خبروں اور اس کے اہم پروگراموں کے لئے تو ایسی ہندی زبان ہونی چاہیئے تھی جسے مدراس والے بھی سمجھ لیتے کیرالا، آسام، بنگال، اڑیسہ، گجرات، پنجاب اور کشمیر والے بھی۔ یہ تسلیم کہ اترپردیش، ہماچل پردیش، راجستھان، مدھیہ پردیش اور بہار میں ہندی زبان جاننے والوں کی اکثریت ہے۔ لیکن ان صوبوں میں بھی بہت کم لوگ ایسے مل جائیں گے جو ٹھیک طرح ریڈیو کی سنسکرت آمیز زبان سمجھ سکتے۔ ہندوستان بھر کے کالجوں اور ہائی اسکولوں میں ہندی لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے اور ہندی زبان پڑھنے والے طلبا بھی نہیں سمجھ سکتے۔ ان پڑھ لوگوں کا تو ذکر ہی کیا۔ ذرا ریڈیو کے کسی پروگرام کو لیجئے۔ آج کی شاعری کے مقابلے میں تیرہ کی عام فہم شاعری کو ہندی جاننے والے سامعین زیادہ سراہتے ہیں۔

ریڈیو سے صرف ایک وقت نشر ہونے والی خبروں سے سرسری طور پر اخذ کئے گئے کچھ الفاظ یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔ الفاظ کی بات الگ رہی خبروں میں جملوں کی ساخت بھی روزمرہ کے بالکل خلاف ہوتی ہے۔ الفاظ اپنے افعال کے ساتھ تال میل نہیں کھاتے۔

سرکشا کی ویوستھا	سفر ان نیتر	گھوشنا کا ادھیوشن	ویوستھا
نرنائے	انشو اسن دیا	آت پالنا سبھا	آپ لبندھ

ششتر ناویوس	رز بھارت	گروں راج	پھر سک
رزرو بینک کے آروپ	اپنا پرمت بنالیا ہے	مکھ نشرون	پرمت ساہس
مرکشت میں	کیمشن	پری ڈرام	اشیشنل سماچار
سنشودھن	آنترگت	لی ٹیکٹ	یخت کیا ہے
گھوشت کردیا	نمن تلون	پرستاوت	بھن بھین
ناتیتا پردان کردی	سزواچت	سنپرک	

خبریں ایسی چیزیں ہیں جن میں ہر روز حالات و واقعات نئے نئے آتے ہیں اور اسی اعتبار سے خبروں کو الفاظ کا روپ دینے والے ریڈیو کے لوگ نئے نئے الفاظ استعمال کرتے ہیں، خواہ وہ موزوں ہوں یا نہ ہوں۔ زبان کے حسن، اس کے عوامی مزاج اور چلن کا مطلق خیال نہیں رکھا جاتا۔ قوم و ملک کا یہ کتنا بڑا نقصان ہے کہ ہندوستان کے کروڑوں عوام ان خبروں کو نہیں سمجھ سکتے جنہیں سمجھنے کے لئے وہ روزانہ بے چین رہتے ہیں۔ خبروں میں تو ایسے الفاظ ہونے چاہئیں جو زبان سے بہ آسانی ادا ہو سکیں، یہ مختصر ہوں تاکہ کم وقت میں اور ان کے استعمال سے جملہ بگڑے نہیں۔ ریڈیو سے عام طور پر جو الفاظ بولے جاتے ہیں وہ لمبے اور دیر میں زبان سے ادا ہوتے ہیں، اسی لئے خبریں کم سمجھنے میں آتی ہیں۔ خبریں نشر کرنے والے سرکاری ملازمین کبھی کبھی ان الفاظ کی ادائیگی میں گڑبڑا جاتے ہیں۔ ان کے لہجہ میں ایک بناوٹ پائی جاتی ہے۔ تکلف اور تصنع کا احساس ہوتا ہے۔ روانی اور شیرینی نہیں رہ سکتی۔

ایسے ہزاروں آسان الفاظ موجود ہیں جو ہندی زبان کا اصل سرمایہ ہیں۔ ان ہی سے ریڈیو کی خبروں اور دوسرے پروگراموں کو مرتب کرنا چاہئے۔ "مفاہمات" نہ عربی ہے، نہ فارسی، نہ انگریزی۔ لیکن اس عام بول چال کے لفظ کو چھوڑ کر ریڈیو کے اناؤنسر صاحب بہت بن ٹھن کر کہتے ہیں "اس سمے راتری کے ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے ہیں"۔ ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کئی سو سال سے اس ملک میں ہندی جانے اور جانے والے دن اور رات بولتے آئے ہیں۔ رات کو راتری بنا دینے میں کیا حسن ہے؟ یہ ہندی زبان کے ساتھ کتنا بڑا ظلم ہے۔ کہ اسے عوامی ہندی الفاظ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ ہندی زبان کا وہ رس اور لوچ جو کبیر اور تلسی کے یہاں ہے، بچن کی کویتا میں پایا جاتا ہے۔ وہ آل انڈیا ریڈیو کی زبان بن کر نہایت کرخت ہو جاتا ہے۔ یہ ہندی زبان کے حسن کو سخت نقصان پہنچانا ہے۔ اس کی مقبولیت کو ختم کرنا اور غیر ہندی داں صوبوں کو پریشان کرنا ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ ریڈیو کے حکام اور دوسرے ذمہ دار سرکاری لوگ اس زبان کو ہندی زبان کا نام دیتے ہوئے یوں کہا کریں کہ "اب سنسکرت بھاشا میں سماچار پرساریت ہوں گے۔" کچھ لوگ اگر یہ سوال کریں تو بیجا نہ ہوگا کہ "ہندی زبان اگر اسی کا نام ہے جس میں خبریں نشر کی جاتی ہیں تو "سنسکرت" کسے کہیں گے؟ ریڈیو پر اب تک جو لسانی پالیسی برتی گئی ہے کیا وہ جمہوری اصولوں کے مطابق ہے؟

خوشی کی بات ہے کہ محکمہ نشریات و اطلاعات کے وزیر شری راج بہادر نے لوک سبھا کے ممبروں کو یقین دلایا کہ ہندی زبان کے خبرناموں کو آسان بنایا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ عام فہم الفاظ کا ایک وسیع خزانہ موجود ہے جسے بہ آسانی لیا جا سکتا ہے۔ زبان کی روح اور اس کے کردار کو خیال رکھنے کے سلسلے میں وزیر موصوف نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا۔ ہمیں امید ہے کہ وزیر نشریات و اطلاعات اپنے ان خیالات کو عملی جامہ پہنائیں گے اور سابقہ وزراء کی طرح کلام کی سنسکرت نوازوں کی باتوں میں نہیں آئیں گے۔ آل انڈیا ریڈیو کی زبان زیادہ سے زیادہ خوبصورت، آسان اور عام فہم ہو جائے گی۔ اگر ایسا ہو گیا تو ہندی زبان سے عام طور پر ہر صوبے کے کروڑوں عوام محبت کرنے لگیں گے۔

صدیقی

۱۳ مارچ ۱۹۷۳ء

شکریۂ تعزیت

میری والدۂ ماجدہ (بیگم علامہ سیماب اکبرآبادیؒ) کی وفات پر ہندستان اور پاکستان کے جن عزیزوں، دوستوں، بزرگوں اور معنوی بھائیوں نے اظہارِ ہمدردی فرمایا، تعزیتی جلسے منعقد کئے، خطوط اور تار بھیجے، میں اور میرے تینوں برادران عزیز (مقیم کراچی)، ان کے شکرگزار ہیں۔ چونکہ مادرِ ادب کے سانحۂ وفات پر کئی سو خطوط آئے ہیں، اس لئے فرداً فرداً سب کا شکریہ ادا کرنا میرے لئے بہت مشکل ہے۔ میرے درد و غم کو میرے مخلصین نے جس شدت سے محسوس کیا اور اس میں جس طرح حصہ گیر ہوئے، اس کا میرے دل پر گہرا اثر ہے۔ میں "شاعر" کے ذریعہ ان تمام ہمدردوں تک اپنے جذباتِ تشکر پہنچا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

حادثات اور سانحات کا زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ لیکن ان کی نوعیتیں مختلف ہوا کرتی ہیں، اور اسی اعتبار سے وہ اپنا تاثر چھوڑتے ہیں۔ کبھی کبھی حادثات و واقعات کی کڑیاں حیرت ناک طور پر کچھ اس طرح جڑ جاتی ہیں کہ انہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ عجیب بات ہے کہ "شاعر" کا اجرا فروری ۱۹۳۰ء میں ہوا تھا۔ اس کی اشاعت کے اکیسویں سال میں ۳۱ جنوری ۱۹۵۱ء کو والد محترم علامہ سیماب اکبرآبادی نے انتقال فرمایا۔ ان کی وفات کے اکیسویں دن ۲۰ فروری ۱۹۵۱ء کو مجھے ترکِ وطن پر مجبور ہونا پڑا۔ اور میں ۲۱ فروری کو بمبئی پہنچا ـــــ اور اب ۲۱ فروری (۱۹۶۶ء) ہی کو والدۂ محترمہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا ـــــ !!

(اعجاز صدیقی)

تحقیق:- مناظر عاشق ہرگانوی

نثر سیماب

(خوبصورت بلا عرف آئینہ)

"ناول، انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لفظی معنی عجیب اور انوکھی چیز کے ہیں۔ لیکن اصطلاحاً داستان کی ایک خاص صنف ہے جس کی بنیاد حقائق اور فطرت پر ہوتی ہے۔ ذات انسانی اس کا خاص موضوع ہوتا ہے۔ انسان کے افعال، خیالات، اخلاق اور عادات سے اس کا تعلق ہے۔ معاشرتی زندگی کے واقعات، انسان کی فطرت، اس کی تلون مزاجی، خوف، احساسات، جوش، جذبات غرض یہ سب ناول کے موضوع ہیں۔

اردو زبان و ادب میں لفظ ناول اب نیا نہیں ہے۔ سینکڑوں ناول نویس پیدا ہوئے اور ہزاروں ناول لکھے گئے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ اردو زبان و ادب کے محسنین میں شیخ عاشق حسین سیماب اکبرآبادی مرحوم بھی ہیں۔ اردو کا ہر پڑھا لکھا جانتا ہے کہ شاعری علامہ سیماب کا فطری ذوق اور خاندانی میراث ہے اور ان کا شمار اردو شاعری کے عظیم اساتذہ میں ہوتا ہے۔ لیکن یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ علامہ سیماب مرحوم ایک مسلم الثبوت شاعر ہی نہیں ہیں بلکہ انہوں نے نثر کی ہر صنف پر لکھا ہے اور خوب اور بہت لکھا ہے[1] ——— ان میں ناول بھی ہیں۔

میرے پیش نظر علامہ مرحوم کا ایک ناول "خوبصورت بلا عرف آئینہ"[2] ہے۔ ساڑھے اٹھتر (؟) ادب پر مشتمل اس ناول کو مکتبہ لال کشن داس تاجران کتب جوہری بازار آگرہ نے بال کشن پریس آگرہ سے شائع کیا تھا جس کی قیمت ۸ آنہ ہے۔ یہ ناول حسن و عشق کی جیتی جاگتی تصویر ہے، رشک و رقابت کا نوحہ ہے۔ وصل و ہجر کا البم ہے۔ زبان و محاورات کا خزانہ ہے۔ دلکش مضامین کا مجموعہ اور اسرار فطرت کا آئینہ ہے۔ جس میں عورت، خیال، مسمریزم اور ہمزاد کے فرق کو بتایا گیا ہے۔ انسان کے پیچیدہ اور اہم ترین مسائل پر دلچسپ اور موثر بحث کی گئی ہے ——— زبان نہایت صاف، سادہ، رواں اور دلپذیر ہے۔ جزئیات میں بے تکلفی اور بے ساختہ پن ہے۔ تشبیہ و استعارے سے بھی دلکشی پیدا کی گئی ہے۔ متانت اور سنجیدگی کا سر رشتہ ہاتھ سے کہیں نہیں چھوٹا ہے۔ پلاٹ اور کردار نگاری میں بھی یہ ناول کامیاب ہے۔ لیکن اس میں خامیاں بھی ہیں۔ اور جن کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ یہ ناول جس وقت علامہ مرحوم نے لکھا تھا اس وقت ناول نگاری اتنی عام اور مقبول نہیں ہوئی تھی جتنی آج ہے۔ اور یہ بیس برس قبل کی بات ہے۔ مثلاً ڈپٹی نذیر احمد (۱۸۳۰ء — ۱۹۱۲ء) رتن ناتھ سرشار (۱۸۴۶ء — ۱۹۰۲ء) منشی سجاد حسین (۱۸۵۶ء — ۱۹۱۵ء) عبدالحلیم شرر (۱۸۶۰ء — ۱۹۲۶ء) مرزا ہادی رسوا (۱۸۵۸ء — ۱۹۳۱ء) کے ناولوں میں بھی بہت ساری خامیاں موجود ہیں۔

---

[1] اگر علامہ سیماب کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کی فہرست دیکھنی ہو تو ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ شاعر بمبئی کا شمارہ نومبر ۱۹۶۱ء ——— صفحہ ۱۹ تا ۲۵ (م۔ ح۔ ہ)

[2] علامہ [illegible] منظوم [illegible] خوبصورت بلا عرف آئینہ [illegible] شاعر نمبر ۲۵ صفحہ ۱۲ (م۔ ح۔ ہ)

شاہکار

خوبصورت بنا دینے والا آئینہ ... ایک چودہ سالہ لڑکی محسنہ ... [illegible]

... [illegible] ... آئینہ دیکھنے کا شوق ... [illegible]

... [illegible] ...

... [illegible] ...

... شبانہ ... [illegible]

محسن ایک ... لڑکا ہے ... [illegible] ... محسنہ کا ... [illegible]

محسنہ کا ... [illegible] ... ہے۔

محسنہ ... [illegible] ... اس کی ... خواہش ہے کہ محسنہ اس کی ... [illegible]

... محسنہ کی بیماری کی وجہ ... [illegible] ... ہے۔

محسنہ کے آئینہ دیکھنے کے مرض ... [illegible] ... سے ... [illegible]

... ایک عالم فاضل مولوی ... کے پاس ... [illegible]

... اس کام کے لئے ... [illegible]

... [illegible] ... پریشان ہو جائے گا ... [illegible]

... ایک اشتہار شائع کر کے ... چسپاں کرا دیا ...

میری ایک چودہ سالہ لڑکی جس کا نام محسنہ ہے ... ایک ایسی حالت میں ہے ... [illegible]

... ایک خوبصورت ... آئینہ ... [illegible]

... [illegible] ...

... [illegible] ... اس کی ... [illegible]

... اشتہار ... اعلان کرتا ہوں کہ جو شخص ... محسنہ کو ایسی خوبصورت بنا دے ... [illegible]

... [illegible] ... محسنہ کی شادی اس کے ساتھ کر دوں گا ... [illegible]

... [illegible] ... محسنہ کو ٹھیک کر دے گی ... [illegible]

... [illegible] ... محسنہ کے کمرے میں ... [illegible] ... آئینہ ... [illegible]

... [illegible] ... آئینے کے ... محسنہ کے خیالات ... [illegible]

... [illegible] ...

... [illegible] ... آئینہ ... [illegible]

... [illegible] ...

... [illegible] ... محسنہ ... [illegible]

... [illegible] ...

... [illegible] ... آئینہ ... [illegible]

صفحہ ۱۲ ... [illegible]

صفحہ ۳۲ ... [illegible]

صفحہ ۴۰ ... [illegible]

نذر پیش ہونے لگتی ہے۔

اور جب محسنہ بالکل ٹھیک ہو گئی تو جمعہ کے دن سب جمع ہوئے اور اُس بھنور پوش نے شہباز قلندر سے مخاطب ہو کر کہا۔ مجھے اس وقت کہنا ہے کہ رو کر مجبور بے جا آپ کی لڑکی کے سر پر سوار تھی محض قوت خیال سے تبدیل کیا جا سکتی ہے۔ ورنہ حقیقتاً کوئی اسرار وغیرہ ایسے نہ کسی عامل کامل کا جادو اور منتر چل سکا اگر آپ یہ نہ سمجھتے تو توہمات میں مبتلا رہتے تو اپنی ہونہار صاحبزادی کو اس طرح جانے دیتے … بات نہیں ہو سکتے تھے۔ مگر خدا کی قدرت ہے کہ آپ کے دماغ میں اجتہاد کا مادہ پیدا ہوا۔ جس کی دو دن میں کیا تھا تمام زمانہ دے گا اور وسعہ ہے۔ قوت خیال سے ہزاروں مرض پیدا ہو جاتے ہیں اور اسی سے لاکھوں بیماریاں دفع ہو جاتی ہیں۔ اگر انسان اس سے مناسب طریقہ پر عمل کیا و سیکڑوں فائدے اس سے اٹھائے۔ یورپ کے مشاہیر جن کی اختراعات و ایجاد پر آپ لوگ ہزار جان سے نثار ہیں۔ اسی قوت خیال کے ذریعہ ترقیاں حاصل کر رہے ہیں اور نئی نئی ایجادیں آئے دن کرتے جاتے ہیں۔ براعظم ایشیا کے تمام حصص اس حال دریافت نوں سے اب تک متاثر ہیں جو قوت خیال کو کام میں لا کر شاہراہ ترقی پر … خیال کرتے ہیں۔ جوش پیدا ہوتا ہے۔ مگر اُس جوش اور خیال کو تقویت حاصل نہیں ہوتی۔ اور ان کے منصوبے ادھورے اور ارادے ناکام رہ جاتے ہیں۔ اگر وہ اپنے خیالات کو قوت دیں تو وہ بھی اہل یورپ کی طرح ترقی تجدید کے موجب بن جائیں۔ اور اپنے ملک میں امتیازی درجہ حاصل کر لیں۔ رہا یہ سوال کہ خیالات کو قوت کیونکر دی جائے۔ اس کا سبق محسنہ کی سوانح سے لیجئے۔ دیکھئے آئینہ کون نہیں دیکھتا مگر کسی کو آج تک اُس سے یہ سبق حاصل نہیں ہوسکتا۔ بات یہ ہے کہ محسنہ نے آئینہ دیکھا اپنے عکس میں کوئی خاص بات معلوم ہوئی۔ مکرر پھر دیکھا۔ وہی دلکشی میں ترقی پر ہو گیا اور اس نے اپنا آئینہ دیکھنے پر مجبور کیا حتیٰ کہ آئینہ دیکھنا اس کی عادت ثانی ہو گیا اور نوبت بایں جا رسید کہ اُس کے خیالات تقویت حاصل کر گئے اور آپ لوگوں نے جنون اور وحشت کا حکم لگا دیا۔

… کہہ سکتے ہیں کہ آئینہ دیکھنا جنون ہے۔ ہرگز نہیں۔ سبب یہ ہے کہ محسنہ کو … تصور کیا ہے اسے جنون اور وحشی کا خطاب دیا گیا ــــــ

حضرات یہ سب قوت خیال کے کرشمے ہیں۔ اسی طرح انسان اگر اپنے نیک خیالات کو طاقت دیتا چلا جائے تو وہ دنیا میں … کیسا ہی ہو نیک بخت اور نیک معاش ہو جائے گا۔ اگر ایک … اپنی بنارت میں اپنے خیالات کو ترقی دے گا اور ان کو قوت حاصل ہو گی تو بادشاہ ایک دن خاص پہلو لئے ہوئے نکلے گی۔

اگر کسی قوم میں سے کوئی شخص اپنی قوم کی بہبودی کے ذرائع پر اپنے خیالات کو مرکوز کر دیں گے تو ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ قوم مجتہد کہے جانے کا مستحق ہو جائیگا اور اُس کے اجتہاد پر لوگ فخر کریں گے۔ ؎

لوگ حیران تھے۔ ایک معمولی لڑکی … اور ابا … مگر ان کی حیرانی اور خوشی کی اس وقت انتہا نہ رہی جب کہ شہباز قلندر … کی اہلیہ اور یقین کہ محسنہ کسی فقیر کے ہاتھوں بیاہی جائے گی اور محسنہ سے شادی کر … دیرینہ آرزو پوری نہ ہو گی کیونکہ بھنور پوش کے اصرار اور گذارش شہباز قلندر نے وعدہ کر لیا تھا کہ محسنہ کے ساتھ بھنور پوش بیاہ ہو گی خواہ وہ قوم سے کوئی ہو۔ ذات اُس کی کچھ بھی ہو اور اعتراض نہ کریں گے۔

جب بھنور پوش نے … گذارش کی کہ اب التماس یہ ہے کہ اپنی محسنہ کو مجھے دے دیجئے یعنی میری زوجیت میں دے دیجئے۔ ؎ تو لوگوں کے تعجب پر … اور نہ … نور آ … اتار دئیے۔ اور لوگ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ وہ کوئی اور … بلکہ محسن

؎ دل کا … ہو جاتا ہے … کے بعد … عجیب عجیب خیالات اور وہموں میں مبتلا ہو جاتا اور فطری طور پر کیونکہ انسان کے … قدرت کی طرف سے … محسنہ اور محسن … پیدا ہوتی ہے اور جب … انکی … لیکن جب نقاب الٹتا ہے تو … آپ … ہوتا ہے تو …

ش مسلسل ۵۵ - م۔ ا۔ ۵

ت صفحہ ۵۶ - م۔ ا۔ ۵

اپنا بیان کر رہا ہے۔ خوبصورت صفائی آئینہ کو بڑی صنعت سے راقم نے عجیب عجیب خیالات و جذبات میں استعمال کیا ہے، کوشش کے باوجود بھی دوران مطالعہ یہ شعر سنا کہ کرشن اور محبت کا ملاپ کیونکر ہو سکتا ہے۔ پر جب یہ ناول قریب الختم ہو گیا، راقم کے ذہن پر بھی ایک گرہ سی پڑ گئی اور دونوں کرداروں کے لئے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو گیا لیکن جب یہ قصہ کی اصلیت ظاہر ہوئی تو بے ساختہ چہرے پہ مسکراہٹ پھیل گئی ۔

ناول خوبصورت باتصویر آئینہ کے صفحہ ایک پر انعام جناب اہل مطبع کی طرف سے یہ اعلان درج ہے:۔

”ہم ناول ہذا کے مصنف کی اس محنت اور تصنیف اور اس جانفشانی کی داد دیتے ہیں جو اس ناول کے تیار کرنے میں ان کو پیش آئی ہوگی کیونکہ اس ناول میں یہ لطف ہے کہ جس قدر اشعار اس میں تحریر ہیں وہ سب آئینہ پر ہیں جو حسب موقع چسپاں کئے گئے ہیں اور گلزار داغ اور آفتاب داغ سے اس طرح انتخاب کئے گئے ہیں کہ آئینہ سے متعلق کوئی بھی شعر مرقومہ بالا تصانیف میں باقی نہیں رہا ہے۔ اور اسی وجہ سے ہم نے یہ انعام مقرر کیا ہے کہ جو صاحب گلزار داغ اور آفتاب داغ سے آئینہ کے متعلق کوئی ایسا شعر نکال کر دکھا دیں جو اس ناول میں درج نہ ہو تو ناول ہذا ایک عدد ان کو بطور انعام مفت دی جائے گی۔

مینیجر الکشن پرنٹنگ پریس جوہری بازار آگرہ۔“

صفحہ ۲ پر ڈیڈیکیشن کی سرخی کے تحت علامہ سیماب نے اس ناول کا انتساب کیا ہے ”۔۔۔۔۔۔ میں اس آئینہ کو مظہر قدر دانی و لغزش ... افزائی نہایت ادب اور امید کے ساتھ عالی جناب مستطاب بھائی محمد اسمٰعیل خاں صاحب رئیس ... دام فیضہٗ و زاد اقبالہٗ کے نام نامی اور اسم گرامی پر معنون کرکے ۔۔۔۔۔“

صفحہ ۳ پر علامہ سیماب کے قلم سے ”تمہید“ درج ہے۔

عارض روشن کے پرتو سے غضب کیا ایک دن
گر چمک کر آئینہ اقبال اسکندر بنے

”اے آئینہ کے دیکھنے والو تم نے ناول تو بہت سے دیکھے ہوں گے مگر یہ ناول اپنی طرز کا نرالا انوکھا ناول ہے۔ سب سے پہلے اس میں لطف زبان ملاحظہ فرمائیے، پھر واقعات کی داد دیجئے۔ اس کے بعد جو خصوصیت قابل داد دید ہے، وہ یہ ہے کہ اس ناول میں کوئی شعر ایسا نہیں جس میں لفظ ”آئینہ“ نہ آیا ہو۔ ماسوا اس کے فصیح الملک حضرت داغ دہلوی مرحوم کی دونوں گلزار داغ اور آفتاب داغ میں جتنے اشعار متعلق آئینہ آئے ہیں یا یوں کہئے کہ دونوں دیوانوں کے جن اشعار میں لفظ ”آئینہ“ آیا ہے وہ تمام و کمال حرفاً حرفاً اس میں درج ہیں۔ اس خصوصیت کے ساتھ ان اشعار کو با موقع خوبصورتی کے ساتھ لانے میں جو جد و جہد مجھے کرنا پڑی ہے وہ میرا دل ہی خوب جانتا ہے۔ اگر پبلک نے اس کی داد دی تو زہے قسمت ورنہ نہ گلہ نہ شکایت“

آگرہ ۲۲ر نومبر سنہ ۱۹۰۹ء

ابوالعلا سیماب صدیقی
عاشق اکبرآبادی عفی عنہ

اس ناول میں کل ۷۷ اشعار ہیں۔ ان میں ایک شعر میں علامہ سیماب کا تخلص ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں صرف داغ مرحوم کے اشعار ہی نہیں ہیں بلکہ علامہ سیماب نے اپنے اشعار بھی شامل کئے ہیں ۔۔۔ وہ شعر یہ ہے :

میں ہی اے سیماب آئینہ کو دیتا ہوں جلا
میرے ہی دم سے یہ سب جلوہ گری شیشہ میں ہے

اس ناول میں مسمریزم، قوت خیال اور جبر و قدر پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور ان کے نفع کو بتایا گیا ہے۔ یہ بیت کافی معلوماتی ہے فی زمانہ علم مسمریزم کو کچھ ایسی ترقی حاصل ہوئی ہے کہ ہندی پیاس علم دوست احباب اس فن کے گرویدہ نظر آتے ہیں۔ اگر مسمریزم کی تعریف مختصر الفاظ میں کی جائے تو اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ فن مسمریزم قوت خیال کا ایک کامیاب نتیجہ ہے۔ قوت خیال ایسی

بڑی قصہ ہے جس کے جواب میں مجھ کو ان امور سے اہم ہے۔ الہام، معجزات، کشف و کرامات ایسے ہیں جن کا عقیدہ ہمیں لازم ہے اور یہ قوت خیال
کا کرشمہ ہیں [illegible] ہے۔ نذر، نیاز، گنڈہ، تعویذ، بھوت، پلید اور دنیا بھر کے جھگڑے جھیڑے سب یہ قوت خیال پر مبنی ہیں۔ سب کی بنیاد
یہ قوت خیال ہے۔ قوت خیال سے جو کام نکلتا ہے وہ کسی اور دوسرے ذریعے سے نہیں نکل سکتا۔ قوت خیال [illegible] مذہب مقوم ہندوستان
گرو، پیر، دیو سب میں موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو فائدہ اہل اسلام [illegible] سے اٹھاتے ہیں وہ بالکل ایک ہندو اشلوک پڑھ کر
حاصل کر لیتا ہے کہ جو فائدہ تبرکات ایک مسلمان شخص مزار درگاہ اور متبرک مقامات پر جانے سے اٹھاتا ہے وہ ہندو تیرتھ [illegible] مندروں سے
نکالتا ہے۔ خواجہ صاحب کی نیاز و فاتحہ سے اگر ضعیفی کا پاس مرادیں پوری ہوتی ہیں تو [illegible] کا کیا کرے [illegible] ضعیفی
بیتی خوب پوری ہو جاتی ہیں ـــــ ..... آگ بہت آگ کا جو وجود ہم کو اس سے [illegible] ملتے ہیں [illegible] آنکھ بہت
سرد [illegible] کو تحقیق کیجئے کہ اس سے عرض حال کی تقویت معدوم چیزوں کی بجائے خود ہی پوری ہوتی ہے یہ سب قوت خیال کے اعلیٰ ترین نتائج
ہیں۔ خیال کی تقویت معدوم چیزوں کو موجود کر کے دکھا سکتی ہے اندھیری رات میں جبکہ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا ہو اور [illegible] کوئی آواز نہ
سنائی دیتی ہو، کسی لق و دق میدان یا کسی دشوار گذار گھاٹی کے دامنوں پر نظر کیجئے، معلوم ہو گا کہ کوئی ڈراؤنی چیز سامنے موجود ہے اب اپنے
خیالات کو یوں جمائیے کہ یہ کوئی آ رہا ہے جتنے مجھے وہ ہی خیال درحقیقت [illegible] حاصل ہے اگر رفتہ رفتہ تقویت حاصل کر جائے گا (آپ) اس
ہیولے کو مجسم بنا کر آپ کے سامنے کھڑا کر دے گا اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ واقعی کوئی بھوت [illegible] ہے اس کی آنکھیں، کان، ناک،
ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا آپ کی قوت خیال پر موقوف ہیں سب ظاہر ہو جائیں گے اور آپ پر غشی طاری ہو جائے گی۔ غرض قوت خیال
ایک عجیب مظہر العجائب قوت ہے اور مسمریزم کو بھی اسی قوت سے ہر قسم کی طاقت حاصل ہے۔ بعض عامل جو مسمریزم کے طریقوں سے کسی قدر واقف ہیں
اپنے معمولی مطلب سے فرمایا کرتے ہیں کہ ہمارے تابع ہمزاد ہے۔ یہ بات بالکل لغو ہے۔ ہمزاد کا تابع کرنا بڑی ٹیڑھی کھیر ہے ....

.... نے ہمزاد کے معنی ہیں [illegible] جو انسان کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور جب تک اس کی عمر [illegible] ہو جاتی ہر
وقت [illegible] رہتا ہے اور ہر جگہ پر وہ ہر مذہب و قوم میں ایک خودی رسم ہے کہ [illegible] ہو جاتا ہے۔ ہمزاد
شکل و شمائل، عادات و خصائل میں اپنے ہمزاد انسان سے بالکل مشابہ ہوتا ہے اور علم و کمال میں ہر طرح بہرہ مند۔ اگر انسان جاہل ہے تو ضروری
نہیں کہ اس کا ہمزاد بھی جاہل ہو۔ مگر انسان فاضل ہے تو ہمزاد عالم ہو گا۔ ہمزادوں میں قومیں بنی نوع انسان کی طرح قائم ہیں جو ہمزاد مسلمان
ہیں وہ شیعہ سنی [illegible] کی قیود سے آزاد نہیں جو ہندو ہیں وہ برہمن، کھتری، شودر، ویش وغیرہ اقوام [illegible] عیسائیوں کے
ہمزاد عیسائی، موسیوں کے موسی، نصرانیوں کے نصرانی، ہندوؤں کے ہندو، مسلمانوں کے مسلمان غرضکہ جس قوم اور مذہب کے انسان [illegible]
ہے اسی طرح [illegible] ہمزاد بھی مخلوق ہے۔ آپ نے سنا ہے کہ فلاں عورت اور فلاں مرد کے سر فلاں [illegible] آتا ہے [illegible] کیا
ہے یہ [illegible] ہمزاد [illegible] کوئی بلا ہے [illegible] ... مگر ہاں اس بات کے ماننے میں کسی قسم کا تامل نہیں ہو سکتا کہ مسمریزم اور قوت خیال لازم
ملزوم ہیں۔ قوت خیال کے متعلق اکثر علمائے [illegible] بہت کچھ تحریر کر چکے ہیں اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ قوت خیال [illegible] باعتبار
حکمت بھی [illegible] ہے ... حکیم [illegible] نے قوت خیال پر ایک بسیط اور مدلل بحث کی ہے، جس کا مجمل خلاصہ یہ ہے کہ "قوت خیال اور قوت
[illegible] جسم انسان میں بادشاہ ہیں اور باقی تمام طاقتیں ان کی محتاج۔ اگر یہ طاقتیں انسان کو [illegible] تو انسان
انسان دکھاتا [illegible] کیونکہ حیوان [illegible] لیلیٰ کی فصد لگی تو مجنوں کے ہاتھ سے خون جاری ہو گیا۔ اگر یہ سچ ہے تو وہ بھی قوت
خیال کا کرشمہ ہے۔ [illegible] گزشتہ [illegible] جہاں نثار کر [illegible] مگر یہ
[illegible] دنیا میں [illegible] نہیں [illegible] تو یہ بھی قوت خیال کے ادنیٰ نمونے ہیں ۵

[illegible] سیماب کی [illegible] حیات [illegible] سیماب [illegible] کی کتاب حیات [illegible] معلوم
[illegible] لکھا ہے۔

۵ [illegible] نمبر ۲۶۵ صفحہ ۱۷ [illegible]

منور لکھنوی

غزل

ہمت ہار کے بیٹھ نہ جائے پستیِ دل کا کام بہت ہے
کیسے بار اٹھے گا اس کا تحتِ غمِ ایام بہت ہے

کلفت ہی آغاز سے مجھ کو اندوہِ انجام بہت ہے
صبح سے میں مایوس بہت تھا تیرہ مری شام بہت ہے

شمعِ سحر کی صورت بجھتے بجھتے لو دے اٹھتا ہے
اپنی پختہ کاری پر بھی شوق کا جذبہ خام بہت ہے

کیا الزام کسی کو دینا ہم نے تو جس کو بھی دیکھا
خود اپنی ہی کم ظرفی سے مقصد میں ناکام بہت ہے

چھٹتا ہے کب دیکھئے پیچھا انساں کا اس دورنگی سے
شام و سحر کے پھیر میں پڑ کر بیزار ایام بہت ہے

دل کے آسودہ کرنے کو کیا یہ زیادہ حد سے پینا
رنج میں سبو کی سمت [illegible] کام بہت ہے

کچھ تو لینا چاہئے آخر جائزہ دونوں کے ابعاد کا
گرمی میرے شوق میں بیحد سرد ترا پیغام بہت ہے

ہر دم دھڑکا یہ رہتا ہے بوجھ سے دب کر بیٹھ نہ جاؤں
اک مدت ہی سے میرے سر پر بارِ غمِ آلام بہت ہے

بگڑے کام کے بن جانے کی کوئی شکل نکل ہی آئے
رکھ لے جو صد عزت اپنی خوار دلِ ناکام بہت ہے

دے نہ زیادہ طولِ امل تو اپنے شوقِ پامالی کو
روندنے والے تیرے لئے تو سبزۂ زیرِ گام بہت ہے

کہہ دے بادِ صبا سے کوئی فرش بچھائے کیوں پھولوں کا
کانٹوں کے بستر پہ مجھ کو راحت ہی آرام بہت ہے

عشق کے بازو پھیلے پھیلے ہاتھ ہوس کے سمٹے سمٹے
عشق کی راہ میں کیا گنجائش تنگ ہوس کا دام بہت ہے

پھر بھی اکثر کم بینوں کو تجھ سے بیگانہ ہی پایا
مان لیا ہم نے یہ منور ملک میں تیرا نام بہت ہے

(افسانہ)

اکرام جاوید

قیدی نقطہ

پارس بلڈنگ کی دوسری منزل پر جمیلی کے خوبصورت ڈرائنگ روم میں وہ تینوں سرِ شام ہی پہنچ گئے تھے۔ وہ بہت خوش تھے کہ معروف شینی زندگی میں مدتوں بعد انہیں ایک رات مل گئی تھی جسے وہ اپنے طور پر گزار سکتے تھے۔ دراز قد اور چھریرے بدن کا سلونا جمیلی ایک نازک مزاج اور نفاست پسند انسان تھا۔ اس کے کتابی چہرے پر بچوں جیسی معصومیت تھی اور بوڑھوں جیسی سنجیدگی بھی۔ بڑی بڑی آنکھوں، ابنی پتلی ناک کی نوک اور پتلے پتلے ہونٹ کی ساخت سے لے کر سر کے سیاہ ریشمی بالوں کی تراش تک ہر شے سے اُس کے شاعرانہ مزاج کا پتہ چلتا تھا۔ وہ ایک مقامی کالج میں فلسفہ کا لیکچرار تھا اور اپنی خوبصورت شاعری اور مہذب دل و دماغ کی بدولت دوستوں کے نزدیک بہت معتبر تھا۔ اُسے اپنی جوان مرگ بیوی سے بے پناہ محبت تھی۔ اور ازدواجی زندگی کے وہ دو تین پیار بھرے برسوں کی یادیں اُس کی زندگی کا سہارا تھیں۔ بیوی کے مرنے کے بعد اُس نے دوسری شادی نہیں کی تھی اور دل میں سوز و گداز کی دبی دبی [illegible] چنگاریاں سی آگ میں اندر ہی اندر سلگتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ اسی طرح سنجیدہ تھا جیسے اُسے کوئی غم ہی نہ ہو۔ اشفاق جب بھی اُسے دیکھتا یا اُس کے بارے میں سوچتا تو اُس کی نگاہوں کے آگے سنگین درخت ابھر آتا۔ ہرا بھرا، سرسبز و شاداب سنگین سا درخت، اپنی شاخوں اور پتوں میں سرخ پھولوں کی آگ کو چھپائے ہوئے۔ سرخ پھولوں کی آگ جو کسی موسم میں بھی نہیں بھڑکتی ۔۔۔ اور جب تک وہ شاخوں اور پتوں پر نمودار نہیں ہوتی کوئی آنکھ اُسے نہیں دیکھ سکتی ۔۔۔ تو ایسا تھا جمیلی ۔۔۔ تیس پینتیس برس کا دل جلا ۔۔۔ مشہور شاعر جو پارس بلڈنگ کی دوسری منزل پر تنہا رہتا تھا ۔۔۔!

اشفاق ایک مشہور افسانہ نگار تھا۔ گہرے گندمی رنگ کا دبلا پتلا اور پُرکشش نوجوان ۔ جس نے اپنی عمر کے تیس سال غمِ جاناں اور غمِ دوراں سے کشمکش کرتے ہوئے گزارے تھے۔ اور کئی ایک کامیاب افسانوی مجموعے چھپ چکے تھے۔ اور آخر میں ایک سیدھی سادی دیہاتی لڑکی سے شادی کر لی تھی جو کسی بھی طرح کوئی غیر معمولی لڑکی نہیں تھی۔ وہ ایک کامیاب [illegible] اچھے منصب پر فائز تھا۔ اور کامیاب زندگی گزار رہا تھا [illegible] تو وہ افسانے لکھ کر خوش اور پُرسکون ہونے کی سعی کرتا تھا۔ یہی خوشی ان دنوں کیسے ملتی ہے جو اُسے ملتی تھی۔ پھر بھی ایک آس تھی، امید کا ایک چراغ روشن تھا۔ [illegible] کے باوجود، زخمی اور شکستہ ہونے کے باوجود، سینے میں ابھی دل سلامت تھا جو اب بھی اُسے خواب دیکھنے پر مجبور کئے ہوئے تھا۔ خواب جو محبت اور زندگی کے خواب [illegible] مسرت اور آسودگی کے خواب

فوزی کی [illegible] ۔۔۔ اور وہ اپنی [illegible] سیاہ چمکیلی [illegible] والا [illegible] افسانہ نگار [illegible] افسانہ نگار بھی ۔۔۔ [illegible] ملا ہوا تھا۔ وہ سب کچھ [illegible] اُس کی زندگی [illegible] آدمی [illegible] اور قلب و نظر کے [illegible] سے [illegible]۔ اس دنیا میں [illegible] بہت سے مزید [illegible] لیکن اس کی [illegible] اور دنیا میں کچھ نہ کر سکنے [illegible] کے نتیجے میں سارے [illegible] رشتے [illegible] منقطع ہو چکے تھے۔ [illegible] زندگی [illegible] تک

ہستی۔ تو وہ جزوی طور پر تک زندگی بسر کر سکتا تھا۔

گوسے سنگ کا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ معلوم ہے کہ اس کا سب سے قیمتی اثاثہ اور یہ خوبصورتی میں الواح تک ۔۔۔ سلسلۂ اشجار بیاہ بہت سے بزرگ اس کا سلسلہ کتاب میں کہ گزرتے تھے۔ وہ انہی ہوا کے اصفیاؤں کی طرح سنگ میں اقسام تراشے ہوئے تمام ہو چکی تھیں۔

خسیتی منہ پہ ان تینوں دستوں کا گرو تھا جو مقدم کیا اقدامات کا کہ ایک دنیا کے غلام بہادری کے موضوع سے کر (۱) کا وہ ذریعہ تھے۔ حیات زندگی اور عوام کے اخلاق، تمثال اور سیرت، ان خطوط کے سب ہی موضوعات پر باتیں کی تھیں۔ خصوصاً لطیفہ اور بالخصوص ادب سے عوام کی بڑھتی ہوئی بے حسی اور ناقابل برداشت رویہ بھی ہوتے تھے۔ اور ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کی تنگ نظری اور بہتان طرازی پر شکوہ سنج بھی۔ مشینوں کی حکومت اور ہلاکت کے تحت ہونے والے بحران کو بیان کرتے، موضوع پر گفتگو کرتے جب وہ دوسروں سے باتیں کرتے، سوچتے اور بحث کرتے رہتے تھے۔ یہ کون ہیں؟ کیا ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں، کہاں جائیں گے۔ زندگی کا آغاز کیا تھا اور انجام کیا ہوگا۔۔۔ کیا زندگی فانی شے ہے؟ اگر نہیں تو جینے کا مطلب کیا ہے؟ وقت گزرتا رہا لیکن فرصت ملی کہ ان کی زندگی پر کھل کر باتیں کر سکیں۔ وہ آنکھ سے ہٹے ہوئے اس موضوع پر گفتگو کرتے تھے۔ پتھر کی بے حس دیواروں سے سر ٹکرا کر وہ زخمی اور تھکے ہوئے بیٹھے تھے۔ لیکن ہوش، خاص کے قید خانہ کی ان سنگین دیواروں میں کوئی دروازہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ ایک گنبد بے در کے قیدی تھے ۔۔۔ اور آزادی کے لئے ترس رہے تھے۔

- میں کون ہوں؟

- تم حسیتی ہو۔

- اور میں؟

- اشفاق کی۔

- اور یہ؟

- یہ خودی ہے۔

- اور وہ کون ہے؟

- وہ مہندر ہے!

- لیکن "میں"، "تم"، "یہ" اور "وہ" کون ہے؟

- سب ایک ہیں۔ واحد اور مطلق ایک جسے بیان کرنا مشکل، دیکھنا ناممکن، اور سننا دشوار ہے۔ جو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے اور موجود ہے!

- آخر یہ موجود کیا شے ہے؟

- کوئی شے بھی نہیں ہے۔ جو نظر نہیں آتا ہے۔ کچھ بھی نہیں ہے۔ کوئی بھی در اصل نہیں ہے۔

- لیکن میں تو ہوں ۔۔ میں جو سوچتا رہا ہوں!

- تم نہیں ہو۔ اس لئے کہ دراصل تم سوچ ہی نہیں رہے ہو۔

- مگر ۔۔۔ میں سوچ تو رہا ہوں؟

- سوچ نہیں رہے ہو، بس سمجھ رہے کہ سوچ رہے ہو!

- لیکن مجھے یقین ہے ۔۔!

- یقین فریب کا سلسلہ ہے ۔۔۔ اور بس!

تو پھر — پھر میں کچھ بھی نہیں ہوں — تم کچھ بھی نہیں ہو۔ وہ کچھ بھی نہیں ہے — مرکزی نقطہ اول اور کائنات میں جھانکی
کھلونا ہے سارا انسان خوب نظر ہے — اور یہ دنیا اور کائنات کو گہری — زندگی ہے اور موت ہے ؟
خوب نظر — خوب خیال — بہت خوب اشتیاق تم — ہاں — ویسا ہی ہے جیسا ہم سوچتے ہیں !
اس کا مطلب ہے کہ سب کا وجود ہی ہے خیال کا اپنا کیا ہوتا ہے — ؟
تم پھر الجھ رہے ہو غور کرو — چائے پیو، سگریٹ لو یہ سب ہے !
اور ہاں مہندر — تم سگریٹ تو نہیں پیو گے — یہ شراب ہی پیا کرو —
شکریہ — میرے یار — بہر شکریہ
اور اشفاق تم تو سگریٹ بہت پیتے ہو ؟
ہاں صرف سگریٹ ہی پیتا ہوں
ہاں تو اشفاق ... حسینی نے سوچ میں ڈوبا ہوا کش لگا کر جیسے پہلے تیزی سے کمرے میں چکر لگاتے ہوئے کہا ...
موت اور زندگی اصل میں ایک ہیں ۔ زندگی ہی موت ہے اور موت ہی زندگی ہے
میں کتنا گھبرا گیا ہوں دوست ان باسی عقیدوں کی بار بار دہرائی ہوئی باتوں سے — مجھے افسوس ہے کہ ہم نے اب تک جتنی بھی باتیں
کی ہیں ان میں سے ایک بھی بات نئی نہیں ہے !!
دنیا اشفاق — حسینی نے چونک کر کہا — دنیا میں کون سی بات نئی ہے میرے بھائی ؟
ہائے کتنی پرانی، بوسیدہ اور فرسودہ ہے یہ دنیا جس میں ہم جیسے نئے دور کے انسان رہتے ہیں — مہندر کی آواز بھرا کر
ظاہر ہو رہا تھا —
دنیا صدیوں، صد ہزار صدیوں پرانا قید خانہ ہے
پھر وہی گھسی پٹی باتیں، رٹے رٹائے فرسودہ خیالات، بقول فلاں والے جملے —
میرے دوست کوئی بالکل نئی بات کہو، کوئی ایسی بات تو کہو جس میں تازگی پائی جائے — اشفاق بیزاری سے بولا ۔
زندگی میں اچھا شروع ہی اور تازگی کا حسن اور سرشاری کا احترام تھا — وہ ذرا مسکرانے لگا ۔ اشفاق پیار سے اس کو دیکھتا رہا
وہ ایک نقطہ ہے اس نقطہ کو مرکز مان کر ایک پرکار سے دائرہ کھینچ دیا گیا ہے خیال کا دائرہ، شکوک اور عقیدوں کا دائرہ ۔ ہائے کتنے
چھوٹے بڑے دائرے ہیں ۔ کتنی قوسیں — الجھے ہوئے انسان ۔ ان کے حصے ہیں نقشے ہیں اور رسم و رواج ۔ چیتے، کھالے ۔ اور شکوک کے پھیلے دائرے ۔ اور
کے درمیان انسان ایک بے بس اور مقید نقطہ — اور وہ مخلوق کا پرکار چل رہا ہے خیال کے دائرے رقص میں ہیں یہ رقص بڑا اس کے
تماشا کیا اور دل بیٹھ گیا ہے ۔ دائرے پھیلتے جا رہے ہیں ۔ دیوار پر لٹکی ہوئی تصویریں ہیں ۔ زنجیریں کھنک رہی ہیں —
واہ — واہ — ہائے — مہندر پر خمار سا چھا گیا اور وہ نشیلی آواز میں کہنے لگا ۔ دیواریں اور کچھ ہوتی جا رہی ہیں یہ کہ
اور گنبد جیسی چھت بہت دور تک — دیواروں میں کوئی دروازہ یا کوئی کھڑکی نہیں اندر بس ہے ۔ جہاں ایک گھر تھا بھی نہیں —
پھر لیپ — حسینی کے خوابیدہ لہجے میں کرنٹ لگتے ہوئے ٹوٹ ٹوٹ کر کہا ۔ پھر وہ دیواروں میں اک گھٹ آنکھیں ہیں جو جھانک رہی
ہیں کہ انسان ہی جو روشنی ہے وہ اندر اندھیرا ہے اور باہر روشنی —
اور ہم اندھیرے میں ہی ... نے گھیر دیا ۔
اور روشنی کی باتیں کر رہے ہیں — اشفاق جھلا گیا — پرانی اور فرسودہ باتیں — افوہ — میرا تو دم گھٹنے لگا ہے کہتے ہوئے
نے سگریٹ کا ایک کش لیا ۔ اور منہ سے دھوئیں کے مرغولے نکالنے لگا ۔
کچھ دیر کے لئے کمرہ میں خاموشی چھا گئی — پھر مہندر کی نشیلی آواز ابھری ۔۔

"اشفاق بھائی ۔۔ زندگی کے بارے میں ہم دوستوں کے تجربات اور خیالات کو دہرانا اب ختم ہو گیا ...... اچھا ...... تو میرا فلسفہ ہے ۔ سنو ۔۔

اشفاق کے طنز و مزاح اور تسلی کے جواب پر بھی اشتیاق کا لبادہ سا تنگ ٹھہرا۔

گزشتہ مہینوں کی ایک رات میں اپنے کمرے میں بیٹھا تھا ۔ [illegible] آواز پر قابو پاتے ہوئے کچھ لکھا ۔ کمرہ بالکل بند تھا ۔ کھڑکیاں، دروازے سب بند تھے ۔ اس کمرے میں انگیٹھی دہک رہی تھی ۔ میں نے دہکتے ہوئے انگاروں پر لوبان کی ایک ڈلی ڈال دی ۔ ایک جھلملی سی ہوئی ۔ اور میں نے دیکھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے لوبان کی ننھی سی ڈلی جل کر اور دھواں بن کر سارے کمرے میں پھیل گئی ۔ مجھے لوبان کی خوشبو اچھی لگتی ہے"

"پھر؟" اشفاق نے بے چینی سے کہا ۔

"پھر کیا؟" مہندر رک رک کر بولا ۔ "میرا یہ معمولی سا تجربہ تھا ... انسان کا وجود لوبان کی ننھی سی ڈلی ہے جو سمجھئے تو نقطہ ہے سمجھئے تو زمانہ ۔ اور موت سیاہ آگ کی دہکی ہوئی انگیٹھی ہے ۔"

"اور زمانہ کیا ہے؟ سمندر کا ایک قطرہ ۔" مسکین کو کچھ الجھن ہو گئی تھی "میرے دوست زندگی جینے کی شے ہے، سوچنے اور کھپانے کی نہیں!"

"پھر وہی پرانی بحث ۔۔" اشفاق نے بیزاری سے کہا ۔ وہ اس وقت صرف خوش ہونا چاہتا تھا ۔ سوچ سوچ کر غمگین اور اداس ہونا نہیں چاہتا تھا ۔ اور کمرے کی فضا خوشگوار ہونے کے قابل نہ تھی ۔ اس نے اپنا سگریٹ کیس اٹھا لیا اور کچھ کہے سنے بغیر کمرے سے باہر نکل کر اپنے بنگلے کی چھت پر پہنچ گیا جو چاروں طرف سے لوہے کی ریلنگ سے محصور تھی ۔ اوپر آسمان صاف نیلگوں تھا ۔ اور ان گنت ستاروں کے درمیان ماہتاب کسی حسینہ کی چشم نم کی طرح دکھائی دیتا تھا ۔ نیچے بجلی کے کھمبے قطار در قطار ایستادہ تھے ۔ جن پر لگے ہوئے بڑے بڑے بلبوں کی روشنی سے سیمنٹ کی ہموار نیلگوں سڑک روشن تھی ۔ پاس کی بلڈنگ کی چھت پر سے وہ زمین اور آسمان کو دور تک دیکھ سکتا تھا ۔ عمارتوں، درختوں اور روشنیوں کا ایک سمندر تھا جو اس کے آگے چاروں طرف پھیلا ہوا تھا ۔ رات کا حسن جیسے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا تھا ۔ ہر طرف سوز و گداز، نور و لطافت کی فضا چھائی ہوئی تھی ۔ اشفاق کے ذہن سے تھکن اور افسردگی کا وہ احساس [illegible] کمرے کی فضا کا تجربہ تھا ۔ شہر کی مصروفیت اور مشینی زندگی کی گہما گہمی اس وقت سست پڑ چکی تھی ۔ پاس بلڈنگ اور اس کے [illegible] سڑک پر [illegible] کے سائے گہرے ہو گئے تھے ۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی ۔ روشنیوں کو یوں [illegible] جیسے نیند آ رہی تھی ۔ [illegible] اور مہندر کی آوازیں وقفہ وقفہ سے ابھر رہی تھیں ۔ وہ اب بھی کسی بحث میں الجھے ہوئے تھے ۔

اشفاق کمل مطمئن اور خوش ہو کے لطیف تصورات میں [illegible] رات محسوس کرنے لگا [illegible] کھڑے کھڑے [illegible] اس نے [illegible] جیب سے سگریٹ کیس نکالا اور تازہ سگریٹ کو ختم ہونے والے سگریٹ سے سلگا کر ابھی اس نے ایک ہی کش لیا تھا کہ تازہ سگریٹ انگلیوں کی گرفت سے چھوٹ کر چھت سے نیچے سیمنٹ کی نیلگوں سڑک پر جا گرا ۔ اور اشفاق کے دل پر ایک چوٹ سی لگی ۔ اس نے سگریٹ کے سڑک پر گرنے کی آواز تک محسوس کی تھی ۔ [illegible] کا احساس ابھرا ۔ نئے سگریٹ کے اچانک گر جانے [illegible] سکون، انتشار اور کرب کے [illegible] کھنچتے [illegible] ابھی تو اس نے سگریٹ جلائی تھی، اس نے پہلا ہی کش لیا تھا [illegible] سگریٹ گر گیا [illegible] اس سگریٹ کے دوسرے کشوں سے ملنے والی لذت اور سکون سے وہ محروم ہو گیا تھا ۔ اس نے ایک اور سگریٹ نکال کر سلگا لیا ۔ مگر پہلے ہی کش میں [illegible] محرومی کا احساس ہوا [illegible] پہلے کبھی نہیں ہوا تھا ۔ [illegible] اس نے [illegible] کش لگائے لیکن اس کا اضطراب اور خلش جوں کی توں برقرار [illegible] وہ بے قراری [illegible] کے عالم میں [illegible] ریلنگ کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا اور [illegible] نظروں سے سڑک پر دیکھنے لگا جہاں وہ گرا ہوا سگریٹ موجود تھا ۔

اس کی نگاہیں اس سگریٹ پر جمی ہوئی تھیں [illegible] روشنی میں [illegible] سڑک پر [illegible] سفید [illegible] ایک آوارہ [illegible] ہاتھ [illegible] نکل کر [illegible] سگریٹ جلا ہوا تھا

اسکو جو سڑک پر ٹھوکر کی سی لگی تو سگریٹ کے ساتھ ہی سلگتا ہوا سیگرٹ الگ ہو گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ سگریٹ جو جل رہا ہے وہ سلگتا ہوا انگلیوں میں جل کر تمام ہو جاتا اب سڑک پر جل رہا ہے۔ وہ لذت بخش آسودگی جو اس سگریٹ میں پنہاں تھی اب وہ سگریٹ میں نہیں مل سکتی۔ اس نے نئے ڈبے کا سگریٹ جلا ڈالا۔ مگر بیزاری کم نہ ہوئی۔ اور ابھی کچھ دیر گزری ہے کہ سگریٹ کا ذائقہ ایک عجیب احساس میں بدل گیا۔ وہ کچھ دیر تک گنگناتا رہا اس نے بوجھل دل سے آسمان کی طرف دیکھا۔ اندھا دھند کہیں تو بادل ایسے تھے کہ جیسے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہوں۔ زخم لگ گئے آسمان اس کی بے بسی پر جیسے ہنس رہا تھا اور زمین پر اب کوئی بھی تسکین اور دلکش دکھائی نہیں دے رہی تھی!

آخر کار وہ مطلوبہ منزل پر پہنچ کر چھت سے نیچے آیا۔ حسینی کے ڈرائنگ روم میں اب کوئی بحث جاری تھی۔ وہ بوجھل قدموں سے آگے بڑھا اور سیڑھیوں کے ساتھ سڑک پر پہنچ گیا۔ وہ سگریٹ جو ہونٹ سے نیچے گرتا جب گرنے سے پہلے ہاتھ میں ہی بجھ جاتا اور پھر وہ ایک بار کی طرح جلنے لگا۔ ادھر اس نے دیکھا سڑک پر صفائی بھی کوئی نہ تھی۔ پاس بلڈنگ کی نیند کی آغوش میں تھی۔ پھر اس نے پھینکا ہوا سگریٹ اٹھا لیا اور ایک کوڑے کے ڈھیر سے اس کو دوبارہ سلگایا لیکن پہلے ہی کش میں اس کا منہ بدمزہ ہو گیا۔ وہ سگریٹ اب دوبارہ سلگ کر بدمزہ اور بے کیف ہو گیا تھا۔ اس نے جلدی جلدی کئی کش کھینچ ڈالے۔ اور کوئی بھی کش اس کے ذائقہ کو بحال نہ کر سکا۔ حالانکہ اس کے پہلے سگریٹ سے بھی لذت و آسودگی نہیں مل رہی تھی۔ اس نے جھلا کر سگریٹ کو سڑک پر پھینک دیا۔ اس کا ہونٹ کے کنارے سے سلگ دیا اور کچلنے کے بعد حسرت کا غم سے روندتے ہوئے پامال سگریٹ کو دیر تک گھورتا رہا۔ شاید اس کے احساس میں ایک موت کی سی جھری سی ابھری اور ایک نئے خیال کی روشنی سے اس کا ذہن جگمگا اٹھا۔

وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا حسینی کے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا جہاں اب بھی پرانی بحث چل رہی تھی۔ وہ پرجوش آواز میں چیخ کر بولا
"دوستو! یہ بحث ختم کرو۔ اور سنو۔" اس نے گویا اعتماد بھرے لہجے میں اپنے اس تازہ تجربے کو بیان کرتے ہوئے کہا۔ "زندگی بھی اس سگریٹ کی طرح ہے جو میرے ہاتھوں سے گر گیا تھا اور جس کے آخری کش سے ملنے والی لذت اور آسودگی سے میں محروم ہو گیا۔ اب میں دوبارہ کوشش کر کے اس آخری کش کے لئے اس سگریٹ کو اٹھا بیٹھا ہوں۔ یہی زندگی ہے۔ اور بس۔"

"میرے دوست سے پھر ہمیں کے فلسفی شاعر حسینی نے قہقہہ بلند کیا۔ تم نے اپنے تجربے سے پھر بھی کوئی نئی بات نہیں اور یہ بات کی ہوتی بولا۔ اور پھر زندگی، زندگی ہے۔ سگریٹ نہیں ہے!"

"کتنی پر اسرار، گہری اور ناقابل فہم ہے یہ زندگی۔ یہ زندگی" مہندر نے حسرت سے کہا۔

"اور ہم جانے بوجھے اندھے کنوئیں میں جینے پر مجبور ہیں۔"

"ہم سب دائرہ در دائرہ احساس کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں" فوزی نے فلسفیانہ لہجے میں کہا۔ "اور دائرہ سے باہر نکل کر جینا تھا اور یہی تو ہم چاہتے ہیں۔ اور یہ بات اس زمانے میں تو بہت مشکل ہے۔"

اس کے باوجود اشفاق مطمئن تھا۔ یہی لمحہ اس کے ذہن میں کوئی الجھن نہیں تھی۔ اس کے دل میں کوئی غم نہیں تھا۔ ایک کمرے سے گزرتے ہوئے اس کا اندر سلسلہ چلنے والا دائرہ اور گھیرا ٹوٹ رہا تھا۔ اور وہ شدید میں ہی آزادی کی لذت محسوس کرنے لگا تھا۔ ●●

از: اعجاز صدیقی

تجدیدِ عہدِ الفت

پاکستانی دوستوں اور فن کاروں کے نام

(سلسلۂ مہلت فروہ ہونے کے بعد)

تمہارے ہاتھ کی یہ دل نواز تحریریں
تمہارے خامۂ رنگیں کی یہ سطورِ جمیل
بہت دنوں میں ہوئیں پھر نشاطِ فکر و نظر
طویل سلسلۂ اضطراب ختم ہوا
فسانۂ شبِ ہجراں کا آخری ٹکڑا
جمالِ مطلعِ صبحِ وصال بن کے رہا
لرز رہی تھی بہت بادِ تُند و تیز سے جو
خوشا نصیب، وہ یادوں کی شمع بجھ نہ سکی
زہے نصیب، نہ ٹوٹی وہ ارتباط کی رسم

وہ ایک دورِ جنوں، وحشتوں کا وہ عالم
گزر گیا، گزر اں موسمِ خزاں کی طرح
ہزار شکر، وہ طوفاں اتر گیا جس میں
تباہیاں تھیں سفینوں کی، ناخداؤں کی
ہزار شکر، وہ بجلی نہ بڑھ سکی آگے
جلانے آئی تھی جو، وہ دلوں کے خرمن کو

وہ ایک رات کہ جب ہر طرف اندھیرا تھا
تمہاری یاد کے کشش چراغ میں لے کے

تمہارا نام لیا میکشوں کی محفل میں
تمہارا ذکر کیا حلقۂ نگاراں میں
تمہاری بھول کو سو سو طرح کے نام دیے
تصورات میں اکثر تمہیں پیام دیے
پیامِ امن و اخوت، پیامِ صلح و صفا
یہی پیام ہے سب دلبرانِ عالم کو
کہ دلبری کے تقاضے یہاں کچھ اور بھی ہیں

عظیم تم بھی ہو، ہم بھی عظیم، غم بھی عظیم
امینِ عظمتِ ماضی وصال میں ہم لوگ
مرا وجود تو میرے وطن کی خاک سے ہے
مگر وہ خاک، کہ تم جس سے پیار کرتے ہو
ہے اُس میں دفن وہ میرا عظیم سرمایہ
تمہارے ملک کا عزّ و وقار ہے جس سے
اُدب کے کہتے ہو سیماب¹ تم جسے پیارا
بنا چکے ہو ابھی خود ہم اپنے ہاتھوں سے
اُسی زمیں پہ مری ماں² کی تربت تازہ

---

¹ مرحوم حضرت سیماب اکبر آبادی جو کراچی میں مدفون ہیں۔

² [illegible]

وہ ماں، کہ آخری دیدار جس کا ہو نہ سکا
وہ ماں، کہ جس نے یہ وعدہ لیا تھا رو رو کر
میں دوں گا اُس کے جنازے کو آخری کاندھا
میں لوں گا اُس کے لبوں کا وہ آخری بوسہ
جو یادگار رہے گا مری تمنّا کا
مگر یہ جبر، یہ محرومیاں تمنّا کی!
تڑپ کے رہ گئیں مجبوریاں تمنّا کی!
بجائے خیریتِ دلبراں، ملی وہ خبر
کہ جس نے صبر و سکونِ حیات لُوٹ لیا!
تم اپنے ہاتھ رکھو میرے دل کے زخموں پر
یتیمِ ہند کو، اے اہلِ پاک پُرسا دو
یہ تربتیں، جو یہاں بھی بنیں، وہاں بھی بنیں!
یہ قربتیں، جو یہاں بھی ہیں اور وہاں بھی ہیں!
اسی کا نام ہے وہ دردِ مشترک، کہ جسے
ہزار کوئی بھلائے، بھلا نہیں سکتا

زمین بانٹ لی ہم نے، مگر یہ دل نہ بٹے
رہیں گی ایک، ہمیشہ یہ سرحدیں دل کی
کبھی ہوئے ہی نہیں گوشت سے جدا ناخن
ازل سے تابہ ابد جسم و رُوح کے رشتے
جُڑے سے تا بہ لحد سلسلے تعلّق کے!

وہ تاشقند ہو، دلّی ہو، یا کہ پنڈی ہو
کہیں نہیں ہے دلوں کے اجاڑنے کا سوال
کوئی نہیں کہ جو تاراجیوں کو دعوت دے
کسی کو شوق نہیں ہے، بہے عوام کا خون
کسے پسند، کہ بچّے یتیم ہو جائیں
کسے پسند، کہ سینے دو نیم ہو جائیں

وہ امن و صُلح کی قیمت جو اہلِ ہند نے دی
کسی نے قوم کی تاریخ میں نہ دی اب تک
گنوا کے ہم نے سرِ شوق ایک جانِ عظیم[1]
لُٹا کے جادۂ الفت میں اک متاعِ عزیز
تجلیوں کی ادا شامِ تاشقند کو دی
نکھارِ صُبح کراچی کو جس نے بخش دیا
جو رنگ بھر گئی لاہور کی فضاؤں میں

کوئی تو داد مجھے میرے صبر و ضبط کی دو
کہ میرے پاؤں ہیں تیغوں کی تیز دھاروں پر
رگوں سے خون ٹپکنے لگا ہے غم بن کر
کھڑا ہوا ہوں الم ناک رہگزاروں پر!
کوئی تو "شاہدۂ منظوم" میرے نام لکھو
کوئی سلام تو بھیجو، کوئی پیام تو دو
جو میری قوم، مرے ملک اور وطن کے لئے
یقینِ وعدۂ تجدیدِ عہدِ اُلفت ہو!

---

[1] وزیرِ اعظم لال بہادر شاستری

——— شاد بینی ———

مقالہ:-

نبی احمد ارشاد

رام چند فرحت

یہ مصنف ہے فارسی مثنوی "گنج شائگان" معروف بہ "حاتم نامہ" کا۔ عزیز الدین بلخی مرحوم "تاریخ صوبۂ بہار" جلد اول صفحہ ۷ میں تحریر کرتے ہیں "پہلی جلد کا نام گنج شائگان اور دوسری جلد موسوم بہ گنج بادآورد ہے۔ عزیز الدین بلخی مرحوم نے اپنے لکھنے کے مطابق دونوں جلدوں کا قلمی نسخہ مولانا شفیق عمادی مرحوم کے پاس دیکھے تھے جو منشی شیخ سعادت علی مرحوم کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔

اس کتاب کا اصلی نسخہ محترم ڈاکٹر ق م صاحب مدظلہ کے پاس موجود ہے جو مصنف کے دست خاص کا ہے۔ اصلی نسخہ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ گنج شائگان اور گنج بادآورد حقیقت میں الگ الگ جلدیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی جلد ہے جس کا نام گنج شائگان مشہور بہ حاتم نامہ ہے۔ اس میں داستان حاتم کا مکمل قصہ فارسی مثنوی میں کہا گیا ہے۔

لالہ رام چند فرحت کون تھا؟:- اس کا نہ سالِ ولادت معلوم ہو سکا نہ سالِ رحلت۔ صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ محلہ عالم گنج (پٹنہ سٹی) کا رہنے والا تھا اور فارسی کا نہایت پرگو شاعر تھا۔ اس کا زمانہ وہ تھا، جب کامگار خاں (زمیندار گیا) شاہزادہ عالی گوہر (شاہ عالم ثانی) کی مدد پر کمربستہ تھا۔ محمد قلی خاں (صوبہ دار الہ آباد) (شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ کا حقیقی چچازاد بھائی) کے عظیم آباد کی لڑائی سے واپس چلے جانے کے بعد کامگار خاں شاہزادہ عالی گوہر کی خدمت میں اس لئے پہنچا کہ اس کو راجہ سندر سنگھ زمیندار ٹکاری سے ذاتی جھگڑا تھا۔ چنانچہ راجہ سندر سنگھ کی ترغیب سے مہاراجہ رام نرائن موزوں (نائب ناظم بہار) و شتاب رائے (شیخ علی حزیں کا شاگرد) نے کامگار خاں کو گرفتار کرنا چاہا تھا۔ کامگار خاں۔ یہاں اس غلط فہمی کا ازالہ سیر المتاخرین کے حوالے سے کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ نزہت الاشتیاق[1] منعیؔ گیا زمیندار تھا۔ اس سے راجہ سندر سنگھ ٹکاری سے جھگڑا تھا۔ مہاراجہ رام نرائن موزوں نے اسے گرفتار کیا۔ بعد رہائی اس نے شاہ عالم سے کرمنا میں ملاقات کی ——— اور شاہی اخراجات کا کفیل ہوا۔ شاہ عالم کو ساتھ لے کر اس نے لشکر رام نرائن کا مقابلہ کیا۔ رام نرائن کو شکست ہوئی۔ مگر یہ عظیم آباد میں داخل نہ ہو سکا بلکہ کرنل کالیو کے مقابلے پر روانہ ہوا۔ بادشاہ کے ساتھ بہار شریف پہنچا۔ وہاں سے بادشاہ سے الگ ہو کر مرشدآباد پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کے بعد میر قاسم کے زمانے میں اس سے لڑ کر قاسم سے ان بن ہو گئی اور گیا آن پور کو روانہ ہو گیا۔ اس نے سید ہدایت علی خاں پدر صاحب سیر المتاخرین سے ملاقات کی اور بادشاہ کی شکایت کی کہ وہ حنیار سنگھ زمیندار ٹکاری سے ملا ہوا ہے۔ گیا آن پور کی لڑائی میں اس نے میر کا رنگ دے شکست کھائی۔ بادشاہ انگریزوں سے مرعوب تھا اور صلح چاہتا تھا۔ کامگار خاں کو یہ بات نہایت شاق گزری۔ وہ بادشاہ سے علیحدہ ہو گیا۔ میر قاسم کی حکومت میں وہ نزہت سامانی چھوڑ کر آسام کو روانہ ہو گیا۔ جب میر قاسم کی انگریزوں سے ان بن ہو گئی تو اس نے میر قاسم کی ملازمت اختیار کر لی۔ وہ مرہٹوں کے دست...

---

[1] نزہت الاشتیاق منعیؔ گیا کے مؤلف کے حسب الحکم لکھا گیا ہے۔ ۱۸۱۱-۱۲ء میں جب فرانسس بکنن ہملٹن گیا گیا تھا تو اس وقت کامگار خاں کے جانشین موجود تھے۔ (دیکھو سفرنامہ گیا، انگریزی، صفحہ ...)

کا واقعہ ہے جب مرہٹوں کے ساتھ شاہ گرمین خان ارسی پر سالار ہیرا تھا ہوا اس کی ان بن ہو گئی۔ یہ پیر ہجوم کی طرف سے مرشد آباد
چلا گیا۔ تحریر ہے کہ نانا میاں کے بعد یہ دہلی واپس چلا آیا۔

مرشد آباد کا پرآشوب زمانہ میں سامی چند فرحت اور باخدمت الباب سے رہا تھا۔

سامی چند فرحت :۔ زمانہ پرآشوب تھا۔ مگر ایسی گئے گزرے دور میں چند ہستیاں ہیں جو اہم گزریں مثلاً علی حزین جنوں نے
بنارس میں سکونت اختیار کر لی تھی (۱) راجہ رام نرائن موزوں نائب ناظم عظیم آباد (۲) راجہ شتاب رائے ناظم جاگیر صمصام الدولہ
دوسرے غلام حسین خان رضا مؤلف سیر المتأخرین (۵) مرزا فاخر مکین جنہوں نے بعد ازاں لکھنؤ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ ان کے
شاگردوں میں جعفر خان راغب اور ان کے بھائی محمد علی خان فصحی مؤلف تاریخ مظفری و محمدی وغیرہ آب عظیم آباد میں رہتے
(۶) خواجہ اکرم میں میر تقی میر، میرزا سودا، میر حسن اسی زمانے میں گزرے اور میر حسن کے استادوں میں میر ضیاء الدین ضیا
عظیم آباد میں رہ گئے۔ جیکہ شاہ میر حسین علی ابراہیم خان مؤلف گلزار ابراہیم اور ان کے بھائی علی قاسم خان۔ اس زمانہ میں غالب
بنگالہ کا مرزا نادر فاخر مکین اور بادشاہ عالم ثانی سے وابستہ تھے۔

اصل کتاب :۔ یہ درحقیقت مثنوی ہے۔ اس کے شروع میں ایک قصیدہ ہے "در توحید" ہے

سپاس ایزد جان بخش دادرِ بر حق
کہ طرح ساختہ چون ذرہ گنبد ازرق

۳۳ اشعار کے بعد مقطع ہے۔

ہمیشہ شکرِ کرم ہائے خویشتن بخشا
بحالِ فرحت محزون گدائے خام مشترق

سوجاں مشور :۔ دوسرا قصیدہ بھی فارسی میں ہے "قصیدہ در مدح بندگان جناب معلی القاب بہتر جان خود بیادرم
کہ از آنجملہ حروف مصرعہ اول تمام تاریخ بر آید و از حروف ہر مصرعہ بیتے بطریق توشیح حاصل کرد و از حروف مصرعہ ثانی
سالِ تاریخ مستفاد می شود"

سوجاں مشور کے زمانہ میں نواب آصف الدولہ نواب وزیر اودھ نے رحلت کی تھی اور اسی زمانہ میں وزیر علی خان کی معزولی عمل
آئی تھی۔ سوجان شور ہندوستان کو ہر طرح فخر زمان تھا۔ کہتا ہے

ہزار شکر کہ از ساز گاری ایام
فتادہ است درین ملک بچنگ انام

ستودہ سعد فرید خلق سا زحق قیاس
گرفت کار جہان برقرار زیب نظام

۴۳ اشعار کا قصیدہ ہے جو تمام تر صنائع سے مملو ہے جس کی تشریح خود مصنف نے آخر میں کر دی ہے۔ اس کے بعد
ہے کہ ۱۲۰۰ ھ میں یہ قصیدہ سرجان شور کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔

رقعہ بنام کا مگار خان۔ اور کامگار خان کا حال درج کیا گیا۔ یہ منظوم رقعہ کامگار خان کے پاس بھیجا گیا تھا ہے

غبار تیرۂ فرحت سیاہ مند بجان
بجانِ مشفق من کامگار خان برسان

مکتوب این است

کرم فرمائے حالِ دوست داران
ادب آموز نادانستہ کاران

معطر ساز بزم مہربانی
گلِ تازہ گلستانِ معانی

اس منظوم رقعے سے پتہ چلتا ہے کہ سامی چند فرحت کے تعلقات کامگار خان سے بڑے گہرے تھے۔ وہ کامگار خان سے
ملاقات کا خواہاں تھا ہے

لہ جتینا۔ مدراکے نامور شاعرکا یک نام ہے۔ شاد عظیم آبادی کا فارسی کا ایک شعر ہے ہے
ہمہ بے ترتیب کر بیان رسد این صدائے کہ سخن در بینی رسید فرشتہ ملک جا مقصود پیام خدا بجان آمد ہے

چون از شوق لقائے تو رفت اندر — کہ چون طلب خواران است پرورد
خوشا وقتے کہ با یاران نشینم — زمانے را بکام خویش بینم

۵۵ اشعار میں۔ اس کے بعد ترجیع بند ہے۔ یہ مدح جناب مستطاب حضرت جلال الدین بہار و حضرت شاہ مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ اسرارہم کے درمیان کی گئی ہے۔ جو مصنف کے اجداد سے ہیں۔ ترجیع بند کا ایک شعر یہ ہے

اے دردِ فلک ہمیشہ نام است — ہر جا ست محیطِ فیض عام است
بگذشت سرم ز چرخِ اعلیٰ — جانے من از آن کہ سعد کو رہا

صنائع :۔ طویل ترجیع بند ہیں۔ شعرائے فارسی نے عام طور سے ترجیع بند نظم کئے ہیں۔ اس کے بعد ایک بالکل نئی چیز ہے۔ کتاب کے فصل میں رُباعی نظم کی ہے۔ اس کے متعلق مصنف کی تحریر ہے۔

"رباعی صنعتے دارد در صنعت نسخہ حروف رُباعی دو بارہ خواندہ می شود و بہ سبب گردش دائرہ" کہتا ہے کہ یہ رُباعی صنعت دار میں ہے۔ اس صنعت میں آگے حروف رُباعی کے دوبارہ گردش دائرہ کے سبب سے پڑھے جاتے ہیں۔ اس میں بہت سے حروف تہجی سے کام لیا گیا ہے یعنی از الف تا یائے فارسی ایک رُباعی مرتب ہوتی ہے

دوسری رُباعی صنعت مقعد میں بصورت کرۂ ارضی نظم کی ہے۔ اس کے بعد اس قسم کی رباعیاں فارسی خواہ اردو میں میری نظروں سے نہیں گزری ہیں۔ چوتھی حلقہ دار میں نظم کی ہے اور حسبِ ذیل ہے

ہر کس دارد خیالِ زلفت بہ ہم — یا بلات دلش خستہ و ہر دم در ہم
با خوئے مجستہ دررو پیشش باشد — کہ زہرہ کہ خواہان بسجو رآید رم

اس کے بعد چند غزلیں ہیں۔ پہلی غزل یہ ہے

ہست ہمیشہ پُرشکن، سنبل زلفِ مشکبو — پیچ بہ پیچ، خم بہ خم، حلقہ بہ حلقہ، مُو بہ مُو
داغ غم تو می دہد از ہمہ عشق عاشقان — تازہ بہ تازہ، نو بہ نو، لحظہ بہ لحظہ، شو بہ شو

اس کے بعد مثنوی شروع ہوتی ہے۔ ابتدا میں چند اشعار شیخ سعدی کی مدح میں ہیں اور پھر آغازِ قصہ ہے۔ یہ ملک یمن کا قصہ ہے۔ اس میں بادشاہ خراسان، حسن بانو اور دردیش وغیرہ کا حال نظم کیا ہے۔ طویل مثنوی ہے اور مثنوی رومی کی بحر میں ہے۔

بعد اختتام مثنوی مصنف نے اپنا حال نظم کیا ہے اور شہر عظیم آباد کا حال لکھا ہے مگر یہ کل باتیں اس قدر مختصر ہیں کہ صرف مصنف کا نام، تخلص، سنِ تصنیفِ کتاب اور شاہ ارزاں کی درگاہ کے متعلق اور کچھ نہیں معلوم ہوتا ہے۔ یہ کتاب ۱۰۹۵ھ میں تمام ہوئی اور ۱۱۰۰ھ میں مصنف نے خود اپنے ہاتھوں سے صاف کی۔ اپنے حال اور شہر عظیم آباد کے حال میں لکھتا ہے

مشک کین مجموعۂ رنگین کلام — یافت با صد زیب حسنِ اختتام

چند اشعار کے بعد

موئے سنبلِ زلفِ این مشکین بہ بند — بندۂ ناقص طبیعت راآم چند
در سخن نزہت تخلص ساختہ — از شب فکرت بمیدان تاختہ
تا کند بزمِ سخن را بوستان — بشنو اکنون کشورِ ہندوستان
ہم حد بہارِ جنتم کر یاد ہست — نام آن شہر عظیم آباد است

۱؎ حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری۔ سالِ ولادت ۶۶۱ھ۔ سلسلۂ فردوسیہ کے برگزیدہ بزرگوں میں تھے۔ سالِ وفات ۷۸۲ھ۔ فیروز تغلق کا زمانہ تھا۔ آپ کی بہت سی تصانیف و تالیفات یادگار ہیں۔ از کشاف

۱۱۸۰ فصلی کے عظیم آباد کی حالت سے

کنگرہ ہائے عمارت ہائے آں — می زند خندہ بریشیں آسماں
عالماں رایت زعلم افراشتہ — وہم ایشاں عرش فرش انگاشتہ
زلیلانش از شرابِ ناز مست — ہر یکے در دلبری گستاخ دست
موجزن شوئے شمالش آبِ گنگ — چشمۂ کوثر خجل زاں آب و رنگ
لالہ اندامانِ رنگیں پیرہن — ہمچو حوراں بجا در غوطہ زن
ہر یکے پاشندہ از کف مشتِ آب — بر لباسِ خویشتن ہمچو گلاب
رود جبلا در جنوبِ آں رواں — نخلِ تازہ وانبہ گرداگرد آں
ہشت آنجا در گہ ہوش اشتباہ — شاہِ ارزاں مظہرِ نورِ الٰہ

خاتمہ نظم پر دو تاریخیں ہیں سے

سالِ اتمامش چو دل از عقل خواست — کرد دو انگشت خم دیگر دو راست

۱۱۸۸ فصلی

چوں زانگشتش رقم مرقوم گشت — یکہزار و یک صد و ہشتاد و ہشت

۱۱۸۸ فصلی

جہاں گنگا ندی میں اشنان کا سین کھینچا ہے کہیں بھی بتذل شعر نہیں نظم کیا ہے۔
مجموعہ کے آخر میں ایک غزل ہے جس کی ردیف ہے "گوری شنکر"۔ اس غزل کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے گوری شنکر سہائے کی فرمائش سے حاتم نامہ نظم کیا گیا تھا

شد ختم بہ اقتضائے گوری شنکر — حاتم نامہ برائے گوری شنکر

آخری عبارت ہے "تمام شد کتاب گنجِ شائگاں مشہور بہ حاتم نامہ تصنیف بندہ رام چند فرحت تخلص بخطِ مصنف بتاریخ ششم رجب المرجب ۳۳ جلوس شاہ عالم بادشاہ غازی موافق ۱۱۹۸ فصلی مطابق ۱۲۰۵ ہجری"
الغرض اُس گئے گزرے دور میں یہ فارسی کا نہایت باکمال شاعر عظیم آباد میں گزرا۔ اُس زمانہ کے عظیم آباد کے چند فارسی گو شعرا میں راجہ رام نرائن موزوں، مہاراجہ کلیان سنگھ، کنور حشمت سنگھ عرف ڈھو لو راجہ نبیرۂ شتاب رائے قابلِ ذکر ہیں۔

علیم اختر مظفر نگری

غزل

رکھا ہوا ہے آئینۂ شوق روبرو
پھر ہو رہی ہے اُن سے تصور میں گفتگو

پھر برق آفریں ہے ہجومِ جمالِ ناز
پھر مرکزِ خیال ہے اک شوخ شعلہ رو

پھر بن گئی ہے حسنِ مجسم نگاہِ شوق
پھر ڈھل گئی ہے نور کے سانچے میں آرزو

اب ہر نظر ہے جلوہ گہِ شوق کامراں
اب دل بنا ہوا ہے شبستانِ آرزو

اب ہم ہیں اور شکر و وفا و کرم کی بات
اب وہ ہیں اور لطف و محبت کی گفتگو

اب ہر نفس ہے عطر فشانِ مشامِ جاں
بکھرے ہیں یا میرے دوش پہ گیسوئے مشکبو

دل میں سرور ہے تو نگاہوں میں ہے خمار
اللہ رے کیفِ بادۂ بے جام و بے سبو

جیسے کوئی سنائے مجھی کو مری غزل
نغمے کھنک رہے ہیں فضاؤں میں چار سو

اختر خیالِ دوست میں کھویا ہوں اس طرح
خود مجھ کو ڈھونڈتا ہے مرا ذوقِ جستجو

طرفہ قریشی

غزل

نہیں دیتی ہمیشہ ساتھ ذہنوں کی اداکاری
کبھی انسان کو غافل بھی کر دیتی ہے ہشیاری

ترے قربان جاؤں اے نگاہِ رحمتِ باری
کہ ہے اک نقطۂ موہوم اب میری سیہ کاری

کسی کی سربلندی کو وہ خاطر میں نہیں لاتا
ترے در سے جسے ملتی ہے معراجِ نگوں ساری

سرِ محشر ہتھیلی پر سر اپنا لے کے آیا ہوں
یہ کہہ کے کیا کہا تھا زندگی کا بوجھ ہے بھاری

وہاں آسانیوں کی راہ پیدا ہی نہیں ہوتی
جکڑ لیتی ہے ذہنوں کو جہاں احساسِ دشواری

نہ دے ترغیبِ عیشِ زندگی اے راحتِ دنیا
کہ ہے پروردۂ خوابِ پریشاں میری بیداری

بڑا دشوار ہے دونوں کو اک میزان پر رکھنا
ہوئی ہے عاقبت ہلکی تو دنیا ہو گئی بھاری

خود آگاہی سے پہلے خود فراموشی کو لازم کر
بغیر بے خودی کیفِ خودی ہوتا نہیں طاری

خدا کی دین، فطرت کا عطیہ ہے یہ اے طرفہ
ہمیں رشک اُن پہ ہے جن کی غزل ہوتی ہے معیاری

تمنّا

یوسف ناظم

وہ جذبِ دل ہو عطا جس کے فیض سے یا رب
میں آہِ گرم بھی کھینچوں تو زخم بھر جائیں
دُعا اجل کی جو مانگوں تو زندگی پاؤں
خزاں کو یاد کروں تو چمن سنور جائیں
جو چُپ رہوں تو ملے دادِ خامشی مجھ کو
صدا جو ظلم کو دوں تو کرم بکھر جائیں
کروں میں توبہ تو چھلکے شراب کوثر کی
اُٹھاؤں جام تو یہ روز و شب نکھر جائیں
ستم کی آگ بھی ہو میرے واسطے شبنم
مثالِ بادِ صبا حادثے گزر جائیں
بڑھوں جو آگے، زمانہ بھی میرے ساتھ بڑھے
جو روک لوں میں قدم، قافلے ٹھہر جائیں
وہ جذبِ دل ہو عطا جس کے فیض سے یا رب
میں آہِ گرم بھی کھینچوں تو زخم بھر جائیں

قطعات:-

کرشن موہن

خوشبو

ہے یاد تری مَن میں
اور یاد میں ہے یہ مَن
آنگن میں بسی خوشبو
خوشبو میں بسا آنگن

عشق و ہوس

جب تلک بج رہا ہے سازِ نفس
آدمی ہے اسیرِ عشق و ہوس
سوزِ ایثار عشق کی دولت
کاروبارِ ہوس ہے کیفِ مَس

دھیرج

مجھ کو کتنا سکھ دیتا ہے
سرما کے سورج کا دھیرج
دُکھ میں بھی مُسکاتا ہے مَن
جیسے گدلے جل میں پنکج

وقت

رُوٹھ گئی ہیں شوخ آشائیں
ٹوٹ گئے ہیں خواب سلونے
وقت کے ضدی بچے تو نے
توڑ دیے کتنے ہی کھلونے

افسانہ:- رفعت صدیقی

یہ سادہ دل بندے

جیسے جیسے دن چڑھتا جا رہا تھا حجن کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ نو بجے سے کسی کام میں بھی اُس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ اُس نے خود کو ہزار طرح سے بہلانے کی کوشش کی تھی۔ مگر تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کا ذہن [illegible] کی [illegible] میں بھٹک کر رہ جاتا اور وہ فیصلہ نہ کر پاتا کہ آخر کیا کرنا ہے؟

صبح فجر کی نماز پڑھنے کے بعد جب وہ مسجد سے باہر نکل رہا تھا تو سب لوگوں کو اُسے اتنی جلدی جاتا ہوا دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ کیونکہ وہ اُس وقت تک مسجد سے باہر نہیں نکلتا تھا جب تک مولوی صاحب درود شریف نہ پڑھ لیتے۔ اُس کے اس معمول میں کبھی فرق نہیں آیا تھا۔ حتیٰ کہ اُس دن بھی نہیں جب اُس کی لڑکی کی شادی ہو رہی تھی۔ اُس روز گاؤں کے لوگ جیسے ہی جوش و خروش سے حجن کا ہاتھ بٹا رہے تھے [illegible] بوڑھے تک بھی اس کی خوشی میں شریک تھے۔ [illegible] کے وقت انہیں باراتیوں کا استقبال کرنا تھا۔ گاؤں کی نیک [illegible] کوئی ایسی دلیا [illegible]۔ اچھا۔ خاصا۔ دس جماعتوں تک پڑھا ہوا۔ [illegible] پور کے ایک اچھے خاندان کا چشم و چراغ۔

لیکن اُس روز بھی حجن نے اپنا معمول نہیں چھوڑا تھا۔ [illegible] حجن! [illegible] ایک [illegible] سے کیا [illegible] میاں ناراض ہو جائیں گے۔!"

لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

شیخ حجن کی تحصیل میں [illegible] اس کی سادہ لوحی اور نیک دلی کے چرچے ساری تحصیل میں عام تھے۔ تحصیلدار صاحب کو اس پر بڑا اعتقاد تھا اور وہ اُسے بہت عزیز رکھتے تھے۔

تحصیل کی [illegible] زندگی میں جہاں رشوت کی نہریں بہا کرتی تھیں اور [illegible] لوگ ان نہروں میں ہاتھ دھونا اپنا حق سمجھتے تھے۔ حجن اپنی ایمانداری سے ذرہ برابر بھی ہٹ نہیں سکا تھا۔ اس کے ساتھی مذاق کرتے [illegible] میاں حجن! [illegible] گناہ [illegible] رہے [illegible] سلام کرو۔"

[illegible] حجن آنکھیں [illegible] [illegible] کی [illegible] گے۔ [illegible]

[illegible] رشوت کے [illegible] اس کے چہرے پر ایک [illegible] مسکراہٹ [illegible] اور اس کی آنکھیں [illegible] فرماتا ہے۔"

"بس کرو [illegible] بس کرو۔ [illegible] اس کی بات [illegible] تم تو [illegible] شوق سے [illegible] مگر [illegible] حرام [illegible] اور سب ہنسنے لگتے۔

[illegible] معاملات میں اُس سے صلاح [illegible] ضروری سمجھتے تھے۔ [illegible]

[illegible] شریک [illegible] ان [illegible] کوئی [illegible] ہے؟ ——

شاعرِ بستی

اور نکاح کے بعد قاضی صاحب جلدی جلدی چھوہارے بٹنے سے پہلے ہی بادام اور کھانڈ کا ڈھیر لگا کر پڑھنا شروع کر دیتے تو جمن مؤذن کو نکاح کی اہمیت سمجھاتا۔ اُس کے حقوق و فرائض کا تذکرہ کرتا اور بتاتا کہ ایک "قبول ہے" کا کیا مطلب ہوتا ہے۔

جب بھی کسی کے یہاں بیٹا یا بیٹی ہوتی اُسی کو بلایا جاتا۔ بچے کے کان میں اذان دینے کیلئے — اور جب بچے بڑے ہو جاتے تو جمن انہیں مسجد میں قرآن پڑھایا کرتا تھا اور پڑھاتے۔ کم و بیش انہیں بتاتا کہ وہ کب پیدا ہوئے تھے۔ اُن کے ماں باپ اس وقت کیسے تھے۔ اور یہ بھی کہ اُن کے کانوں میں سب سے پہلے اُسی نے اذان دی تھی۔ اور بچے حیرت سے منہ کھولے یہ سب سنتے رہتے۔

جمن کی اذان کی آواز دور دور تک جاتی تھی۔ صبح فجر کے وقت جب اُس کی آواز بلند ہوتی تو سوتا ہوا سارا گاؤں جاگ اُٹھتا اور گنہگاروں کے دل بھی کانپ اٹھتے۔ اس وقت مسجد میں کوئی نہیں ہوتا تھا۔ اذان دینے کے بعد وہ اپنے سر پر گمچھا اٹھا کر کنویں سے پانی بھرتا اور مسجد کے حوض کو بھر دیتا تاکہ نمازیوں کو وضو کے لئے کنویں پر نہ جانا پڑے۔ اس کے بعد وہ اپنی لاٹھی اٹھا کر گاؤں کی گلیوں کا راستہ لیتا۔ ہر گھر پر رکتا اور دھیرے سے آواز دیتا۔ "نماز نیند سے بہتر ہے"۔

جمن کی بیوی کا اُس کی جوانی ہی میں انتقال ہو چکا تھا۔ اس کے بعد سے اُس کی اکلوتی لڑکی ہی اس کی زندگی کا سہارا تھی۔ اس لڑکی کو وہ جان سے زیادہ چاہتا تھا۔ اُس نے اُس کو قرآن ختم کروا دیا۔ اور پھر اُس کے لئے رشتے کی تلاش کرنے لگا۔ قسمت سے رشتہ بھی ایک شریف خاندان میں طے ہو گیا۔ جمن کو جیسے گھر بیٹھے دولت مل گئی۔ پھر وہ گاؤں والوں کے سامنے اپنے داماد کے گن گانے کا تذکرہ کیا کرتا۔ اس کا داماد بھی اس کا بڑا خیال کرتا تھا۔ بیٹی داماد نے اسے بہت مجبور کیا تھا کہ وہ گاؤں چھوڑ کر اُن کے ساتھ شہر میں رہا کرے لیکن وہ راضی نہیں ہوا تھا — بیٹی کا گھر بھی کوئی اپنا گھر ہوتا ہے۔ وہ اکثر گاؤں والوں سے کہا کرتا تھا۔

ہفتے میں وہ ایک بار بیٹی کے گھر بڑے اہتمام سے پہنچ جاتا اور ساتھ میں کچھ پھل پھول بھی۔ کچھ بھی ہوتا وہ گاؤں کا بانس یا لال تھیلا ہوتا جو اس کی بیٹی اور داماد کو بہت پسند تھا۔ یہ سب کچھ لے کر جب وہ اس کے گھر پہنچتا تو خوشی کی ایک لہر سی دوڑ جاتی۔ اور اس کا ننھا سا نواسہ اس کی گود میں چڑھ جاتا اور اس کے ہاتھ سے تھیلی چھین لیتا۔ تب جمن کو ایسا محسوس ہوتا جیسے دنیا ہی میں اسے جنت مل گئی ہو۔ اپنے چہیتوں کا خلوص اور ان کے گزرتے لمحوں کو محسوس کرتا رہتا۔

لیکن آج جیسے اُس کے دل میں کھلبلی سی مچی ہوئی تھی۔ اُس کی قوتِ فیصلہ جیسے مفلوج ہو کر رہ گئی تھی اور دماغ کسی کند چھری کی طرح زنگ آلود ہو چلا تھا۔ آخر اس کیفیت کی وجہ کیا تھی؟

محلے کی مسجد جس میں سارا گاؤں کے مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے بہت قدیم تھی — شاید قطب شاہ کے زمانے کی — دیواروں میں جگہ جگہ شگاف پڑ چکے تھے۔ کہیں کہیں پرانے کے نشان کی طرح چونا اکھڑ چکا تھا۔ اور کئی بار تو نماز کے دوران نمازیوں کے سر پر ڈھیلے بھی گر پڑتے تھے۔ مسجد کا اندرونی حصہ لیکن تمام پانی کی جا سے ٹوٹ چکا تھا۔ دیواروں کے قوی ہیکل مٹی کے بے ربط بے ہنگم ڈھیلے پڑ رہے تھے۔ سب سے زیادہ تشویش کی بات یہ تھی کہ مسجد کا فرش جگہ جگہ گڑھے پڑ گئے تھے۔ جن میں برسات کے دنوں میں چھت سے پانی ٹپک ٹپک کر جمع ہو جاتا اور نمازیوں کے ٹخنے ڈوب جاتے۔

مسجد کی یہ حالت جمن کو برداشت نہیں تھی۔ اُس کا بس چلتا تو صرف اپنے ہی خرچ سے ساری مسجد کو آئینہ بنا دیتا۔ جب بھی وہ گاؤں کے کسی مسلمان سے بات چیت کرتا تو گفتگو کے دوران مسجد کی خستہ حالی کا ذکر ضرور کرتا۔ لوگ سنتے اور دکھ سے سر ہلا دیتے اور وقت بیت جاتا۔ کہاوت ہے — پہلے گھر میں چراغ تب مسجد میں۔

لیکن اُس دن فجر کے بعد جمن نے کچھ اس انداز سے مسجد کی کسمپرسی کا ذکر چھیڑا کہ لوگوں کے دل پگھل گئے — شاید اس کے لہجے کا والہانہ خلوص تھا جو سننے والوں کے جذبات کو جھنجھوڑ گیا۔ آن کی آن میں لوگوں نے وعدہ کر لیا کہ وہ حتی الامکان مسجد کی تعمیر کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور دیں گے۔ اور ساتھ ہی ایک ہفتے کے اندر اندر دو ہزار روپیوں کی خطیر رقم جمع ہو ہی گئی۔

جمن کو ایسا لگا جیسے اسے جنت کی کنجی مل گئی ہو۔ یہ سوچ سوچ کر اس کا دل خوشی سے باہر ہوا جاتا تھا کہ [illegible]

اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ اسے وہ اصل پوری طرح اب محسوس ہوا کہ گاؤں کے لوگ اُس پر کتنا اعتماد کرتے ہیں۔ لیکن دیہات میں وہ واقعہ پیش آیا جس نے اُس کا سکون چھین لیا۔

ہوا یہ کہ ایک دن جب وہ حسبِ معمول اتوار کو اپنی لڑکی کے ہاں پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ اُس کی بیٹی اور داماد بڑے پریشان تھے۔

"کیا خیریت تو ہے؟" اس نے پسینہ پیشانی سے پونچھتے ہوئے پوچھا۔

"قاسم کہاں ہے؟" قاسم اُس کے نواسے کا نام تھا۔

"سو گیا ہے۔" اُس کی بیٹی نے جواب دیا۔

"تم لوگ پریشان کیوں ہو؟" اُس نے پیڑھی پر بیٹھ کر ٹانگیں پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

"وہ — ذرا۔" اُس کے داماد نے منہ کھولا۔ "ذرا الجھن آ پڑی تھی۔"

"کیسی الجھن؟"

اُس کے داماد نے ایک لمحے کیلئے اُس کی بیٹی کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہوں یا نہ کہوں۔ پھر کھنکھار کر بولا۔ "ہمارے محکمے کی طرف سے کچھ دن پہلے یہ اعلان ہوا ہے کہ جو لوگ عارضی ملازم ہیں انہیں سو روپے کی ضمانت ایک ہفتے کے اندر داخل کرنی ہوگی ورنہ انہیں نکال دیا جائے گا —" وہ رُک گیا۔ پھر بولا۔ "وقت اتنا کم ہے کہ شاید ہی کہیں سے انتظام ہو سکے۔ کچھ سمجھ نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"واقعی! بڑی الجھن ہے۔" وہ ٹھنڈی آواز سے بولا اور سر جھکا لیا۔ — کیا کیا جا سکتا ہے؟ اُس کے داماد نے شادی کے بعد سے اب تک اس سے کوئی فرمائش اور کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا۔ پھر اُس کا کوئی قریبی رشتہ دار بھی تو نہیں تھا کہ ایسے وقت اس کی مدد کو آگے آتا۔ کیا وہ کچھ نہیں کر سکتا اپنے داماد اور اپنی بیٹی کے لئے —؟ یہ اُن کی خوشحالی کا سوال تھا۔ نوکریاں آج کل آسانی سے نہیں مل جایا کرتیں۔ بڑے جوتے گھستے ہیں — زمین اور آسمان ایک کرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر نوکری لگتی ہے۔ اب یہ نوکری چھوٹ جائے تو پتہ نہیں کیسی کیسی مشکلیں برداشت کرنی پڑیں گی انہیں۔

کیا کسی طرح وہ ان کی مدد نہیں کر سکتا؟ شاید گاؤں والوں میں سے کوئی دے سکے؟ — نہیں۔ اُس کے دل نے فوراً تردید کی۔ وہاں تو سبھی فاقہ مست ہیں۔ انہیں اپنا نباہ کرنا ہی مشکل تھا۔

پھر کیا ہوگا؟ کیا وہ انہیں حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ سکتا ہے — کیا وہ اُن کی چھوٹی سی خوشگوار دنیا کو برقرار رکھنے کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا؟ کیا کچھ بھی نہیں؟

"بیٹا! ایک صورت ہو سکتی ہے۔" وہ بول اُٹھا۔

"کیا؟" بیٹی اور داماد دونوں ہی ایک ساتھ پوچھ بیٹھے۔

"میرے پاس مسجد کی مرمت کیلئے کچھ گاؤں والوں کے روپے جمع ہیں۔ یہی کوئی دو سو روپے —" وہ رُک گیا جیسے کسی نے دل مسل دیا ہو۔ اُس نے کہا۔ "تم کیا کر رہے ہو؟" اس کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا۔ "میں تمہیں وہ دے سکتا ہوں۔ لیکن تمہیں جلد ہی واپس کرنے ہوں گے۔ مسجد کی امانت ہے — لوگ کسی وقت بھی روپیہ مانگ سکتے ہیں۔"

"بس ماموں جی صرف ایک ہفتے کی مہلت دیجئے —" اُس کے داماد کے لہجے میں خوشی تھی۔ "میں کہیں نہ کہیں سے انتظام کر ہی لوں گا آپ کے روپوں کی واپسی کا —"

پھر تین دن بعد وہ چپکے سے مسجد کے روپے لے کر داماد کے حوالے کر دئے تھے۔ اُس نے پہلی بار امانت میں خیانت کی تھی۔ کسی کے کام آنا ثواب ہے اور پھر اس کا داماد تو جلد ہی رقم واپس کر دے گا۔

لیکن دن گزرتے گئے اور رقم واپس نہیں آئی۔ ہفتہ ختم ہوا۔ دوسرا، تیسرا، چوتھا — پھر دوسرا مہینہ بھی شروع ہو گیا۔ اس عرصہ میں مرمت کے سلسلے میں کچھ گاؤں والوں کی طبیعت کر بیٹھ گئی تھیں لیکن کسی کو یہ پتہ نہیں تھا کہ رقم اُن کے پاس نہیں ہے۔

اسی لئے جب کہ وہ سوچ رہا تھا [illegible] اس کا دماغ ایک دم [illegible] نہیں کر سکتا —
ورنہ [illegible] لوگوں سے وہ سب سے [illegible] خود [illegible] کر رہے تھے [illegible] گفتگو سنائی تھی جس میں اس نے چپ
سادھ لیا — لیکن تب سے وہ بیحد پریشان ہو گیا تھا۔
بیٹھے بیٹھے اس نے بے چینی سے پہلو بدلا اور [illegible] کو سر پر باندھنے لگا — اچانک باہر کسی نے اسے آواز دی:
جلدی جلدی شملہ باندھ کر وہ باہر نکلا —
«بابا» اس کے سامنے [illegible] کھڑا تھا — [illegible] کہ شام میں سیمنٹ کے لئے [illegible] صاحب آئیں گے۔
آپ [illegible] کر گھر آ جائیں — وہ چلا گیا — [illegible] اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا سارا وجود [illegible] میں بدل گیا ہو [illegible]
[illegible] نا ممکن سا لگ رہا تھا — اس نے بمشکل [illegible] سنبھالا [illegible] اندر آ گیا — [illegible]
[illegible] یہاں سے آئے؟ [illegible] کیا جواب دے گا؟ کیا اس کی برسوں کی ریاضت مٹی میں مل جائے گی؟ کیا گاؤں والوں کو اس بات پر یقین
آ جائے گا [illegible] نہیں ہوگا کہ اس نے امانت میں خیانت کی —؟ [illegible] وقت پر امانت کا واپس نہ کرنا خیانت ہی کہلاتا ہے۔ اور وہ بھی
خدا کی امانت میں خیانت! اس کی پیشانی پر [illegible] پسینے کے قطرے ابھر آئے — کیا وہ لوگوں کو [illegible] برداشت کر سکے
گا؟ وہ جس کی پاکیزگی، ایمانداری اور خدا پرستی کی مثالیں دی جاتی ہیں [illegible] پر بےعزت ہو جائے گا؟ کیا اس کی اس سفید داڑھی
پر [illegible] سنگین الزام کی سیاہی پوت جائے گی؟ وہ کانپ اٹھا اور اچانک اس کے کانوں میں سیکڑوں آوازیں چیخنے لگیں۔ «یہ دھوکا
ہے! یہ بے ایمان ہے! یہ خدا کی آڑ لے کر مخلوق کو دھوکا دیتا ہے۔» «اس نے ہمارے اعتقاد کا خون کر دیا۔ اس کے منہ پر
تھوک دو — تھوک دو!!»
«نہیں» وہ دل ہی دل میں چیخ اٹھا — تب اس کے دل میں ایک عجیب سا خیال آیا۔ اور جیسے کسی نے اسے بجلی سے چھو [illegible]
ہاں — بس اب ایک ہی صورت ہے بس ایک ہی — اس کے سوا کوئی نہیں — کوئی نہیں —
اس نے جلدی جلدی کمرے کی طرف دیکھا۔ پھر وہ کچھ ڈھونڈنے لگا۔ جلدی اس کے ہاتھ میں ایک رسّی آ گئی — اس نے اس میں
پھندا ڈالا اور چھت پر لگی شہتیر کی طرف اسے پھینک [illegible] — [illegible] دوسری طرف [illegible] باندھا اور اسے اونچا کر دیا — اس کا
دل [illegible] زور زور سے دھڑک رہا تھا جیسے [illegible] دیوار [illegible] کر باہر آ جائے گا۔ اور جسم کے لاتعداد مسامات سے پسینے کی ندیاں بہہ رہی تھیں
ایک چھوٹا سا پرانا اسٹول پھندے کے نیچے رکھ کر وہ اس پر چڑھ گیا اور پھندا گلے میں ڈالنے ہی والا تھا کہ جیسے کسی نے دل سے آواز دی
«ٹھہرو» — وہ گھبرا گیا — «تم خودکشی کر رہے ہو؟ بزدل کہیں کے [illegible] موت مرو گے؟ [illegible] برسوں کی عبادت [illegible] جہنم کا
ایندھن بن جاؤ گے — کیا یہی ہے تمہاری ساری زندگی کا حاصل!!» [illegible] اس کی آنکھوں میں [illegible] تھا۔ نہیں نہیں [illegible] نہیں!
وہ ہرگز خودکشی نہیں کرے گا ہرگز نہیں — [illegible] وہ کانپنے لگا [illegible] اچانک وہ اسٹول سے پھسل پڑا [illegible]
[illegible] فرش میں [illegible] ایک [illegible] میں [illegible] تھا۔
[illegible] اس کی [illegible] — دوسری بار [illegible] کے —
[illegible] میں [illegible] گئے۔ [illegible] کا چہرہ [illegible] داڑھی خون
سے رنگ گئی تھی — وہ بے حواس اس کی طرف لپکے —
«سُ... خدا کا ... شُ... شکر ہے۔» متّقی کی اکھڑتی اکھڑتی سانسوں نے کچھ الفاظ اگلے... «لا — ا —» وہ شاید
کلمہ پڑھنے ہی والا تھا کہ اس کی گردن ڈھلک گئی — وہ مر چکا تھا۔
[illegible] گاؤں والے [illegible] ایک [illegible] متّقی کی [illegible] اور [illegible] بات کر رہا
[illegible] اندھیرے میں [illegible] دیکھا — وہ متّقی کا [illegible] تھا — [illegible]

ویپنگ ولو

سالکؔ اسلام سندیلوی

(ویپنگ ولو ایک پہاڑی درخت کا نام ہے جس کی ٹہنیوں کی شکل آنسوؤں کی ٹپکتی لڑی جیسی ہے۔ اس کا نام اسی مناسبت سے ہے)

کس لئے روتا ہے ویپنگ ولو کا یہ شجر
کیوں بہاتا ہے یہ اشکوں کے مسلسل دھارے
ٹہنیاں جھکی ہیں یوں اشک کے قطروں کی طرح
جوڑتا رہتا ہے یہ کس لئے ٹوٹے تارے

اس کے اشکوں کا کرے کوئی بھلا کیسے شمار
جب ہیں رخسار پہ شبنم کی ہزاروں لڑیاں
اس سے کیا پوچھے کوئی موتی پرونے کا سبب
اسے ملتی نہیں جب فرصتِ فریاد و فغاں

خندۂ نور کی آغوش میں یہ رانی کھیت
بارش و رنگ میں غلطیدہ یہ وادی کی بہار
ہر طرف محوِ تبسم یہ مہکتے ہوئے پھول
لیکن اس کے رخِ نم خوردہ پہ ہے اشکوں کی قطار

اس کے رونے کا بہرحال سبب ہے کوئی
درحقیقت یہ شجر ہوتا ہے حساس بہت
غمِ انساں میں جلا کرتا ہے سینہ اس کا
غالباً اس لئے لگتی ہے اسے پیاس بہت

تشنگیٔ قلب کی کس طرح بجھائے آخر
اپنے ہی اشک یہ دن رات پیا کرتا ہے
صفتِ مژگاں یہ بہاتا ہے یہ ہر دم آنسو
روز و شب سسکیاں بھر بھر کے جیا کرتا ہے

روئے گیتی کے خط و خال سے یہ واقف ہے
دیدۂ باطنی آنکھوں میں ہیں حالاتِ جہاں
اس کی نظروں سے نہیں راز کوئی پوشیدہ
ہر طرف جنگ و جدل، آہ و بکا، شور و فغاں

اس کی آنکھوں میں ٹھہرتے ہی نہیں ہیں آنسو
غمِ انساں میں ہوا جاتا ہے کتنا بے تاب
منجمد خون کے قطرے ہیں رخِ ہستی پہ
کرۂ ارض ہے انساں کے لہو میں غرقاب

کوہ ہے تن بے سر شہیدوں کا انبار
دشت ہے خون میں ڈوبا ہوا رنگین ورق
ہر طرف مکر و ریا، بغض و حسد، شر و فساد
بھولتا جاتا ہے انسان محبت کا سبق

تہِ دنیا میں نہیں رنگِ حنا کی قیمت
کوئی مے خوار نہیں جام و سبو کا پیاسا
اس حقیقت سے ہے آگاہ یہ مغموم شجر
آج انسان ہے انساں کے لہو کا پیاسا

بہاتا ہی رہے گا دہر میں تب تک آنسو
قتل و غارت کی دکاں بند نہ ہوگی جب تک
[illegible] یہ تسبیح کے دانوں کا شمار
نسلِ آدم کی فنا کا یہ دھندہ نہ ہوگا جب تک

حامدی کاشمیری

غزل

پھولوں کو دہکتے جھونکوں سے دامانِ بیاباں جلتا ہے
احساس کے جلتے لمحوں میں یہ سارا گلستاں جلتا ہے

اب کیسے اٹھیں یہ خستہ قدم اے حسرتِ منزل کیا ہوگا
کانٹے ہیں بکھرتے انگارے راتوں کا بیاباں جلتا ہے

نیند آئے تو کیونکر آئے گی تسکین کے ساماں کیا ہوں گے
اک زخم سا انگارے کی طرح دل میں شبِ ہجراں جلتا ہے

ہم سوختہ دل پروانے ہیں کیا غم کھائیں کیوں فکر کریں
کس رنگ محل کو آگ لگی کس کا یہ شبستاں جلتا ہے

اے ٹھنڈی ہواؤ لہراؤ شبنم کی پھواروں کا آنچل
نرگس کی سلگتی آنکھوں میں خوابوں کا گلستاں جلتا ہے

اے سوزِ دروں اب دیکھنی ہے دیوانوں کا رقصِ آزادی
زنجیریں پگھلتی ہیں شب کی تاریکی کا زنداں جلتا ہے

مہتاب کی کرنوں کی ٹھنڈک ہر ذرّے کے دل کو چھوتی ہے
تخلیق کے شعلوں میں گھر کر اک تیرہ طوفاں جلتا ہے

کفیل آذر

غزل

نہ آتشِ لب و عارض نہ انتظار کی دھوپ
جلا رہی ہے ہمیں صرف روزگار کی دھوپ

ہمارے گھر کا اندھیرا ہی بس ہے ایسا کہ
نہ دیکھ پائیں گے ہم شہرِ سوگوار کی دھوپ

کبھی کبھی بڑی شدت سے یاد آتی ہے
وہ تیرے جسم کی رنگت، وہ رہگزار کی دھوپ

ہم اپنے عہد کے منصور بھی ہیں عیسیٰ بھی
ہمارے واسطے لاؤ صلیب و دار کی دھوپ

ہماری فکر کے آنگن میں اب نہ پھیلے گی
کسی کے ہجر کی ٹھنڈک، کسی کے پیار کی دھوپ

ہمارا دامنِ صد چاک دیکھنے والو
تمہیں بھی راس نہ آئی اگر بہار کی دھوپ!

یہ اور بات کہ سائے سمٹ گئے ورنہ
بہت کڑی تو نہیں تھی ترے دیار کی دھوپ

مقالہ :- کوثر چاند پوری

ایک عصر آفریں شخصیت

متوسط قد و قامت، ہلکے پھلکے مگر پھرتیلے جسم اور متناسب اعضاء کی ایک دلکش شخصیت، شیروانی اور سفید پاجامہ میں ملبوس ننگے سر سورج نکلنے سے پہلے دہلی کی کسی کشادہ سڑک پر تیز گامی کے ساتھ چلتی یقیناً کبھی آپ نے بھی دیکھی ہوگی، جس کے لمبے اور نشتے ہوئے چہرے کے خط و خال میں عزم و ہمت کی کرنیں جھلکتی نظر آتی ہیں اور لبوں پر ایک متین سی مسکراہٹ ہوتی ہے۔ کشادہ پیشانی پر ستارۂ اقبال کی روشنی ہوتی ہے اور آنکھوں میں ذہانت، بلند خیالی اور عالی ہمتی کی ملی جلی جگمگاہٹ۔ سر کے ریشمی بال ہمیشہ ایک ہی انداز سے پیچھے کی طرف الٹے رہتے ہیں اور پورا جسم سرگرمی اور تحقیق کا ایسا پیکر ہوتا ہے، جسے دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ برسوں کو خوابوں کے قالب میں جکڑ لیا ہے۔ اسی لئے عمل اور جد و جہد کی تصویر بن گیا ہے۔ بظاہر یہ ایک شخصیت ہے، لیکن حقیقت میں ایک تحریک، ایک انجمن اور ایک ادارہ ہے، ممکن ہے آپ نے کبھی اسے نہ دیکھا ہو مگر ناممکن ہے کہ اس کا نام آپ کے ذہن و شعور پر چھایا نہ ہو۔ حکیم عبدالحمید ایک ایسا نام ہے جو ایک عظیم، ہمہ گیر اور انسان دوست تحریک کے سمبل (Symbol) کی حیثیت سے نہ صرف ایشیا میں بلکہ یورپ میں بھی اچھی طرح جانا پہچانا جاتا ہے، اس تحریک میں ہمدرد دواخانہ سے لے کر جامعہ طبیہ، طبی کانفرنس اور انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز (Indian Institute of Islamic Studies) تک شامل ہے۔

اکثر شخصیتیں تحریکوں اور اداروں کی طاقت سے روشناس ہوتی ہیں، لیکن کچھ ایسی بھی ہوتی ہیں جن سے تحریکات اور ادارے نہ صرف پہچانے جاتے ہیں بلکہ ان کی پوری تاریخ انہیں کے گرد گھومتی محسوس ہوتی ہے۔ حکیم عبدالحمید ایسی ہی عصر آفریں اور تاریخ ساز شخصیت کا نام ہے۔ اس نے نئے اور پرانے ذہن کی آمیزش سے ایک حسین سنگم بنایا ہے۔ قدیم روایات کو عصری شعور سے توانائی بخشی ہے۔

حکیم عبدالحمید صاحب ایک خاص انداز نظر کے مالک ہیں، ان کی ذات میں مغرب اور مشرق دونوں کی سچائی پوری ہم آہنگی کے ساتھ سما گئی ہے۔ دماغ میں سائنس اور نئے علوم کی چمک ہے، اور دل میں پرانا مشرق اپنی روح، تہذیب اور تاریخ کے ساتھ موجود ہے۔ ان کا نقطۂ نگاہ بیکراں وسعتوں کا حامل ہے، اس میں انسانیت کا حسن ہے، انسان دوستی کا جذبہ ہے اور ایک ایسی خلق وسیع رغبت ہے جو قوم و مذہب کا امتیاز کئے بغیر محض "انسان" کو اپنا محبوب اور مطمح نظر قرار دیتی ہے۔ اس کے لئے مسرت اور شادمانی کی جستجو کرتی ہے، وہ سب سے پہلے انسان اس کے بعد کچھ اور ہیں۔ ان سے میری پہلی ملاقات سنہ ۲۹ء اور سنہ ۳۰ء کے درمیان ہوئی تھی۔ اس وقت ان کا جسم اتنا ہلکا اور دماغ اتنا بھاری نہ تھا، جتنا اب ہے، جنوری کا مہینہ تھا، دلی کی فضا سردی کی شدت سے کانپتی محسوس ہو رہی تھی، اور پورا ماحول تاثر چاند پوری کی مثنوی "شدت سرما" کی ترجمانی کر رہا تھا، ہمدرد دواخانہ انگیٹھیوں کا سامان بنا ہوا تھا، ہر کارکن کی کرسی کے قریب لوہے کی ایک انگیٹھی رکھی تھی اور اس میں لکڑی کے کوئلے دہک رہے تھے۔ سب سے پہلے مجھے قاضی مسرت علی صاحب منیجر سے ملایا گیا، جو سر سے پاؤں تک مشرق بلکہ اسلامی کلچر کا نمونہ تھے، میں

اپنی پریکٹس کے آغاز ہی سے ہمدرد دواخانے کے نام، اُس کی شہرت اور عظمت سے متاثر تھا لیکن اُن کا ماحول سے واقف نہ تھا جو اس کی تعمیر و ترقی کے لئے ہر آن متحرک و مصروف عمل تھے۔ اس دفعہ میں نے پہلی بار ان کا لمس محسوس کیا۔

قاضی صاحب نے پوچھا

میاں حمید سے ملیں گے آپ؟

اس نام کو ادا کرتے وقت صحیح معنی میں اُن کا نطق زبان کے بوسے لے رہا تھا۔ چہرے پر عقیدت اور خلوص کے نقوش ابھر آئے تھے۔ اس زمانہ میں ہمدرد دواخانہ اتنا بڑا نہ تھا جتنا اب ہے۔ بس دہلی کا ایک دواخانہ تھا۔ فیکٹری یا کارخانے کی وسعت اس میں نہ تھی۔ ہم گیلری سے گزر کر قاضی صاحب کی قیادت میں حکیم صاحب کے کمرے میں پہنچا، جہاں متانت، خاموشی، وقار اور ڈسپلن کی ایک عجیب فضا تھی۔ حکیم صاحب کرسی پر بیٹھے تھے سامنے بڑی باقاعدہ سے سجی بڑی سی میز تھی۔ جس پر قلمدان، پیپر ویٹ، پن کشن اور دوسری چیزیں نہایت قرینے اور خوبصورتی سے سجی ہوئی تھیں۔ حکیم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اُن کے لبوں پر بالکل ویسی ہی مسکراہٹ تھی، جیسی اب نظر آتی ہے، ہزاروں طوفان اور انقلاب آئے، سینکڑوں آندھیاں چلیں، لاکھوں زلزلے آئے انسانیت نہ جانے کہاں سے کہاں پہونچ گئی، ملک کا جغرافیہ بدل گیا۔ لیکن حکیم صاحب کی مسکراہٹ کا انداز وہی ہے۔ اس میں کوئی فرق نہ آیا۔ یہ ایک ابدی اور دائمی اخلاقی قدر کی طرح اپنی جگہ قائم ہے۔ حکیم صاحب کا انداز گفتگو نہایت میٹھا اور لہجہ آہستہ دھیما تھا کہ بعض باتیں میں سن بھی نہ سکا۔ یہ ملاقات عقیدت اور خلوص کی ایک مستقل بنیاد ثابت ہوئی اور آج جب ماہ و سال کی بہت سی گردشوں کے بعد ۱۹۹۰ء شروع ہو چکا ہے اور جنوری ہی کی برفیلی ہوائیں چل رہی ہیں اور بلا مبالغہ میں سینکڑوں مرتبہ حکیم صاحب سے مل چکا ہوں مگر ان کے اوصاف کی ابتدا اور انتہا معلوم نہیں ہو سکی، نہ کردار کی بلندی تک نگاہ پہنچ سکی۔ اُن کا دماغ جتنا بلند ہے قلب اتنا ہی دبیز ہے، اُن کی شخصیت جن پاکیزہ عناصر سے بنی ہے۔ ان میں غصہ، کم ہمتی، دون ہمتی یا انتقامی جذبہ کا ایک ذرہ تک شامل نہیں، کسی بڑی شخصیت کی تعمیر میں ان چیزوں کی گنجائش ہی نہیں ہوا کرتی۔ وہ خلوص، ہمدردی، شرافت اخلاق اور عالی ظرفی سے بنا کرتی ہے۔ حکیم صاحب بے حد مخلص، وضعدار، ایثار پیشہ اور با اصول پرست ہیں۔ لیکن اُن کا اصول پتھر کی چٹان نہیں، جس میں آہن و فولاد کی صلابت بھی ہے اور شاخ گل کی سی لچک بھی۔ جو لنکن کے خیال سے بڑے اور اہم اصول Important principles may and must be flexible (Lin-coln) کی بہترین مثال ہے۔ اُن کا اصول انسانیت سے کبھی نہیں ٹکراتا، وہ انسانیت کی فلاح کے لئے اصول بناتے ہیں اور اسی مقصد سے اس پر عمل کرتے ہیں، وہ ہر وقت سوچنا اور ہر لمحہ مصروف رہنے کے عادی ہیں۔ وہ ایسے جینیس (Genius) ہیں جن کی فہم و فراست پر فلسفیانہ غور و فکر اور تلاش و جستجو ہمیشہ چھائی رہتی ہے اور خوب سے خوب تر کے تجسس کا جذبہ کبھی چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ بے حد مصروف رہنے کے باوجود وہ جھنجھلاتے نہیں۔ ایک مرتبہ وہ ڈاک دیکھ رہے تھے۔ یہ اُن کا بہت دلچسپ مشغلہ ہے۔ ایک صاحب آئے اور لگاتار سوالات کرتے چلے گئے۔ ہر سوال پر گمان ہوتا تھا کہ اب حکیم صاحب جواب نہیں دیں گے اور جھنجھلا جائیں گے، مگر وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ نہایت شگفتہ انداز میں جواب دیتے رہے، شکست سوالات کرنے والے کو ہوئی۔ اس کے پاس پوچھنے کو کوئی بات نہ رہی تو مطمئن ہو کر چلا گیا۔

حکیم صاحب ڈاک بہت تیزی سے دیکھتے ہیں، خطوط اور اخبارات کا انبار اُن کے سامنے ڈال دیا جاتا ہے۔ وہ اخبار الٹ کر دیکھتے جاتے ہیں۔ لفافے اور کارڈ پڑھنے کے بعد دوسری طرف رکھتے جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے پوچھا۔ ڈاک بہت سرسری طور پر آپ نے دیکھی۔

جی ہاں، مگر میں ہر خط کے متعلق بتا دوں گا کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ اُن کی ذہنی اور فکری طاقتیں قابل رشک حد تک اچھی ہیں۔ حافظہ بالکل محدثین کا سا ہے، ہر بات یاد رہتی ہے۔ تندرستی اور صحتمندی کے لحاظ سے ان کا شمار ان لوگوں میں ہو سکتا

ہے جنکو وہ گرین Ever green کہنا چاہئے

میں نے انہیں کبھی بیمار یا مضمحل نہیں دیکھا کمی سے مزاج

تبدیلیت کا وقت کا تعلیم کسی فرد چیز کبھی، یہ صحن یا کھانا پینا

معمول اور تمام سرد زمینگی اور ہلکی کھانا شریب۔ وہ صبح کو گرمی

پہلتے ہیں اور ہر موسم میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے ہیں۔ حکیم بی

این غرما صاحب جنرل سکریٹری کال انڈیا طبی کانفرنس وزیل

بیرسٹرزائٹ ہمدرد پروگرام کا بیان ہے کہ چند سال قبل موسم سرما

میں حکیم صاحب اور وہ سرینگر میں مقیم تھے حکیم صاحب وہاں

بھی صبح کو ٹھنڈے پانی سے نہاتے تھے۔ سو نہایت سادہ

غذا کھاتے ہیں آل انڈیا طبی کانفرنس بمرہان پور سے واپسی کے

وقت حکیم صاحب نے ہمرہان میں میرے یہاں قیام فرمایا مولانا

سجاد صاحب اور اقبال صاحب ساتھ تھے صبح کو حکیم صاحب نے

دسمبر کی شدید سردی کے باوجود ٹھنڈے پانی سے غسل کیا

اور دوپہر کو دودھ میں صرف دو انڈے گھول کر پئے۔ دسترخوان

پر کوئی مرغ مسلم کا ذکر حکیم صاحب کی اس بے نیازی کا شکوہ ہی

کرتی رہی حکیم صاحب اور حفظان صحت کا ایک مکمل نمونہ ہیں

پھلوں میں انہیں سنترے سے دلچسپی ہے سنترہ سردی کے موسم

میں بھی وہ استعمال کرتے ہیں۔ میں ہمدرد دواخانہ کا مستقل مہمان

ہوں یہی وجہ ہے کہ دہلی ایسے بڑے شہر کے ہوٹلوں کی فضا سے

ہمیشہ دور رہتا ہوں بہت دن پہلے جب حکیم صاحب نے دوپہر

کا کھانا ترک نہیں کیا تھا۔ مجھے دونوں وقت ان کے ساتھ کھانے

کا موقع ملتا تھا۔ فرش پر دسترخوان بچھا کر کھانا چن دیا جاتا اور کھانے

والے جن میں حکیم سعید صاحب اور حکیم محمد نبی صاحب مرحوم بھی

ہوتے تھے سب لوگ دسترخوان کے چاروں طرف بیٹھ جاتے اور پیالے

دسترخوان میں الٹ کر رکھ کر سب حکیم صاحب کے سامنے رکھ دی

جاتیں اور وہ گرم گرم چپاتیاں سب کو دیتے جاتے اور دوسرے

ڈونگے ڈھکے رکھے رہتے تاکہ ہر چیز ضرورت کے مطابق کھائی

جاتی رہے۔ شام کے وقت دسترخوان پر پھلوں کا موجود رہنا ضروری تھا

سنترے، سیب، موسمی، اور کیلے کافی تعداد میں آتے، رات کے

کھانے میں کبھی مہمانوں کی تعداد کا اضافہ ہو جاتا، اور پھلوں کی جگہ

متعدد قسم کی مٹھائیاں آتیں، اس وقت حکیم صاحب ایک انگریز

کی طرح جیسے ہزار داستان بن جاتے، وہ باتیں کرتے ہنستے

اور بذلہ سنجی کے موڈ میں ہوتے، تقسیم کے بعد دسترخوان پر مولانا

سجاد صاحب کا ساتھ ہونے لگا۔ ان کی کم خوراکی اور عالمانہ گفتگو

سے قطع نظر مہمان کا وہ عمل جہانگیری بہت زیادہ پسند ہے

جو وہ کھانے کے ساتھ کرنے کے عادی ہیں اور ساتھ کھانے والے

دیکھتے رہ جاتے ہیں حکیم صاحب کے متعلق کسی طرح یہ پتہ نہیں چل سکا

کہ انہیں کون سا کھانا پسند ہے اب تک دسترخوان کے بعد محفلوں میں

ان کا دوسرا پسندیدہ پھل دریافت ہو سکا یعنی شریفہ۔ اب

حکیم صاحب دوپہر کا کھانا چھوڑ چکے ہیں۔ دہلی کے دوران قیام

میں صرف رات کے کھانے پر ہی اجتماع ہوتا ہے جو بڑی دلچسپ

ثابت ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی

مرحوم کا ساتھ ہوا، نہایت خوش گو، سرخ و سفید اور تندرست

انسان تھے۔ دیر تک ان کے ریشمی محاورات پر گفتگو رہی،

ایکدم حکیم صاحب نے مجھ سے سوال کیا۔

آپ کی رائے میں مولانا کی عمر کیا ہوگی ؟

میں نے مطلب سمجھ کر جواب دیا۔

میں تو جب سے پیدا ہوا ہوں مولانا کی تخلیقات پڑھ رہا ہوں

اس لحاظ سے، مولانا کسی طرح نوے برس سے کم کے نہیں ہونگے

مولانا کے تیور بگڑ گئے، ایک تیکھی نظر سے مجھے دیکھا لیکن ان کی

نگاہوں کی تلخی، قہقہوں کی شعاعوں میں گھل کر رہ گئی

دہلی کے اکثر ارباب علم سے حکیم صاحب کے گہرے روابط

ہو گئے ہیں، غالب، آزاد، کمبھانی اور شیفتہ کا شہر دہلی اب

دہلی میں حکیم صاحب کی ذات علم اور ادب سے شیفتگی

رکھنے والوں کے لئے مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔

کھانے کی چیزوں کے سلسلے میں حکیم صاحب کے اشارات

نہایت بلیغ ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا

"مولانا آپ نے کوثر صاحب کو آئس کریم نہیں کھلائی ؟

اور مولانا نے نہایت ذوق و شوق کے ساتھ نئی دہلی کے مشہور ہوٹل

"وینگر" کے منیجر کو فون کیا، وہاں سے تھرماس میں بہترین

قسم کی آئس کریم (Three in one) آئی

ارباب دہلی کی مہمان نوازی ہمیشہ ضرب المثل رہی ہے، حکیم

صاحب تواضع اور مہمان نوازی میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں ہندوستان کی نامور علمی اور ادبی شخصیتیں آپ ہی کے یہاں مہمان ہوتی ہیں، علامہ نیاز فتحپوری کا قیام بھی دواخانہ میں رہتا تھا، اور میں تقسیم کے بہت پہلے سے دواخانہ ہی کا مہمان رہتا ہوں، اندرونی منزل قیام گاہیں بدلتی رہتی ہیں، کیونکہ آئے دن دواخانہ میں کوئی نہ کوئی جدید عمارت بن جاتی ہے، مگر مرکز ایک ہی رہتا ہے،

ایک بار میں [illegible] کے ساتھ دہلی گیا حکیم صاحب نے اپنے پرانے محلہ میں میرے لئے مکان خالی کرا دیا، جہاں ضرورت کی ہر چیز مہیا تھی، کھانا اور ناشتہ ٹھیک وقت پر پہنچ جاتا تھا، اس کے بعد جب میں دہلی جاتا اور دواخانہ کے مہمان خانہ میں ٹھہرتا تو شیخ ابن حسن صاحب چاندپوری کی ڈیوٹی لگ جاتی کہ میرے ناشتے وغیرہ کا انتظام کریں، ابن حسن مرحوم قائم چاندپوری کے پرپوتے تھے اور [illegible] کے فسادات میں قتل ہو گئے۔

حکیم سعید صاحب کی شادی میں جانے کا اتفاق ہوا، تو دریا گنج والی کوٹھی میں قیام ہوا جو ایک خوبصورت اور پرفضا باغ میں واقع تھی زمانہ [illegible] ہی کا تھا صبح کا خوشگوار، نقرئی دھوپ میں بیٹھ کر دیوانِ غالب پڑھتیں موجیں مرزا بیدل کے اشعار گنگناتی محسوس ہوتیں اس وقت میں سمجھا کہ مرزا بیدل نے پہلے متھرا میں اور پھر دہلی میں سکونت جمنا کے کنارے کیوں گھر بنانا پسند کیا تھا، در اصل گنگا اور جمنا دونوں ہندوستان کی جمالیاتی تصویر کا ایک ایسا آئینہ ہیں جس میں فطرت اپنی پوری خوبصورتی اور جمال ساماں کے ساتھ صاف نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ دہلی میں ساحلِ جمنا پر مرزا بیدل ابدی نیند سو رہے ہیں اور بنارس میں حزیں آسودۂ خواب ہیں۔

سعید صاحب کی شادی کے انتظامات نہایت شاندار تھے جن میں ملک کے ہندو اور مسلمان معززین کثرت سے مدعو تھے اور قاضی [illegible] صاحب مسیح الملک حکیم اجمل خاں کو بھی [illegible] سے آئے تھے جن کی نازک مزاجی مشہور تھی، قاضی صاحب

انھیں لانے کا اہتمام کیا جس انداز سے ذکر فرمایا اس کا پورا عکس اس شعر میں موجود ہے

لائے اُس بت کو التجا کر کے
کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

عام طور پر شہر کے چہروں پر مسرت کے آثار تھے۔ وہ حکیم صاحب کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھ کر مسرور ہو رہے تھے اور میں دیکھ رہا تھا کہ انھیں دار السلطنت دہلی کے دونوں طبقوں میں وہی مقبولیت حاصل ہے جو کسی زمانہ میں حکیم اجمل خاں مرحوم کا طرۂ امتیاز تھی۔ علامہ تاثر یاکیفی اور مولانا عبد الحق مرحوم سے اسی اجتماع میں میری ملاقات ہوئی تھی۔

ایک اور روح افزا منظر بھی دیکھنے میں آیا تھا، لوگ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، دفعتاً نواب سراج الدین احمد خاں سائل یادگار داغ دہلوی کے تشریف لانے کی اطلاع ہوئی اُس زمانہ میں وہ معذور ہو چکے تھے رکشا میں بیٹھ کر آئے تھے، سر پر زریں ٹوپی تھی، رنگ بہت کھلا ہوا تھا اور جہاں تک مجھے یاد ہے اس میں ہلکی سرخی کی جھلک رہتی تھی، لوگوں نے رکشا کو گھیر لیا حکیم صاحب نے بھی قریب پہنچ کر سلام کیا، سائل صاحب نے ایک ہاتھ اُن کی گردن میں حمائل کر دیا اور نہایت خوش الحانی کے ساتھ تہنیت کا قطعہ پڑھا۔

یہ سب تقسیم سے پہلے کے واقعات ہیں، [illegible] میں دس بارہ ہمراہیوں کے ساتھ دہلی جانے کا اتفاق ہوا، میں [illegible] کی شادی میں چاند پور جا رہا تھا اُن کے متعدد احباب بھی تھے ایک رات ٹھہرنا تھا، قیام کے انتظامات [illegible] خانہ میں ہوئے اس روز گوشت کی ہڑتال تھی آٹھ دس مرغ منگائے گئے اور بڑے اہتمام سے کھانا کھلایا گیا۔

ہمدرد دواخانہ کی تاریخ ارتقا کا ہر باب حکیم عبد الحمید صاحب کی فکر جوان اور جہد [illegible] کے عنوان سے شروع ہوتا ہے انھوں نے بہت [illegible] کا اہتمام سنبھالا تھا اور [illegible] کی نگرانی میں آغاز کیا تھا [illegible]

بھی کئے ہیں جب منزل کے نشانات تقریباً محو ہو گئے اور منظر تک سراب کچھ دھندلکوں کے سوا کوئی چیز نہ رہا، رہبری کے لئے کوئی نقش پا تک باقی نہ رہا لیکن حکیم صاحب نے اپنی ہمت اور عزم کی بیکراں صلاحیتوں ہی کو رہنما بنایا اور آپ ہی خضر راہ بن کر منزل کی جانب گامزن رہے اگر ان مشکلات میں وہ حوصلہ اور استقلال کھو بیٹھتے تو دواخانہ کا وہ آبگینہ جو نفیس وراثت میں ملا تھا چکنا چور ہو جاتا اور سمندر کی ایک کان بن کر آزاد ہندوستانیوں کی قومی ملکیت میں آتا۔ حکیم صاحب نے برسر کار آتے ہی دیانت، سچائی اور ایثار و مذاق کی جو راہیں جاری کیں۔ انہیں اوصاف کو اپنے لئے مشعل راہ بنایا، طب قدیم کی تمام بنیادی خصوصیات کو برقرار رکھتے ہوئے انہوں نے ایک نئے جادے پر نئی منزل کی جانب پیش قدمی شروع کی اور اپنے دماغ کی تمام گرہیں سائنس اور نئے علوم کے لئے کھول دیں۔ ریسرچ اور دوا سازی کے اعلیٰ انتظامات کئے، نئے آلات، اور جدید کار مشینوں کو استعمال کیا، آہستہ آہستہ یہ بندوبست بھی کیا کہ تیاری کے دوران دواؤں کو ہاتھ نہ لگنے پائے ریسرچ کا شعبہ قائم کر کے دیسی ادویہ کی اہمیت اور افادیت کو افسانوی دھندلکوں سے نکال کر ٹھوس حقیقت میں تبدیل کر دیا۔ پیکنگ کے معیار کو بلند کر کے یورپی ادویہ کے برابر کر دیا۔ یہ ترقی صرف فن یا دواخانہ کی نہیں، بلکہ اس آزاد ہندوستان کی بھی ہے جو ابتدا سے علوم و فنون کا مرکز رہا ہے اور جس کے فنی سپوتوں نے بغداد کی اسلامی حکومت سے بھی خراج تحسین حاصل کیا ہے حکیم صاحب نے جس عزم اور حوصلے سے یہ سب کچھ کیا اور جس جانبازی و جوش سے وہ دواخانہ کے گہنائے ہوئے آفتاب کو ترقی کے نصف النہار تک لائے ہیں، اسے توفیق الٰہی کے علاوہ اور کسی نام سے موسوم نہیں کیا جا سکتا۔ ہمدرد دواخانہ جو شہر کے ایک گنجان علاقہ میں واقع ہے، ابتدا ہر ایک چھوٹی سی چیز نظر آتا ہے مگر حقیقت کہ یہ نقطہ پھیلتے پھیلتے بہت بڑا دائرہ بن گیا ہے یہ انہیں کو معلوم ہوتی ہے جو اندر ہی اندر دور تک پہنچ گئے ہیں۔ اس سلسلہ حالات کو غور سے دیکھئے ہمدرد دواخانہ کے مختلف شعبوں کو اپنی آغوش میں لئے ہیں کہیں شعبوں میں دوائیں پکائی جا رہی ہیں، کہیں آپ ہی آپ شربت بوتلوں میں بھرا جا رہا ہے، کہیں پیکنگ کا کارخانہ قائم ہے اور کہیں بوتلیں دھونے کا انتظام ہے ایک ایسی کارگہ شیشہ گری تیار ہوئی ہے جس کی وسعت کو دیکھ کر آدمی دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا ہے۔ ملک اور بیرون ملک کے سربراہ، مفکر اور دانشور دوا کے سائنٹیفک انتظامات کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں، انہیں اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہندوستان انسانی فلاح و بہبود کے راستوں پر بھی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے حکیم صاحب کی مصروفیں نہایت گونا گوں اور اہم قسم کی ہیں، ان کے وقت کا بڑا حصہ ان مشغولیتوں میں صرف ہوتا ہے صبح سویرے بیدار ہو کر وہ اخبارات دیکھتے ہیں، خاص موضوعات سے متعلق اخبارات اور رسائل سے تراشے لیتے ہیں، پھر اپنے ہاتھ سے الگ الگ فائلوں میں چسپاں کرتے ہیں اس طرح بیشمار ادبی علمی اور مجلسی عنوانات پر ایک عمدہ اثاثہ کتاب کا مواد جمع ہو جاتا ہے جس کو سامنے رکھ کر نہایت معلوماتی تصنیف پیش کی جا سکتی ہے میں نے ان قیمتی فائلوں کو دیکھا ہے ایک فائل صرف طب ہی پر تھا جس میں نہایت بیش قیمت معلومات جمع کی گئی تھیں جن اخبارات اور رسائل سے تراشے حاصل کئے جاتے ہیں وہ زیادہ تر عربی، فارسی، انگریزی اور اردو کے ہوتے ہیں ٹھیک ۹ بجے حکیم صاحب مطب میں آ جاتے ہیں جو ہندوستانی اطباء کے لئے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے مریضوں کا اژدحام ہوتا ہے کہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے، ہندوستان کے ہر صوبے سے آئے ہوئے بیمار موجود ہوتے ہیں ایک ایک مریض ان کے سامنے پیش ہوتا ہے اور وہ اس کا نہایت گہرا طبی معائنہ کرتے ہیں، تشخیص میں جدید ذرائع سے بھی کام لیا جاتا ہے ایکسرے تھوک، خون، اسٹول اور یورین وغیرہ کی رپورٹیں دیکھی جاتی ہیں ایک بجے کے بعد تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے پھر حکیم صاحب لیبارٹری اور دواخانہ کے دوسرے شعبوں کی نگرانی کے فرائض انجام دیتے ہیں اس کے بعد تصنیف و تالیف کے مشاغل یا اسکیمیں بنانے میں منہمک ہو جاتے ہیں، اور کوئی اس انہماک میں مخل نہیں ہو سکتا دروازہ بند ہو جاتا ہے یا اس پر چپراسی کھڑا رہتا ہے

— اُن کی یہ عملی مصروفیت کسی طرح ایک فلسفی کی محویت اور خود فراموشی سے کم نہیں ہوتی۔ اتفاق سے ایک مرتبہ میں نے اسوقت ان سے ملنے کی اجازت چاہی اور میرا کارڈ حکیم صاحب تک پہونچا دیا گیا۔ انھوں نے مجھے بلا بھی لیا لیکن پہونچا تو وہ کسی مسئلہ کی تلاش میں اس قدر محو تھے کہ دیر تک میرے آنے کی خبر نہ ہوئی۔ میں نے دانستہ ان کے استغراق میں دراندازی نہیں کی اور خاموش بیٹھ کر ان کی فلسفیانہ تحقیق و جستجو کے اس منظر کو دیکھتا رہا۔ کئی منٹ تک یہی عالم رہا آخر میرے اوپر نظر پڑ گئی اور چونک سے گئے۔ حکیم صاحب گیارہ بجے رات تک اسی طرح کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کے سونے کو مسہری نہیں ہے، نرم و گرم گدے بھی نہیں بلکہ وہ تخت پر ایک معمولی گدا بچھا کر سوتے ہیں۔ مطالعے سے حکیم صاحب کو بیحد شغف ہے۔ ان کی لائبریری نہ صرف دہلی بلکہ ایشیا بھر کی بہترین لائبریری کا ہے وہ نفسیات سے بہت ذوق رکھتے ہیں اور اپنی نفسیاتی مہارت سے علاج معالجہ میں کام لیتے ہیں۔ ایثار و قربانی کا جذبہ ان کے خمیر میں شامل ہے۔ دواخانہ کو وقف کر کے انھوں نے قومی جائداد میں منتقل کر دیا اور پانچ لاکھ سے زائد کی ذاتی جائداد انڈین اکنامی ٹرسٹ آف اسلامک اسٹڈیز کو دیدی ہے۔ دواخانہ کے ہزاروں ملازمین سے ان کا سلوک ایک مربّی اور سرپرست کا سا ہے۔ ان کے لئے وہ ہر ایثار کے لئے آمادہ رہتے ہیں۔ بونس بڑی باقاعدگی سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ تدریجی ترقی دی جاتی ہے، ملازمین کی علمی اور ذہنی ترقی نیز جسمانی صحت پر پوری توجہ کی جاتی ہے۔ تفریحی مشاغل کے لئے بھی رقم مخصوص کی جاتی ہے۔ انصاف، مساوات، اور ملازمت کے استقلال کی ضمانت دی جاتی ہے۔ دواخانہ کے وابستگان حکیم صاحب سے سچی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اور ان کے اخلاق انسانی اوصاف کی تقلید کرتے ہیں، اسی لئے ان کے اندر کوئی معاندانہ چشمک یا گروہی رجحان موجود نہیں وہ ٹیم اسپرٹ — Team Spirit — سے ایک ساتھ کام کرتے ہیں اور برادرانہ انداز سے مل جل کر دواخانہ کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔

حکیم صاحب ادب کا نہایت پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں اس کی جھلک دواخانہ کی تمام مطبوعات میں نظر آتی ہے۔ کوئی پمفلٹ، فہرست یا اشتہار ایسا نہیں ہوتا جس میں فنی حقائق کو ادبی ڈھنگ سے ادبی زبان میں نہ پیش کیا جاتا ہو۔ حکیم صاحب کے ادبی ذوق ہی کا نتیجہ ہے کہ دواخانہ میں متعدد صاحب طرز ادیب اور شاعر موجود ہیں جو ہندوستان گیر شہرت رکھتے ہیں۔ حکیم صاحب تصنیف و تالیف سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں، ان کی متعدد تصانیف چھپ چکی ہیں جو مواد اور موضوع کی اہمیت نیز اسلوب بیان کی انفرادیت کے اعتبار سے نہایت ممتاز ہیں۔ آل انڈیا طبی کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے ان کے جو خطبات صدارت شائع ہوئے ہیں ان میں جہاں ایک ہوشمند ذہن اور ترقی پسند طبیب کی نظر کارفرما ہے، وہاں مختلف ہنگامی مسائل کا احاطہ کرنے اور انھیں پیش کرنے کے انداز میں ایک اچھے فن کار اور دانشور کی فنی چابکدستی بھی جھلکتی ہے۔ مقالات کو عوام کے سامنے پڑھتے وقت تو خطیب اور مقرر کا لب و لہجہ بنا لیتے ہیں جس کی دلکشی سامعین کو مسحور کر دیتی ہے۔ موقت رسائل کی ترتیب اور ادارت کا وہ بہت ہی اچھا سلیقہ رکھتے ہیں۔ ایک زمانہ میں ہمدرد صحت کی تدوین اول سے آخر تک خود ہی کیا کرتے تھے پھر یہ ذمہ داری سعید صاحب کے سپرد کر دی گئی۔ دواخانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ حکیم صاحب کی دماغی مصروفیت بہت بڑھ گئی۔ پھر بھی ہمدرد صحت کی ترتیب کا زیادہ بار انھوں نے خود ہی سنبھالا۔ ہمدرد اخبار بھی انھیں کی رہنمائی میں نکل رہا ہے۔

حکیم عبدالحمید صاحب انسان کی تربیت اور ذہنی نشوونما میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ وہ ایک اچھے آرٹسٹ کے مانند دماغ کے سادہ صفحات پر نقش و نگار بنانے کی قدرت و صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کا طالب علم زندگی کے کسی امتحان میں ناکام نہیں ہوتا۔ وہ ایسے جوہر قابل موجود ہیں جو حکیم صاحب کے فیض تربیت سے کامیاب ترین انسانوں میں شمار ہو سکتے ہیں۔ ایک خود ان کے چھوٹے بھائی حکیم حافظ محمد سعید صاحب جو انھیں کے ہم رتبہ ہیں۔ شہرت، قابلیت اور صداقت کی اسی

۔ اسی بلندی پر فائز ہیں جو حکیم صاحب کے حصہ میں آئی ہے۔ سعید صاحب کراچی میں اسی ہمدرد کا ادارہ انتظام سے چلاتے ہیں اور تمام ادارے انہیں حکیم عبدالحمید صاحب کا عکس کہتے ہیں۔ خود حکیم صاحب کو اپنے اس شاہکار پر ناز ہے۔ انھوں نے زبان سے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا، لیکن جب میاں سعید کا نام زبان سے ادا ہوتا ہے تو آنکھوں میں فخر و مسرت کی چمک نمایاں ہو جاتی ہے۔ سعید صاحب بھی اپنے بڑے بھائی سے عقیدت آمیز محبت رکھتے ہیں۔ اپریل ۱۹۶۰ء میں مجھے کراچی جانے کا اتفاق ہوا تھا قیام ہمدرد دواخانے ہی میں آرام باغ روڈ پر تھا۔ ایک روز سعید صاحب نے ناظم آباد کی فیکٹری کی سیر کرائی اور اس کے تمام شعبے دکھائے ہر فن کے اس عظیم و مرتب ادارہ میں جگہ جگہ بالکل نئی ہر چیز کو دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ ان دونوں بھائیوں میں دراصل بڑا کون ہے۔ کس دماغ کی جدت اور عقل و شعور کا جواب ایک ہر شعبہ پیش کرتا تھا۔ میں ایک جانب معجون کا قوام ملوں سے گزر کر چاندی کے مانند چمکتے ہوئے ورق دار پر خود بخود بنتا چلا جاتا تھا اور آپ ہی آپ اس کی گیند بنتی جاتی تھی۔ دوسری طرف روح افزا کی بوتلیں خود بخود رقص کرتی تھیں ان پر لیبل چسپاں کئے جا رہے تھے ایک حصہ میں ایک عجیب کار مشین ترازو کا کام انجام دے رہی تھی وہ ادویات کو پوری تول کر ڈبیوں میں ڈالتی اور ڈبیاں نکالنے کے بعد پھینکتا الگ پھینک دیتی تھی۔ یہ سب مشینیں جرمن سائنس دانوں کی دانشوری کا جیتا جاگتا ثبوت تھیں اور انھیں کے مشورے سے جرمن فرم کی بنی ہوئی جو ہمدرد فاؤنڈیشن نے در آمد کی گئی تھیں جنہیں سعید نے بہت دیر سوچ کر لیا۔

ان سب چیزوں کا کریڈٹ بڑے حکیم صاحب کو پہنچتا ہے کہ انھوں نے آپ کی اتنی اچھی تربیت کی۔ سعید صاحب نے بڑی سعادت مندی کے ساتھ اعتراف کیا۔

بیشک! ۔۔۔ یہ سب بھائی جان ہی کی تعلیم کا کرشمہ ہے دوسرے خوش نصیب الحاج عبدالمجید صاحب ہیں جو انہیں (افسوس کہ اب الحاج عبدالمجید صاحب اس دنیا میں نہیں ہیں ۱۹۶۵ء میں ان کا انتقال ہو گیا) جو ادارے میں حکیم عبدالحمید کے اکاؤنٹنٹ مقرر ہوئے تھے اور حکیم صاحب کی نگرانی میں ان کا کام بہت اچھا رہا کا بہترین نمونہ ثابت ہوا حکیم محمد یحییٰ صاحب مرحوم کے کراچی چلے جانے پر ان کی جگہ پر مقرر ہوئے اور ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے اس ادارے کا انتظام سنبھالا جس کی فروخت ایک کروڑ سے زیادہ ہے اور جو صرف اشتہارات پر ایک لاکھ سے زیادہ کا صرفہ کر رہا ہے۔

حکیم صاحب ہر جگہ کے لئے ایک موزوں آدمی کا انتخاب کرتے ہیں ان کی نگاہ انتخاب سے بمشکل غلطی ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ حکیم صاحب نے ایک ملازم رکھا جس نے ان کی گھڑی چرائی۔ چوری کا الزام ثابت ہو گیا۔ مولانا مجاہد صاحب کا بیان ہے کہ حکیم صاحب کو اسی دن خفا ہوتے دیکھا گیا۔ برہمی اس لئے نہیں تھی کہ گھڑی چوری ہو گئی تھی اور اس سے کوئی مالی نقصان ہوا تھا۔ اس خفگی کا رخ چوری کرنے والے کی طرف بھی نہیں تھا۔ غصہ حکیم صاحب کو اپنے اوپر آ رہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ دواخانہ میں جس کی بنیاد ہی تقویٰ و دیانت پر ہے ایسے آدمی کو ملازم ہی کیوں رکھا گیا، اور پھر یہ انتخاب غلط کیوں ہوا ۔۔۔۔ اور کیوں نگاہ انتخاب کی عصمت کو خطرہ لاحق ہوا۔ اور میں سوچتا ہوں کہ یہ انتخاب بجا صحیح ہو جاتا، تو حکیم صاحب کی شخصیت پر لکھا ہوا یہ مضمون لفظی اعتبار سے بالکل ناقص رہ جاتا۔ ان کی شخصیت پر محاسن کا غازہ قدرت نے اس طرح ملا ہے کہ معائب کا سلسلہ ہر طرف سے ڈھک گیا ہے، بلکہ معدوم ہو گیا ہے۔

اب مجھے دو باتیں اور کہنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ حکیم صاحب ہر قصور معاف کر سکتے ہیں۔ لیکن بد عملی کے جرم کو کبھی نہیں بخشتے۔ دوسرے یہ کہ شدید اور لگاتار مصروفیت کی تھکن اتارنے کے لئے وہ ہمیشہ سے تفریح منانے کے عادی ہیں۔ پہلے ہر اتوار کو مہرولی قطب صاحب یا کسی اور جگہ سیر و شام کی سیر ہوا کرتی تھی، شام کا کھانا بھی وہیں کھایا جاتا تھا۔ میں کئی بار تفریحی پروگرام میں ساتھ رہا ہوں بعض اوقات دہلی سے دور کسی جگہ چلے جاتے ہیں، میلوں پیدل چلتے ہیں اور شکار بھی کھیلتے ہیں۔ مگر بندوق پر وہ قدرت نہیں جو فن اور قلم پر ہے۔

یہ مضمون جنوری ۱۹۶۴ء میں طاہر صدیقی صاحب ایڈیٹر ہمدرد اخبار دہلی کی فرمائش پر لکھا گیا تھا وہ اس وقت کوئی کتاب مرتب کر رہے تھے کتاب ابھی تک شائع نہیں ہو سکی۔ میں نے باصرار موصوف سے یہ مضمون واپس لے لیا۔

کوثر چاندپوری

شہباد حمید

ہملیٹ

(بورس پاسترناک کی ایک نظم کا عکسِ لطیف)

وہ شور و غل
وہی ہنگامہ تھم گیا آخر!
ہر ایک سمت ہیں گو چھائی سکوت کے سائے
کبھی مگر ابھی سے فرصتِ تماشہ گاہِ حیات
وہیں خروش اٹھتا ہے بازگشتِ صدا!

تماشہ گاہ میں آہستگی سے چلتا ہوا
(شیدا ہو کہ اُٹھیں پُرسکوت کے پیکر)
تماشہ گاہ کے اسٹیج پر میں آتا ہوں!
اور اک کواڑ کی چوکھٹ پہ ساکت و صامت
خلا میں دُور بھٹکتی ہوئی صداؤں سے
جدید عہد کے بارے میں سوچتا ہوں میں
کبھی یہ فکر لگا جانے اس جگہ کیا ہو؟
کبھی یہ سوچ کہ انجام میرا کیا ہوگا؟
اُمید و بیم کی حالت میں ہے تجسس بھی
وہ بازگشتہ پکاریں کہ دُور ہوتی ہیں!

یہ تیرگیٔ شبِ تار آج میری طرف
بغور دیکھ رہی ہے ہزار آنکھوں سے
وہ دیدار مناظر بھی تک رہے ہیں مجھے
تماشہ گاہ کے موٹے دبیز شیشوں سے

مرے پدر!
مرے ابّا! جو ایسا ممکن ہو!
نوشتِ لوحِ مقدر کبھی بدل جائے
جو پیش آنی ہے اُن سے وہ گھڑی ٹل جائے
تو پھر تو اس بزمِ ہستی کے تلخ ساغر کو
مرے وجودِ طلب سے گزر ہی جانے دے

یہ تارِ وپود طلب کا بکھر ہی جانے دے

تری مشیتِ جابر کا پاس ہے مجھ کو
سرِ نیاز جھکائے ارضا و رغبت سے
ترے دیئے ہوئے کردار کو نبھاؤں گا
مگر اب اے ابّا! التجا ہے معاف ہو جا
کہ سرِ وقت کی نیرنگیوں سے ہوتی ہے
تماشہ گاہ کے اسٹیج پر نئی تشکیل
ہر ایک شے سے ٹپکتی ہے اجنبیت سی
ہر اک بساطِ کہن بھی تو ہو گئی تبدیل!
نہ وہ کہانی ہے باقی نہ وہ رہے کردار
وہ بازگشتِ صدائیں بھی ہو گئیں تحلیل

تو صرف اس لیے مجھ کو یہ سعادت دے
کہ سوزِ دل سے جلا لوں نئے چراغوں کو
خدنگ آشنا پھر کر لوں دل کے داغوں کو

یا پھر کہ مکمل ہے اس کا ہر سرا ایک
اور اختتام سے ممکن نہیں ہے راہِ فرار
یہاں بھول اب بھی
میں بے آسرا و تنِ تنہا
ہر ایک شے کو سمجھتا فریبیوں کا نفاق
ہماری طلب و حصول ہے تیرا ایسا
دیارِ قربت سے بسر و جو اب گزرتا ہے
پھر اس قدر نہیں آساں کہ جس قدر سا لگے
کسی بساطِ چمن زار سے گزرتا ہے

۱؎ یہ آخری دو مصرعے ایک روسی کہاوت کا مفہوم ادا کر رہے ہیں [illegible]

شہاب جعفری

پرانے انسان کی کتھا

پرانے موسموں کی آواز — کمار پاشی

میرے ہمعصروں میں کمار پاشی میرے چند پسندیدہ شاعروں میں ہیں۔ ان شاعروں میں نئی شاعری کے دو نئے علمبردار شاعروں کے مجموعے منظرِ عام پر آئے ہیں۔ ایک میرے دوست کا مجموعہ "اسمِ اعظم" اور دوسرا کمار پاشی کا مجموعہ "پرانے موسموں کی آواز"۔ جب نئی نسل یا نئی شاعری کی بات آتی ہے تو خواہ مخواہ اُس تقابل کا اعادہ کرنے کو جی چاہتا ہے جو گزشتہ نسل اور گزشتہ شاعری سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں عہدوں کی شاعری میں بنیادی اقدار کا فرق ہے اور پڑھنے والا اس فرق کو سمجھے بغیر نئی شاعری سے پورے طور پر لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔

سردار جعفری نے اپنی ایک تقریر اور ایک شائع شدہ انٹرویو میں بھی نئی نسل اور پرانی نسل کے امتیاز کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ انھوں نے اس کا تعین شاعر کی عمر اور اس کے زمانۂ شہرت سے کیا اور فراق گورکھپوری اور اختر الایمان کی مثالیں دی ہیں کہ یہ شاعر، جن میں ایک ان سے عمر میں بڑا اور دوسرا اُن کا ہمعصر ہے، بہت بعد میں مشہور ہوئے۔ اختر الایمان اُن کے ہمعصر ہیں، لیکن اُن کو نئی نسل میں گنا گیا۔ سردار جعفری دو نسلوں کے امتیاز کو ختم کرنے میں یہ بھول گئے کہ نئی اور پرانی شاعری کا تعلق شاعر کی عمر سے نہیں، شاعری کی بنیادی اقدار، تصورِ حیات میں اختلاف اور دو رجحانوں کے فرق سے ہے۔ فراق یا اختر الایمان اس لئے جدید نسل سے تعلق رکھتے ہیں کہ وہ جدید ذہن سے قریب ہیں۔ اُن کی وہ آوازیں جو ترقی پسند تحریک کے زمانۂ عروج اور اس کے خروش و خطابت کے شور میں دبی دبی سی تھیں۔ آج اپنے اظہار کا مناسب زمانہ پاکر نمایاں ہو گئیں۔ ان آوازوں کو گوشِ سماعت ہمارے عہد نے عطا کیا۔

نئی شاعری کے لئے، جن حالات نے فضا تیار کی، اس کا تفصیلی ذکر میں اپنے ایک مضمون "جدید ادب" میں کر چکا ہوں۔ ظاہر ہے اس مختصر سے تعارف میں اُن کا اعادہ نہ تو ممکن ہے نہ اس کا موقع ہے۔ صرف چند اشارے کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

زمانۂ قدیم سے اب تک دُنیا کے فن و ادب دیومالائی عقائد، مذہبی تصورِ حیات اور سیاسی مقاصد کے تابع رہے ہیں۔ گزشتہ چند صدیوں سے اس پر سائنسی علم و عمل کے اثرات پڑنے شروع ہوئے جس کے نتیجے میں رفتہ رفتہ انسانی معاشرے کی شکل بدلی، انسانی رشتوں، اخلاقی قدروں، سماج اور فرد کے نظام ہر شکل کے معیاروں میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ دیہات شہر بنے، کھیت کارخانے بنے، چھوٹے چھوٹے کنبوں میں زندگی گزارنے والے سیدھے سادے انسان اتنی تعداد میں بڑھے کہ ساری زمین کو چھا لیا۔ ذرائع رسل و رسائل نے زمین کی طنابیں کھینچ دیں، زمین اتنی چھوٹی ہو گئی کہ آدمی کو دوسرا قدم رکھنے کے لئے جگہ کی قلت محسوس ہونے لگی اور اس کی فکر نے اُسے سوچنے پر مجبور کیا کہ —

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

علم اور دریافت کی برکتوں نے ماضی کے انسان کی طلسماتی دُنیا کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اس کا تخیل مادّی اور محسوس پیکر میں ڈھل گیا۔ دراصل اُن دیکھی چیزوں کی آرزو میں زیادہ لطف ہے۔ پہلے تو انسان نے خواہش اور جدوجہد کی کہ اُس کی آرزوئیں بر آئیں، لیکن آرزوؤں کی مورتیں جب زندہ اور ننگی حقیقتوں کے رُوپ میں سامنے آگئیں تو انسان نے محسوس کیا، جیسے اُس کی آرزو پوری تو ہوئی ہو، بلکہ اُس سے اُس کی متاع چھن گئی ہو۔ اُس کے ذہن میں ایک خلا پیدا ہو گیا۔ سائنس، اور سیاست کے علوم نے جمہور کی دُنیا کے لئے خارجی خلاؤں کی دریافت کی، اور ہر اُس قیاس اور احساس نے فرد کی ذہن کے داخلی خلاؤں کی دریافت کی۔ اِن داخلی خلاؤں کو پُر کرنے کے لئے بے بس فرد ہر طرف ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ وہ کبھی گمشدہ آدرش کی طرف بڑھتا ہے، کبھی حال کے لمحے کو پکڑتا ہے، کبھی پرانی قدروں، ماضی کے طلسمات اور قدیم انسان کے معصوم بے داغ ذہن کو یاد کر کے آسودہ ہونا چاہتا ہے۔ جدید دُنیا۔ جس پر فلسفہ، مذہب اور روحانیت کے بجائے سائنس، صنعت، سیاست کا غلبہ ہے۔ یہ دراصل کبھی انسان کے آدرشوں اور خوابوں کی دُنیا تھی۔ جب اُس کی جدوجہد کے نتیجے میں حقیقت میں آ گئی تو اُس کو اچانک محسوس ہوا کہ اُس کے سارے خواب، سارے آدرش چھن گئے۔ سائنس کے مقابلہ میں فن اور شاعری بے معنی ہو گئے۔ زمین کا طلسم، چاند کا جادو، فطرت کی تمام رعنائیاں، تسخیرِ فطرت کے نتیجے میں بکھر گئیں، آدمی کے خواب ٹوٹ گئے اور وہ عظیم کائناتوں کا علم حاصل ہونے سے اپنے کو بونا محسوس کرنے لگا ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج کی شاعری خود فریب اور احساسِ کمتری کی شاعری ہے، جس کی کچھ اپنی صالح اقدار بھی ہیں۔ یہاں پھر ایک تصادم، ایک کشمکش، ایک ٹکراؤ نے لیا۔ یہی تصادم، کشمکش اور ٹکراؤ جدید فنی تصورِ حیات کا ضامن ہے۔ جدید شاعری، جدید سائنسی دُنیا کے ردِ عمل کا نتیجہ، جدید معاشرے کے خلاف ایک احتجاج ہے اور یہ ردِ عمل اور احتجاج دراصل اُس قدیم انسان کا ہے، جو ازل سے آج تک زندہ ہے۔ یہ انسان اپنی ذہنی خلا کو پُر کرنے کے لئے نئے اقدار، نئے تصورِ حیات اور نئے انسانی رشتوں کی تلاش میں ابھی تک اُس کے ہاتھ بہت کم چیزیں آئی ہیں، ابھی یہ شاعری صرف تلاش کی شاعری ہے، حصول کی آسودگی اور طمانیت کی شاعری نہیں۔

جدید اُردو شاعری میں ہر اچھے فن کار نے اقدار کی تلاش میں اپنی ساخت کے لئے اپنا اپنا ایک راستہ چُنا ہے۔ کچھ دن گزر جانے کے بعد یہی چاروں کھونٹ سے واپس آنے والے درویش کسی الاؤ کے گرد اکٹھا ہو کر بیٹھیں گے اور اپنے اپنے سفر کی متاع پیش کریں گے۔ تبھی ان تمام تجربوں اور نئے جہانوں کے خزف ریزوں کو اکٹھا کر کے زندگی کی نئی صورت ترتیب دی جا سکتی ہے۔ کماربا پاشی بھی چند گوہر آبدار کی تلاش میں نکلے ہیں، اُن کے سفر کی سمت بیشتر ماضی ہے کہ یہی اُن کے مزاج کے مطابق ہے۔ وہ جدید انسان کی رُوح کے سلسلے کو ماضی کی رُوح سے ملاتے ہیں اور جسم یا رشتۂ جسم کو ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ اُن کا انسان بہت قریبی ہے، جو صدیوں پہلے پیدا ہو چکا تھا، یہ انسان خانہ بدوش ہے، جو کبھی ننھی چڑیا کی طرح دنیا کا نقشہ بناتا ہے، جو ہوا کے تیز جھونکے میں اُڑ جاتا ہے اور اُس کا گھر بھی مسمار ہو جاتا ہے۔ کبھی وہ اس پھیلی ہوئی کائنات میں سخت گھٹن محسوس کرتا ہے، جس کے چاروں طرف سمندر ہے اور شہروں کا شور ہے۔ یہ انسان رشتۂ جسم کی وجہ سے سمٹ کر محدود ہو گیا ہے، چھوٹا ہو گیا ہے۔ اُس کی رُوح آفاق کی حدوں کو چھونا چاہتی ہے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ میرا یہ جسم ایک دن راکھ کا ڈھیر بن جائے گا، وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اُس کی آواز امر ہے اور اُس کی جستجو جاری رہے گی۔ کماربا پاشی کی نظموں میں یہی فضا غالب ہے۔ اسی فضا کے ذیل میں اُن کے یہاں جگہ جگہ موت سے ایک قسم کی وابستگی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ بشر کے اس انجام پر دُکھی نظر آتے ہیں، لیکن یہ موت، اضمحلال اور قنوطیت کا نشان ہونے کے باوجود پڑھنے والے کے ذہن پر ایک یاد

...از جھولتا ہے۔ وہ تازہ یہی ہے کہ انسان ازلی ہے، انسان ابدی ہے، وہ بہت نیا ہو کر بھی بہت پرانا ہے۔ اس نظم
...کہ صرف یہ ہے کہ اُس نے تسخیرِ کائنات کر کے اپنی بہت بڑی دولت کھو دی ہے۔ اس کا اُس کو پچھتاوا ہے۔ وہ اس
...لاش میں اپنی کھوئی ہوئی کائنات، بچھڑے ہوئے ماضی، روٹھے ہوئے ماہ و سال کو پھر سے حاصل کرنے کے لئے عمل پیرا
...ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو جگہ جگہ دیوتاؤں کا المیہ یاد آتا ہے۔ کمار پاشی کی نظموں میں سب سے زیادہ حاوی علامت
...ہوا" ہے۔ ہوا ان کے یہاں "وقت" کا درجہ لے لیتی ہے۔ ہوا کا تیز جھونکا ہر چیز کو ساتھ بہا لے جاتا ہے ہوا کی حرکت ان کا محب
...وب موضوع ہے۔ غالباً اسی وجہ سے اُن کی نظموں میں ایک اضمحلال کی سی فضا کے باوجود ایک متحرک، جاندار قوت کا
...ساس ہوتا ہے۔ یہی وہ عنصر ہے، جو اُن کی نظموں کو انجماد اور سنگین سکوت سے بچا لیتا ہے۔ کمار پاشی کے یہاں بعض بڑے
...چھوتے طرزِ بیان ہیں۔ ذہن کی بعض بڑی نازک کیفیتوں کو اُنھوں نے بڑے ہی متاثر کن انداز میں پیش کیا ہے۔ اُن کے
...یاں مجموعی احساسات تو صرف چند ہی ہیں اور اُنھیں کے گرد اُن کی ساری نظمیں گھومتی ہیں لیکن ان احساسات سے
...ابھرنے والی فضا، اُس کے گوشے، اُس کے خدوخال کی جزئیات کا بیان جگہ جگہ بہت خوبصورت اسلوب میں ہوا ہے
...کن کی یہی تازگی اُن کو بہتر اور خوب تر شاعری کی طرف لے جائے گی اور تیراہی کو خیرباد کہے گی۔ اُن کے ذہنی افق،
...وس دنیا، نوس احساسات اور فکر کائنات کا ابھی اور وسیع ہونا ہے۔ جیسے جیسے ان میں وسعت پیدا ہو گی۔ اُن کی
...ملوبات اور لفظیات میں بھی رچاؤ اور تیکھا پن پیدا ہو جائے گا۔

دو نظمیں:-

کرشنا پاشی

سوکھے پتے

ٹنڈ منڈ سے پیڑ کھڑے ہیں
جن کی شاخوں پر پتوں کے زرد نگینے جُڑے ہوئے ہیں
گل کا موسم بیت چکا ہے
آؤ — خزاں کے شانوں پر سر رکھ کر رو دیں
یہی اب اپنا درد سُنے گی
یہی اب اپنا دُکھ بانٹے گی

پتوں کو احساس نہیں ہے
اک دن ایسا بھی آئے گا
سُورج غربی آنکھ سے جب ان کو گھُورے گا
وہ شاخوں سے پھسل پھسل کر
سنبھل سنبھل کر
اوندھے منہ دھرتی پہ گریں گے
لو دیکھو وہ سُورج نکلا
نرم نکیلی شاخوں سے ہم
پھسل پھسل کر
گرے زمیں پر

ایک تصویر

آسماں چُپ چاپ تکتا ہے زمیں کو
اور ہیبت ناک بادل
سر پہ چیلوں کی طرح منڈلا رہے ہیں

چاند بھی اب چلتے چلتے
یوں ٹھٹھک کر رہ گیا ہے
جیسے کھائی میں لڑھکنے سے بچا ہو

جل رہا ہے آگ میں دھرتی کا سینہ
بجھ رہا ہے چرخ پر اک اک ستارہ
ہانپتا ہے شہر سارا

مقالہ

کمار پاشی

کچھ اپنے فن کے بارے میں

اپنے فن سے متعلق کچھ کہنا یا لکھنا یا درحقیقت اپنے ضمیر کی عدالت میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے کے برابر ہے۔ میرے لئے اس مرحلے سے دوچار ہونا اور سرخرو گزرنا اگرچہ خاصہ دشوار ہے۔ لیکن نئے زمانے اور نئی شاعری کے رسم و رواج نے ادب کے لکھنے والے کے لئے اس عدالت کی پیشی کچھ عادی سی بنا دی ہے۔

جس زمانے میں ترقی پسند شاعری اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی اور ترقی پسند شعرا اپنے گناہوں کا طوق گلے میں ڈالے ماضی کے کھنڈروں میں چھپنے کی کوشش کر رہے تھے، انہی دنوں میری شاعری کا آغاز ہوا۔ میرے سامنے ایک عہد دم توڑ رہا تھا۔ اور نئے دور کے خدوخال ابھی اُجاگر نہیں ہوئے تھے۔ لیکن پھر بھی میرے احساس میں نئے زمانوں اور نئی منزلوں کے موسم اپنے ابتدائی رنگوں میں ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اس زمانے کی اُمنگوں اور ولولوں کو میں نے اپنی نظم دیا داسی میں یوں بیان پیش کیا تھا۔

آکاش پہ بادل چھایا ہے
بوندوں نے ساز بجایا ہے
کیا ایسے بھیگے موسم میں ساون کا گیت نہ گاؤ گی
کیا جام پکڑ کے ہاتھوں میں
محفل میں جھوم نہ جاؤ گی

اس نظم میں، میں نے جس دیا داسی سے خطاب کیا تھا، وہ اس دور کی ایسی بھولی شاعری تھی جو بے حسی کا "برفیلا پیرہن" پہن کر خود کو پتھر کا کوئی مجسمہ بنانا چاہتی تھی۔

احساس کے موسم دھنک رنگ بھی ہوتے ہیں اور فن کار کو زمانوں اور صدیوں کے سفر پر بھی اکساتے ہیں۔ ان موسموں کے تقدس کو اور اس کی کیفیت کو اپنے احساس میں محسوس کر کے میں نے فن کی جن دنیاؤں کی تلاش کا سفر شروع کیا تھا، میں یہ تو نہیں کہتا کہ میں نے اس کی کوئی منزل سر کر لی ہے۔ لیکن اس کربناک سفر پر چل نکلنے سے مجھے ایک فائدہ ضرور ہوا کہ میں نے تاثرات سے بچا کر محسوسات اور جذبات کو دستوں میں پناہ لینے کی کوشش کی۔

اس اعتبار سے میری شاعری میرے عہد کا آئینہ نہیں ہے۔ بلکہ اس عہد کے انسان، اس کی تنہائی، اس کی بے بسی، اور اجنبیت سے نکلے ہوئے خوابوں اور خیالوں کا سفر ہے۔ میں اپنا کوئی خیال یا فلسفہ اپنے پڑھنے والوں پر تھوپنا نہیں چاہتا، لیکن پھر بھی اپنے اور اُن کے درمیان کے فاصلوں کو کم کرنے کے لئے کچھ بہت تھوڑے سے اشارے ضروری سمجھتا ہوں۔ مثلاً یہ کہ میں نے شاعری کو دو دام قرب و وصال اور عاشقانہ اٹکھیلیوں کا ذریعہ نہیں سمجھا، بلکہ اپنی ذات کی تسکین اور طمانیت کا وسیلہ بنایا ہے، اور انسانی زندگی

اور ایک کائی کی شکل میں محسوس کیا ہے۔

نئے سماج اور نئی سوسائٹی نے انسان کو مختلف خانوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ میں نے اس تقسیم سے اپنی داخلی شخصیت کو الگ ایک ایسے IDEAL کی صورت میں دیکھنے کی کوشش کی ہے، جس میں آدمی محض ایک مہذب آدمی ہی نہیں، کائنات بھی ہے اور اس اعتبار سے سماج اور سوسائٹی سے اس کا رشتہ ایک ازلی اور ابدی رشتے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس رشتے کا احساس وہ "نرواں" ہے جسے میں نے اپنی بیشتر نظموں پر استعمال کیا ہے۔ مثلاً امر، رشتہ، جسم، مہا دوش، جنم دن، اور سفر وغیرہ۔ ان نظموں میں تہذیب سے اس خالق کے خود خال اجاگر کرنے کی سعی کی گئی ہے، کہ قافلوں سے بہت دور : اپنی حسرتوں کے صحراؤں میں تنہا رہ گیا تھا۔

اور یونہی اپنی پتھرائی آنکھوں سے ہم
بے خبر، بے صدا
دیر تک، جانے کیا
پھیلے آکاش کی نیلی نیلی فضاؤں میں ڈھونڈا کئے
اور بکھرے ہوئے قافلے وقت کے
دور تک ہم کو حسرت سے تکتے رہے۔

سفر

دراصل میں اس کردار کا وژن (VISION) میری نظموں میں ایک ایسے دیومالائی انسان کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جس کا زندگی سے بہت ہی پرانا بلکہ ازلی رشتہ ہے لیکن ہمارے دور میں اس کردار کو ایک المیہ سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے اور وہ ہے: اس کا بے صدا ہو جانا، یعنی اس کی آواز پر مشینوں، موٹروں اور "بس کے پہیوں" کی بے ہنگم آوازوں کا چھا جانا۔ کیفیت کو میں نے سفر کے بعد میں اس طرح پیش کیا ہے:

ہزاروں برس کی مسافت کو میں آج طے کر چکا ہوں
تو یہ سوچتا ہوں
کہاں چھوڑ آیا ہوں آواز اپنی

میرے مجموعے "بدلتے موسموں کی آواز" میں شامل بیشتر نظموں میں آپ کو ایک ایسے آدمی کا کردار نظر آئے گا، جو زندگی سے اپنا ابدی رشتہ قائم کئے ہوئے ہے اور پھر کو اپنے وجود اور اپنے EXISTANCE کے جواز کے طور پر پیش کرتا ہے۔ یہ کردار کہیں "یگ" کے طور پر سامنے آتا ہے اور کہیں "دیوتاؤں کا المیہ" کی صورت میں محض اس کی کتھائیں اور عظمت کے نقوش آتے ہیں۔ اور کہیں کہیں اس کے اعمال دیوتاؤں کے اعمال سے مشابہ نظر آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے غالباً میرے پڑھنے والے میری شاعری میں اساطیر، دیومالا یا مذہب کو پہچاننے اور تلاش کرنے کا جتن کرتے ہیں۔ لیکن میں اس سلسلے میں صرف اتنا ہی کہنا چاہوں گا کہ یہ کردار میرے احساس کا وژن ہے۔ خود شاعر کی ذات اور اس کے کردار میں جو فاصلہ ہے ہم اسے شاعر کے PERSONALITY کے تصور میں۔

دراصل میں روح کو ہی انسان کی داخلی اور خارجی زندگی کے درمیان ایک ربط کا وسیلہ سمجھتا ہوں، اس لئے ایک ابدی کردار کی تخلیق میں جہاں کہیں میرا تصور روحانی یا مذہبی قسم کا نظر آتا ہے وہ درحقیقت اسی اشتراک کا حامل ہے۔ ورنہ میرا مقصد نہ برہمن ہے، نہ آپ نشد، ...... اور نہ ہی بھگتی سے۔ لہٰذا اس کردار کے متعلق میں نے کسی تحریک کے زاویے کے مطابق عقیدہ کو مرد......

سمجھا بلکہ زوال عمدہ تسلیم کیا ہے۔

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، اساطیری ادب میں فن کار خود کو واقعات سے الگ تھلگ رکھتا ہے جبکہ اس کے برعکس تمثیلی ادب میں فن کار خود بھی ایک خیالی کردار کے طور پر اپنی تخلیق میں شامل رہتا ہے۔ لیکن میری شاعری کا یہ کردار واقعات، افکار یا نئی شے سے بھی الگ اپنا ایک مخصوص مزاج رکھتا ہے اور عمل کے ساتھ ساتھ سوچنے، سمجھنے اور محسوس کرنے اور محسوس کرانے میں پیش پیش نظر آتا ہے۔

نئے زمانے کا کرب میری خارجی زندگی کا کرب ہے اور میری شاعری میری داخلی زندگی اور داخلی محسوسات کا اظہار ہے، اس لئے میں نے مشینی دور، تنہائی، خوف، اجنبیت، قتل، قتل گاہ، خودکشی، ہجوم، ہجوم کی تنہائی اور ایسے ہی نئے، فیشن ایبل موضوعات سے ہٹ کر اپنے داخلی احساسات کو شعر کے قالب میں ڈھالنا چاہا ہے۔

ایک پرسکون دور میں اب سے بہت پہلے اساطیر، یا دیومالا کی تخلیق ہوئی تھی اور کسی تُلسی نے اپنے خوابوں کو خیالات اور نظریات کو رامائن کا روپ دیا تھا۔ میں نے اپنے احساس کے اس طمانیت بخش موسم میں وہ نئی دیومالا تخلیق کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے؛ جس کا بیان میرے مجموعے کی ایک نظم غنودگی کے عالم میں موجود ہے۔

خواب و خیال سے میرا یہ تعلق اور ویژن پرستی ممکن ہے نئی شاعری کے نقادوں کو نرا خبط معلوم ہو۔ لیکن اس کے جواز میں مجھے بادلیئر کی ایک سطر یاد آتی ہے:

I have cultivated my hysteria with delight and horror

میرے مجموعے کی آخری نظم گنبدِ دوزن کا قصہ ہے۔ بظاہر یہ نظم بہت واضح ہے، لیکن میرے بعض دوستوں نے اکثر اس نظم کے متعلق مجھ سے سوال کئے ہیں۔ ویسے بھی اس نظم کو میں اس مجموعے میں شامل تمام نظموں کا اختتامیہ سمجھتا ہوں۔

دراصل مختلف تہذیبوں کے عروج و زوال اور پھر انتقالی اور ارتقائی رجحانات اس نظم کا پس منظر ہیں۔ انسان جو قدریں بناتا ہے آنے والی نسلیں اُن ہی پر اپنے انقلابی رویے کے "ترشول" سے حملہ آور ہوتی ہیں اور اس کشمکش میں ہمیشہ اپنی قدروں کا زوال اور المیہ سامنے آتا رہا ہے۔ آج ہم جن قدروں کو اپنے سینوں پر تمغوں کی طرح سجائے ہوئے پرانی قدروں اور تہذیبوں پر حملہ آور ہیں بالکل اسی طرح آنے والے دور میں ارتقا کے شہزادے ہماری قدروں کا بھی قتلِ عام کریں گے۔ تہذیب اور اس کے ارتقا کی کہانی کا یہ سلسلہ آج بھی ہمارا المیہ ہے اور کل بھی ہوگا۔ تہذیب کے یہی مختلف دور اور اُس کی کتھائیں اس نظم کا محرک ہیں۔ اور یہ نظم تہذیب کے اُس خالق کا اختتامیہ بھی ہے، جسے میں نے اپنی بیشتر نظموں میں پیش کیا ہے۔

آخر میں مجھے اس بات کا اعتراف بھی کرنا ہے کہ اپنے دور کی گوناگوں شاعری 'ایمجز' 'سمبلز' یا Absurdity پر بچوں کی طرح مچل جانے والی نئی شاعری اور میری شاعری میں ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ میری شاعری میری شاعری ہے اور اس سے زیادہ یہ کہ یہ میرا فن ہے اور اس میں میں نے اپنی زندگی کے تمام رنگ، تمام موسم اور تمام ابدیت سمونے کی کوشش کی ہے۔

اس مختصر سے مضمون میں اگرچہ وہ سب باتیں تو نہیں کہہ سکا ہوں جو میں اپنے اور اپنی شاعری کے بارے میں کہنا چاہتا تھا لیکن شاعر کا احساس کہیں کہیں ایک راز بھی ہوتا ہے! ۔ اس راز کا انکشاف میرے بعض جذبوں کی موت بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے آخر میں ہنری جیمز کے لفظوں میں یہی کہنا چاہوں گا کہ:

"ہم نے اندھیرے میں اپنے سفر کی راہیں تلاش کی ہیں۔ ہم صرف وہی کر سکتے ہیں جو ہمارے اختیار میں ہے اور وہی کچھ پیش کر سکتے ہیں جو ہمارے احساس کا سرمایہ ہے۔ ہماری تشکیک ہی ہماری جستجو ہے اور یہی جستجو ہمارا مقصد ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے فن کا باقی ماندہ سرمایہ، فن کی ایسی دیوانگی ہے، جس کا اظہار ممکن نہیں۔"

معصوم سبزواری

غزل

○

آشفتگی پھر آج منانے گئی مجھے
وہ بُوئے رہگذار بُلا لے گئی مجھے

سمجھا تھا یہ کہ میں ترے قدموں کی دھول ہوں
دُنیا سمجھ کے پھول اُٹھانے گئی مجھے

چارہ گروں کو میری ہوا تک نہ لگ سکی
چپکے سے کوئی شام بلانے گئی مجھے

تجھ کو پکارنا تھا نہ دشتِ طلب میں دوست
دُور اور تجھ سے تیری صدا لے گئی مجھے

اب انجمن میں بیٹھا ہوں گم سُم، کہوں بھی کیا
دُزدیدہ اک اداسی چُرا لے گئی مجھے

رکھتا بھی کون تشنہ سوالوں کی آبرو
بس میری خامشی ہی بنھا لے گئی مجھے

اِس میں کسی طلب کا معصوم نہ تھا سوال
میخانے ایک لغزشِ پا لے گئی مجھے

○

شاہد کبیر

غزل

○

بھول بیٹھے ہیں ترے شہر میں گھر کو اپنے
ہر صدا بام سے شرماتے ہیں سر کو اپنے

بھولے راہی کو تو مل جائے گا رستہ لیکن
وہ مسافر جو بھلا بیٹھے سفر کو اپنے

اُن کو کیا ہوگی خبر رُخ ہے ہواؤں کا کدھر
بند کر لیتے ہیں جو روزن و دَر کو اپنے

مطمئن یوں تو نہ ہو پاتا کبھی ذوقِ جمال
کچھ بدلنا پڑا اندازِ نظر کو اپنے

کبھی ذرّے بھی ملا لیتے ہیں تاروں سے نظر
ایک ٹھوکر ہی سہی خاک بسر کو اپنے

ہم سلامت ہیں تو اک روز بہار آئے گی
حوصلہ دیتی ہے ہر شاخ شجر کو اپنے

○

اُردو افسانے کا ارتقا

ڈاکٹر اعجاز حسین سے ایک گفتگو

اثر فاروقی: ڈاکٹر صاحب، میں چاہتا ہوں کہ آج کی اس نشست میں صرف نثر سے متعلق بات ہو۔ شعر و شاعری کے مباحث تو ہمیشہ ہی ہوتے رہتے ہیں۔ اور آپ چونکہ نثر کے نقاد بھی ہیں اس لئے یہ بات اور بھی زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے۔

ڈاکٹر اعجاز حسین: اثر صاحب، سچ ہے میں بھی شعر و شاعری سے تنگ آ گیا ہوں۔ جب دیکھئے شعر سنیے، شعر پڑھئے، داد دیجئے۔ مجھ سے واقف بھی لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ میں شعر بہت کم سنتا ہوں۔ الٰہ آباد میں میں نے [illegible] Club قائم کر رکھا ہے، جہاں شعر پر تو بحث و مباحثہ ہو سکتا ہے لیکن شعر سنایا نہیں جا سکتا۔ یہ کلب تقریباً بیس سال سے اپنا کام کر رہی ہے۔

اثر فاروقی: ڈاکٹر صاحب نے لکھنے والوں کو ہمیشہ [illegible] کے لکھنے والوں سے ہے۔ یہ شکایت ہے کہ ہمارے نقادوں میں زیادہ تر بزرگ حضرات ہی ملیں گے، اپنے خیالات [illegible] ہوتے ہیں اور ان کی تنقید موجودہ ادبی رفتار کا ساتھ نہیں دے پاتی۔ میں خود بھی بڑی حد تک اس رائے سے متفق ہوں۔

ڈاکٹر اعجاز حسین: اثر صاحب، یہ شکایت کسی حد تک [illegible] نقاد کا کام تخلیق کے وجود میں آنے کے بعد کا ہے۔ اگر تخلیق [illegible] واقعی منظر عام پر آ رہی ہو تو نقاد کا فرض ہے کہ وہ اپنا فرض ادا کرتا ہوگا۔ مگر آپ اس سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ سبھی چیزوں پر ایک وقت نظر ڈال سکے۔

اثر فاروقی: ڈاکٹر صاحب، میرا مطلب تو یہ ہے کہ نقاد صرف اپنے علم اور اطلاع کی بنیاد پر ہی اکتفا کرتا ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ساتھ ہی ساتھ تلاش اور کھوج کا کام بھی جاری رہے کیونکہ اس بات کے پورے امکانات ہیں کہ ہر زمانہ اپنی ہر تخلیق کی [illegible] تک پہنچ نہ سکے۔ یہ بات بھی درست معلوم ہوتی ہے کہ فنکار [illegible] تخلیق ہے۔

ڈاکٹر اعجاز حسین: تلاش اور کھوج کا جہاں تک تعلق ہے، نقاد کو بیشتر اس کام کو انجام دینا ہی ہے۔ مگر پھر بھی [illegible] امکانات باقی رہ جاتے ہیں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر نقاد کے سامنے تخلیق آئے تو وہ پوری دیانت اور ذمہ داری کے ساتھ اسے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔

اثر فاروقی: ڈاکٹر صاحب، بہرحال ایک بات تھی جو میں نے آپ تک پہنچا دی۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں میرا مقصد ہے کہ آج کی گفتگو افسانہ نگاروں کے مسائل، ان کی فکر، ادبی رجحانات، سماجی و تنقیدی شعور اور ان کے فن و خیال سے متعلق ہو۔

ڈاکٹر اعجاز حسین: اثر صاحب، ہمارے ادب میں افسانہ نگاری نے جتنی تیزی اور سرعت کے ساتھ ترقی کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ شعر و شاعری میں زیادہ تر فنکار قافیہ پیمائی کے چکر میں پڑے رہے کہ [illegible] قافیہ [illegible] نہیں ہو سکتا [illegible] تک وزن بحر [illegible] نہیں چھوڑا جا سکتا۔ جس کی وجہ سے مواد کی اہمیت کم ہو کر رہ گئی اور ہمارے فنکار محدود خیالات کی تکرار کرتے رہے۔ مگر جہاں تک نثر اور افسانہ نگاری کا تعلق ہے، اس صنف نے کم وقت میں بے پناہ ترقی کی۔ پریم چند نے اردو افسانے کی ترقی میں جو کردار ادا کیا ہے وہ سب جانتے ہیں۔ ان کی وجہ سے اردو افسانہ اس مقام پر پہنچا جہاں اسے عظمت و وقار کے ساتھ پڑھا گیا۔

منٹو افسانے کی بات پریم چند کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

اثر فاروقی: ڈاکٹر صاحب، پریم چند نے یقیناً اردو افسانے کی بنیاد رکھی اور اس بارے کو یہاں جانے میں [illegible] کوشش کی گئی، تا پریم چند کو منزل قرار دے دیا جائے تو اردو افسانے کی ترقی اور ارتقا کا سوال معرض بحث میں آ جاتا ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ پریم چند کے بعد کے آنے والوں نے افسانے کے کام کو [illegible] خوبی اور سلیقہ کے ساتھ آگے بڑھایا ہے۔

ڈاکٹر اعجاز حسین: ٹھیک ہے۔ اگر یہ بات ہے تو قابل اعتراض ہے۔ کسی بھی شخصیت کو ادب میں منزل قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس کی وجہ سے ادب کے رک جانے کا خدشہ ہے۔ مگر ہم پریم چند کا اعتراف اس لئے [illegible] کہ ان کے بغیر اردو افسانے کے ارتقا کی تحریک کا تصور شاید ادھورا ہی رہ جاتا۔ پریم چند کی کردار نگاری، فن کا اسلوب، ان کے موضوعات، افسانے کی ہیئت اور [illegible] وغیرہ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو پریم چند کو اردو ادب میں ایک مستند مقام عطا کرتی ہیں۔ اور آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ پریم چند کے طرز کا ان کے بعد کے لکھنے والوں پر گہری چھاپ ہے۔

اثر فاروقی: ڈاکٹر صاحب، کسی بھی ادب میں یہ بات مسلم ہے کہ بڑی شخصیت کے بعد ترقی کی ایک رفتار ہوتی ہے۔

ڈاکٹر اعجاز حسین: یہ بات ہو سکتی ہے ترقی کی ایک رفتار ہوتی ہے لیکن ان میں سے کسی کو [illegible] قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اثر فاروقی: ڈاکٹر صاحب، پریم چند کے بعد ترقی پسند تحریک کے تجربے اور ارتقا اور اس کے ردعمل وغیرہ کے متعلق اتنی باتیں ہو چکی ہیں کہ اب مزید پیش کرنے میں کسی قسم کی کوئی بات مناسب نہیں معلوم ہوتی۔

ڈاکٹر اعجاز حسین: مگر اثر صاحب جب ترقی پسند تحریک کا ذکر نکلا ہے تو میں ایک بات کہتا چلوں۔ ترقی پسند تحریک کے خلوص و مقاصد اس کے کمالات اور کوتاہیوں کا [illegible] کیا جا چکا ہے لیکن ترقی پسند تحریک میں چند لوگ ایسے [illegible] ترقی پسند تحریک کی چند باتوں کو [illegible] کہتا ہوں مثلاً [illegible] کے متعلق [illegible] مقصدیت نہیں ہے اور اس کی تحریریں [illegible] پرستی کا تحفہ ہیں۔ ہو سکتا ہے [illegible] لیکن [illegible] کے ساتھ یہ [illegible] مقصد [illegible] اور [illegible] ہمارے سماج کی [illegible] کے مسائل کو سامنے لاتا ہے۔ [illegible] کے ساتھ [illegible] پیش کرتا ہے [illegible] ایک [illegible] جیسے [illegible] حکومت [illegible] اور آزادی کی [illegible] سے [illegible] کے ساتھ [illegible] یہاں یہ بات [illegible] اور [illegible] صاحب [illegible] کو [illegible] ایک [illegible] ہے [illegible] محض لذت پرستی میں مبتلا کر کے گمراہ کر رہا تھا۔

اثر فاروقی: ڈاکٹر صاحب میں ایک بات صاف کرنا چاہتا ہوں کہ [illegible] اس بات سے [illegible] ایک عظیم [illegible] کو [illegible] اور [illegible] کو اس [illegible] عظیم [illegible] کے ساتھ [illegible] اب کوئی سوال باقی نہیں رہ جاتا ہے۔

ڈاکٹر اعجاز حسین: [illegible] بات [illegible] شخصیت [illegible] اور [illegible] یہ صرف سب سے الگ ہے بلکہ ان کی تحریریں [illegible] افسانے [illegible] ہیں۔

اثر فاروقی: ڈاکٹر صاحب [illegible] احساسات، جذبات، انسان کے [illegible] کے متعلق بات [illegible] معلوم [illegible] آپ [illegible] سے

پیش رو [illegible] سے ذرا مختلف [illegible] ہے ؟

ڈاکٹر اعجاز حسین :- اثر صاحب، [illegible] کا اسلوب [illegible] ضرورت ہے۔ [illegible] کی [illegible] معلوم ہوتی ہے [illegible] [illegible] کی [illegible] ہوتی ہے جس طرح [illegible] سے پہلے [illegible] [illegible] مسلسل [illegible] کے [illegible] کے [illegible] [illegible] کر سکتے ہیں۔

اثر فاروقی :- ڈاکٹر صاحب کیا آپ یہ محسوس نہیں کرتے کہ نئے لکھنے والے اپنے افسانوں میں [illegible] کی [illegible] [illegible] کرتے ہیں جس کا تعلق آج کے معاشرے میں [illegible] عدم مساوات سے ہے۔

ڈاکٹر اعجاز حسین :- اثر صاحب میں عرض کر چکا ہوں کہ [illegible] ساری باتیں آج کے افسانے کا موضوع ہیں لیکن میرے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ [illegible] [illegible] [illegible] آج کی [illegible] خرابیوں کو [illegible] کی ضرورت ہے کیونکہ آج پہلے سے حالات کی وجہ سے زیادہ واقع حاصل ہیں۔

اثر فاروقی :- ڈاکٹر صاحب کیا آپ ان [illegible] ایسے بتا سکتے ہیں جن کی تخلیقات [illegible] پسندیدگی کا باعث ہوں۔

ڈاکٹر اعجاز حسین :- [illegible] قرۃ العین حیدر، [illegible] جیلانی بانو، [illegible] [illegible] نے بہت سی باتیں [illegible] [illegible] کو کہا ہے۔ ایک افسانہ نگار عورت [illegible] ہندوستانی سماج کی [illegible] کرتا ہے بات [illegible] ہوتی ہی کہ عورت کو اس کی صلاحیت کے مطابق کام کرنے نہیں دیا جاتا تھا۔ رضیہ سلطانہ نے [illegible] [illegible] ظاہر ہو گیا تھا لیکن ہم لوگ اسے برداشت نہ کر سکے [illegible] [illegible] [illegible] یہ بات [illegible] کی [illegible] [illegible] رضیہ سلطانہ کا کسی غلام سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ [illegible] [illegible] صلاحیت [illegible] [illegible] [illegible] ہونی چاہیئے [illegible] تلوار نہیں چلا سکتی لیکن قلم چلا سکتی ہے۔

اثر فاروقی :- ڈاکٹر صاحب، [illegible] نے محسوس کیا [illegible] عورت قلم چلا کر [illegible] [illegible] [illegible] کی عورت [illegible] [illegible] ڈاکٹر صاحب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] عورت کے اظہار [illegible] [illegible] [illegible] خواہ وہ فنکار عورت ہی کیوں نہ ہو۔

ڈاکٹر اعجاز حسین :- اثر صاحب، [illegible] ہوا ہے۔

اثر فاروقی :- ڈاکٹر صاحب [illegible] افسانہ نگاروں سے [illegible] [illegible] [illegible] خاتون افسانہ نگاروں کے نام گنائے ہیں [illegible] [illegible] ہے۔

ڈاکٹر اعجاز حسین :- اثر صاحب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مطلب اس طرح کے [illegible] [illegible] سے ہے جو [illegible] [illegible] ہیں۔

اثر فاروقی :- ڈاکٹر صاحب [illegible] کسی بھی فنکار کے لئے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] میرا مطلب کرشن چندر کی [illegible] سے ہے۔

ڈاکٹر اعجاز حسین :- اثر صاحب [illegible] [illegible] فنکار کے پاس جتنا کچھ ہوتا ہے اس کا اظہار کرے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ان کے اپنے [illegible] کا باعث ہے۔

اثر فاروقی :- ڈاکٹر صاحب گفتگو کے اختتام پر اس [illegible] [illegible] افسانہ نگار اپنی تخلیقی قوتوں [illegible] [illegible] شعور [illegible] تنقیدی رجحان کی بدولت قارئین کے علاوہ فنکاروں کو بھی متاثر کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر اعجاز حسین :- اثر صاحب، یہ بات [illegible] [illegible] تنقیدی شعور ہر فنکار کے لئے ضروری ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

ذکاء الدین شایاں

"ارتقاء"

○

جنوں کے ناخن سے
زندگی کے سیاہ زخموں کو اور کھرچو
لہو نچوڑ دو
گلوں سے، دریاؤں سے، پہاڑوں سے
زندگی کا ——
کمند پھینکو فلک پہ
ماہ و نجوم و یزدان و اہرمن کو اسیر کرلو
اندھیری فطرت کی گھاٹیوں میں
نئے اُجالوں کا رنگ بھر دو!

مگر کبھی، صرف ایک لمحہ کو
یہ بھی سوچو
کہ اِن اُجالوں کی تیز کرنوں میں
روشنی کی بلندیوں میں
یہ قلبِ انساں اُداس کیوں ہے
سیاہ کیوں ہے!

○

وقار صدیقی

"تاشقند کے پھول"

○

یہ حُسنِ امن کے، یہ عشقِ سربلند کے پھول
دیارِ ہند میں ارضِ تاشقند کے پھول
قبول کرتی ہے مریم کی جانفزا تصویر
قبول کرتے ہیں مندر کے دیوتا ان کو
سلام کہتے ہیں مسجد کے رہنما ان کو
دلوں کے پھول محبت کے پھول پیار کے پھول
کھِلے یہ پھول تو پھر برق کا چلن نہ رہا
وفا کی راہ میں اب کوئی راہزن نہ رہا
جنوں کی خیر، کوئی آج بت شکن نہ رہا
یہ پھول وقت کے باغ و بہار ہیں جیسے
نظر کا چین، دلوں کا قرار ہیں جیسے

○

روسی کہانی

میخائیل شولوخوف

مترجمہ۔ صبا اکرام

لازوال تبسم

ترودفم اپنے کمرے سے نکلا اور دروازہ بند کرتا ہوا اصطبل کی طرف بڑھ گیا۔ اصطبل میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر نوزائیدہ گھوڑی کے بچے پر پڑی جو گھوڑی کی چھاتی سے منہ لگائے تھنوں کو شدت سے نچوڑ رہا تھا۔ ترودفم بچھیرے کو دیکھ کر مسکرا گیا۔ اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر تمباکو کا پاؤچ نکالا اور ایک سگریٹ بنا کر ہونٹوں میں دباتے ہوئے بولا۔

"تو، تو تم نے بچھیرے کو جنم دے ہی دیا؟" اس کی آواز میں کرب چھپا تھا۔

گھوڑی جو کی تھیلی میں اپنے خشک ہونٹ ڈالے منہ چلانے میں مگن تھی۔ اور ترودفم دروازے سے ٹیک لگا کر بچھیرے کو گھورے جا رہا تھا۔

"میں اس بچھیرے کا کروں گا کیا؟"

بچھیرا اپنے ڈگمگاتے کمزور پیروں کے سہارے کھڑا لکڑی کا کھلونا معلوم ہو رہا تھا۔ ترودفم اپنی انگلی سے بچھیرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"کیا میں اسے گولی مار دوں؟"

گھوڑی نے یکبارگی منہ گھما کر شرمناک نظروں سے اپنے مالک کو گھورا......

کمانڈر اپنے ہاتھ میں چائے کا پیالہ لئے بیٹھا تھا۔ اس نے پیالے کو اس طرح تھام رکھا تھا جیسے دشمن پر حملہ کرنے سے قبل وہ اپنی بندوق کے کندے کو تھامتا ہو۔

"اس بچھیرے کو گولی مار دینا ہی بہتر ہے۔ ورنہ اسے ساتھ ساتھ لئے پھرنے سے لوگ ہمیں خانہ بدوش کہیں گے۔" ترودفم نے کہا۔

"یہاں تو میں بھی کب سے کہہ رہا ہوں — خانہ بدوش نظر آنا تو اور بات ہے بیکار ٹھہرتی۔ اور اگر کبھی تو اور بھی زیادہ شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ جس روز اگر وہ رجمنٹ کا معائنہ کرنے آیا اور پریڈ کے دوران بچھیرے نے کہیں اچھل کود شروع کر دی تو ساری ڈویژن میں ہماری ہنسی اڑ جائے گی۔.."

دوسری صبح جب ترودفم اپنے کمرے سے نکلا تو اس کے ہاتھ میں رائفل دیکھ کر کمانڈر نے پوچھا۔

"کیا بچھیرے کو گولی مارنے جا رہے ہو؟"

ترودفم نے جواب میں صرف "ہاں" کہا اور اصطبل کی طرف بڑھ گیا۔

کمانڈر سر جھکائے بیٹھا فائر کی آواز کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک منٹ... دو منٹ.... کئی منٹ گزر گئے لیکن فائر کی آواز سنائی نہ دی۔ کچھ دیر بعد ترودفم آیا اور کھڑا ہو گیا

"کیا ہوا؟"

"شاید میری رائفل خراب ہو گئی ہے۔"

"دیکھوں کیا خرابی ہے؟"

ترودفم نے بے دلی سے رائفل کمانڈر کی طرف بڑھا دی اور اسے کھولتے دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس میں تو کارتوس ہی نہیں ہے!"

"ناممکن!"

"میں سچ کہہ رہا ہوں اس میں ایک بھی کارتوس نہیں ہے۔"

"ہاں... بات یہ ہے کہ میں نے خود ہی کارتوس نکال کر اصطبل کے پیچھے پھینک دیا۔"

"خیر، ابھی فی الحال تو زندہ ہی رہنے دو۔ کچھ دنوں بعد ٹھکانہ لگا دینا" کمانڈر نے رائفل کو ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

ایک دفعہ گزر گیا اور پھر وہ میدان ٹروفم کی پوزیشن کو ہلا گیا
میں واپس چلا گیا۔ جنگ شام ڈھلے شروع ہوئی۔

اپنے ساتھیوں میں ٹروفم سب سے آگے تھا۔ اس نے فوراً ایک چھلانگ لگا کر گھوڑے کے شکم سے خود کو نکال لیا۔ لیکن گھوڑے نے رفتار تیز کی۔ اکثر وہ پہلے بائیں طرف جاتا رہا۔ اس کا بھیڑیا اس کے قریب پہنچ جاتا تھا تنگ پڑ گئی۔

اس لمحے ٹروفم نے گھوڑے کی پشت سے چھلانگ لگا دی اور اپنی بندوق کا نشانہ لے کر ہاتھوں میں تھام لی۔

نیچے ریت سفید تھی اور دور سے پیلا تیر ڈھلوان پر دو نوجوان ایک دوسرے کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لگتا تھا کہ وہ ندی میں کنارے کے پیچھے چھپ رہے ہیں۔ ٹروفم کی چھتری اور ڈھلوان میں گھوڑ سواروں کی مناسبت کو سمجھ رہے تھے۔

ٹروفم نے لوٹتے ہوئے زخمی کو ایک نظر دیکھا اور پھر اپنی گولی بھیڑیئے پر چلا دی۔ لیکن پتہ نہیں گولی لگی یا نہیں۔ وہ ہاتھ کانپ گئے یا کوئی اور وجہ تھی کہ نشانہ چوک گیا۔ اور بھیڑیا بھاگ کر جھاڑیوں میں گم ہو گیا۔

رات ٹروفم کی پوزیشن کے نزدیک گاؤں میں گزری اور رات بھر نوجوانوں نے سگریٹ پینے اور گھوڑوں کی زینیں ابھی نہیں کھولی گئیں۔ آدھی رات کے وقت ایک گشتی دستے نے واپس آ کر بتایا کہ انہیں خبر ملی ہے کہ دشمن کی فوج بڑھ رہی ہے۔

طلوع آفتاب سے کچھ دیر قبل ٹروفم کے پاس آیا اور کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہنے کے بعد بولا۔

"سنو ٹروفم، تم اس بھیڑیئے کو جلدی ٹھکانے لگا دو۔ اگر وہ جنگ کے دوران تمہیں نظر آ جائے تو گولی مار دینا۔"

"میں نے کوشش تو کئی بار کی ہے لیکن پتہ نہیں کیوں مجھے ہمیشہ ہاتھ کانپنے لگتے ہیں اور نشانہ چوک جاتا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ کوئی عام بھیڑیا نہیں ہے۔ اکثر میں سوچ کر کانپ جاتا ہوں کہ کہیں وہ حملے کے وقت فوج کے درمیان آ گھسے"

کہ وہ اس کی باتیں سن کر مسکرایا۔ لیکن ٹروفم اس کی مسکراہٹ کو دیکھ نہیں سکا۔ کیونکہ وہ اندھیرے میں سر جھکائے بیٹھا رہا اور پھر بیٹھا بیٹھا سو گیا۔

دوسرے دن دوپہر کے وقت فوج نے ندی پار کرنا شروع کی۔ ٹروفم نے سب سے پہلے ندی میں چھلانگ لگا دی اور اس کے پیچھے ایک ایک کر کے جوان اور ان کے گھوڑے پانی میں گھس پڑے۔ گھوڑوں کی زینیں کھول کر تین چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر لاد دی گئی تھیں۔ اور انہیں کشتیوں میں سے ایک پر ٹروفم سوار تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی لگام کسی کے حوالے کر دی تھی۔

ٹروفم نے چپو ایک طرف رکھ دیا اور ندی میں تیرتے ہوئے جوانوں اور گھوڑوں کی طرف دیکھنے لگا۔ ان کو پتہ تھا کہ پانی بہت گہرا ہے اور گھوڑوں کا تیرنا بھی ٹھیک سے کچھ ہی دور پر نظر آیا۔ وہ تیر تیر کر کبھی کبھی منہ پانی کے باہر نکال دیتا اور کبھی پانی میں گم ہو جاتا۔ شاید وہ تھک چکا تھا۔ ٹروفم کے کانوں میں ایک بار پھر اس کی مدد کی آواز گونجی۔ "بی۔ او۔ ای"

بھیڑیئے کی بے کسی سے ٹروفم کے دل میں بھی ہمدردی کی لہر دوڑ گئی۔ پانچ سال کی مسلسل جنگی زندگی میں وہ اتنا کبھی بے بس نہیں ہوا تھا۔ لیکن آج ایک ڈوبتے ہوئے بھیڑیئے کی مدد کے لئے اس کا چہرہ کاغذ کی طرح سفید ہو گیا۔

ندی کے تیز دھارے سے بھیڑیئے کو بچا کر کنارے تک لانا ممکن نہیں تھا وہ بھنور میں گھر کر چکرا رہا تھا۔ ٹروفم نے کشتی بھیڑیئے کی جانب موڑ دی۔

دشمن کی مشین گنیں ندی کے کنارے پر گولیاں برسا رہی تھیں۔ پچھلی کشتی میں ایک فوجی نے چلا کر کچھ کہا اور اس کی آواز گولیوں میں دب گئی۔

بھیڑیئے کی آواز آہستہ آہستہ مدھم ہوتی جا رہی تھی۔ ٹروفم نے جھک کر اسے کشتی میں کھینچ لیا اور پانی میں گر گیا۔ پچھلی کشتی والے فوجی نے دیکھا کہ وہ باہر نکل رہا ہے اور چیخ کر کہا "بھاگو! یہ پاگل ہے"۔

ٹروفم کو بھیڑیئے کو بچانے میں پانچ منٹ لگ گئے۔ اس نے بھیڑیئے کو کشتی میں ڈال لیا اور جب کنارے تک پہنچے تو بھیڑیا ٹھنڈ سے کانپ رہا تھا اور اس کے منہ سے خون آلود پانی بہہ رہا تھا۔ ٹروفم نے جب اسے دیکھا تو اس نے ایک نظر ٹروفم کی طرف دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ تم بھی میری طرح بے بس ہو۔ اس کی آواز ختم ہو گئی تھی۔

دوسری طرف ساحل پر پچھلی کشتی والے فوجی نے بندوق سے نشانہ باندھ کر پھینک دیا۔

بھیڑیئے کے نزدیک ہی ٹروفم بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس کا جسم ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھی تک باقی تھی جو اس نے پانچ سال سے نہیں دیکھی تھی۔

فتح علی خاں تاب

جدائی کے بعد

رناکی پیار کی حسینِ تن کی آنچ آئی
کلی کلی سے تمہارے بدن کی آنچ آئی

میں سوچتا ہوں شبِ تار کی فصیلوں میں
تمہارے شہر میں شور سا ابھر گیا ہوگا
تمہاری خلوتِ شرم کی فضاؤں میں
تمہارے حسن کا سونا بکھر گیا ہوگا

فلک پہ بکھرا ابر کے روکی ہے سب
کہ جیسے تارا اُجالے کے آئی ہے
ہر اک اداس اندھیرے کا زہر ہے لیکن
نظر نے دور کرن کوئی جگمگائی ہے

شبِ فراق کو خوابوں کے ہار پہنا کر
قدم قدم پہ نئے گیت چن لئے میں نے
ہر ایک لفظ کو اپنے لہو سے چمکا کر
خیال و فکر کے مہتاب چن لئے میں نے

تمام سنہری آرزو کی وادی میں
تمہارے نقشِ قدم کی طرح چمکتے ہیں
تمہاری یاد سے دل کا چمن مہکتا ہے
تصورات کے چہرے ابھی دمکتے ہیں

شعور پھر ستم کو مٹائے گا اک دن
امانتِ خلشِ انتظار رہنے دو
طبیبِ الم کو شبِ وصل سے بدلنا ہے
جو اپنے دل کو یونہی بے قرار رہنے دو

شفیق تنویر (بھوپال)

ہرجائی

تیرے چہرے کے ساتھ ساتھ مجھے
چاندنی تو عزیز ہے اے دوست
سینۂ شب پہ جو لعبۂ انداز
صبح کی کھوج میں نکلتی ہے
ایک قندیل بن کے جلتا ہے
تیری زلفوں کے ساتھ ساتھ مجھے
ان گھٹاؤں سے بھی محبت ہے
جن کی رفتار زندگی کا پیام
جن کی آواز زندگی کا رباب
لے کے پانی سمندروں سے جو
خشک دھرتی کو کرتی ہیں سیراب
تیری باہوں کے ساتھ ساتھ مجھے
دستِ مزدور سے بھی الفت ہے
تیشۂ عزم ہے جو کھودے ہے
موت کی وادیوں میں جوئے حیات
درد و غم کے اداس سائے سے
تاکہ مل جائے آدمی کو نجات
چوڑیوں کی کھنک کے ساتھ مجھے
کارخانوں کا شور بھی ہے عزیز
آج میری نہیں کروڑوں کی
جس سے وابستہ زندگانی ہے
اس گرجتے ہوئے زمانے میں
ارتقا کی جو اک نشانی ہے
خوشبوئے پیرہن کے ساتھ مجھے
سوندھی سوندھی یہ بوئے گل بھی عزیز
کہ جو برسات کے ترشح سے
تن کھیتی سے پھوٹ پڑتی ہے
درحقیقت جو اک علامت ہے
کھیتیوں پر بہار آنے کی
میری محبوب میں ہوں ہرجائی
ہر حقیقت کا دل سے شیدائی



پورا پتہ
لکھنے سے
خط جلدی
پہونچتا ہے
ادھورا پتہ
لکھنے سے
خط دیر سے
پہونچتا ہے
نئی دہلی
بھارتی ڈاک و تار

طنز و مزاح :-

آغا رشید مرزا دہلوی

چاند کی کہانی

• آؤ میں تمہیں سناؤں چاند کی کہانی — •

اور ہم اس کے چاروں طرف بیٹھ گئے۔

چاند کی کہانی [illegible] سمندر [illegible] کی طرح پھیلی ہوئی تھی [illegible] جن میں اس کا چہرہ [illegible] داستان گو کا [illegible] معلوم ہوتا [illegible] کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔

— داستان گو یا افسانہ نگار یا شاعر [illegible] حقیقت سے [illegible] اور تخیل کے سہارے [illegible] خوبصورت محل بنتا ہے اس میں خود بھی بستا ہے اور دوسروں کو بساتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حقیقت کسی نہ کسی خواب سے شروع ہوتی ہے۔ ہر آدمی پہلے خواب دیکھتا ہے [illegible] خواب اور [illegible] خواب۔ [illegible] حقیقت ہے اور ہر حقیقت ایک خواب بالکل زندگی کی طرح [illegible] نظر آتی ہے اور [illegible] ٹکڑوں سے [illegible] مکمل ہو جاتی ہے۔ •

اس کے بعد وہ کچھ لمحات [illegible] ہو گیا۔ [illegible] خواب آلود دنیا میں [illegible] اور پھر اس نے کہانی اس طرح شروع کی جیسے [illegible] کسی خواب سے بیدار ہو گیا ہو —

— یہ اس چاند کی کہانی ہے جہاں تک پہنچنے کے لئے سائنس برسرِ پیکار ہے۔ ہم سائنس والے ہیں لیکن چاند تک پہنچنے کیلئے [illegible] مرنے [illegible] زندہ [illegible] مرنے کے بعد زندہ [illegible] ہے۔

[illegible] دنیا سے [illegible] دلچسپی [illegible] لیکن کیا کریں [illegible] مشکل ہو [illegible] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں [illegible] ہر چیز تنگ ہوتی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ [illegible] تنگ، نظر تنگ، [illegible] حالات [illegible] تنگ [illegible] کرتا تو [illegible] زمانے میں [illegible] آخر [illegible] کیا نہ کرتا۔ یہی سوچ کر [illegible] چاند کی دنیا میں [illegible] اور [illegible] دنیا الگ بسا لوں۔ [illegible] سکون اور چین پاؤں۔

سنا تھا کہ لوگ [illegible] پہنچ جاتے ہیں [illegible] شام کی [illegible] یہاں تک کہ اس سرزمین کو [illegible] انہیں [illegible] حاصل ہو جاتی ہے [illegible] جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

دعا کر [illegible] راکٹ میں پہنچ جاؤں۔ [illegible] راکٹ چاند کے گرد چکر لگائے تو اللہ کا نام لے کر کود [illegible] تو بہرحال [illegible] جائے گا۔

[illegible] اخبار میں اشتہار نظر پڑا۔ کسی [illegible] جانے کیلئے ایک پرائیویٹ سکریٹری کی [illegible] تھی۔ یوں تو میں [illegible] اشتہار [illegible] کیونکہ [illegible] اشتہار [illegible]

[illegible] مجھ کو کرتا ہے [illegible] ایک [illegible] ہو جاتا [illegible] [illegible]
دیکھا [illegible] [illegible] کے لیے [illegible] میں معروف ہیں۔ اس کے بعد کچھ [illegible] نظر آئے۔ [illegible]
[illegible] پروفیسر [illegible] کی [illegible] جو [illegible] تعداد [illegible] کا [illegible] ہو گئے۔ اس کے
بعد [illegible] بنگلوں کی قطار آئی جس میں زیادہ تعداد [illegible] [illegible] کی [illegible] جلسا [illegible]
[illegible] زندگی گذار رہے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب نے [illegible] ملازمت حاصل کرنے کا گر بتایا اور کہا کہ ملازمت کا
[illegible] ملازمت دینے والے کی گردن دبی ہو یا گردن پکڑی ہو۔ [illegible] کی دنیا [illegible] سے [illegible]

TAKE کے اشاروں پر چل رہا ہے۔

افسوس ہے کہ مجھے ایسا تیر بہدف شفا بخش تو نہ مل سکا لیکن ایک بہر ملاقات قسم کا تعارف ضرور ہو گیا۔ کچھ زمانے میں [illegible] صاحب
کچن کے مالک تاجر صاحب کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔ اگرچہ اب مرحوم ہو چکے تھے لیکن جب زندہ تھے [illegible] صاحب [illegible] خوب [illegible]
[illegible] گئے تھے لیکن اس [illegible] کے [illegible] کے [illegible] زندگی [illegible] سامنے [illegible]
[illegible] صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا [illegible] بدولت [illegible] کے [illegible]
[illegible] ہے۔ آوارہ [illegible] ہوں۔ اگر آپ کی [illegible] ہو جائے تو بیڑا پار ہو جائے۔ اس کے [illegible] ایمانداری کی تمام [illegible]
[illegible] ہے۔ اس کے بعد ایک [illegible] کر لیے۔ [illegible] کو محفوظ [illegible] ایمان [illegible]
[illegible] ہوں [illegible] ضرورت استعمال کرتا ہوں۔ [illegible] استعمال کر [illegible] ہوں۔ اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے [illegible]
[illegible] ہوں۔ [illegible] آپ سے [illegible] کہ مجھے ایماندار [illegible] کی ضرورت ہے۔ دراصل مجھے [illegible]
ایمان کی ضرورت ہے۔ [illegible] داستان کی ضرورت ہوتی ہے [illegible]
میں [illegible] کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کام آپ کے بس کا نہیں۔

اس کے بعد [illegible] کی [illegible] اور میں [illegible] کے [illegible] رہی ہیں۔

بہت [illegible] ہو کر وہاں سے نکلا [illegible] سڑک پر [illegible] کہ ایک فرشتہ [illegible]
سے [illegible] فرشتوں کا خیال آیا [illegible] اس معاملے میں فرشتوں سے مدد [illegible]
[illegible] فرشتوں کی [illegible]۔ لیکن معلوم ہوا کہ
[illegible] ضرورت [illegible] واپس [illegible] ہے۔ [illegible] مسلمان کے
[illegible] کے کام [illegible] ہو گا۔ اب مجھے [illegible] فرشتوں کی [illegible]۔ لیکن معلوم ہوا کہ
[illegible] اور [illegible] معروف ہیں کہ بات کرنے کی بھی فرصت نہیں۔ [illegible]
فرشتوں [illegible] سے [illegible]
واپس [illegible] کی خدمت میں [illegible] کہ [illegible]
[illegible] قیامت سے قبل قیامت [illegible] اٹھا [illegible]
[illegible] کتاب [illegible] ہے۔ [illegible] اور [illegible]
[illegible] بالکل [illegible]۔

اب باقی ہے [illegible] اس سے [illegible] کی [illegible] نہ تھی۔ [illegible]
[illegible] کی [illegible]۔ بقول غالب

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

ولایتی انشائیہ:- از۔ نا۔سی۔ پیچرڈکے

ترجمہ۔ نور پرکار

چھتری

میں اپنی گیلری میں کھڑا اُس بچے کو دیکھ رہا تھا۔ جب موسلادھار بارش ہو رہی تھی ہر کوئی اپنی چھتری کو بندوق کی طرح اپنے کاندھے پر رکھے بھیگتا ہوا بہت آہستہ آہستہ چلتے ہوئے۔ [illegible] بہت سارے لوگ اور بچے بھی رفتار سے بھاگ کر واپس ہو رہے تھے [illegible] ایک ایک [illegible] جیسے برسات کی [illegible] جاتا ہو ایسا لگتا تھا [illegible] مگر میری چھتری صحیح و سالم اسی حالت میں میرے کاندھے پر رہی۔ چھتری کی ضرورت تو تھی، مگر اُس کا استعمال ضروری نہیں۔

ذرا اپنی نظر رفتہ کو آواز دیجئے۔ کیا بچے کی طرح آپ بھی اپنے بچپن میں بھیگتے نہیں گئے تھے اور جب کسی شخص نے آواز دی تو کہا تھا چھتری کھول لو۔ تو آپ نے یہ کہہ کر نہیں ٹالا کہ چھتری کا کپڑا پھٹ گیا ہے۔ اتنا ہی نہیں، اس جگہ [illegible] آپ کے سر [illegible] لاتے ہوئے بہتر ہے اس کا کپڑا نہ کھولا جاتا۔ اور اگر آپ نے یہ نہیں کیا تو میں یہ کہوں گا کہ آپ بچے نہیں تھے۔ آپ کا بچپن سرے سے آیا ہی نہیں۔ [illegible] بڑے ہو گئے جوان ہو گئے۔ بچپنے میں [illegible] چھتری کا کیا واسطہ! چھتری کی ضرورت تو ہوتی ہے۔ مگر بارش اور دھوپ سے بچنے کے لئے نہیں اس کا استعمال صرف دل کے بہلاوے کیلئے کیا جاتا ہے۔

اگر آپ کے پاس چھتری ہے تو کرکٹ جیسا کھیل کھیلا جا سکتا ہے۔ [illegible] بیٹ کے بجائے اس چھتری سے گیند کو اچھالنے میں جو لطف حاصل ہے۔ [illegible] آپ نے چھتری کو [illegible] لگا لیا [illegible] لطف ہے جو کہ فرسٹ کلاس میچ [illegible] حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کسی بچے نے آپ کا مذاق اڑانے کی کوشش کی تو چھتری کا [illegible] چھتری کے آگے کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ [illegible] چھتری کو اپنے ہاتھوں میں [illegible] محسوس ہوا کہ وہ [illegible] چھتری [illegible] ایک گز [illegible] ہوا۔

گرمی کی تعطیلوں میں [illegible] چھتری کا [illegible] ثابت ہوتی ہے۔ [illegible] ڈالی میں پھنسایا جائے اور [illegible] لوگوں کی نظروں اور [illegible] ایک چھتری اور دو پاؤں والی ہیں۔ میرے پاس ایک چھتری ہے اور اس کے پاؤں [illegible] ہوں۔ [illegible] محسوس کرتے ہیں۔ شاید اسی لئے چھوٹے بچوں کو چھتری زیادہ پسند ہے۔

[illegible] استعمال ہمیشہ [illegible] کرتے ہیں [illegible] نہیں کہا جا سکتا۔ شاید آپ جانتے ہیں۔ البتہ [illegible] مناسب سمجھتا ہوں [illegible] کیلئے چھتری کا استعمال نہیں کیا؟ [illegible] بارش سے زیادہ [illegible] کے لئے چھتری کا استعمال نہیں کرتی؟ [illegible] کے لئے [illegible] استعمال کرنے والوں [illegible] انکار کیا جا سکتا ہے۔ [illegible] البتہ

شاعر بیگا

جب ... [illegible] ... اور ... [illegible] ... تب ... [illegible]
... [illegible] ... سب سے اونچی جگہ ... [illegible] ... ہے جہاں سے ہم
... [illegible] ... نہیں رہ سکتے ... [illegible] ... کا نام ... اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ تم ... کس کو
تو میں صاف صاف کہہ دوں گا ــــــ " چھتری ! "

اس چھتری سے ایک ... [illegible] ... کیا جا سکتا ہے۔ البتہ ... [illegible] ... ہاں - ہاں ... [illegible]
... نہیں ہوں گے اگر آپ ... [illegible] ... پر چھتری کے نیچے ... [illegible] ... کوئی چھتری ... [illegible]
... [illegible] ... کی طرف ... [illegible]
... [illegible] ... دونوں ... [illegible]
... [illegible] ... ساحل پر ... [illegible] ... چھتریاں ... [illegible]
... [illegible] ... دوسری چھتری کی طرف ... [illegible] ... کسی ملک ... [illegible]
... ان چھتریوں اور ان کے نیچے بیٹھے ... عاشقوں کی طرح میں بھی ایسی ہی کسی چھتری تلے تمہارے ساتھ ... [illegible]
... جاتا ہوں۔

کہتے ہیں کئی لوگوں کو قسم قسم کی چھتریاں خرید کر جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ مگر ایسا آدمی ابھی تک میری نظروں سے نہیں گزرا ...
... [illegible] ... ایسے بہت سارے لوگ میری نظروں سے گزرے ہیں ... [illegible] ... کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ
... [illegible] ... ہو سکتا ہے ... [illegible] ... جہاں ... [illegible] ... چھتری ... [illegible] ... میرا اندازہ
... [illegible] ... چھتریاں ... [illegible]
... [illegible] ... ایک ... کا ساتھ چند دن سے زیادہ ... نہیں ... [illegible] ... چھتری کی کیا ... [illegible]
... [illegible] ... چھتری کے ایک کونے میں اپنا ... نام ... [illegible]
... رنگ سے ... [illegible]

کچھ ... [illegible] ... چھتری کی دکان ... کی چھتریاں اگر اپنی ... [illegible]
... [illegible] ... ایک کہے گی ... [illegible]
... [illegible] ... کے ہاتھوں میں ... [illegible] ... میرا مالک ... [illegible]
... [illegible] ... تیسری ... [illegible]
... [illegible] ... کیسے کیسے لوگ ... [illegible]
... [illegible] ... ایک ... ساتھ ... لوگوں کے ساتھ ... ہیں۔

چھتری ... [illegible] ... کے قابل ... [illegible] ... بادشاہوں کی نشانی تھا ...
... بادشاہ ... [illegible] ... کوئی چھتری ... ہو سکتا ہے۔ ... [illegible]
... اپنی زندگی کے ... [illegible] ... حکومت ... [illegible]
... [illegible] ... اس کا کیا ثبوت ہے؟ تو میں ... [illegible]

ــــــ چھتری !

عبدالرب صدا سیونوی

غزل

یادوں کا سینہ چھلنی ہے، چھالے دیکھے بھالے کون
چارہ گر سب ہار چکے ہیں غم کی پھانس نکالے کون
دل کے ظلمت خانے میں اک آہ غنیمت ہے یارو
شمعِ اُلفت بجھ جائے تو پھیلائے اُجالے کون؟
جب چاہے یہ رُسوا کر دے جو چاہے الزام یہ دے
یہ دُنیا ہے، اِس دُنیا کے مُنھ پر تالے ڈالے کون!
اُلفت کی تحریکیں تو ہیں منسوبوں کی دنیا میں
لیکن ایک سوال ہے یہ بھی درد جگر میں پالے کون؟
اپنی آگ میں جلنے والو، درد پرایا کیا جانو
میرے غم سے کیا مطلب! تم اِس پر ہنسنے والے کون!
ساحل پر اک بھیڑ لگی ہے طوفانوں کی گھاتوں میں
ایک سے ایک یہ پوچھ رہا ہے پہلے کشتی ڈالے کون؟
ابھی کنگال نہیں ہے، موتی کا بھی کال نہیں
ن صدا صحرا کو چھانے، اور دریا کو کھنگالے کون؟

قیصر صدیقی سمستی پوری

غزل

کتنے عجیب کتنے نرالے ہوئے ہیں لوگ
تہذیبِ نو کی گود کے پالے ہوئے ہیں لوگ
انساں کی دید کو مری آنکھیں ترس گئیں
چہرے پہ اک نقاب سی ڈالے ہوئے ہیں لوگ
ماضی نے جز فریبِ وفا کچھ نہیں دیا
ماضی کی لاش پھر بھی سنبھالے ہوئے ہیں لوگ
خونِ جگر دیا ہے ہمیں نے بہار کو
پھر بھی ہمیں چمن سے نکالے ہوئے ہیں لوگ
جس کی چمک پہ لُٹتی ہیں بہو کی جوانیاں
اس "مہرِ نو" کے پوجنے والے ہوئے ہیں لوگ
سرکش جہاں ہوئے ہیں اندھیروں کے لاڈلے
پیدا وہیں سحر کے اُجالے ہوئے ہیں لوگ
قیصر ملے تو کیسے ملے منزلِ نشاط
جب خود ہی پائے شوق کے چھالے ہوئے ہیں لوگ

مکتوبات

انجم آرا انجم ——— معرفت فضل الرحمٰن صاحب، مقابل مسجد امیر نشان۔ علی گڑھ

۔ نگار کے سالنامہ ۱۹۶۳ء میں لطف الرحمٰن صاحب کا مضمون "ہندی ڈرامہ اور ارسطو کی بوطیقا" نظر سے گزرا۔ اس کے بعض نکات کی طرف صاحب مضمون کی توجہ مبذول کرانا میرا مقصد ہے۔

مضمون کے آغاز کی چند سطور ابھی درست ہیں کہ سنسکرت ڈرامے اسٹیج کے لئے لکھے گئے تھے اور شکنتلا بھی کھیلا گیا تھا۔ یہ کہنا کہ شاید کالی داس کے ڈرامے پڑھنے کیلئے نہیں بلکہ اسٹیج کیلئے لکھے گئے جس کی وجہ سے انہیں کامیابی نصیب ہوئی اسٹیج کی کامیابی ڈرامہ کی زبردست دلیل ہے جس کی تائید لطف الرحمٰن صاحب نے اپنے مضمون میں خود کی ہے۔ کامیاب ڈرامہ نگاری ایشیا سے نکلے ہیں اور اسٹیج کی کا یہ بیان کہ بات مناسب نہیں کہ سنسکرت ڈراموں کو شیکسپیئر کے ڈراموں کو ماتحت جانے [illegible] ڈرامے ہی لکھے گئے ان میں [illegible] کالی داس کا ہاتھ بالکل [illegible] اور خوبصورت ہے [illegible] اسٹیج کی کامیابی کے لحاظ سے بلکہ ادبی حیثیت کیلئے مسلّم ہیں۔ ان ڈراموں میں فکر کی جابجا [illegible] بیان کی شگفتگی، زندگی کے گہرے [illegible] تجربات اور اخلاقی اصلاح کے ایسے نمونے ہیں جن سے کوئی مغربی ڈرامہ [illegible]

ارسطو نے ٹریجڈی کے سلسلے میں وحدت زمان و مکان کا ذکر کیا ہے۔ وحدت عمل اور وحدت زمان کا۔ [illegible] وحدت عمل پر [illegible] چونکہ [illegible] ڈرامہ کا انحصار اسی پر ہے۔ وحدت زمان کی طرف وہ صرف اشارہ کرتا ہے۔ [illegible] کوشش کرنی چاہیئے کہ [illegible] [illegible] اس کے قریب قریب ہو [illegible] کا پابند ہے [illegible] کے بارے میں ارسطو کے یہاں کچھ نہیں ملتا۔ [illegible] اور [illegible] سے منسوب کرنا غلط ہوگا۔

موصوف لکھتے ہیں "ہر چند کہ یہ تینوں وحدتیں ڈرامہ میں موجود نہیں [illegible] سے کامیاب نہیں ہوسکتا" جس طرح یہ بات کہی گئی ہے اس [illegible] صاحب مضمون کا ہے۔ درست یہ ہے کہ اس بات کو تسلیم کرنے کے باوجود شیکسپیئر [illegible] [illegible] یہ ہے کہ [illegible] ڈراموں کی کامیابی [illegible] [illegible] ممکن نہ ہو [illegible] کوئی التزام نہیں رکھتے [illegible] صاحب مضمون خود [illegible] [illegible] انہیں کی تصنیف [illegible] کرتے ہیں [illegible] ڈرامے میں وحدت عمل کو بہت زیادہ اہمیت حاصل [illegible] ڈرامہ نگار کی خواہش اور منشا پر منحصر ہے کیا یہ کھلا ہوا تضاد نہیں ہے۔

موصوف نے [illegible] سے پہلے ڈرامہ نگاری کی [illegible] کا ذکر کیا ہے۔ [illegible] ڈرامہ [illegible] میں [illegible] میں ایک طرح سے شمار کیا گیا۔

(۲) دوسرا دور [illegible] کا ہے جو [illegible] سے پہلے تک [illegible] ڈرامے پیش کرتا رہا۔

(۳) تیسرا دور [illegible] میں [illegible] گیا ہے۔

(۴) اس کے بعد [illegible] کا دور آتا ہے۔

[illegible] کے [illegible] ڈرامے [illegible] جو [illegible] اسٹیج کی زینت بنے [illegible] میں کون سا ڈرامہ کھیلا گیا؟

[illegible] ڈاکٹر عبدالعلیم نامی [illegible] اردو ڈرامہ کی ابتدا [illegible] نہیں [illegible] تحقیق [illegible] ڈرامہ [illegible] جس کا سبب تحقیق کا پہلو تشنہ ہی رہ گیا ہے۔

ملہ ارسطو کی کتاب [illegible] کا ترجمہ بوطیقا — عزیز احمد بی۔ اے (لندن)، انجمن ترقی اردو، دہلی۔ [illegible]

ملہ: [illegible] ڈاکٹر عبدالعلیم نامی۔ انجمن ترقی اردو پاکستان۔ اردو روڈ کراچی۔ ۱۹۶۰ء

[illegible]

[illegible] اُردو [illegible] کی [illegible] ہوا۔ [illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کیا گیا۔

عبد الرحمٰن خاور ——— ماہنامہ . [illegible] سال . راولپنڈی (ریٹائرڈ)

[illegible] صاحب کے انتقال کی خبر [illegible] ہوا۔ [illegible] تمام اردو والوں کا [illegible] ہے [illegible]
[illegible]
[illegible] ہیں۔

[illegible] آپ نے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] سکتی ہے !!

سعید احمد اکبرآبادی ——— صدر شعبۂ سنی دینیات . علی منزل . ذکی روڈ . علیگڑھ .

ابھی ابھی [illegible] والد صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر معلوم کر کے [illegible] رنج ہوا [illegible] عالم [illegible]
[illegible] لیکن آپ کی [illegible]
[illegible] جائیں گے۔ آخر غالب نے کیا خوب کہا ہے ؎

صبر کرتے ہی بنے گی غالب ——— واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

آپ کی [illegible] کے لیے عزم و استقلال [illegible]
[illegible] کی مثالیں کم ہی ملیں گی۔

دعا ہے کہ [illegible] اور اس حادثۂ جانکاہ پر بھی صبر آپ کا
رفیق ہو۔ آمین۔

میری اور [illegible] کی طرف سے [illegible] ۔ میں [illegible] کروں گا۔

مظہر حسین صدیقی ——— [illegible] کراچی

[illegible] ایک ہفتے سے [illegible] عالم ہے [illegible]
[illegible] آپ اپنا [illegible] آخری وقت ہے

۱۔ اردو [illegible] انجمن ترقی اردو پاکستان . اردو روڈ کراچی . ص ۱۹۱ - ۱۹۲

۲۔ [illegible] ص [illegible]

۳۔ " " " [illegible] حصہ اول، تعلیم پریس لکھنؤ [illegible] ص ۱۱۱

ایک [illegible] ہی [illegible] سے [illegible] نصیب نہیں ہو سکتی ہیں۔ [illegible] [illegible] میں [illegible] ہے۔
[illegible] ماہر جمال آسکے۔

(۱۱ اور [illegible] ۔ [illegible])

فضیل جعفری ———— [illegible] ورنمنٹ [illegible] اور [illegible] ۔ اورنگ آباد

• شاعر کا سالنامہ [illegible] کم ضخامت کے باوجود [illegible] ہے۔ آپ [illegible] لکھنے والوں کو [illegible] [illegible] ہے [illegible] کی [illegible]
کے [illegible] ہی [illegible] ہوگی۔

سالنامہ میں شائع شدہ کچھ چیزیں پسند آئیں اور کچھ ناپسند۔ چاہتا تھا کہ بعض مضامین کی خامیوں کی طرف اشارہ کروں مگر طبیعت پر [illegible]
[illegible] سے [illegible] کہ [illegible] دور کے شاعر اور ادیب کچھ ایسی [illegible] میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ [illegible] سے [illegible] کی [illegible] ان کے
[illegible] ہوتی ہے۔ [illegible] [illegible] کی [illegible] ہے۔

(دیگر پھر ادب کی حیرت کے لئے کیا ہوگا ؟! — ادارہ)

محمود ہاشمی ———— ۱۲۱۱۔ بلیماران دہلی ۶

آپ کے خط سے تازہ شمارہ [illegible] زبان [illegible] صاحب کے انتقال پر ملال کی خبر معلوم ہوئی۔ [illegible] کہ اس موقع پر آپ پر کیا بیتی ہوگی
[illegible] کے [illegible] کے [illegible] [illegible] ہے [illegible] کتنے دل [illegible] دینے والے [illegible] سامنے آئے [illegible]
[illegible]۔ آپ کا [illegible] اختیار [illegible] گئے۔

[illegible] سے [illegible] ہو سکا۔ [illegible] آپ نے [illegible] اور [illegible] اٹھائے ہیں۔ [illegible] [illegible] ہیں۔ اگر
ہم [illegible] نہیں ہو سکے لیکن آپ کی ہمت و جرأت پر رشک کرتے ہیں۔ آپ کی شخصیت [illegible] تمام مسائل کی [illegible] ہے۔ جن کا تعلق ہندوستان
[illegible] لسانی اور ادبی موضوعات سے ہے۔ آپ ہر [illegible] مسئلہ سمجھتے ہیں۔ اسی لئے پچھلے دنوں آپ کی نظموں میں ہندوستان [illegible]
[illegible] نظر آتی ہے۔

[illegible] شاعر [illegible] کہ [illegible] ادب [illegible] زیادہ [illegible] شائع ہوتے رہیں [illegible] آپ [illegible]
[illegible] آئے۔ [illegible] کا [illegible] پسند آیا۔ [illegible] لوگوں کو [illegible] کرتے [illegible] کی [illegible] سے [illegible]۔
[illegible] زندگی [illegible] شاعر کا [illegible] بنا لینا چاہیئے۔ میرا خیال ہے کہ [illegible] اور تازگی [illegible] میں [illegible] ادیب
[illegible] پسند کرتے ہیں۔ [illegible] ان کے مسائل سے تو [illegible] کو [illegible] بنا لیا ہے اور [illegible] ہو۔ [illegible] ہیں۔

پروفیسر حامدی کاشمیری ———— [illegible] کالج۔ سرینگر (کشمیر)

شاعر کا سالنامہ [illegible] شکریہ! [illegible] کہ [illegible] طبیعت [illegible] ہو گئی۔ اس بار [illegible] معیار کے مطابق [illegible]
اس [illegible] چیزوں کو شامل کیا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں ایک [illegible] مدت سے شاعر کی [illegible] رہا ہوں [illegible] یہ ہے کہ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کیلئے اپنے تحقیقی مقالے کو مکمل کر رہا
[illegible] شکر ہے کہ میں یہ مقالہ مکمل کرنے میں کامیاب ہوا ہوں [illegible] کے [illegible] ہیں۔ [illegible] ایسے [illegible] نہیں دیا۔ [illegible]
[illegible] مجھے [illegible] کہ [illegible] یونیورسٹی میں پیش کر رہا ہوں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے اردو نظم پر [illegible]
اثرات کے موضوع پر کام کیا ہے۔

عبدالعزیز خالد ———— ۸ "المسکین" ۸ [illegible]۔ پی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس۔ کراچی ۲۹ (پاکستان)

سالنامہ [illegible] کا شمارہ ملا۔ یاد فرمائی کا تہ دل سے شکریہ
والدہ مرحومہ کے غم میں [illegible] کو [illegible] شریک خیال فرمایئے۔ خدائے تعالیٰ مرحومہ کو جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ لوگوں کو

ف: مرحومہ [illegible] سب سے بڑی [illegible] ہندوستان میں [illegible] [illegible] شام کو انتقال ہوا۔ ۳ [illegible] [illegible]

شاعری

استفسارات۔ حضور آپ کا شمارہ ملا۔ [illegible] آپ نے کتنی مشکلیں اور پریشانیاں جھیلیں اور پھر آپ ہی کا حوصلہ ہے کہ [illegible] ہر ماہ بلا ناغہ [illegible] منتظر رہا ہوں [illegible] ہو گئے ہیں۔

نسیم مظفرپوری ——— ریزرو بینک آف انڈیا، پوسٹ بیگ نمبر ۹، پٹنہ۔ (بہار)

شاعر کا تازہ شمارہ دو روز [illegible] مظفرپور میں ہی دیکھا ہوں۔ آپ کے ادارے کے متعلق اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ [illegible] کی حیثیت سے میں کی کتب مقالات [illegible] اور [illegible] اور قرابتا آل کی نظمیں بہت اچھی ہیں۔ [illegible] کی غزل مجھے سب سے زیادہ پسند آئی۔ [illegible] یہ اشعار ـــ

خون دل خون جگر مانگ رہا — اپنا گلشن ہے سنوار جاؤ دو
اور بھی کچھ ہے سکتے کام — حسن طرف ملائے نظر جاؤ دو

افسانوں میں فیض الحسن کا ترجمہ اچھا ہے۔ سید منظور الامین کا افسانہ ۔ [illegible] ایک اچھا افسانہ ہو سکتا تھا اگر وہ اس کے اختتام پر عجلت نہ [illegible]۔ پھول ہے [illegible] قیمت ہے۔ [illegible] کا موضوع کوئی نیا نہیں۔ [illegible] سے قاری اس افسانے کا انجام پہلے سے معلوم ہو جاتا ہے۔

فیض الحسن ——— معرفت ایس۔ اے۔ چوہدری، سپرنٹنڈنگ انجینئر، [illegible] پروجیکٹ۔ پورنیہ، بہار

حصہ نثر میں سید حبیب الرحمن [illegible] کا مقالہ رنگوں کا [illegible] پس منظر خوب ہے۔ آندھرا پردیش میں اردو موقف پڑھ کر تو طبیعت خوش ہو گئی۔ کاش! حیدرآباد کی طرح بھارت کے اور صوبوں میں بھی اردو علاقائی زبان تسلیم کر لی جاتی۔ جہاں اردو کا جائز حق ہے۔ سید منظور الامین کی کہانی بھی پسند آئی۔

——— بقیہ :۔ چاند کی کہانی ۔ صفحہ ۶۰ سے آگے ———

اس طرف دیکھا ہی جاتی ہوگی۔ [illegible] میں یا دنیا میں مصروف ہوگا۔ [illegible] اللہ میاں کو رحم آیا یا کسی فرشتہ کا دل پسیجا۔ ایک مدہم آواز آئی آنکھیں بند کر لو۔ آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ پھر آواز آئی۔ آنکھیں کھول دو۔ آنکھیں کھولیں تو خود کو چاند کی دنیا میں پایا۔ لیکن دیکھا کہ اس دنیا میں بھی کچھ [illegible] ہے۔ [illegible] میں نے ایک ایک سے پوچھا لیکن کسی نے [illegible] دیا۔ [illegible] تک نہ کی۔ آخر میں نے ایک بزرگ سے کہا کہ میں [illegible] سے آیا ہوں جہاں [illegible] رہتا ہے جو اشرف المخلوقات ہے اور حسن کی [illegible] ہے۔ ان بزرگ نے مجھے سر تا پا اس طرح دیکھا جیسے میں انسان نہیں کوئی خطرناک شے ہوں۔ [illegible] بالکل بے خبر [illegible] خود انسان سے بھاگ کر یہاں آ گئے [illegible] تم بھی [illegible] ہو۔ تمہاری انسانیت [illegible] بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ [illegible] ظلم، حق تلفی، بے انصافی، [illegible] فساد، خونریزی، جنگ و جدل اور رنگ و نسل کے جھگڑے [illegible] کہ ہماری دنیا [illegible] ہے [illegible] انسانیت [illegible] تم [illegible] کر رہے ہو لیکن [illegible] ہماری دنیا میں [illegible] کے درمیان کا خلا [illegible] کرنے کی کوشش [illegible] اپنی [illegible] سائنس کے [illegible] دنیا سے [illegible] کرے۔ [illegible] چاند کی داستان [illegible] ہو چکی تھی۔

سائنسدان کہتے ہیں کہ چاند میں آبادی نہیں ہے۔ لیکن اس کی حقیقت آج تک کسی کو نہیں معلوم۔
چاند کی ویرانی دیکھ کر میرا دل بھی گھبرایا اور بقول غالب مجھے بھی ؏
دشت کو دیکھ کر گھر یاد آیا ـــ

ادارہ: —— محفل اپنی ....!

یہ تازہ "شاعر"

کئی اعتبارات سے "شاعر" کا یہ تازہ شمارہ پچھلے شمارہ سے زیادہ جاذبِ نظر ہے۔ پچھلا شمارہ کتابت و طباعت کے اعتبار سے کچھ گرا ہوا تھا علاوہ ازیں وہ ۱۴۴ صفحات کا تھا اور یہ پورے ۲۰۰ صفحات کا ہے۔ گذشتہ سال سے شاعر کے ۲۰۰ صفحات مستقل کر دیئے گئے تھے۔ اس کے باوجود منتخب مضامین کے لئے حجم بہت کم معلوم ہوتا تھا اور ارادہ تھا کہ شاعر کو تھوڑی سی قیمت کے اضافہ کے ساتھ اتنے صفحات پر نکالا جائے لیکن دیکھا یہ گیا کہ ہر چیز کا بھاؤ آسمان پر پہنچ گیا۔ اخبار کا کاغذ بھی بہت مہنگا ہو گیا۔ اب سات روپیہ سالانہ چندے اور اس آٹھ آنے فی کاپی میں ۲۰۰ صفحے کا پرچہ نہیں دیا جا سکتا جس میں عام رسائل سے زیادہ مواد ہو اور جس کی کتابت و طباعت بھی اچھی ہو۔ گذشتہ شمارہ ۱۴۴ صفحات کا پیش کیا گیا تھا لیکن اس نے مطمئن نہیں کیا۔ بہرحال یہ بہت اہم سوال ہے کہ آیا "شاعر" کا حجم کم کیا جائے یا اس کی قیمت میں اضافہ کیا جائے۔

چونکہ یہ شمارہ پورے ۲۰۰ صفحات کا ہے، اس لئے اس میں بہت کافی مضامین، نظم و نثر شامل کئے گئے ہیں۔ اس بار مندرجات کی ہر چیز اہم ہے "سحر سیاب" میں ایک گم شدہ کتاب کا جائزہ ہے۔ "ایک طرزِ نو میں نیا لہجہ" نفسیات کا علم و ادب سے کیا گہرا تعلق ہے، کی زندگی ہے۔ "راہِ حق" تحقیقی مضمون ہے اور اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ ہم دونوں کیسی بلند پایہ نادر زبان کے شاعر تھے۔

جدید تر نسل کے اہم شعراء کو ایک تسلسل کے ساتھ "شاعر" میں پیش کرنے کے متعلق بہت دنوں سے سوچا جا رہا تھا۔ اس بار ایک ایسے ہی شاعر نے خود اپنے فکر و فن پر روشنی ڈالی ہے۔ پرکھنے والا کیا کہتا ہے اور کچھ اپنی جھلک دیتے ہیں، اسی ذیل کے مضامین ہیں۔

"اردو افسانے کا ارتقاء" ڈاکٹر اعجاز حسین کا ایک اہم مقالہ ہے۔ اس میں کرشن چندر کے متعلق بھی ایک معیاری انداز کا سوال دہرایا ہے۔ یہ المیہ ضرور ہے کہ کسی فنکار کا معیار یکساں نہیں رہتا۔ کرشن چندر اس قسم کی باتیں اب غیر فنی بنتی جا رہی ہیں۔ اس کے پس پشت بہت سے اسباب ہیں۔ یہ موقع ان کے اظہار کا نہیں ہے۔ کرشن چندر کا فن بہرحال تجزیہ طلب اور مستقل ہے۔

اس بار ایک مراٹھی زبان کا انشائیہ "مچھری" اور مشہور روسی افسانہ نگار میخائیل شولوخوف کی کہانی کا ترجمہ "لازوال تبسم" بھی قارئین کو پسند آئے بغیر نہ رہے گا۔ طنز و مزاح کے ذیل میں "چارہ گر کی کہانی" لطف دے گی اور طبع زاد افسانوں میں "تیدری نقطہ" اور "یہ سادہ دل بندے" قارئین کو بہت متاثر کریں گے۔

اس شمارہ کی نظموں، غزلوں اور قطعات میں فکر کی توانائی اور فکر و فن کی بلندی ملے گی۔ ان میں سے بعض میں بلا کا موضوعاتی تنوع اور نیا پن ہے۔

شاعر کا آئندہ شمارہ بھی کئی اہم تخلیقات لے کر آ رہا ہے۔ شاعر کے خوش ذوق قارئین انتظار فرمائیں۔

توسیعِ اشاعت کی مہم

کسی مہم کو سر کرنے کے لئے بڑی توجہ اور سرگرمی کی ضرورت ہے۔ شاعر کی توسیعِ اشاعت کی مہم میں ابھی وہ گرمی پیدا نہیں ہوئی ہے۔ بہرحال جو اردو دوست اور شاعر نواز اس میں حصہ لے رہے ہیں وہ نہ صرف ادارۂ شاعر بلکہ پوری اردو دنیا کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

۱	جناب بدیع الزماں خاور	(دھاولی)	۴	خریدار
۲	جناب آغا رشید مرزا دہلوی	(کلکتہ)	۴	"
۳	جناب نسیم گوالیاری	(احمدآباد)	۶	"
۴	جناب متین سروش	(پونہ)	۲	"
۵	جناب شیخ مجتہدی	(احمدآباد)	۱	"
۶	جناب جیون لعل گوہر	(مہو)	۱	"
۷	جناب ظفر شمیم	(کلکتہ)	۱	"
۸	جناب یعقوب راہی	(بھاؤ)	۱	"
۹	اشرف سعودی صاحب	(بنگلور)	۲	"

"شاعر" ہندوستان کا وہ ادبی ماہنامہ ہے جسے ہم دوسری زبانوں کے رسائل کے مقابلے میں پیش کر سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اردو کے شیدائی اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں۔

شاعر

نقد و نظر

(تبصرہ کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

چند ادبی مسائل

از ——— پروفیسر شاہ مقبول احمد ایم اے

شاہ مقبول احمد صاحب شعبۂ اردو مولانا آزاد کالج کلکتہ سے متعلق ہیں اور اردو زبان و ادب کے مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ کتاب کے نام سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ادبی مسائل کے متعلق کوئی علمی یا نظریاتی مباحث ہوں گے لیکن یہ بات ہے کہ اس میں فاضل مصنف کے کئی دو چار مختلف مضامین ہیں مقالات کا تعلق بنگال میں اردو یا ہندوستانی مباحث کا نام دیا ہے۔ زبان کی ہندی جاری رہی۔ بہار کے چند شعراء و بیان کا ذکر ہے اپنے مضامین ہیں۔ پہلا مضمون اردو زبان کی ... ہے۔ حالانکہ مرحوم کے افسانے ... لیکن یہ الہام ہے۔ اس میں تاریخی ترتیب کا گزر ہو گئی ہے اور بعض مسائل کا اساس بہت سی مضمون الجھ کر رہ گیا ہے۔

اس کے بعد صاحب مقالہ لسانی مضامین میں سے ایک مضمون بہار کے چند مشہور بیانی محاورے سے ہے جو مصنف کا ایک عنوانی ہے۔ مصنف کے محاورات کی جو ایک بڑی تعداد دی ہے اور بعض بیانی محاورے ہیں جو اضلاع بہار میں ہیں ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے شہروں اور قصبوں میں بھی بولے جاتے ہیں بعض بلا تغیر اور بعض تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ۔ اس موضوع پر اگر کام کیا جائے اور تمام صوبوں کے محاوروں کا تقابلی مطالعہ ہو تو بڑے اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

کتاب کے بقیہ مضامین کلکتہ کے ادیب و شاعر سلیم عظیم آبادی، داستانِ امیر حمزہ، ہماری ماحول اور اردو ادب، جمیل مظہری کے بعض افکار، میر تقی میر کی شاعری کے بعض پہلو کا جائزہ ہیں۔

کتاب کی ضخامت ۲۰۰ صفحات ہے۔ ادارہ کا پتہ چھاپی گئی ہے۔ قیمت دو روپے ہے۔ ملنے کا پتہ مکتبہ "منظم" سبزی باغ پٹنہ ۴

(۱) **یادگارِ جگر**

(۲) **نگارشاتِ جگر**

از ——— **محمد اسلام**

محمد اسلام صاحب نے جناب جگر مرادآبادی کی شاعری پر مقالہ لکھا ہے اس سے پہلے الہ آباد کی ایک ادبی انجمن سے جگر کے منظوم شائع ہوا تھا مگر انہوں نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔

(۱) یادگارِ جگر میں جگر مرادآبادی مرحوم کے وہ اشعار جمع ہیں جو شعلۂ طور، آتشِ گل یا داغِ جگر میں شامل نہیں تھے۔ اشعار کو خود جگر صاحب نے حذف کر دیا تھا یا دوسرے رسائل میں چھپ گئے تھے۔ ایسے اشعار کے علاوہ بعض نظمیں اور مرثیے بھی ہیں جو احباب اور معتقدین کی بیاضوں میں تھے۔ کچھ کلام خطوط اور رسائل میں تھا۔ محمد اسلام صاحب نے بڑی تلاش اور جستجو سے یہ سب جمع کیا ہے۔ اس سے قطع نظر اس میں معنوی اعتبار سے کوئی خاص بات نہیں ہے: اشعار، نظمیں اور غزلوں کی تعداد اتنی ہے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا صرف جگر کا گم شدہ کلام جمع کر دیا گیا ہے بلکہ ان کے مجموعوں سے نکال کر حاشیے میں تبدیلیاں اور دوسرے امور کے متعلق مفید حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔ کچھ بیانات کے عنوان سے کتابوں، خطوط، غزلوں اور رسائل کی تفصیل ہے۔

۱۲۶ صفحات۔ قیمت دو روپے

(۲) نگارشاتِ جگر — اس کتاب میں محمد اسلام صاحب نے جگر مرادآبادی کی وہ نثری تحریریں جمع کی ہیں جو شعر و شاعری کے بارے متعلق ہیں یا تقریریں، مختصر دیباچے اور مقدمے ہیں۔ با فانی بدایونی، اصغر گونڈوی اور دوسرے نوجوان شعراء کی شاعری پر اظہار خیال کیا ہے۔ جگر صاحب نثر نگار نہیں تھے۔ یہ نثری تحریریں انھوں نے دوسروں کے تقاضوں سے مجبور ہو کر لکھی تھیں اس لئے یہ تبرکات کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کا ایک جگہ جمع ہو جانا جگر مرادآبادی کے نظریات شعری کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

۱۱۱ صفحات۔ قیمت دو روپیہ۔ دونوں کتابیں دانش محل، امین الدولہ پارک، لکھنؤ نے شائع کی ہیں۔

بہادر شاہ ظفر

از ——— منجو قمر زیدالحق

یہ ایک مکمل ڈرامہ ہے۔ جسے آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی کی طرف سے ہندوستان کے اردو ڈراموں میں بہترین ڈرامہ قرار دیتے ہوئے اکیڈمی کی طرف سے انعام دیا گیا۔

اگرچہ ڈرامہ نگار منجو قمر زید الحق کا صرف یہ ڈرامہ کتابی شکل میں

تاثر پیدا کرنے میں صرف اسی انداز تخلیق کا اعتبار حاصل کیا جاتا ہے۔
لیکن ڈرامہ کے پیش لفظ میں مصنف نے جن صفحات میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے پس منظر کا مطالعہ پیش کیا ہے ان میں اس ڈرامہ کی مقصدیت کا ذکر کیا ہے۔ ان تحریروں سے جنگ آزادی کی مکمل تاریخ نہایت دلچسپ انداز میں ہمارے سامنے آتی ہے جس کا احساس ہوتا ہے کہ خود ڈرامہ نگار کی اپنی منصفی کتنا درک سامل ہے۔ ایک ڈرامہ نگار کو تاریخ کے نظری اور عملی دونوں پہلوؤں پر گہری نظر رکھنا اس کے تاریخی تسلسل اور عروج و زوال سے واقف ہونا فن ڈرامہ نگاری کی بنیادی ضرورت ہوتا ہے۔ قمر رئیس صاحب نے اپنے مقدمہ میں اپنے تجربات اور ادبی و علمی وابستگی کا ذکر کیا ہے۔ جس کی روشنی میں ڈرامہ کی تخلیق اور تاریخی پہلوؤں پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ڈرامہ نگاروں اور دیگر کرداروں کے نام اور ان کے خصوصیات اور ان کی تاریخی روشنی ڈالی ہے۔ اسی کے ساتھ ہندوستانی تہذیب و ثقافت کا بھی تاریخی نقطۂ نگاہ سے ذکر کیا ہے۔

اسی طرح دوسرے اہم کرداروں کا بھی ذکر اور ان کی مختصر اور مفصل تشریح کی ہے جس سے ڈرامہ میں عملی اور نظری بصیرت کا ثبوت ملتا ہے۔ [illegible]

جہاں تک ڈرامہ کا تعلق ہے وہ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کی زندگی کا مکمل تصور پیش کرتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر کی قید اور ان کی آخری زندگی کے واقعات کو ڈرامہ میں پیش کیا گیا ہے۔ انہوں نے تاریخی واقعات کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ ضرورت کے مطابق ان کے تمام کرداروں میں اہم رول ادا کیا گیا ہے۔ [illegible] کے مطابق ہیں۔ ڈرامہ میں بہادر شاہ ظفر کے تمام متعلقین اور عزیزوں کا ذکر ہے۔ [illegible] کی فہرست کے علاوہ ایک شاعر کی حیثیت سے ڈرامہ نگار نے [illegible] معلوم ہو جاتا ہے۔ [illegible] بہادر شاہ ظفر اور [illegible] احسن اللہ خاں وغیرہ بھی ہیں۔ [illegible] شیخ محمد ابراہیم ذوق، مومن، آزردہ، داغ، [illegible] ہیں۔

ساتھ ہی شاعر کے ذریعہ نشست و برخاست ہیں۔ ڈرامہ کے [illegible] اور ان کے اعتبار سے خود بہادر شاہ ظفر کی شاعری کے نمونے بھی پیش کئے گئے ہیں۔

ڈرامہ میں بہادر شاہ ظفر کی عمر کے ابتدائی دنوں سے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء تک دکھایا گیا ہے۔ اور یہاں ڈرامہ نگار کو [illegible] ہوتی ہے۔ [illegible] لیکن [illegible] قریب سے [illegible]۔ ڈرامہ میں [illegible] تھی۔ وہ یقیناً ختم ہو گئی۔

تہذیبی اور ڈرامائی اعتبار سے یہ مطالعہ کی چیز ہے۔ ڈرامہ میں [illegible] کی ضرورت ہے۔ اس کی فہرست کی دی گئی ہے جو ایک اچھا عمل ہے جو اسٹیج پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

کتابت، طباعت صاف ستھری اور سرورق بہت اچھا ۱۰۰ صفحات، قیمت دو روپیہ پچاس پیسے۔
ملنے کا پتہ: [illegible] پبلیکیشنز، ملتانی پورہ، [illegible]

متاعِ شوق

از ——— شاغل قادری

شاغل قادری صاحب کا مجموعہ کلام ہے۔ اس مجموعہ میں [illegible] شاغل صاحب کی [illegible] کا مطالعہ کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت [illegible] کلام صاف اور سنجیدہ ہے۔ مجموعہ کے شروع میں نعتیں ہیں، غزلیں۔ درمیان میں حمد، نعت و منقبت کا [illegible] احمد حسن صاحب نے تعارف میں [illegible] منتخب اشعار [illegible] غزل کے چند شعر بطور نمونہ یہاں دیئے جا رہے ہیں۔

کلی کلی کا تبسم چمن چمن کی بہار ، تیرے جمال کا ہر رنگ
قادری [illegible] ، مجھکو [illegible]
[illegible] ، [illegible]
[illegible] ، [illegible]

[illegible]
صفحات ۱۱۰، طباعت اچھی، قیمت [illegible]
ملنے کا پتہ: [illegible]

— بقیہ افسانہ "پسماندہ دل" بقیہ صفحہ سے آگے

ماموں کہاں ہیں؟ وہ سلام کے بعد بولا۔

ماموں! سب سے پہلے ایک سوال کیا۔ پھر سناٹا سا چھا گیا۔

— کچھ دیر کے بعد ایک متزلزل ہوتی آواز میں کہا: "وہ انتقال کر گئے"

"انتقال کر گئے۔" جن کے وہ ماموں تھے کہا گر پڑی اور اس کے ہاتھ سے وہ تھیلی گر پڑی جس میں وہ دو تولے سونا ... کسی دوست سے قرض لے کر جن کو واپس کرنے کیلئے آیا تھا۔ ●●

— بقیہ "اردو افسانے کا ارتقاء" صفحہ سے آگے۔

کمی ہو لیکن افسانہ کے لکھنے والوں میں سماجی شعور موجود ہے بہرحال مختصر اردو افسانے کے ارتقا کے متعلق یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ پریم چند سے اب تک اس نے کافی ترقی کر لی ہے۔ اردو کے چند افسانے عالمی ادب کے دوش بدوش رکھے جا سکتے ہیں۔

نوٹ: ڈاکٹر سید اعجاز حسین شعبۂ اردو مدراس یونیورسٹی نے ... منعقدہ توسیعی لکچروں کے سلسلے میں ... آباد آئے تھے اس موضوع پر ان سے روز تین ... میں اردو افسانے اور اردو زبان کے بارے مسائل پر گفتگو ہوئی تھی۔ افسانہ کی بات جو یک اشاعت ہے۔

علمی - ادبی اور تہذیبی خبریں

خالصہ کالج (دہلی یونیورسٹی) میں راجندر سنگھ بیدی کا استقبال

اردو کے مشہور افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی کو ان کے ناولٹ "ایک چادر میلی سی" پر ساہتیہ اکیڈمی کا ۱۹۶۵ء کا اردو انعام ملنے پر خالصہ کالج دہلی یونیورسٹی کی بزم ادب نے ان کے اعزاز و استقبال میں بڑے پیمانے پر ایک جلسہ منعقد کیا۔ اس موقع پر ان کے ہمعصر اور دوسرے مشہور افسانہ نگار کرشن چندر، ترقی پسند تحریک کے بانی سجاد ظہیر اور شاعر غلام ربانی تاباں بھی موجود تھے۔ جلسے کی صدارت سجاد ظہیر صاحب نے کی جلسے کا افتتاح کرتے ہوئے صدر شعبۂ اردو جناب شہاب جعفری نے مہمانوں کا تعارف کرایا۔ ساہتیہ اکیڈمی انعام کی نوعیت اور اہمیت کا ذکر کیا اور بیدی صاحب کی

رفتار

عظمت اور ان کے فن پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے بعد بزم ادب کے صدر عبدالرحمٰن نائب صدر سلطانہ پروین قریشی سکریٹری محمد خورشید عالم اور بزم ادب کے کنوینر جناب شہاب جعفری نے مہمان خصوصی کو ہار پہنائے۔ بزم کی طرف سے نائب صدر سلطانہ پروین نے سپاس نامہ پیش کیا جس میں کہا گیا کہ آپ کو انعام دے کر ساہتیہ اکیڈمی نے در اصل غلط فہمی کو دور کیا ہے جس کے ہم برسوں سے منتظر تھے۔ تقریباً دو سال قبل اسی بزم ادب نے اظہار عقیدت کے طور پر آپ کی پچاسویں سالگرہ کا جشن منایا تھا۔۔۔ ہمیں آپ پر ناز ہے آپ کو اندر [illegible] اردو [illegible] ہے جس نے اردو کے تخت اور درخت کی صدیوں سے نشو و نما کی ہے۔۔

سپاس نامہ پیش ہونے کے بعد کرشن چندر نے بیدی کے فن پر ایک ادیب کی حیثیت سے جامع تقریر کی۔ اس کے بعد بیدی صاحب نے اپنے افسانوں کے فن کے بارے میں خیالات کا اظہار کیا۔ آخر میں سجاد ظہیر صاحب نے بیدی کی افسانہ نگاری پر تقریر کی۔ جلسے کے اختتام پر جناب شہاب جعفری اور جناب غلام ربانی تاباں نے بیدی صاحب کی فرمائش پر اپنا کلام سنایا۔ جلسے کی کامیابی کے لئے سکریٹری بزم ادب نے پنجابی شعبے کے اساتذہ کا شکریہ ادا کیا۔ طلبہ نے بیدی صاحب کے ساتھ جلسے کا ایک فوٹو بھی کرایا۔

محمد خورشید عالم، سکریٹری بزم ادب

چیلوکن میں اردو پروگرام!

چیلوکن (راجستھان) میں گذشتہ ۲۵ فروری کے روز ڈاکٹر [illegible] کے شعبۂ اردو فارسی کی طرف سے پروفیسر [illegible] کی صدارت میں ایک شعری پروگرام کا اہتمام کیا گیا تھا۔

پروفیسر [illegible] صاحب نے اردو اور قومی یکجہتی کے موضوع پر پُر مغز تقریر فرمائی۔ اور اردو فارسی کی اہمیت کو واضح کیا۔ اس پروگرام میں شوکت کمالی اور حسرت کرکی جیسے مشہور مقامی شاعروں کے علاوہ بدیع الزماں خاور بھی شریک تھے۔ اور انھوں نے اپنی نظمیں سنا کے علاوہ کرشن، اقبال اور کلکرنی کی مراٹھی کہانیوں کے منظوم ترجمے سنائے جو بے حد پسند کیے گئے۔

"آگ اور پانی"

ہند و چین جنگ سے متاثر ہو کر عالمی امن کے موضوع پر بھارت بھیل کا مشہور ڈرامہ "آگ اور پانی" میرٹھ کالج کی بزم اردو کے سالانہ جلسے کے موقع پر منعقد کی جانے والی تقریب میں اسٹیج کیا گیا۔ یہ ڈرامہ عنقریب ہی کتابی صورت میں منظر عام پر آ رہا ہے۔ پروفیسر اختر قادری صدر شعبۂ اردو بہار یونیورسٹی نے صدارتی تقریر میں "آگ اور پانی" کو جنگ اور امن کے موضوع پر ایک نہایت کامیاب تجربہ قرار دیتے ہوئے پروفیسر بھارت بھیل کو اس عظیم تخلیق کیلئے مبارکباد بھی دی۔ اس شہر میں اس ڈرامہ کا دوبارہ اسٹیج کیا جانا اس کی مقبولیت کا بین ثبوت ہے۔

> **کل ہند اردو کانفرنس بھوپال میں ہوگی**
>
> [illegible] انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام [illegible] میں کل ہند اردو کانفرنس منعقد ہوگی۔ اس موقع پر [illegible] ہوگا۔ اردو کانفرنس میں مرکزی اور ریاستی وزراء اور [illegible] شرکت کریں گے۔ [illegible]

اُردو ٹریننگ کالج مجاہد پور (اورنگ آباد) پھر کھول دیا گیا

انجمن ترقی اُردو مہاراشٹر کی کوششوں کا نتیجہ

پچھلے سال اُردو ٹریننگ کالج مجاہد پور ضلع اورنگ آباد [illegible] کی کمی کے سبب بند کر دیا گیا تھا۔ اس نامناسب حکم کے خلاف انجمن ترقی اُردو مہاراشٹر نے کمشنر ٹریننگ سے نیز حکومت مہاراشٹر سے احتجاج کیا تھا۔ چنانچہ شری [illegible] اسپیشل کمشنر ٹریننگ [illegible] جب اورنگ آباد تشریف لائے تو جناب سکندر علی وجد صدر انجمن ترقی اُردو مہاراشٹر اور شری [illegible] ڈپٹی ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشنز مرہٹواڑہ سے اس مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا۔ شری [illegible] نے یقین دلایا کہ اس سال جیسے ہی سرکاری احکام آئیں گے اُردو ٹریننگ کالج پھر سے کھول دیا جائے گا۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ حکومت مہاراشٹر اُردو کی تعلیم کا انتظام کرنے میں کافی دلچسپی لے رہی ہے۔ اس سلسلے میں صدر انجمن ترقی اُردو مہاراشٹر نے شری [illegible] چودھری وزیر تعلیم حکومت مہاراشٹر سے ملے۔ وزیر موصوف نے اس فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ آئندہ طلباء کی سہولت کے پیش نظر یہ اطلاعات اخبارات میں شائع کر دی جائیں گی۔ اُردو ٹریننگ کالج مجاہد پور کا تعلیمی سال جون سے شروع ہوتا ہے اس لئے امیدواروں کو چاہئے کہ وہ ۱۵ مارچ ۱۹۷۰ء تک [illegible] سیکشن ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن مرہٹواڑہ اورنگ آباد کو درخواست دیں۔ اس کی ایک کاپی سید سکندر علی وجد صدر انجمن ترقی اُردو مہاراشٹر پن چکی روڈ اورنگ آباد کو روانہ کر دیں۔

مولانا امتیاز علی عرشی کی خدمت میں کتابچہ

مجلس تذکرہ عرشی دہلی کی طرف سے جس کے کنوینر ملک رام صاحب ہیں اُردو کے مشہور و ممتاز محقق مولانا امتیاز علی عرشی کی خدمت میں ان کی [illegible] سالگرہ پر ۸ مارچ ۱۹۶۹ء کو شام کے ساڑھے پانچ بجے ایک خاص جلسہ سپرو ہال دہلی میں کیا گیا۔ اس میں نائب صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین نے مولانا عرشی کو ایک کتابچہ پیش فرمایا۔

دلی میں اُردو کی ترقی و ترویج کیلئے ایک لاکھ روپے منظور

دہلی ۱۳ مارچ (یو این آئی): جن سنگھ کی زبردست مخالفت کے باوجود میونسپل کارپوریشن کے بجٹ اجلاس میں اُردو کی ترقی کے لئے ایک لاکھ روپے کی تجویز بھاری اکثریت سے منظور کر لی گئی۔ یہ تجویز بجٹ میں ترمیم کے طور پر پیش کی گئی تھی جو مسٹر عبدالستار نے پیش کی اور اس کی تائید حکیم محمد شریف خاں صاحب نے کی۔

بیگم سیماب کی رحلت پر بھوپال میں تعزیتی جلسہ

بھوپال ۴ دسمبر (ڈاک سے) کل شب کو یہاں بھوپال میں بیگم صاحبہ علامہ سیماب اکبرآبادی کی رحلت پر ایک تعزیتی جلسہ جناب حضرت تابش کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں مقامی دانشوروں نے شرکت کی۔ جناب [illegible] نے ایک تعزیتی قرارداد پیش کرتے ہوئے مرحومہ کے [illegible] اور علامہ سیماب مرحوم کے تمام عزیزوں خصوصاً حضرت اعجاز صدیقی جناب مظہر صدیقی اور جناب [illegible] صدیقی سے اظہار ہمدردی ظاہر کی۔ آخر میں تمام حاضرین نے بیگم سیماب کیلئے دعائے مغفرت کی۔

شرکاء میں حضرات مظفر حنفی، ڈاکٹر [illegible]، منصور [illegible] قریشی سکریٹری بزم [illegible]، [illegible]، سید اختر علی اختر، شفق تنویر، قاسم نیازی، مسعود [illegible]، سلطان [illegible]، فضل تابش، نعیم کوثر اور شاد سلطان پوری کے نام قابل ذکر ہیں۔ (نامہ نگار)

کُل ہند اُردو سمپوزیم اُدے پور

اُردو دوستوں کو یہ جان کر مسرت ہوگی کہ شہر اُدے پور میں ساہتیہ اکیڈمی راجستھان کی زیر سرپرستی اور انجمن ترقی اُردو [illegible] کے زیر اہتمام ۲۸، ۲۹، ۳۰ مارچ ۱۹۷۰ء کو ایک کل ہند اُردو سمپوزیم [illegible] اُدے پور میں منعقد ہو رہا ہے جس کی صدارت جناب آل احمد سرور فرمائیں گے اور جس میں ملک کے ممتاز ادیبوں اور شعراء کی شرکت متوقع ہے۔

۲۹ مارچ کی شب میں ایک کل ہند مشاعرہ بھی ہوگا۔

شکیل تنویر (نامہ نگار)

شعبۂ اُردو علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں

راجندر سنگھ بیدی کا استقبال

علی گڑھ ۴ مارچ۔ شعبۂ اُردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی خصوصی دعوت پر اُردو کے ممتاز افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی علی گڑھ تشریف لائے۔ ساڑھے تین بجے سہ پہر میں انجمن اُردوئے معلی کی طرف سے ایک جلسہ [illegible] آرٹس کے لاؤنج میں منعقد کیا گیا جس میں علی گڑھ یونیورسٹی کے اساتذہ، طلبہ، ادیبوں، دانشوروں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ صدر جلسہ پروفیسر آل احمد سرور نے اپنی تقریر میں بیدی صاحب کا خیر مقدم کرتے ہوئے انہیں ساہتیہ اکیڈمی کا انعام ملنے پر مبارکباد پیش کی۔ انھوں نے کہا کہ انہیں

اختیار کے مقصدیت [illegible] عظمت میں تو استاد ہیں لیکن ان کی
[illegible] ایسے فنکار کی طرح جو اس کا مستحق ہے [illegible]۔
بیدی صاحب نے فنکاروں میں [illegible] زندگی پر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔
انھوں نے انسانی زندگی کو بہت قریب سے دیکھا اور برتا ہے اور اس کی گہرائیوں
تک پہنچے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے کبھی اپنے افسانہ نگاری میں فارمولے
یا فیشن کو استعمال نہیں کیا۔ وہ نارمل اور فطری زندگی کے افسانہ نگار
ہیں۔ ان کے یہاں جو حقیقت پسندانہ رویہ ملتا ہے اس کی مثال
دوسرے افسانہ نگاروں کے یہاں نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ بیدی مقبول عام
افسانہ نگاروں میں کبھی نہیں رہے۔ ان کے افسانوں سے لطف اندوز ہونے
کیلئے ایک خاص طرح کی سنجیدگی اور ذہنی تربیت کی ضرورت ہے۔ میں یہ کچھ
برا نہیں سمجھتا کہ منٹو اور عصمت نے، گو وہ عالمی پایہ کے فنکار ہیں،
اردو افسانے پر بعض منفی اثرات چھوڑے ہیں۔ ان کے اثر سے افسانے میں
کچھ بے راہ روی کا عنصر بڑھا ہے جس طرح ابوالکلام آزاد کی تقلید میں ایک
غیر فطری اسلوب کو رواج ملا۔ جدید افسانہ میں موضوع اور ہیئت کی
جو تبدیلی ملتی ہیں لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسانہ اپنی پٹری سے کچھ اتر گیا
ہے۔ بیدی کی یہ خصوصیت ہے کہ انھوں نے اردو افسانہ کی گاڑی کو پھر اس
کی پٹری پر کر دیا ہے۔ [illegible] کہانی "اپنے دکھ مجھے دے دو" [illegible] کی ایک
عمدہ مثال ہے۔ یہ افسانہ فن کا ایک معجزہ ہے۔ [illegible] تعلیم [illegible] اور فطرتاً
خیالات سے متاثر ہو کر ہمارے یہاں جو افسانے لکھے گئے ہیں ان میں بھی یہ بات
دیکھی جا سکتی ہے کہ افسانہ نگاروں نے اپنا توازن کھو دیا ہے۔ [illegible]
[illegible] ہے۔ بیدی کی کہانی "لاجونتی" اس سلسلے میں ایک استثنائی
حیثیت رکھتی ہے۔ بیدی کے جس ناولٹ پر انھیں ساہتیہ اکیڈمی کا انعام
ملا ہے یعنی "ایک چادر میلی سی" وہ بیدی کی فنکاری اور زندگی کے گہرے
مشاہدے اور انسانی ہمدردی [illegible] کی بنا پر ہمارے افسانوی
ادب کا ایک شاہکار ہے اور بلا شبہ ایک زندہ رہنے والا فن پارہ ہے۔
بیدی کی [illegible] اردو افسانوی ادب کا ایک بیش بہا [illegible] ہے۔

سرور صاحب کی استقبالیہ تقریر کے بعد راجندر سنگھ بیدی نے
حاضرین سے خطاب کیا۔ انھوں نے کہا جب تک سرور صاحب تقریر کرتے
رہے میں یہی سوچتا رہا کہ میں اپنی تقریر کس طرح شروع کروں۔ [illegible]
[illegible] پیش آئی ہے اس کا پہلا فقرہ میرے نزدیک [illegible]
اہمیت رکھتا ہے۔ اور جب تک [illegible] زندگی [illegible]

[illegible] ایک چادر میلی سی [illegible]
[illegible] زندگی [illegible]
[illegible] بہت [illegible]
[illegible]
[illegible] فنکار [illegible]
[illegible] کی [illegible] ہے۔
میرے [illegible] اس مشورہ پر [illegible] عمل کیا ہے میں [illegible] کے
عظیم فنکاروں کا ایک مطالعہ کیا ہے [illegible] پڑھ کر مجھے ہمیشہ احساس ہوا
[illegible] ان فنکاروں کی گرفت زندگی پر [illegible] مضبوط ہے وہ بات [illegible]
نہیں ملتی۔ ہمارے ناول [illegible] تفصیلات اور بے معنی جزئیات کا شکار
ہوتے ہیں۔ [illegible] ایک [illegible] نہیں بن پاتے۔ ناول نگار [illegible] ناول سے
[illegible] بحثیں [illegible] یا علمی مسائل پر تقریریں لکھنے بیٹھ جاتے تو
[illegible] عیب ہے۔ [illegible] اور [illegible] دونوں کے یہاں یہی کمی [illegible]
[illegible] مغرب کے ناول نگاروں نے آہستہ آہستہ اس عنصر کو کم کیا ہے۔ وہ
اپنے ناولوں میں اب سیاسی تقریریں نہیں کرتے۔ [illegible]
[illegible] اور [illegible] الفاظی کرتے ہیں۔ البتہ [illegible]
موسیقی اور [illegible] کی [illegible] بہت [illegible]
جس سے ناول کی تاثیر میں اضافہ ہوتا ہے۔ [illegible] کے بعض ناول
[illegible] اس کی [illegible] اور [illegible] حیات [illegible]
[illegible] گرفت کو بیدی نے [illegible] اور [illegible] میں [illegible] اس طرح کا
ناول لکھوں جو ایک مدت تک [illegible] زندگی سے [illegible] حقیقی اور گہرا
ہو۔ ایک چادر میلی سی میں میں نے یہ کوشش کی ہے [illegible] اور ناول
لکھ رہا ہوں جو مجھے امید ہے کہ ایک سال کے اندر مکمل ہو جائے گا۔ اس
کا نام [illegible] ہے۔

[illegible] ناولٹ ایک چادر میلی سی کے بعض اقتباسات بیدی صاحب
[illegible] اور [illegible] کی [illegible]۔

آخر میں سرور صاحب اور [illegible] صاحب نے [illegible] متعلق بعض سوالات
کئے۔ ایک سوال [illegible] ایک چادر میلی سی کا [illegible] ایک حصے سے متعلق اپنا شبہ
ظاہر کیا [illegible] کچھ نظری [illegible]۔ بیدی صاحب نے ان کا
[illegible] سرور صاحب نے بیدی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور یہ جلسہ
برخاست ہوا۔ [illegible]

The "SHAIR" Bombay 8
(37 Years of Publication)
THE MOST POPULAR OLDEST LITERARY & CULTURAL URDU JOURNAL

علامہ سیماب اکبر آبادی

کی چند حیات افروز تصانیف

کلیم عجم (غزلیات) چار روپیہ آٹھ آنے

سدرۃ المنتہیٰ (غزلیات) چار روپیہ

کار امروز (نظمیں) چار روپیہ آٹھ آنے

شعر انقلاب (نظمیں) تین روپیہ

عالم آشوب (رباعیات) تین روپیہ

[illegible] (غزلیں نظمیں اور سلام) دس روپیہ

جلدوں پر خوبصورت اور رنگین گردپوش

(مکمل سیٹ کی خریداری پر نصف محصول ڈاک معاف)

منیجر ، شاعر ، مکتبہ قصر الادب پوسٹ بکس ۵۲۶ بمبئی ۸

Only cover printed at Adabi Printing Press, Bombay 3



جاری شدہ ۱۹۳۰ء

بانی علامہ سیماب اکبرآبادی مرحوم

اردو کا سینتیس سالہ علمی ادبی اور تہذیبی ماہنامہ

شمارہ — ۶

۱۹۶۶ء

شاعر

بمبئی

ادارہ

اعجاز صدیقی

مہندر ناتھ

فی پرچہ	ممالک غیر سے	زر ششماہی	زر سالانہ
۱۰ آنے (۶۲) پیسے	۱۶ شلنگ	چار روپے	آٹھ روپے

مکتبہ قصر الادب

پوسٹ بکس ۵۲۶ ، بمبئی ۸ بی سی

کرشن چندر نمبر میں خود

کرشن چندر

کے اپنے قلم سے
ایک تازہ اور غیر مطبوعہ شاہکار

ناول

کے علاوہ

تین تازہ کہانیاں
ایک ڈرامہ
ایک مزاحیہ
میرے ادبی نظریات
میرے تنقید نگار
میری ادبی زندگی کا آغاز و انجام

کرشن چندر کے شب و روز
(تصاویر کے ذریعہ)
اور

عکسِ تحریر

کرشن چندر کے
اہم خطوط

ادارۂ "شاعر" فخر و مسرت کے ساتھ
اُردو کے شہرۂ آفاق افسانہ نگار

کرشن چندر

پر نہایت ضخیم، شاندار اور مثالی نمبر پیش کر رہا ہے
کرشن چندر کی منفرد شخصیت اور اُس کے ہمہ گیر فن پر نہ صرف ہندوستان کی
کئی زبانوں کے مشہور قلمکاروں بلکہ دُنیا کے کئی بڑے مصنفین اور مفکرین
کے مضامین و تاثرات

کرشن چندر نمبر

میں
پیش کئے جائیں گے

کرشن چندر

کی ادبی زندگی کی لافانی تاریخ

اُس کی عظمت کی کہانی، اُس کی تصانیف کا جائزہ

اُس کے زندہ اسلوب، فکر اور شاہکار افسانوں، ناولوں اور
ڈراموں پر تنقیدی نظر
درجنوں تصاویر
تفصیلات اور تاریخ کا انتظار کیجیے

ارباب قلم اپنے مضامین کرشن چندر پر جلد از جلد روانہ فرمائیں

ترتیب

ماہنامہ شاعر

مکتوبات

نفیسہ شبنم — اقبال بیجاپوری — مجیب الرحمٰن ساحر
نسیم صدیقی — عتیق احمد عتیق — اعجاز صدیقی
شفیقہ فرحت — مسعود قمر تاباں — پرویزہ انجم سیف
عزیز احمد عزیز — ساغر مہدی — شوکت محمود

اور دوسری باتیں

جذبات :-

ہندی اور انگریزی میں اُردو کا کیس

اس عنوان سے ۹ مئی ۱۹۶۶ء کے اخبار "ہماری زبان" میں ایک اداریہ لکھا گیا ہے۔ اس میں اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اردو زبان کے حقوق اور اس کے مسائل کے متعلق اردو میں تو بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن ہندی اور انگریزی میں اس کے لئے مناسب انتظامات نہیں کئے گئے۔ یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ ہندی اور انگریزی کے اخبارات میں دلائل و براہین کے ساتھ اردو کے مقدمہ کو پیش کیا جائے۔ نہ صرف ہندی اور انگریزی بلکہ دوسری علاقائی زبانوں کے اخبارات و رسائل کے ایڈیٹروں کو خطوط لکھے جائیں۔ انہیں مضامین بھیجے جائیں۔ ان میں اردو جلسوں کی رُوداد بھی چھپوائی جائے۔ [illegible] کر لکھا گیا ہے کہ انجمن ترقی اُردو (ہند) ہندی اور انگریزی میں چھوٹے چھوٹے رسالے چھپوا رہی ہے۔ ان رسالوں میں اردو زبان کے مسائل ہوں گے۔

"ہماری زبان" نے یقیناً ایک ضروری امر کی طرف اُردو والوں کو متوجہ کیا ہے۔ لیکن سوچنا یہ ہے کہ کتنے لوگ اُردو کے مسائل سے واقف ہیں کتنے ہندی اور انگریزی زبانوں میں لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور جو صلاحیت رکھتے ہیں انہیں کوئی دلچسپی ہے یا نہیں۔ [illegible] کیا اس سے مسئلہ حل ہو سکے گا۔ کیا دوسری زبان والے اُردو کے مقدمے، اُس کی دیرینہ خدمات اور اُس کی عظمت و ضرورت سے واقف ہو جائیں گے؟

کئی سال پہلے جب انجمن کے جنرل سکریٹری جناب آل احمد سرور صاحب [illegible] تھے تو ایک پریس کانفرنس میں کسی دوسری زبان کے نمائندے نے یہ سوال کیا تھا کہ "ہمیں نہیں معلوم اردو کے کیا مسائل ہیں۔ کیا آپ نے دوسری زبانوں میں اردو کے مسائل اور اس کی اہمیت کو کبھی پیش کیا ہے؟" سرور صاحب نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ "انجمن کچھ ایسا ہی [illegible] اور جلد ایسے کتابچے مختلف زبانوں میں شائع کرے گی"۔ لیکن وہ کتابچے ابتک شائع نہ ہو سکے۔ اب پھر یہ احساس جاگا ہے۔

ہم اردو والوں کے سوچنے کا ڈھنگ کچھ عجیب ہی ہے۔ اور جو کچھ ہم اچھا سوچتے بھی ہیں تو بدقسمتی سے اس پر عمل نہیں ہوتا۔ گزشتہ آٹھ دس سال میں ہماری زبان میں بے شمار اہم کاموں کے سلسلے میں لکھا گیا۔ تجویزیں ہوئیں، کمیٹیاں بنائی گئیں۔ کیا اُن میں سے کوئی ایک کام بھی ابتک ہوا؟ ہندوستان میں اردو کی بے پناہ ترقی ہو سکتی ہے۔ اُسے تمام حقوق مل سکتے ہیں۔ کروڑوں اردو سے ناآشنا لوگ اس سے آشنا ہو سکتے ہیں۔ اردو کے لئے [illegible] پہنچا دیں۔ مگر [illegible] ایک سیدھا سا نسخہ [illegible] ہے۔ رونا اور [illegible] ہم اردو والوں کا شیوہ بن گیا ہے [illegible] کے انتظار میں ہیں۔ ہماری فکر [illegible] !!

انجمن ترقی اُردو (ہند) کے اراکین سے توقع [illegible] اپنے انداز فکر [illegible] بہتر یہ ہے کہ اردو کے سب بڑے ادارے ادارہ کی حیثیت سے [illegible] خود اقدام [illegible] سے کام لیا جائے۔ انجمن کا [illegible] اگر [illegible] تو [illegible] ہیں [illegible] کی نیت کا احساس ہوتا ہے۔

انجمن نے اردو کے مقدمہ کو دوسری زبان والوں تک پہنچانے کے لئے جن کتابوں کی اشاعت کا پروگرام بنایا ہے وہ کس طرح [illegible] انجمن کتنے اور کب تک یہ کتابچے چھاپے گی۔ کیسے کیسے بھیجے گی۔ کون توجہ سے پڑھے گا۔

اس سلسلے میں عمل کی یہ راہ [illegible] سکتی ہے کہ انجمن کی طرف سے فی الحال صرف انگریزی اور ہندی میں ایک پندرہ روزہ "بلیٹن" شائع ہو [illegible] "انڈین لینگویجز بلیٹن" (INDIAN LANGUAGES BULLETIN) ہو۔ ہندی کے لئے [illegible] تجویز کیا جائے [illegible] دلچسپ [illegible] انگریزی اور ہندی والے ذوق و شوق سے پڑھیں۔ ہندوستان کے [illegible] بلیٹن [illegible] ہندوستانی زبانوں کو ایک دوسرے سے قریب [illegible] کی کوشش کی جائے۔ اردو کی بہت [illegible] مسائل کو حقیقت پسندانہ [illegible] انداز میں پیش کیا جائے [illegible] یہ بلیٹن انجمن کے لئے ایک بڑی آمدنی کا [illegible] اس کی اشاعت پچاس ہزار تک [illegible] آسانی سے پہنچائی جا سکتی ہے اور بہت کافی اشتہارات بھی حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

[illegible]

اعجاز صدیقی

آہ ـــــ مولانا نیاز فتحپوری

۲۲ مئی ۱۹۶۶ء کو بمقام کراچی (پاکستان) میں مولانا نیاز فتحپوری انتقال فرما گئے۔
پورے ۸۲ سال کی بیقراریوں کو آخر قرار آگیا۔
مسلسل ساٹھ سال تک انشائے لطیف سے لے کر ادب و تنقید، افسانہ و ترجمہ اور مذہب و تاریخ کو اپنی مضبوط گرفت میں لینے والا قلم رُک گیا۔ ایک روایت کو نیند آگئی اور ایک اسلوب کا خاتمہ ہوگیا۔

بہت چھوٹی سی عمر میں میرے ادبی شعور نے اپنے بال و پر نکالے تھے۔ نثر و نظم میں کسی کے اسلوب سے متاثر ہونے یا نہ ہونے کی بات الگ ہے۔ مجھے یہاں صرف اِس بات کا ذکر کرنا ہے کہ میں نے کام کرنے کے جس سلیقے، انہماک اور جدید کاوش کو اپنا آدرش بنایا، اُس میں والدِ مرحوم علامہ سیماب، بابائے اُردو مولوی عبدالحق اور مولانا نیاز فتحپوری کی شخصیتوں کو بڑا دخل ہے۔ جب ادب و صحافت کی عملی دنیا میں قدم رکھا تو مولانا نیاز کے ماہنامہ "نگار" پر ایک نکھار سا چھا چکا تھا۔ میرے یہاں پنجاب، دہلی، لکھنؤ اور دوسرے شہروں والے اور بھی رسائل آتے تھے۔ لیکن "نگار" کی سیدھی سادی ترتیب کے باوجود اُس کے وہ مضامین جو مولانا نیاز کے اپنے قلم ہوتے تھے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا کرتے تھے۔ یوں بھی "نیاز اور آگرہ" کی نسبت سے "نگار" میرے ہی وطن سے نکلنے والا ایک ادبی صحیفہ تھا۔ جو شاہ دلگیر کے "نقاد" کے بعد آگرہ سے شائع ہونے والا دوسرا معیاری ادبی جریدہ تھا۔ "نگار" فروری ۱۹۲۲ء سے دسمبر ۱۹۲۶ء تک آگرہ سے نکلنے کے بعد بھوپال منتقل ہوا تھا۔ لیکن پھر بھی تین چار سال تک اُس کی طباعت آگرہ ہی میں ہوتی رہی۔ یہ داستان ذرا طویل ہے۔ "نگار" صرف ایک ہی سال کا تھا کہ میرے یہاں سے بھی ایک جدید تر ماہنامے کا اجراء ہوگیا، جس کا نام "پیمانہ" تھا۔ اور جو "نگار" سے زیادہ جدت و شگفتگی لئے ہوئے تھا۔ "نگار" اور "پیمانہ" کے بہت سے قلم کار مشترک تھے۔

یوں تو اُس زمانہ میں عام طور پر شاعری ہی کا ہر طرف چرچا تھا۔ لیکن والدِ مرحوم علامہ سیماب کے قائم کردہ قصر الادب ۱۹۲۳ء میں نثر نگاری کو بڑی اہمیت تھی۔ مجھے یہ لکھنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ مولانا نیاز کے ذوقِ انشا پردازی کو بڑھانے اور ابھارنے والے اُن کے آگرہ کے وہ دوست تھے جو خود جدید اور خوبصورت نثر نگاری کا آغاز کر چکے تھے۔ یہ شاہ دلگیر، لطیف الدین احمد (ل۔ احمد)، ضیاء عباس ہاشمی، سید محمود مخمور اکبرآبادی، امام اکبرآبادی، مقدس اکبرآبادی وغیرہ تھے۔ "نگار" بھی انہی دوستوں کے جدید ذہن کی پیداوار تھا۔ ل۔ احمد اور مخمور اکبرآبادی کی نثر آج بھی ہمارے ادب میں ایک خاص درجہ رکھتی ہے۔ ل۔ احمد نے خصوصیت کے ساتھ انشائے لطیف کی تحریک کو مقبول بنایا۔ ہر چند مولانا نیاز خود مہدی افادی اور سجاد حیدر یلدرم کے اسلوبِ نگارش سے متاثر تھے۔ لیکن اِس تاثیر کو تیز کرنے میں زندہ دلانِ اکبرآباد ہی کا ہاتھ تھا۔ یہ میرے سنِ شعور تک پہنچنے سے بہت پہلے کی بات ہے۔ لیکن مولانا نیاز سے میری ادبی وابستگی کا زمانہ ۱۹۳۲ء کہا جا سکتا ہے۔ فروری ۱۹۳۰ء میں میرے یہاں سے رسالہ "شاعر" کا اجراء ہو چکا تھا۔ اُس سے پہلے "پیمانہ"، ہفتہ وار اخبار "تاج" اور رسالہ "ثریا" بھی نکل چکے تھے۔ "شاعر" کے بعد رسالہ "کنول" اور روزنامہ و ہفت روزہ "ایشیا" کے اجراء نے ہماری علمی، ادبی اور صحافتی وابستگیوں کو اور بھی گہرا کر دیا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اُس وقت متحدہ ہندوستان میں دو ہی ادارے ایسے سمجھے جاتے تھے جو نئی نسلوں کے ذہنوں کی تربیت کر رہے تھے۔ نثر میں مولانا نیاز کا ادارہ اور شاعری میں علامہ سیماب کا اسکول۔

مختصر ان ہی ادبی داستانوں میں جو تحریر و تخلیق کی چنگاریاں تھیں وہ ہوائیں مولانا نیاز کی صحبت نے انھیں بھڑکا کر روشن کیا۔ میں اُس دور کے اساتذۂ سخن اور ادب میں مولانا نیاز کا بے حد احترام کرتا تھا اور مولانا نیاز کی تحریروں کے علمی، ادبی، لسانی، فنی اور معنوی پہلو میرے لئے کشش ہوتے تھے، کئی سال تک میں بلا استیعاب اُن کے مضامین کا مطالعہ کرتا رہا۔ اُس وقت تک اُن کی کتابیں چھپ گئی تھیں جو ستایق یک وطن سے میرے یہاں تبادلہ میں آیا کرتی تھیں۔ آہستہ آہستہ یہ محسوس ہوا کہ وہ ہر صنف سخن پر قدرت رکھتے ہیں اور ادبی و شعری کاوشوں کو وہ کسی اور رنگ میں دیکھتے ہیں۔ ایک وقت ایسا آیا کہ اُن کے اس تاثر میں تلخی ہو گئی جب انہوں نے فقہ و ادب کے خلاف انھوں نے ایک مستقل محاذ بنا لیا۔ پھر بھی اُن میں میری دلچسپی بدستور رہی۔ "نگار" کی بعض تحریروں سے مجھے اختلاف پیدا ہوا۔ میں نے مولانا کو متوجہ کیا۔ اُن کی عظیم ادبی شخصیت، وسیع خدمات اور احسان کے ادب و احترام کے باوجود مجھے اُن کی فنکارانہ پسندی اور مصلحت اندیشی سے تکلیف ہوتی تھی۔ چونکہ میں پوشیدہ طور پر اساتذۂ شعر و ادب کی زبردست قربتیں اور محبتیں ملتی تھیں۔ "قصر ادب" ایک بہت بڑا علمی و ادبی ادارہ بن چکا تھا۔ والد مرحوم علامہ سیماب کی سنجیدگی اور ادب و شعر میں اُن کے اونچے مقام، القاب و خطابات نے چھوٹی سی عمر میں میرے ذہن کو بڑا بنا دیا تھا اور میں سب سے بے تکلف باتیں کرنے لگا تھا۔ مولانا نیاز سے مجھے بعض امور میں تحمل کی خط و کتابت ہوئی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ مجھ سے خوش نہیں ہیں۔ مولانا کی شخصیت اُس وقت بھی مسلمات سے تھی اور اب بھی اور آئندہ بھی رہے گی۔ اُن کے کارہائے نمایاں بھلائے نہیں جا سکتے لیکن جب اُن کی بہت سی تحریروں کا واقعات کے پس منظر میں جائزہ لیا جاتا ہے تو ایک طرح کا دکھ ہوتا ہے۔ مجنوں گورکھپوری کی یہ بات ـــ

"وہ سنسنی خیز باتوں کی تجارتی قیمت کو ایک معاملہ بیچ کی حیثیت سے مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔"

کتنی تلخ معلوم ہوتی ہے، لیکن کیا کیجئے کہ اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

مذہبی معتقدات ہوں یا علمی و فنی نکات، تنقید ہو یا تبصرہ، فرد ہو یا جماعت۔ مولانا نے جس موضوع کو بھی ہاتھ لگایا، اپنے مخصوص طرزِ تحریر کی تمام تر رعنائیوں کے باوجود کہیں نہ کہیں سنسنی خیزی ضرور پیدا کی۔ انھیں ایسا ہی تیز غیر معمولی شہرت نصیب ہوئی، "نگار" کے پڑھنے والے خاص طور پر انہی کی تحریروں سے مرعوب و متاثر ہوتے۔ اسلوب میں ایسی جان کہ قاری کھنچتا چلا جائے، علم و قوت کا یہ حال کہ مختلف زبانوں کی کتابوں کا نچوڑ اس طرح پیش فرمائیں کہ وہ خود اُن کا معلوم ہو۔ یوں لگتا تھا کہ معلومات کا ایک بحرِ ذخار موجیں مار رہا ہے۔ اُن کی بعض باتیں سب ہی کو بڑی عجیب سی لگتی تھیں۔ کبھی تو جوش ملیح آبادی پر علی اختر حیدر آبادی کو ترجیح دے رہے ہیں، کبھی بربنائے تعلقات خصوصی مہاراجہ کو اردو کا سب سے بڑا غزل گو ثابت کر رہے ہیں۔ کبھی ایسی باتیں لکھ رہے ہیں جن سے کفر و الحاد کی بو آئے۔ اُردو زبان کو نقصان پہنچانے کی زبردست کوششیں کی گئیں لیکن نیاز صاحب نے کبھی "نگار" کے صفحات میں اردو کے لئے کچھ نہیں لکھا۔ ہندوستانی سیاست کو چھوڑ کر وہ اپنے صفحات میں پاکستانی سیاست سے بحث فرمایا کرتے تھے۔ سیماب، جوش، جگر، فانی، یگانہ اور اپنے قد و قامت کے دوسرے مسلم الثبوت اساتذۂ شعر و ادب کے یہاں انھیں خامیاں ہی خامیاں نظر آتی تھیں۔ ایک زمانہ میں فراق کا سیلاب شروع کیا تو "نگار" کا کوئی شمارہ ایسا نہیں ہوتا تھا جس میں فراق کا ذکر نہ ہو۔ اور بعض وجوہ کی بنا پر جب اُن سے ٹھن گئی تو پھر فراق جیسے بڑے شاعر کا نام لینا بھی پسند نہ کیا۔ اقبال، جوش، فانی، داغ، جگر کی اشاعتوں کا مقصد ادبی حلقوں میں ایک طوفان کا ہیجان اور سنسنی پیدا کرنا ہی تھا۔ تعمیر و تخریب اور تخلیق و تحریر کے اس سنسنی خیز عمل سے بہت سے لوگ لطف اندوز ہوتے تھے اور بہت سے ہوتے بھی۔ لیکن میرے ہم عصر قلم کار اور شاعر اُن کی تحریروں کو لوگ پڑھتے ضرور تھے۔ اُن کے بعض مضامین پر سینئر لوگوں کو سر پکڑتے ہوئے بھی دیکھا گیا۔ کتابوں کا ایک نہایت دلچسپ سلسلہ شروع کیا۔ انھوں نے "نگار" میں شروع کیا استفسارات کے باب میں وہ نہایت تر ایسے موضوعات کو چھیڑتے تھے جو پڑھنے والوں میں دلچسپی پیدا کریں۔ مجنوں گورکھپوری نے ایک جگہ لکھا ہے ـــ

"نیاز ایک زبردست قوتِ اخذ کے مالک تھے۔ وہ بڑے سلیقے کے ساتھ دوسروں کے مواد سے کام لے سکتے ہیں، اور اپنے انفرادی اسلوب"

[illegible] نکلتی ہیں:

[illegible] بھوپال کے ایک [illegible] کے لئے سیاہ کر کے [illegible] عبرت [illegible]
[illegible] اعتراضات کا "نگار" میں جواب دیا [illegible] انہیں [illegible]
[illegible] آخری [illegible] جہاں وہ
[illegible] بہت تحت تھے۔

[illegible] ان کا تعلق [illegible] سے ایک [illegible] انہوں نے اردو نثر [illegible] اختیار کیا [illegible]
[illegible] لطیف [illegible] کیا [illegible] ترجمہ [illegible] انہوں نے [illegible]
۳۵-۳۰ [illegible] تصانیف چھوڑی ہیں [illegible] انشائے لطیف سے لے کر افسانہ، ناول، [illegible] مذہب، تاریخ، فلسفہ
سبھی کچھ ہے۔ ان کے [illegible] خطوط کے بھی شاید دو مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ مولانا نیاز سے بعض نظریاتی اور مسلکی اختلافات کی وجہ
ان کی تصانیف [illegible] پڑھی جاتی ہیں۔ [illegible] ان کی تصانیف کی آمدنی ہی سے [illegible] تھا۔ حکومت ہند نے انہیں پدم بھوشن کا خطاب دیا
اور بعد میں انہیں وظیفہ بھی ملتا تھا۔

مولانا نیاز [illegible] ابتدائی زندگی محکمۂ پولیس کی ملازمت میں گزری۔ [illegible] کی وجہ سے
ان میں [illegible] سکتا تھا جیسا [illegible] ادب [illegible] بحیثیت [illegible]
تھے۔ انہوں نے اپنے [illegible] شاعر کو [illegible] اعتراض [illegible] شعراء [illegible] لیکن
کبھی انہوں نے کسی [illegible] اچھے [illegible] "نگار" میں نہیں لکھے۔ کوئی مرنے والا ان کے نزدیک قابلِ ذکر نہ تھا۔

[illegible] وہ لہجہ، اسلوب، فکر و نظر [illegible] کے اعتبار سے [illegible] لکھتے تھے۔ [illegible] ادب پر ان کی فکر و نظر [illegible]
[illegible] کے ساتھ لکھنے والے ادبا پر [illegible] ایک بڑا حلقہ تھا۔ [illegible]

"وہ حیاتِ انسانی کی ایک مکمل تاریخ اور اُس کے تجربات کا مکمل اظہار تھے۔"

اگر مولانا نیاز خود اتنے بڑے اور [illegible] ادب [illegible] ہوتے ہوئے صرف "نگار" کے ایڈیٹر بھی ہوتے تو بھی یاد کیے جانے کے قابل تھے۔
کس [illegible] نے اتنی طویل عمر اور اتنا معیار پایا ہے؟؟؟

[illegible] ملاقاتیں ہوئیں۔ البتہ خط و کتابت [illegible] خطوں کے جواب میں ان کی [illegible]
تھی۔ ان کا جواب کبھی کبھی ایک [illegible] بن جایا کرتا تھا۔ بعض ادبی مسائل میں ان سے کافی نرم گرم باتیں ہوئیں۔ تقسیم ملک کے بعد [illegible]
[illegible] خط و کتابت بھی بہت کم ہو گئی۔ پاکستان جانے سے پہلے [illegible]
ذوق ایک بار [illegible] کے ساتھ اُبھر آیا تھا چنانچہ "نگار" میں انہوں نے "طرحی مشاعرہ" شروع کیا۔ اچھے اچھے شعراء نے اپنی غزلیں بھیجیں لیکن
[illegible] انتخاب نے [illegible] اشعار کو نظر انداز کر دیا۔ کسی کا ایک شعر
لیا، کسی کے [illegible] شعر لئے۔ در اصل وہ خود اس [illegible] سے اپنی فکر کا [illegible] پیش کرنا چاہتے تھے اور بتانا چاہتے تھے کہ —

"دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور غزلیں"

چنانچہ [illegible] انہوں نے [illegible] غزلیں پیش کئے۔ بعض لوگوں نے مجھ سے شکایت کی۔ میں نے ایک [illegible]
[illegible] کی طرح کا مشاعرہ "نگار" اور [illegible] کے [illegible] لیکن مولانا نے توجہ نہیں فرمائی۔ [illegible]
[illegible] "طرحی مشاعرہ" کی [illegible] کئی سال تک [illegible] ارتقا کی انتہائی منزل پر لا کر چھوڑ دیا تھا۔ اگست [illegible] میں [illegible]
شمارہ نمبر [illegible] ادب کی تاریخ میں یادگار رہے۔ اُس میں بیشمار [illegible] اور دوسرے شعراء کی طرحی غزلیں تھیں [illegible]
اس مشاعرہ [illegible] آرزو لکھنوی، علامہ سیماب اکبر آبادی، [illegible] اور جہاں تک یاد آتا ہے ایک دوسرے مشاعرے کی غزلوں کے
کچھ اشعار میں [illegible] کہ مولانا نیاز نے "نگار" میں اعتراضات فرمائے تھے اور [illegible] ادب و علوم [illegible] ایک نوٹ لکھا
پڑا تھا۔ مولانا [illegible] علامہ سیماب تو [illegible] اُس وقت کراچی میں فالج کا شکار ہو گئے تھے۔ اُسی زمانہ میں علامہ آرزو
لکھنوی کراچی تشریف لے گئے تھے۔ میں بھی دس بارہ دن کے لئے والد صاحب کو دیکھنے کراچی گیا تھا۔ یہ جنوری ۱۹۵۱ء کی بات ہے۔ احباب نے
[illegible] کسی دوسرے ہال میں (نام صحیح یاد نہیں) میرے استقبال کا انتظام کیا تھا۔ میرے انتہائی محترم بزرگ علامہ آرزو کو بھی دعوت
[illegible] حضرت آرزو بڑی شفقت فرماتے تھے۔ چنانچہ اُس جلسے [illegible] آئے۔ میں نے موصوف کو اپنے [illegible]
ادب و احترام [illegible] مولانا نیاز فتحپوری کے متعلق تھا۔ حضرت آرزو حد درجہ برہم تھے۔ اتنے کہ میں
نے اس سے پہلے کبھی ان کی زبان سے اتنے سخت اور [illegible] الفاظ نہیں سنے تھے۔ اُنہیں مولانا نیاز کے اعتراضات کا سخت [illegible]

شاعری کی تعریف و تنقید نہ کر سکیں ۔ ہمارے دیرینہ معاون نیاز نے کیا خوب کہا ہے کہ گفتگو یہاں شعر و ادب پر ہے ۔ مولانا نیاز کا یہ … مضمون ہیں ۔ ان کی جگہ حاصل ہے کیوں کہ اُن کے ساتھ ختم ہو گئیں ۔ وہ اپنی جگہ بہت سی خوبیوں اور کمزوریوں کے باوجود ہمیشہ اردو ادب کے محسن شمار کیے جائیں گے ۔

مشاعروں کے مشاعرہ بازی کے سلسلے میں جو تلخی ابھری تھی وہ ادب کی ناسازگاری … نگار کا اردو میں چھپنا رہا اور ہمیشہ شاعر کا تذکرہ بھی کرتا رہا ۔ یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مولانا پاکستان ہجرت کر گئے ۔ دل بیٹھ سا گیا ۔ کسی اور کے جانے کا اتنا ذکر نہیں ہوا تھا جتنا مولانا نیاز کے جانے کا ہوا ۔ اس لیے کہ وہ جس ملک کو چالیس پچاس سال سے نہ چھوڑ سکے تھے ۔ وہ ہندوستان میں اردو کے لیے سہارا تھا ۔ وہ خود اس ملک میں اردو کا ایک مجاہد تھے لیکن شاید ان کی تیز نظروں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کے نگار کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی ۔ جیسا کہ اب اندیشہ … خوف ہی سب ہو رہا ہے ۔ انہیں اپنے ادارہ کی طرح اپنے نگار کی بھی فکر تھی ۔ آج وہ دور آگیا ہے کہ ہندوستان کے اردو ادبی رسائل … ہیں ۔ پاکستانی شاعر ادیب اور شعراء ان سے قلمی تعاون تک نہیں کرتے ۔ پھر بڑے ادیب و شاعر پاکستان کے رسائل میں لکھنا باعث فخر سمجھتے ہیں ۔ خوش نصیب کرو کہ اپنے ہی پیر ہیں ۔ لیکن ہندوستان کے ادبی رسائل کی طرف بھی تو نظر التفات کریں ۔ اب تو سب یہ … ہے کہ … گروہ کے ہیں اور وہیں سے فخر محسوس کر رہے ہیں ۔ کسی کی خدمات کا اعتراف اور اردو کے اجتماعی مفاد کا احساس !!

پاکستان جانے کے ۱۶ سال بعد ماہ نومبر ۱۹۶۵ء میں مجھے بھی اپنی بیمار اہلیہ کے ساتھ ۔ اور صاحب فراش بڑے بھائی حضرت منظر صدیقی اکبر آبادی کو دیکھنے نیز دیگر احباب سے ملنے کے لیے کراچی جانے کا اتفاق ہوا ۔ ایک ماہ کے مختصر سے قیام میں سب سے پہلے مولانا نیاز نے بھی … کراچی … مصروفیات تھیں ۔ … پارٹیاں تھیں … وقت نکالا کہ … مولانا نیاز … اسی دوران میرے … حضرت صبا متھراوی نے … اردو کی طرف سے ایک شاندار … شعری نشست کا اہتمام کر لیا … مولانا نیاز … تھے میں … انہوں نے اپنے پاس ہی بٹھا لیا ۔ میں نے پہلی ہی نظر میں اندازہ لگا لیا کہ … مولانا کی مزاجی کیفیت کو بدل دیا ہے ۔ … کراچی کے … مقتدر اور بڑے شعرا شریک تھے ۔ مولانا نے دوران گفتگو میں فرمایا ۔ میں تو بعض وجوہ سے ہندوستان سے چلا آیا لیکن آپ ہندوستان میں جس ہمت و استقلال سے اردو کے لیے کام کر رہے ہیں ۔ اس سے میں بہت متاثر ہوں ۔ وہاں … ختم ہو گئی تھی ۔ اب آپ جیسے مجاہدوں کی ضرورت ہے ۔ مولانا کے اس طرح کے اظہار خیال سے مجھے اطمینان ہوا اور … خدمات کو خاموشی کے ساتھ … کرتے رہے ہیں ۔ ان کے دل میں … تھوڑی دیر میں وہ شعری نشست شروع ہو گئی ۔ مولانا نیاز ہی نے اس کی صدارت فرمائی ۔ آخر میں جب میں اپنے اشعار پیش کر چکا تو مولانا مرحوم نے سامعین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے اعجاز میاں کا اور چند شعر کہے ہیں ۔ پہلے وہ سنا دوں اس کے بعد غزل سناؤں گا ۔ وہ یادگار اشعار حسب ذیل میں درج کر رہا ہوں ۔ جو میرے ہندوستان آنے کے بعد حضرت صبا متھراوی نے مجھے بھیج دیے تھے ۔ غالباً کراچی کے بعض اخبارات میں بھی اس شعری نشست کی رپورٹ کے ساتھ شائع ہوئے تھے ۔ مولانا جیسے آگے جلوہ گر ہے تھے ۔ ماضی و حال کا ایک طویل ادبی سلسلہ خواب میری آنکھوں میں ناچ رہا تھا ۔ میں اپنی … کسی موقع پر … مولانا نے جب آخری شعر پڑھا تو میری آنکھیں نم ہو گئیں ۔ بزرگوں کی آنکھیں دیکھنے کو کہاں ملتی ہیں ۔ یہ بزرگ آنکھیں بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گئیں ۔ ہاں تو وہ اشعار تھے ؎

بہت خوش ہوں یہ سن کے آئے ہیں اعجاز — خدا کا شکر ہے پھر میں نے ان کو دیکھ لیا
عزیز میرے ایک دوست کے فرزند — ادیب و ناقد و … شاعر فرزانہ
خدا کرے وہ جئیں خوب اور شاد رہیں — یہی ہے میری تمنا یہی ہے میری دعا
سنا ہے یہ بھی کہ وہ جلد جانے والے ہیں — یہ بات ہے بہت افسوسناک درد افزا
کہوں بجز … الفاظ میرزا غالب — انہی کے ساتھ مجھے یہ بھی ان سے ہے کہنا

فراق و وصل جداگانہ لذتے دارد
ہزار بار برو، صد ہزار بار بیا

(نیاز فتح پوری)

سامعین نے بھی دل کھول کر مولانا کو ان کے قطعے کی داد دی ۔ نشست ختم ہوئی ۔ مولانا نے عصرانہ میں شرکت فرمائی ۔ … اور آشکار … گفتگو میں وہی علمی انداز ۔ صحت بھی اچھی خاصی تھی ۔ کیسے معلوم تھا کہ … یہ شمع باقی ۔ اتنی جلد خاموش ہو جائے گی ۔۔۔ رہے نام اللہ کا !!

علیم اختر مظفر نگری

غزل

جفا و جور و ستم آزمائے ہیں کیا کیا
یہ آئینے ترے غم نے دکھائے ہیں کیا کیا

یہ کس کی یاد نے چھیڑا ہے دل کے تاروں کو
ربابِ شوق پہ نغمے سنائے ہیں کیا کیا

کبھی جو روٹھ گئی ہے نگاہِ شوق اُن سے
پیام اُن کے مرے نام آئے ہیں کیا کیا

جبینِ ناز کو کچھ بل بھی عرضِ غم نے دیئے
وہ دل ہی دل میں مگر مسکرائے ہیں کیا کیا

وہ ایک شمعِ فروزانِ شوق بجھ نہ سکی
وفا کی راہ میں طوفان آئے ہیں کیا کیا

جنونِ شوق نے منزل کو جا لیا تنہا
خرد نے رہزن و رہبر بنائے ہیں کیا کیا

سنا کہ مجھ سے ہے تمنا کی ہست و بود
ترے خیال نے آنچل اُڑائے ہیں کیا کیا

مری نگاہ پہ الزامِ دید ہے لیکن
جمالِ ناز پہ بھی حرف آئے ہیں کیا کیا

مرا خلوصِ محبت تو تھک کے بیٹھ گیا
ترے فریب نے جادو جگائے ہیں کیا کیا

وہ اک نظر کہ جسے التفاتِ ناز کہیں
اُس اک نظر نے فسانے بنائے ہیں کیا کیا

ادائے ناز سے اکثر گلابیاں بھر کر
نگاہِ مست نے ساغر پلائے ہیں کیا کیا

خود اپنے عکس پہ اُن کا گماں گزرا ہے
فریبِ چشمِ تماشا نے کھائے ہیں کیا کیا

حضورِ حسن میں اک نذرِ شوق دینے کو
مری نگاہ نے موتی لٹائے ہیں کیا کیا

بہارِ لالہ و گل، جانِ رنگ و بو بن کر
نظر میں حسن کے جلوے سمائے ہیں کیا کیا

چھڑا جو ذکرِ وفا اُن کی بزم میں اختر
سنا ہے آپ اُنھیں یاد آئے ہیں کیا کیا

ڈاکٹر اسلم فرخی

سیماب اکبرآبادی کے فنّی نظریات

مولانا سیماب اکبرآبادی ہمارے عہد کے جلیل القدر شاعر اور انشا پرداز تھے۔ قدرت نے انھیں غیر معمولی قوتِ شعری سے نوازا تھا اور انھوں نے اپنی اس خداداد صلاحیت سے اردو شاعری کے سرمایہ میں گراں قدر اضافہ بھی کیا۔ مولانا سیماب اس اعتبار سے بھی اردو شاعری میں اہمیت کے حامل ہیں کہ انھوں نے فنِ شعر کے متعلق ایک خاص نظریے کی تبلیغ و اشاعت کی اور اپنی شاعری میں بھی ہمیشہ اسے ملحوظِ خاطر رکھا۔ فنِ شعر و شاعری کے متعلق مولانا کے خیالات بڑے واضح اور حقیقت پسندانہ ہیں۔ انھوں نے جا بجا بڑے واشگاف انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور مولانا کی شاعری اور فن کو سمجھنے کے لیے ان کا تفصیلی مطالعہ ناگزیر ہے۔

مولانا سیماب کی شاعری کا آغاز روایتی ماحول اور سمی غزل سرائی سے ہوا۔ یہ داغ و امیر کا عہد تھا اور پورے ملک کی فضا میں انھیں کے نغمے گونج رہے تھے۔ مولانا سیماب نے بھی داغ کا تلمذ اختیار کیا۔ اس عہد کا کوئی شاعر داغ و امیر کے اثرات سے بے نیاز نہیں رہ سکتا تھا۔ مولانا سیماب کے ابتدائی کلام میں داغ کا اثر بھی نمایاں ہے۔ اور طرزِ لکھنؤ کے اتباع میں "ہلکا سا اک کفن ہو شہیدِ بہار کا" اور "مجھے پسند نہ کیوں آئے صحنِ صافِ قفس" جیسی غزلیں بھی مولانا کے مجموعۂ کلام میں ملتی ہیں۔ تقابلی مطالعے کے سلسلے میں مولانا کا یہ مطلع ؎

جو پھول گر پڑا ہے کہیں ان کے ہار کا
غازہ بنا ہے چہرۂ صبحِ بہار کا

امیر مینائی کے اس شعر ؎

پھولوں سے فرشِ خاک پہ تارے بکھر گئے
دھاگا کہیں جو ٹوٹ گیا ان کے ہار کا

کے ساتھ رکھا جا سکتا ہے۔ ہر بڑے شاعر کی طرح داغ بھی اپنے رنگ کے موجد اور خاتم تھے۔ مولانا سیماب نے داغ سے اثر یقیناً قبول کیا، لیکن ان کی تقلید کو اپنا شعار نہیں بنایا اور نہ وہ زیادہ مدت تک قدیم رنگِ تغزل سے وابستہ رہ سکے۔ غور و فکر، مشاہدے، مطالعے اور تجربے نے مولانا سیماب کو ایک جدید رنگِ تغزل کی طرف مائل کیا۔ جس کی تفسیر انھوں نے یوں بیان کی ہے۔

"تغزل کی روح واردات و جذبات ہیں جو کیفیتاً حقیقتاً ہم پر طاری ہوں اور جو واقعات ہمارے مشاہدے اور مطالعے میں آئیں وہی ہماری غزل کا اصلی موضوع ہیں۔ یہ لازمی نہیں کہ اگر ایک شاعر کسی کے فراق میں مضطرب الحال نہیں ہے تو وہ فراقیہ اشعار ضرور ہی لکھے اور ایک دولت مند فارغ الافکار شاعر بھی ایک گداگر کی طرح فقر و فاقہ کے مضامین لکھ کر لوگوں کو اپنی تضحیک کا موقع دے۔ اس قسم کی شاعری یا غزل گوئی نقالی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ تاثیر صرف اس شعر میں پیدا ہو سکتی ہے جو شاعر کے جذبات کا آئینہ، احساس کی کیفیاتِ حقیقی کا ترجمان ہو۔ جب تک کہنے والا خود کلام کا اثر نہ لے، دل و

معاشرے پر محسوس اثر کرے، اُس وقت تک وہ دوسروں کی سماعت کو متاثر نہیں کرسکتا۔ یہی محسوس شاعری کی ضرورت ہے۔ مفروضہ خیالات کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ اِسی کے ساتھ ساتھ طرزِ ادا، پیرایۂ تبیین، اسلوبِ بیان، طریقہ اچھوتا، زبان دلکش یا عامیانہ بازاری اور زبردست، محاورات برمحل، ترکیب چست، الفاظ بے ساختہ اور جملے شستہ ہوں۔ کہ حرف و لب نہ زبان اُلجھے۔ نیز تقلیدی مضامین اور عام موضوعات سے احتراز ہونا چاہیے۔"

مولانا کا یہ سارا بیان بہت اہم ہے۔ حالی نے ملٹن کے حوالے سے اصلیت، سادگی اور جوش کو لوازمِ شعر قرار دیا تھا۔ لیکن جس عنصر کو حالی نے جوش سے تعبیر کیا تھا اُسے دراصل احساس سمجھنا چاہیے۔ اصلیت، سادگی اور جوش یقیناً شعر کے لئے نہایت اہم ہیں۔ اِن کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ مولانا سیماب نے بھی حالی کے انھیں خیالات سے چراغ روشن کیا ہے۔ مگر انھوں نے اِس پر اضافہ بھی کیا ہے۔ حالی نے معنویت کو مدِنظر رکھا ہے لیکن شعر کے ظاہری خدوخال کے متعلق انھوں نے کچھ کہنا ضروری نہیں سمجھا۔ مولانا سیماب نے شعر کی معنوی اور صوری دونوں کیفیتوں کو مدِنظر رکھا ہے اور اسی وجہ سے انھوں نے شعر کی زبان پر بھی اظہارِ خیال کیا ہے۔ گویا اُن کے یہاں حسنِ معنویت کے ساتھ حسنِ ظاہر بھی واضح ہے۔ زبان کو بلاشبہ شاعری میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کوئی اچھا شاعر زبان کی طرف سے اغماض نہیں برت سکتا اور نہ اُس کی اہمیت سے منکر ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا سیماب نے زبان، اسلوب، طرزِ ادا سب کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ اگر اُن کے یہاں زبان و بیان کی اِس اہمیت کے متعلق ایک واضح تصور موجود نہ ہوتا تو پھر مولانا کے خیالات کو حالی کی صدائے بازگشت سے زیادہ حیثیت نہ دی جاتی۔ لیکن انھوں نے نہ صرف حالی کے خیالات کو اپنایا ہے بلکہ اُن پر اضافہ بھی کیا ہے۔ مولانا کا یہ جملہ کہ "ہمیں محسوس شاعری کی ضرورت ہے۔" رسمی اور تقلیدی انداز کے خلاف بغاوت کے اعلان کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاویلیں تو ہر قدم پر ہوتی آئی ہیں۔ ویسے بھی تاویلوں میں ہمیں خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ اُردو شاعری کا بڑا سرمایہ رسمی اور تقلیدی شاعری پر مبنی ہے۔ اِسے ہماری کوتاہی کہئے یا محرومی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم اپنی کوتاہی اور محرومی کا اعتراف ضروری نہیں سمجھتے۔ مولانا نے ہر جگہ رسمی اور تقلیدی انداز کو اُردو شاعری کے لئے سمِ قاتل قرار دیا ہے۔ انھوں نے جہاں کہیں بھی اُردو شاعری کے متعلق اظہارِ خیال فرمایا ہے وہاں اِس انداز سے پیدا ہونے والے مضرات کی نشاندہی بھی کی ہے اور ایک جگہ تو انھوں نے بڑے صاف الفاظ میں کہا ہے۔

"عام اُردو شاعری کے موجودہ انحطاط کا ایک بڑا سبب کورانہ تقلید بھی ہے۔ شعراء کی اجتہادی قوت مرورِ ایام سے سلب ہو چکی ہے اور وہ ایک دائرۂ محدود سے نکلنا اور ترکِ اختیار کی مقررہ قیود سے باہر آنا کفرِ شاعری سمجھتے ہیں۔"

اِسی ضمن میں مولانا آگے چل کر کہتے ہیں۔

"جب اُردو شاعری کا یہ حال ہو تو خاموش بیٹھنا گناہِ عظیم ہے۔ اِس خرمنِ فرسودہ میں آگ لگا دینے کی ضرورت ہے۔ اِس انبارِ قدامت آلود سے بزمِ سخن کو پاک کر دینا مناسب ہے۔ بقول اقبال "جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو۔""

اُردو شاعری کے تقلیدی انداز کے خلاف سب سے پہلے محمد حسین آزاد نے آواز بلند کی تھی۔ حالی نے اِس سلسلے میں انتہائی قابلِ قدر کام انجام دیا۔ مولانا سیماب بھی اِس سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ مولانا کی شاعری کے متعلق تو بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن اُن کے فنی نظریات اور نقد و تنقید کا جائزہ لینے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ فن کے بارے میں فنکار کے خیالات ہمیشہ نہایت اہم سمجھے جاتے ہیں۔ یہ صرف اُس کے فن ہی کو سمجھنے میں مدد نہیں دیتے بلکہ

ان کی وجہ سے فن کا فنی اور خصوصی جائزہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ نئے اصول بھی منضبط کیے جا سکتے ہیں اور نئے افکار و نتائج کو سامنے لا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔

ایک اور جگہ مولانا سیماب نے تغزل کے متعلق اپنا نقطۂ نظر اس طرح بیان کیا ہے۔

" تغزل اس رنگ اور اسلوبِ بیان کو کہتے ہیں جو غزل میں استعمال کیا جاتا ہے۔ تغزل کا تعلق انسان کی لطیف ترین روحانیت اور نفسانیت سے ہے۔ حسن و عشق، یاس و امید، وصل و فراق، انتظار و ناکامیابی اور اسی قسم کی مختلف حالتوں کو گہرے تاثر کے ساتھ مصور کرنے کا نام تغزل ہے۔ غزل کی تعریف میں با معشوق سخن گفتن اور تغزل کی تعریف میں معاملہ بندی کہہ کر خاموش ہو جانا غزل اور تغزل دونوں کی توہین ہے۔ تغزل کو فقط تحریر نفسانیت سے پاک اور روحانیت سے لبریز ہونا چاہیے۔ تغزل کے مختلف شکول ہیں۔ لیکن حقیقی تغزل وہی ہے جس کی بنیاد ہی جذباتِ لطیفہ پر قائم کی گئی ہوں اور جس میں ابتذال و رکاکت کا شائبہ تک نہ ہو۔"

اس بیان سے مولانا کا نقطۂ نظر پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ تغزل کو نفسانیت سے پاک ہونا چاہیے یا نہیں، یہ جگہ پر ایک علیحدہ بحث ہے اور شاید اسے درست مان لینے کی صورت میں ہمیں اپنی شاعری کے ایک بڑے حصے سے محروم ہو جانا پڑے، لیکن مولانا کے خلوص میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ تغزل کو صرف معاملہ بندی نہیں کہا جا سکتا۔ مولانا کا یہ خیال درست ہے کہ مختلف حالتوں کو گہرے تاثر کے ساتھ مصور کرنے کا نام تغزل ہے۔ یہ تعریف بڑی حد تک جامع اور مانع کہی جا سکتی ہے۔ حالتوں کی وضاحت میں اختلاف ممکن ہے۔ ان میں نفسانیت اور روحانیت دونوں کا امتزاج بھی ہو سکتا ہے اور دونوں علیحدہ علیحدہ بھی ہو سکتی ہیں۔ شرط گہرے تاثر کی ہے۔ خود مولانا نے اپنی غزل میں اپنے بیان کردہ تغزل کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ ابتدائی دور کے کلام سے قطع نظر ان کی غزل ان کے معیارِ تغزل پر پوری اترتی ہے۔ بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ مولانا سیماب کی غزل کا مجموعی تاثر روحانیت اور نفسانیت کا لطیف امتزاج ہے، جس میں نفسانیت کا شائبہ بھی نہیں۔ مولانا کی غزل لطیف جذبات سے فروغ پاتی ہے۔ اس میں سوز و گداز اور حرارت تو ہے، ابتذال اور پستی نہیں۔ بلکہ ان کے پورے کلام میں مبتذل اور پست شعر شاید ہی کہیں ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا سیماب نے جو کچھ کہا ہے اس پر خود عمل بھی کیا ہے اور یہ کہ وہ نظریۂ شعر پر حقیقی معنوں میں ایمان رکھتے تھے۔ اسی سلسلے میں مولانا آگے چل کر کہتے ہیں۔

" میں غزل میں پاکیزہ تغزل کا مخالف نہیں، لیکن شاعری کو تغزل ہی محض تک محدود رکھنا بھی نہیں چاہتا۔ میں جانتا ہوں کہ اردو شاعری میں غزل اس وقت ایک مدقوق مریضہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اندیشہ ہے کہ اسے اگر صحیح صورت میں زندہ رکھنے کی کوشش نہ کی گئی تو وہ ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے گی۔"

مولانا کا یہ بیان ۱۹۳۰ء کا ہے۔ میں نے سن کی وضاحت یوں ضروری سمجھی کہ اس وقت تک علامہ اقبال کی غزلیات کا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا تھا۔ غزل کو مدقوق مریضہ کہنا مولانا کی قوتِ اظہار کا جرات مندانہ ثبوت قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن مولانا جیسے کٹر غزل گو اور غزل کی فضا میں پروان پانے والے شاعر کی یہ حقیقت پسندی قابلِ داد ہے کہ انہوں نے حقیقت کے اظہار میں اپنی محبوب صنفِ سخن کا پاس نہیں کیا۔ غزل ہماری تہذیب کا حسن اور ہماری شاعری کی آبرو ہے، لیکن حسن اور آبرو برقرار رکھنے کے لئے خونِ جگر کی ضرورت پڑتی ہے۔ "نقش ہے سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر" اور "معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود" مولانا کا غزل کو مدقوق مریضہ قرار دینا اس امر کا بدیہی ثبوت ہے کہ غزل کو نئے خونِ جگر اور دلِ گداختہ کی ضرورت تھی۔ اسی کی جانب مولانا نے اشارہ کیا ہے اور تا بمقدور انہوں نے اپنے خون سے اس کی آبیاری بھی کی۔ غزل آج بھی زندہ ہے۔ مدقوق مریضہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ

صنف سخن کی حیثیت سے کہ اُسے مولانا جیسے بزرگوں کے خونِ جگر نے نئی زندگی بخش دی ہے حیات تازہ ملی اور افکارِ تازہ سے نمود ملی اور یہ افکارِ تازہ ہی غزل کی نئی زندگی کے ضامن ہیں۔

فنِ شعر کے متعلق مولانا کا نظریہ ہمیشہ حقیقت پسندانہ رہا ۔ غزل اور تغزل ہی اور تقلیدی انداز اور اس سب بارے میں انھوں نے ہمیشہ سوچ سمجھ کر اور مستحکم شعر کہے۔ مولانا نئی دستوں کے جویا اور غیر ضروری فنی قیود سے بیزار تھے۔ قیود سے بیزاری کو عام طور پر بے راہ روی اور کم علمی کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ستم ظریفی سہی لیکن صورتِ حال اکثر یہی رہا۔ مولانا غیر معمولی قوتِ شعری کے حامل ہونے کے با وجود غیر ضروری پابندیوں کو جذبات وواردات کے بیان کے لئے رکاوٹ سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ "ایطا" پر بحث کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے ۔

"عربی شعراء ایطا سے بچتے تھے۔ فارسی شعراء بچتے رہے اور اردو شعرائے متقدمین و متاخرین بھی اسی احتیاط کے اسیر نظر آتے ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ ایطا سے مطلع کی کیفیات اور معنویت پر کیا اثر پڑتا ہے۔ نزدی کے بعد قافیہ با معنی باقی رہے یا بے معنی۔ آخر اس قید سے اور شاعری سے کیا تعلق ؟ مگر نہیں ۔ اگر آپ ایسا کوئی مطلع کسی ماہرِ فن شاعر کے سامنے پڑھیں گے تو وہ آپ کی قابلیت سے ضرور منکر ہو جائے گا اور منھ پر نہیں تو دل میں ضرور سمجھے گا کہ قدیر قادر الکلامی معلوم شد۔ شاعری کا تعلق حقیقت میں روحانیت سے ہے اس لئے اُسے زیادہ سے زیادہ وجدانی ہونا چاہئے۔ اگر وجدانی نہ ہو تو کم سے کم ایسی غیر ضروری قیود اور پابندیوں سے تو اُسے ضرور آزاد ہو جانا چاہئے۔ جو اُس کے پیکرِ لطیف پر آہنی زنجیروں سے زیادہ گراں معلوم ہوتی ہیں۔"

یہاں کسی فنی بحث کا موقع نہیں اور نہ یہ بحث ضروری ہے صرف یہ کہنا مناسب ہے کہ مولانا نے جس خیال کا اظہار کیا ہے اُس سے اُن کی سلامت روی اور سلیم الطبعی کا احساس ہوتا ہے۔ اس مثال سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ مولانا سرے سے فنی قیود کے قائل ہی نہ تھے۔ اُنھوں نے ساری زندگی فنی قیود کی پوری پوری پابندی کی لیکن ذاتی طور پر وہ لفظ و مضمون کو پیکر پر قربان کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اُن کا مسلک "من ندانم فاعلاتن فاعلات" نہ تھا بلکہ انھوں نے ماہرِ فن کی حیثیت سے فنی قیود پر نظر ڈالی تھی اور بڑے غور و فکر کے بعد نتیجہ پر پہنچے تھے، اسی سلسلے میں وہ آگے چل کر کہتے ہیں۔

"اگر سوسائٹی کا دباؤ تیور بدل کر آنکھیں نہ دکھاتا اور اُردو شعراء کے مذہب کی اساس روشن خیالی پر ہوتی تو میں آج سب سے پہلے یہ اعلان کرتا کہ ایطا کا ترک اختیار کیا جائے اور اس غیر ضروری قید و بند کو شاعری سے اُٹھا دیا جائے۔ مگر مجھے اپنے ایک دوست کا یہ قول ہمیشہ یاد رہے گا کہ انسان کا ضمیر اُس کے ماحول میں رہتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میرا ماحول ابھی تاریک ہے اور قدامت اپنی تمام سخت گیریوں کے ساتھ ہنوز کار فرما ہے۔"

مولانا کا یہ خیال بالکل صحیح تھا۔ آج بھی ماحول میں تاریکی کا کچھ نہ کچھ اثر باقی ہے اور شاید اسی وجہ سے ابھی تک اُن کی رائے پر پورا پورا عمل نہ ہو سکا۔

زبان کے متعلق بھی مولانا کا نظریہ ہمیشہ حقیقت پسندانہ رہا۔ اُنھوں نے زبان کو ہمیشہ اظہارِ خیالات کا ایک ذریعہ سمجھا اور اُسے اپنی شاعری کی بنیاد نہ بنایا۔ زبان کے بارے میں اُن کے خیالات ضمنی طور پر پہلے بھی بیان ہو چکے ہیں۔ ایک اور جگہ زبان کے متعلق اُنھوں نے لکھا ہے۔

"ٹکسالی زبان کے حامیوں کا ایک گروہ ہے جو چاہتا تو یہ ہے کہ زبان کی وسعت پر حرف نہ آئے مگر فی الحقیقت اُس کی ترقی کی راہیں بند کرنے کا خواہش مند ہے۔ نئے الفاظ، نئے معنی، نئے اسالیبِ بیان"

سے صرفِ نظر کرنا ایک زندہ زبان کے لئے اِس سے کچھ کم ہی مہلک ہے جتنا کہ اِن خطرات کی قطعی روک تھام نہ کرنا۔"

میرا خیال ہے کہ مولانا کی اِس تلخ نوائی پر اہلِ زبان حضرات نے ضرور لے دے کی ہوگی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مولانا کا مشورہ بہت صائب ہے۔ دُنیا کی کوئی زبان خالص نہیں اور نہ کوئی زندہ زبان خالص رہ سکتی ہے۔ نئے الفاظ، نئے معانی اور نئے اسالیبِ بیان کے بغیر کوئی زبان زندہ نہیں رہ سکتی۔ نئے الفاظ کو قبول نہ کرنا زبان کی ترقی کو روکنا ہے۔ دُنیا کے بڑے شاعر اور ادیب نے اپنی زبان کو اظہارِ خیال کا ایک نیا سانچا اور نئے اسالیب عطا کئے ہیں۔ نئے الفاظ کو اپنایا ہے اور پرانے الفاظ کو نئے معنے پہنائے ہیں۔ یہ ایک فطری معاشرتی عمل ہے۔ اِسی وجہ سے مولانا نے اِس کے بارے میں بڑی واضح اور [illegible] رائے دی ہے۔

مولانا سیماب کا تنقیدی نقطۂ نظر مابعد الطبیعیات اور مادیت دونوں سے ہم آہنگ ہے۔ کیونکہ وہ شعر میں روحانیت اور نفسانیت دونوں کا امتزاج پیدا کرنے کے قائل ہیں۔ روحانی احتراز اور اثر پذیری دونوں پر اُنھوں نے اپنے شعری نظریات کی بنیاد رکھی ہے اور اپنی شاعری میں بھی اُنھیں ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ حالی کے متعلق اُنھوں نے ایک جگہ اِس خیال کا اظہار کیا ہے کہ

"مولانا حالی عمر بھر شعر کہتے رہے، ایک باخبر استاد کے شاگرد تھے، کلام میں پختگی تھی مگر ایک متغزل کی حیثیت سے اُنھیں کبھی قبولیتِ عام حاصل نہ ہوئی۔ تبع حالی مرحوم صرف اپنے مقدمۂ شعر و شاعری اور ایک مسدس کی وجہ سے شعرائے ہند میں متعارف و مقبول ہیں۔ اِس کے علاوہ کیا اُن کے تمام سرمایۂ فکر کی ایک کڑی ایسی بھی ہے جو لوگوں کی زبان پر یا دماغ میں محفوظ کہی جا سکتی ہو۔"

یہ رائے حالی جیسے غزل گو کے بارے میں درست نہیں۔ جس شاعر نے

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں   اب بھاگتے ہیں سایۂ زلفِ بتاں سے ہم

اور

اُس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت

جیسی غزلیں کہی ہوں اُس کے تغزل کے بارے میں اختلافِ رائے ممکن نہیں، بلکہ ایک نقاد نے حالی کے تغزل کو [illegible] انفرادیت سے تعبیر کیا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اردو غزل میں حالی کا رنگ و آہنگ اُنھیں ایک متغزل کی حیثیت سے ہمیشہ زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ لیکن اِس قسم کے خیالات مولانا کے یہاں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

مولانا سیماب نے صرف تنقید کے نظریاتی پہلوؤں کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ عملی تنقید کے بھی اچھے نمونے پیش کئے ہیں۔ معاصر شعراء کے متعلق کچھ لکھنا جان بوجھ کر خطرے کو دعوت دینا ہے۔ مولانا اِس خارزار سے بھی گزرے اور اُن کا دامن سلامت رہا۔ اُنھوں نے اپنے معاصرین کے کمالات کا اعتراف ہمیشہ کشادہ دلی سے کیا۔ یہ اُن کے سچے فن کار ہونے کا بدیہی ثبوت ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ مولانا کی نظری اور عملی تنقید کو جو ابھی بکھری ہوئی ہے یکجا کیا جائے اور اُن کے متعلقاتِ شعری اور تنقیدی نقطۂ نظر پر سیر حاصل بحث کی جائے۔ یہ اُردو ادب کی خدمت بھی ہوگی اور مولانا کی ادبی بصیرت کا صحیح اعتراف بھی اِسی ذریعے ممکن ہے۔

اعجاز صدیقی

غزل

خوشبو کے رسُول بن گئے ہیں
وہ زخم، جو پھُول بن گئے ہیں

کیا کیجیے، بے اصولیوں کے!
پہلے سے اصُول بن گئے ہیں!

آیا اُن تک سلامِ منزل
جو راہ کی دھُول بن گئے ہیں

چاہا جب بھی دلوں نے ہنسنا
کچھ اور ملُول[1] بن گئے ہیں

اُن کو طوفان میں ڈبو دو
جو مدِّ فضُول بن گئے ہیں

بیٹھی نہ بٹھائے سے جو اب تک!
ایسی ہم چوُل[2] بن گئے ہیں!

یہ سادہ دلانِ عصرِ حاضر
سوکھا ہوا پھُول بن گئے ہیں

آیاتِ وفا کی جب چھڑی بات
ہم شانِ نزُول بن گئے ہیں

شیخانِ حرم ہوں، یا برہمن
سب اُولِ حلُول بن گئے ہیں

لاؤ ایمان ہم پہ لوگو،
ہم غم کے رسُول بن گئے ہیں

ارماں جینے کے ہوں، کہ ہوں جینے کے
اک شوقِ فضول بن گئے ہیں

ایسے بھی ہیں کچھ حسین و عدے
جو یاد کی بھُول بن گئے ہیں

بہکو نہ بہت، بہکنے والو!
مستی کے اصول بن گئے ہیں

سوکھے ساکھے، تیاں، نکیلے
اِنسان، ببُول بن گئے ہیں!

رکھ دی جن پر زبان ہم نے
کانٹے وہی، پھُول بن گئے ہیں

اعجاز کے نا قبول تیور
معراجِ قبول بن گئے ہیں

[1] "ملُول ہونا" کے مقابلے میں "ملُول بننا" شاید خلافِ محاورہ معلوم ہو۔ — اعجاز
[2] معمولی سی اصلاح سے کمزوری سے کمزوری کا پہلو شاعری کا کمال یہ بن سکتی ہے اور اس سے بڑے سے بڑے مقصد کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ — اعجاز

افسانہ

شکیب

ایک شام

جب مخدوم اور ندوی شہر جانے کیلئے اپنے ہوسٹل سے باہر نکلے تو یونیورسٹی کیمپس کے ماحول پر ایک پُرسکون خاموشی چھا چکی تھی۔ اطراف کے ہوسٹلوں سے بھی کوئی اِکا دُکا ہی باہر نکلتا ہوا نظر آتا تھا۔ اکثر لڑکے اِدھر اُدھر گھومنے کیلئے ہفتے کے آتے ہی دن ہی سے شہر اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے یہاں نکل جایا کرتے تھے۔ اس وقت یونیورسٹی کی پچھلی گراؤنڈ پر بھی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ورنہ یہاں کسی نہ کسی ٹیم کے دو چار کھلاڑی اپنے اپنے کھیل کی مشق میں مصروف دکھائی دیتے۔ بعض تنہائی پسند لڑکے اپنے ہوسٹلوں سے نکل کیمپس سے دور کھیتوں میں تفریح کے لیے نکل جاتے۔

یونیورسٹی کیمپس کا ماحول یونیورسٹی کی کلاسوں سے زیادہ دلچسپ و خوشگوار ہوتا ہے۔ یونیورسٹیوں کے طالب علم اپنے کورس کی کتابوں سے کہیں زیادہ کیمپس کے ماحول اور لائبریری سے بہت کچھ سیکھتے تھے۔ مخدوم کا تو پہلے یہ خیال تھا کہ شہر [illegible] رہنے والے لڑکوں اور عادی مجرموں کو جیلوں میں بند رکھنے کے بجائے اگر کیمپس کے ماحول میں رکھا جائے تو ایسے لوگ بہت جلد اچھے شہری بن سکتے ہیں۔ کیونکہ پچھلے چار پانچ برس کے تجربے سے یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ بہت سے شریر اور چھچھورے طالب علم یہاں آنے اور پُر وقار غور و فکر کے عادی ہو چکے تھے۔ مگر پچھلے ایک دو برسوں میں اچانک کچھ ایسے طالب علموں کی بھرمار سی ہو گئی تھی کہ یونیورسٹی کا ماحول اچھا خاصا شور شرابا و ہنگامہ بن گیا تھا۔ ایسے طالب علموں کو خاموشی سے زیادہ ہنگامہ، پڑھائی سے زیادہ باتیں، لائبریری سے زیادہ بیئر اور [illegible] سے کہیں زیادہ میلے [illegible] کی طرح تھی۔ اکثر لڑکے علمی مباحث سے زیادہ فلمی گفتگو میں الجھے رہتے.....

مخدوم نے ابھی یہ بات بیان کی تھی اور ندوی اکثر کہا کرتا تھا کہ یونیورسٹیوں کو اب بالکل جیل خانوں میں تبدیل کر دینا چاہئے۔ جب وہ کینٹین سے ہو کر گزرنے والے راستے پر پہنچے تو انہیں کینٹین سے دو بیروں کے لڑنے کی آواز سنائی دی۔ وہ بیرے ایک دوسرے کو بات بات پر [illegible] رہتے تھے جب سے کینٹین کا مالک بدل گیا تھا۔ اکثر بیروں میں لڑائی جھگڑا ہوتا رہتا تھا۔ ان دنوں کھانا بھی کچھ ٹھیک نہیں بن رہا تھا۔ چائے تو بالکل ہی خراب ہو گئی تھی۔ سستے قسم کے سگریٹ کا عام [illegible] ملنے لگے تھے۔ سابقہ مالک کو بدلنے میں کچھ شریر لڑکوں کا ہاتھ تھا۔ جب کچھ لڑکوں کی تعداد زیادہ ہو گئی اور اس نے [illegible] تو اتفاقاً لڑکوں نے [illegible] لڑکوں کے دستخط کر کے [illegible] ایک شکایتی درخواست سپرنٹنڈنٹ کو [illegible] جس پر مختلف الزامات لگائے گئے تھے کہ کینٹین کا مالک چوری کا [illegible] کینٹین میں خراب [illegible] بازاری عورتیں بھی [illegible] جاتی ہیں۔ اگر مالک کو نہیں ہٹایا گیا تو ساری یونیورسٹی میں ہڑتال کر دی جائے گی۔ [illegible] درخواست [illegible] میں لگائے گئے سنگین الزامات [illegible] کے لئے [illegible] کینٹین کے مالک سے [illegible] کی وجہ سے اس کی کینٹین بھی [illegible] دی گئی۔

نیلا ملک نہایت خوش اخلاق اور ملنسار آدمی تھا۔ اس کی خوش اخلاقی عام طور پر مالدار اور فضول خرچ طالب علموں کے لئے ہوتی تھی۔ کچھ لوگوں سے تعلقات ہو گئے تھے کہ کیمپس میں ہو ہو ہا کی سرسراہٹ سنائی دینے لگی تھی اور کینٹین کے چھجے میں رات اچھی خاصی جلتی رہتی۔ کبھی کبھار لگنے والے قہقہوں سے کیمپس کی پرسکون فضا پُراسرار اور ہیجان انگیز ہو جاتی تھی۔ آخر کار کے نیلوں پر سنگ پوش کمروں میں الکحل کی بو آتی۔ جب کچھ لڑکے دوسرا گلاس منگوا کر پانی پیتے تو ایسے موقعوں پر مقامی متمول گھرانے کے لڑکے جنہیں نجات پانے کیلئے ان کے والدین نے انہیں ہوسٹلوں میں چھوڑ رکھا تھا۔ ایک دوسرے کی طرف معنی خیز انداز سے دیکھ کر مسکرا دیتے۔ یونیورسٹی کے یہ اندرونی حالات ناقابلِ اصلاح حد تک خراب ہو گئے تھے۔

دن بھر کا تھکا ماندہ سورج مغرب کی پیشانی پر جھک رہا تھا۔ اس کی تمازت میں اب وہ شدت باقی نہیں رہی تھی جو ہر چیز کو بھی بے بزہ کر دیتی ہے۔ بلکہ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی الہڑ دوشیزہ اس بے جان کائنات کو اپنی باہوں میں لئے اپنے نرم و گداز جسم کی حرارت بخش رہی ہو۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے فضا کو نم کر رہے تھے۔ دور افق پر سیمل کرنوں نے دن بھر کا ہولوں سے بھاگا، رنگ و تند و تیز رنگ پھیلا دیا تھا۔ بوٹانیکل گارڈن کے بے برگ و گل درخت کچھ اس طرح کھڑے تھے کہ معلوم ہوتا تھا وہ اپنے ہاتھ اٹھائے مالکِ ارض و سما سے اپنا اترا ہوا لباس مانگ رہے ہوں۔ دن بھر کے تھکے ماندے پرندے بھی اپنے پروں کو پھیلائے اور درختوں کی طرف رین بسیرے کے لئے لوٹ رہے تھے۔

بوٹانیکل گارڈن سے گزرنے کے بعد شہر جانے والے قریب ترین کچے راستے پر جب مڑنے لگے تو مخدوم اور روبی نے بے اختیار یونیورسٹی کی عمارتوں پر نظر ڈالی۔ لڑکے غیر شعوری طور پر اس مقام سے گزرتے وقت پلٹ کر یونیورسٹی پر ایک نظر ضرور ڈال لیتے تھے۔ دراصل یہاں سے یونیورسٹی کی عمارتیں، اس کا نشیب و فراز، خاموش درختوں سے ہو کر گزرنے والا پرسکون ماحول اور یونیورسٹی کے لان میں پھیلی ہوئی ہریالی بڑی ہی بھلی معلوم ہوتی تھی۔ اس وقت فضا میں پھیلا ہوا سرخ رنگ یونیورسٹی کی عمارتوں میں جذب ہو گیا تھا۔

یہاں سے شہر تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں سے پھر انہیں بیچ شہر میں جانے کے لئے بس پکڑنی تھی۔ اب تک تو وہ خاموش چلے آ رہے تھے لیکن جوں ہی وہ ڈھلان کی طرف چلنے لگے۔ روبی نے اس طویل خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ "کچھ تو کہو یار راستہ بور ہو رہا ہے۔" مخدوم گنگنانے لگا۔ مخدوم کا گنگنانا روبی کی توقع کے خلاف تھا۔ کہنے لگا۔ "شام کے وقت گنگنانا کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ ایسے وقت میں تو جیسے ہم کسی موضوع پر گفتگو ہونی چاہئیے۔ اور"...... مخدوم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "اور پھر موضوع گفتگو کسی معاشرے یا سیاست سے ہٹ کر ہونا چاہئیے۔"!

مگر روبی کی کمزوری تو یہی تھی کہ وہ معاشرے اور سیاست سے ہٹ کر کوئی بات ہی نہ کر سکتا تھا۔ اس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میں تو یہی کہنے والا تھا کہ آج ثمینہ سادے اور سیدھے سادے لباس میں کتنی اچھی معلوم ہو رہی تھی۔" مخدوم سگریٹ جلاتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا۔ "اسی وجہ سے وہ ایک امیر باپ کی بیٹی ہونے کے باوجود سیدھے سادے کپڑے پہنتی ہے حالانکہ بہت سی شمس کی لڑکی ثمینہ اس سے کہیں زیادہ خوبصورت اور حسین ہے۔ سادگی آج کی ضرورت نہیں بلکہ سب سے بڑا فیشن ہے۔ ثمینہ تو صرف اس لئے سادے کپڑے پہنتی ہے کہ وہ ان ہی کپڑوں میں قابلِ کشش ہے۔ اور لشا میں کا پورا لوازمات بھی ہے۔ ورنہ وہ پچاس روپیوں کی ساڑی پر تین سو روپیوں کی گھڑی کبھی نہ باندھتی۔ البتہ وہ حسین ہے مغرور نہیں۔ جیسا کہ ہم بے حیا نہیں سا ہیں صرف رنگ و تمرد ... مجھے بھی پسند ہے اور تیرے لئے" مخدوم نے بھی روبی کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور تیرے لئے شاید اس کی کوئی چیز بھی قابلِ کشش ہے۔"

روبی کا چہرہ شرمگین احساس کے ساتھ کہنے لگا۔ "مجھ ایسی کوئی برا خیال نہیں رکھتا۔" مخدوم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "خیر کچھ بھی ہو، تجھے ان کے غیر سنجیدگی کی ایسی باتیں ٹھیک نہیں معلوم ہوتیں، اور [illegible] کے معاملے میں تو

استعمال کرنا چاہیے۔

روبی کو ابھی یہ ہدایات پر کچھ افسوس ہوا اور وہ فوراً موضوع بدلتے ہوئے کہنے لگا۔ آج سائیکالوجی کی کلاس میں پالمر نے ایک غیر مطلوب سوال کا غیر مطلوب جواب کے عنوان کے تحت ہم لڑکوں سے کچھ سوالات کیے۔ اور بتایا کہ کسی کی ذہنی حالت معلوم کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ اس سے کسی بھی شخص کی ذہنی کیفیت کا اچھی طرح مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

مخدوم نے روبی سے پوچھا۔ "تم نے کیسے جوابات دیے؟"

"میں تو بالکل ناکام رہا البتہ راکھو نے بڑے دلچسپ جوابات دیے۔ اور وہ فرسٹ رہا۔" روبی نے بتایا۔

مخدوم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ کون سا مشکل کام ہے۔ صرف سوال کا غیر مطلوب جواب ہی تو دینا ہے کوئی بھی جواب دیا جا سکتا ہے۔"

روبی: "مگر شرط یہ ہے کہ جواب بھونڈے اور غیر دلچسپ نہ ہوں۔"

مخدوم: "دلچسپ سے دلچسپ جواب دیا جا سکتا ہے۔"

روبی: "یہ ناممکن ہے۔"

مخدوم: "کوئی بات ناممکن نہیں۔"

روبی: "اسی بات پر شرط لگائی جائے۔"

مخدوم نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "منظور۔"

روبی نے بھی بڑے اطمینان سے کہا۔ "تو پھر شرط لگائی جائے۔ اگر تم ہار جاؤ تو آج رات کے کھانے اور پکچر کے تمام اخراجات تمہارے ذمے ہوں گے۔ اگر تم نے سارے جوابات غیر متعلق دیے تو پھر تمام اخراجات میں ادا کروں گا۔ اور پھر میری طرف سے ایسے تین جوابات کی چھوٹ دیتا ہوں جو سوال کے مطابق ہوں گے۔ اگر چوتھے سوال کا جواب تم نے سوال سے متعلق دیا تو پھر شرط ہار جاؤ گے۔"

مخدوم نے اپنا سگریٹ پھینکتے ہوئے کہا۔ "مجھے منظور ہے۔" اور پھر وہ اپنے حافظے کو یکجا کرنے لگا۔

روبی نے کہا۔ "اب کیا وقت ہو رہا ہے؟"

مخدوم: "غالباً انقلاب ضرور آئے گا۔"

روبی مسکرا کر کہنے لگا۔ "اس جملے کا تعلق میرے شرطیہ سوالات سے نہیں ہے۔ بلکہ میں حقیقتاً وقت معلوم کرنا چاہتا تھا تاکہ ہم وقت اور فاصلے کا تعین کر سکیں۔"

اب فضا سہانی ہو گئی تھی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی ... کی بتیاں روشن ہو گئی تھیں ... کیمپس کے درختوں سے ... مثلاً ... اس لیے ... اسی وجہ سے کیمپس کے لڑکے رات کو کبھی کسی وقت بغیر کسی خوف و خطر کے بڑے اطمینان سے سیر کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔

اگر ہم اسی طرح اطمینان سے چلتے رہے تو ابھی سات بجے کی بس آسانی سے مل سکتی ہے۔ روبی نے یہ جملہ کہتے ہوئے اپنے سوالات شروع کیے.....

روبی: "ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

مخدوم نے فوراً جواب دیا۔ "چاند سے دولت تو حاصل کی جا سکتی ہے مگر غالباً انسانی خون سستا ہو جائے گا۔"

روبی نے اتنے وقفے میں دوسرا سوال سوچ لیا تھا۔ کہنے لگا۔ "مخدوم تمہیں کیا نظر آ رہا ہے؟"

"سمندر کا پانی ... اور ... خاموش ہو جاتا ہے مگر ... کے سامنے ... نہیں جھکتے۔"

مخدوم نے اسی طرح فوراً جواب دیا۔

تاثرات

روی نے ملزم کے جواب سے مطمئن ہوتے ہوئے کہا ۱۵۔ مجھے معلوم ہے میں نے کتابیں کی کتاب ڈاکٹر وزیر نے چرائی تھی۔ ملزم اس کتاب کی حالت کو سمجھ گیا اُس نے سنبھل کر کہا سر وہ تو صحیفے والے جانور کا رکارڈ نہیں ہوتے اور سانپ کے انڈے کاٹ نہیں جاتے۔ اور ملزم اپنے دل میں اطمینان کی سانس لی کہ اس کا نقل کی گڑبڑی بھی اسی سے چرائی تھی اس کے بعد ہی یہ بات اس نے اتوار کے دن تم ہو جانا چاہئے تھا۔

اب مقصد یہ تھا کہ ملزم سے ایک معمولی سوال کیا جائے کہ ملزم غیر شعوری طور پر فطری جواب دے دے۔

روی: ایک دن تو کہہ رہا تھا کہ تیرے والد اپنی زمین پر فرنیچر کے کچھ پڑھا رہے ہیں۔

روی کے اس سوال پر ملزم کچھ بے چین سا ہو گیا جیسے محسوس کر رہا ہو کہ اس کا بھید کھل گیا۔ وہ اس بات پر کڑھ رہا تھا کہ آخر تعلیم حاصل کرنے سے کیا فائدہ ہے فرسٹ کلاس پاس ہوں تو باپ بچوں کا کام کرو سیکنڈ کلاس پاس ہو تو نوکری کرو۔ قوم کی خدمت کے شعبوں میں کام کرنے کیلئے کامیابی کا معیار ہونا چاہئے۔ اور جب کامیابی ہونے وقت کام آ سکتی ہے جب قریبی رشتہ داروں میں کوئی منسٹر یا افسر ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی لازم ہے کہ ان سے تعلقات بھی اچھے ہوں۔ اگر تعلقات بہت اچھے ہیں تو پھر ایک ہی شرط پوری کی جائے یعنی ان کی بیٹی یا لڑکیوں کے ساتھ اپنی زندگی کا سودا کرو۔ روی کا یہ سوال ملزم کیلئے گم بالکل اللہ کا حکم کرتا تھا۔ یعنی پھر یہ سوچ کر کہ ملزم لوگ تم کیا کر رہے ہو۔ تم سے کوئی بھی تو نہیں چھوڑتی ہے تم آپس میں ایک دوسرے کو دھکے تو نہیں دے رہے ہو۔ ملزم تو پہلے ہی جان گیا تھا کہ وہ اور اس کے والد ایک دوسرے کو دھکے دے رہے ہیں اور یہ کہا جاتا تھا کہ اس کے والد اس طرح سے ایک طرف زمین بھی کھو رہے ہیں اور دوسری طرف اپنی اولاد سے بھی ہاتھ دھو رہے ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی تعلیم بے مقصد ہے اس سے بہتر تو یہ تھا کہ کوئی بھی ہنر سیکھ لیتا یا کوئی ٹیکنیکل تعلیم حاصل کرتا۔ بے مقصد تعلیم بے مقصد زندگی کی طرف دھکیل رہی ہے اور ساری زندگی اذیت ناک ٹیس بن کر رہ جاتی ہے۔ ہندوستانی کسانوں کے بیٹے صرف کلرک بننے کیلئے ہیں جہاں تو وہ ہی لڑکے ڈاکٹر یا انجینئر بن سکتے ہیں جن کے باپ دادا ڈاکٹر یا انجینئر ہوں۔ تاکہ ان کی اولاد ہی صنعت کار اور تاجر بن سکتی ہے۔ جب سے ہماری حکومت ان کسانوں کے بچوں کو ڈاکٹر یا انجینئر بنانے میں کامیاب تاجر بنانے کی کوشش کر رہی ہے تاکہ عدم مساوات ختم ہو جائے۔ تب سے تو اور بھی تباہی آ گئی ہے۔ یعنی ایک طرف کسانوں کے بچے شہری بن کر بیکار بے روزگار ہو رہے ہیں تو دوسری طرف کھیت بنجر ہو کر ویران ہو رہے ہیں۔ وہ تڑپ رہا تھا اس کے جی میں آیا کہ وہ چلا کر کہے قوم کے خود ساختہ خداؤں سے کہ کیوں تم اپنے ناقص، غیر واضح اور ادھورے نظریات کی تشہیر کیلئے اپنی ہی اولاد کو تباہ و برباد کر رہے ہو۔ کیا ان سے صرف تمہاری ہی جیبیں بھر سکتی ہیں۔ تمہاری دہانت صرف تمہاری ہی شہرت کا سرچشمہ بن سکتی ہے۔ کیونکہ وہ تو نونہال ہیں وہ بے نام ہوتے جا رہے ہیں۔

مقصد کے ایسا سوال کرنے کے۔ تیرے والد زمین پر فرنیچر کر کے بچے پڑھا رہے ہیں: ملزم کے دل و دماغ میں ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا۔ ان کے والد نے ہمیشہ صبر و تحمل کے ساتھ ہی سبق دیا: ہم کب تک SIMPLE LIVING HIGH THINKING کا تبلیغ کرتے رہیں گے۔ یہ مقصد تو NOBLE STRUGGLE کا مقصد ہے۔ ہم سب کو اس میں شریک ہو جانا چاہئے۔

روی اپنے سوال کے تاثرات کو ملزم کے چہرے پر پڑھ رہا تھا وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس سوال سے ملزم کو مزید ذہنی صدمہ ہوا ہوگا۔ وہ دل ہی دل میں افسوس کر رہا تھا کہ اسے یہ سوال کرنا تھا۔

روی۔ اب تک کتنے سوالات ہوئے؟

ملزم نے فوراً جواب دیا۔ "تین۔"

ملزم کا یہ جواب سوال کے مطابق تھا روی نے فوراً کہا، یہ جواب تم نے صحیح دیا ہے۔ یاد رہے جب میں نے یہ سوال

[illegible]

مخدوم کو اپنی قابلیت و دماغی استعمال کی ضرورت کا مطلب سمجھ آگیا۔ اس نے شکریہ ادا کیا [illegible]

روسی :۔ آج کی اہم خبر کیا تھی۔

مخدوم :۔ ورت حقیقت بہت ہوتی ہے۔ [illegible] سب سے پہلے [illegible] جائے گی۔

معلم۔ مخدوم کے اس جواب سے متفق تھا کہ [illegible] کے تعلق سے اس کی اپنی رائے کم اہم تھی۔ [illegible] حسن کا پہلو ہی ہے اور ظاہر داری کو اس کی حالت سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ چاہتا تھا کہ مخدوم سے اسی موضوع پر [illegible] مزید سوال کرتا تھا اور سنتا رہتا تھا۔

معلم :۔ اگر زمین الٹا گھومنا شروع کر دے تو کیا دنیا کا جغرافیہ بدل جائے گا؟

مخدوم نے فوراً کہا :۔ نہیں۔

حسینی :۔ جواب مختصر ہے [illegible] اس طرح جو ہر شے کے سوالوں میں سے ایک سوال ہو گا۔ گذشتہ برسوں میں اس بات پر غور کرتا رہا تھا کہ زمین کے الٹا گھومنے سے کیا جغرافیہ بدل سکتا ہے؟ اور اس سلسلے میں غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ زمین کے الٹا گھومنے سے دنیا کا جغرافیہ نہیں بدل سکتا۔ اگر زمین الٹا گھومنا شروع کرے تو دنیا صرف ۲۴ گھنٹوں کے لئے [illegible] اس دوران زمین کے ایک حصے میں ۲۴ گھنٹوں کی رات اور روشنی والے حصے میں ۲۴ گھنٹوں کا دن ہو گا۔ اور پھر کوئی فرق نہیں ہو گا۔ صرف مغرب مشرق ہو جائے گا اور مشرق مغرب۔

مخدوم اپنے اس نظریے کو تفصیلی طور پر پیش کرنا چاہتا تھا مگر روسی کو تو اپنی شرط سے مطلب تھا وہ اس پر کیا غور کرتا۔

ڈاکٹر نے مخدوم کو یاد دلایا کہ اب وقت کا صرف ایک ہی سوال باقی رہ گیا ہے۔

مخدوم نے مسکرا کر کہا۔ ہاں۔ ہاں۔ کوئی بات نہیں تو سوال کرتا جا۔

روسی :۔ ان لوگوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جنہوں نے سب سے پہلے [illegible] اور مادہ کو تقسیم کیا۔

مخدوم روسی کے اس سوال سے محظوظ تو ہوا مگر اس کا خیال تھا کہ روسی استاد ذہین نہیں ہو سکتا۔ یہ سوال صاف مستعار معلوم ہو رہا تھا۔ ممکن ہے پروفیسر نے آج سائیکولوجی کی کلاس میں یہی سوال کیا ہو۔

مخدوم کو تو فوراً مطلوبہ جواب دینا تھا۔ اس نے سوال سے بھی زیادہ دلچسپ اور تحقیق طلب جواب دیا۔

مخدوم :۔ سقراط کا فلسفہ اس کی زہر نوشی میں پنہاں نہیں ہے۔ بلکہ تمام کی تمام اہم ترین نکتوں میں پوشیدہ ہے جو اس نے ہمیشہ [illegible] کے ساتھ گفتگو میں۔ اور اس کے دوسرے شاگردوں نے ان نکتوں کو قلم بند کر کے لوگوں کی [illegible] راہوں کیلئے چھوڑ رکھا ہے۔

روسی کو سقراط کے بارے میں اتنی معلومات نہ تھیں۔ وہ تو صرف یہ جانتا تھا کہ سقراط نے اپنے نظریہ کی حمایت میں زہر کا پیالہ پی کر [illegible] نظریہ کو ہمیشہ کی زندگی بخش دی۔ اور سقراط کو تنہا سمجھا جاتا ہے۔ اگر سقراط کے مخالفین کیا اس کے تعلق سے کوئی [illegible] لکھتے۔ تو اس کی شخصیت صاف ظاہر ہو جاتی۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ اس نے اپنے زمانے کے مروجہ عقائد سے بغاوت [illegible] سماج میں انتشار پھیلا رہا تھا۔ جو مصلح سماج کا الزام ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں سقراط سے ہمدردی یا اس وقت کے [illegible] نفرت نہیں ہونی چاہیے۔ روسی نے قطع کلام کرتے ہوئے سوال کیا۔ اس ایک خدا اور جنگ الگ موجود ہوتی ہے۔ [illegible] خیال ہے؟

مخدوم نے کہا کہ اس سوال کا جواب اگر دیا جائے تو بحث ختم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ تمام قوموں کی [illegible] تاریخ [illegible] گر اس کا کوئی جواب ملے اور سوال اپنی جگہ سوال ہی رہے گا۔

اس کے بعد مخدوم نے کہا۔ نیز روسی کا قصہ بہت لمبا نہیں ہے [illegible]

پیدا کرتا ہے۔ اور انسان کی مہذب دنیا اسی کا انتظار کر رہی ہے۔

روزی نے اتنا محسوس کیا کہ مخدوم کبھی کبھی کسی امیگریشن کے بارے میں گفتگو کرنے سے احتراز کرتا ہے اور اپنے نقطۂ نظر کیوں ظاہر (؟) ہے۔ روزی کو یقین ہو گیا کہ مخدوم پر فلسفیانہ موڈ طاری ہو گیا ہے اب یقیناً وہ شتواؤ (؟) ہے منزل کے قریب ہے۔ مگر وہ چاہتا ہے کہ مخدوم کو کچھ دیر اور اسی طرح مصروف رکھا جائے۔

اس نے کہا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ روح کے مسائل کو ختم کر دیتی ہو؟

مخدوم نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ روزی دلچسپ سوالات کر کے اسے مصروف رکھنا چاہتی ہے۔

اس نے کہا۔ کبھی کسی سپاہی نے دل کی محبت کا گیت نہیں گایا۔ یہ تو ان شاعروں کا مشغلہ ہے جنہوں نے کبھی موت کا منہ یا سامنا نہیں دیکھا۔

روزی۔ موجودہ دنیا کو امن کی ضرورت ہے۔ یہ امن کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے؟"

مخدوم اس سوال کا منتظر تھا اب یہ مزدوری کہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس طرح گفتگو کے تمام سوالات ختم ہو جائیں گے مگر اس نے بڑے اطمینان سے کہانی کے انداز میں جواب دیا۔

موجودہ دنیا کو امن اسی وقت نصیب ہو سکتا ہے جب تک کہ روس امریکہ اور ہماری دنیا کو اناج اور دوائیں سپلائی کرنے کے قابل ہو جائے۔ اور امریکہ اپنی ڈالر ڈپلومیسی اور ہتھیار بیچنے کے ذرائع نہ معلوم کرے۔ اور برطانیہ کو اس کے معیارِ زندگی کی سلامتی کی ضمانت نہ دے سکا جائے۔ اور ایشیائی قوموں کو محنت کا عادی نہ بنایا جائے۔ اور اس وقت تک جب تک دنیا کے ذہین لوگوں کو مختصر سے نہ روکا جائے گا۔ انسانوں کے اس مہذب دور کو امن کی ضرورت باقی رہے گی جیسے ہر ملک کے دور دراز گوشوں میں آج بھی لوگ اس فکر ان کی زندگی کا سفر کر رہے ہیں۔ اور وہ اپنے آپ کو اپنے اجداد سے زیادہ خوشحال اور ترقی یافتہ سمجھتے ہیں۔

روزی نے خوش ہو کر کہا۔ بالکل صحیح ہے، مگر مخدوم اب تیرے ملک کے تمام سوالات ختم ہو گئے۔

مخدوم شتابی بھی ہو رہی تھی مگر … کہ وہ … جلاتے ہوئے کہا۔ کوئی بات نہیں۔ ہماری شرط تو یہاں سے شروع ہو گی۔ اب دیکھیں کون ہارتا ہے۔

وہ جانتے تھے کہ اب تحفظ ملے پر وہ لگے تھے کہ انہیں اسٹیشن … دکھائی دے رہا تھا۔ روزی نے فوراً ارادہ کر لیا کہ وہ نہایت سلسلہ وار مختصر سوالات کرے گی اور مخدوم سے بھی مختصر جواب کی توقع رکھتی تھی۔

روزی نے کہا۔ سوشلزم کا رنگ کیسا ہوتا ہے؟"

مخدوم نے مسکرا کر کہا۔ سوشلزم صدی کی اصطلاحات کی ترکیب کا فلسفہ۔ سوشلسٹ اس کے اور کیا ہے کہ زمیندار اور زرخیز زمینوں پر قوت کا اور … کے نتیجے کو تسلیم کرنا۔ اور کمزور کو مجبور و سخت زمین عطا کر کے اس کا وصول کر لینا ہے وہ زرد چاہے کیوں نہ ہو۔ کیونکہ آگے چل کر انہیں … آسانی سے بدلا جا سکتا ہے۔

روزی نے جواب میں کہا کہ اب روزی صرف گاڑی کے ختم ہونے کا انتظار کر رہی تھی تاکہ فوراً دوسرا سوال کرے۔

روزی: آزادی کس مقدر چیز ہے، یا کس کی؟"

مخدوم کا موڈ … اس نے … اطمینان سے جواب دیا۔ کینیڈی کو اس لئے قتل نہیں کیا گیا کہ اس وقت ایشیا اور یورپ کے بہت سے سربراہوں کو قتل کئے جانے کے اندیشے بڑھ گئے تھے۔ بلکہ امریکی قوم خود ہلاک ہونا چاہتی تھی۔"

روزی نے کہا اس سال … ارادہ … ہونے کا ہے؟"

مخدوم: زندگی تو بہت تنگ کی چیز ہے۔ اگر کہنا چاہتے ہو تو ہم لوگ … سے ہٹ کر ہمیشہ زندہ رہنے کے تعلق سے سوچو۔

مخدوم نے یہ جملہ کچھ اس انداز سے ادا کیا کہ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ نہایت درد سے اپنے کے اظہار کیلئے موقع کا متلاشی رہا ہو۔

روبی:۔ کبھی تم نے کسی لڑکی کو نہیں چاہا ہو گا۔

مخدوم کے لئے یہ سوال نہایت بیہودہ سا تھا۔ مگر اس سے قاتل روبی کا ذہنی معروضیت کا پتہ چل رہا تھا۔

مخدوم نے اپنے چہرے پہ بغیر کسی تاثر کا اظہار کرتے ہوئے یوں جواب دیا۔ "مجھے لگتا ہے کہ [illegible] زندگی ایک جیل میں سمٹ کر رہ جائے گی۔ اُس نے کہا۔ جو انسان آٹھ بجے گھر کے آنگن میں کھڑا ہو [illegible] کہ اس کا گھر کے دریچوں میں سے پہلے کس کا علاج کرائے۔ بیل کا یا بیٹے کا۔؟

روبی کہہ گئی کہ اب مخدوم کو اس طرح کے سوالات کرنے کے بجائے ہر اپنا مشکل ہو گا۔ اس نے سوچا تو پھر کوئی ایسا سوال کیا جائے جو مخدوم کی کمزوری ہو سکے۔ وہ کہنے لگی کہ تم کس کی طرف دیکھا اور کہا۔ مستقبل کا ہندوستان کیسا ہو گا؟

مخدوم کسی قدر جھلا کر کہنے لگا۔ اگرچہ میں یہ بیرطلب رسالہ ہوں۔ لیکن مجھے اس کی پروا نہیں۔ میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مستقبل کا ہندوستان عوام ہی کا ہوگا۔ بیک پاس۔ اور اس کے گزشتہ دنوں پیچھے طاہر ہو گا کہ ایک ہمارے ملک میں جو ہوتا ہے خود غرض لیڈروں کا کوئی [illegible] بیک ملک کی حکومت والوں کے ہاتھوں اور حکومت کی سب سے بڑی خواہش اور فرقہ پرستوں کے ہاتھ بڑے ہم دماغ شامل ہوتا ہے۔ روبی اپنا جیت کی خوشی میں مسکرا کر کہنے لگی۔ "ویسے تم تو شرطیہ ہی جیت گئے۔ تم اس آخری جواب سے پوری طرح متفق ہوں۔"

بس اسٹینڈ ابھی چند قدموں کے فاصلے پر تھا کہ بس رک گئی۔ اور یہ دونوں دو ڈنڈے پکڑے بس میں سوار ہو گئے۔ بس کچھ دور چلی تھی کہ ایک شخص پولیس والے نے بس کو روک دیا اور انسپکٹر نے کنڈکٹر سے کہہ دیا کہ تمام مسافروں کو کہیں پہنچا دو۔ شہر میں کرفیو لگا دیا گیا ہے۔

بس کنڈکٹر نے لوگوں سے اترجانے کیلئے کہا۔ لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے لیکن ان میں سے کوئی اترنے کیلئے تیار نہ تھا۔ سب لوگ جاننا چاہتے تھے کہ بس کیوں نہیں جائیگی۔ کیا بات ہے؟

بس کنڈکٹر نے کہا۔ انسپکٹر صاحب نے یہ بتایا نہیں۔ لیکن اب یہ بس نہیں جائیگی۔ جلدی جلدی اترو۔

پچھلی سیٹ سے ایک شخص سارے منظر کو دیکھتے ہوئے اتر گیا۔ اس میں تعجب اور حیرت کی کیا بات ہے۔ شہر میں کوئی فرقہ وارانہ فساد ہوا ہوگا۔ سیاسی جھڑپوں اور حکومت میں ٹھن گئی ہوگی۔ لوگ خود اس فساد کا نام سن کر دم بخود اتر گئے۔ بس میں بیٹھے دو لوگ ایک دوسرے کو مارنا شروع کر دیں۔

روبی اور مخدوم بھی اتر گئے۔ مسکراتے ہوئے دونوں کے چہرے اداس ہو گئے تھے۔ لیکن دونوں کی آنکھوں میں [illegible] اس خود غرضی اور فساد کا نام سن کر ان کے ذہن و دماغ ماؤف اور جسم شل ہو گئے تھے۔ وہ بس سے اتر کر خاموشی سے شہر کی طرف آہستہ آہستہ پیدل چل پڑے۔ فضا کی خاموشی سا یہ گہری ہو کر تاریک ہو گئی تھی۔ پیچھے اسٹیشن کی بتیاں بھی بجھا دی گئی تھیں۔ ہر طرف سکوت اور سناٹے کے سوا کچھ محسوس نہ ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ موت کا ہاتھ فطرت کی نبض سے کھیل رہا ہے۔ [illegible] شدت سے آنے والی موت کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ مخدوم اور روبی نے اپنی رفتار اور تیز کر دی۔ آہستہ آہستہ زمین کی وحشت انگیز آواز پوری فضا پر چھا گئی۔ اور وہ دونوں شہر کی طرف تیز رفتار سے زمین میں چھپنے والے اور لاش کو شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ ●●

شعر بینہ

اسرار اکبر آبادی

موڑ

آپ اپنی جستجو میں کھو گئی ہیں منزلیں
زندگی کو راستوں پر کچھ نظر آتا نہیں
آسماں کی جنبشوں سے چھن رہی ہیں الجھنیں
کس طرف جانا ہے مجھ کو کوئی بتلاتا نہیں

دور تک گہرائیوں میں رک گئے ہیں قافلے
مغربی اونچائیوں پر بستیوں کا ہے دھواں
کچھ پرندے جم گئے ہیں وقت کے پھیلاؤ پر
منجمد خاموش چہروں پر ہیں حیرت کے نشاں

خوشنما خوابوں کے خاکے جل رہے ہیں خاک میں
حال و مستقبل پہ ہوتا ہے اندھیروں کا گماں
بھولے بھٹکے دائروں میں آس ہے الجھی ہوئی
ناامیدی کے خلا میں کشمکش کا ہے سماں

دستکوں کی سنسناہٹ سے فضا میں ارتعاش
روح مضطر پھر رہی ہے راستہ بھولی ہوئی
کروٹوں پر کروٹیں ہی لے رہے ہیں فاصلے
عظمتوں کے ارتقا کی سانس ہے پھولی ہوئی

آج کے ٹوٹے ہوئے سینے میں کل کا درد ہے
زندگی کو ڈس رہی ہے گرم لوہے کی لکیر
پتھروں کے [illegible] پر چھا[illegible] ہیں سرنگوں
ٹھوکریں کھا کر چلے آتے ہیں صدیوں کے سفیر

ڈگمگاتی الجھنیں یہ گردشوں کے سلسلے
وادیوں کے پیچ و خم میں تیرگی کا موڑ ہے
قافلے والو سنبھل کر مشعلیں روشن کرو
عظمتِ پرواز کے آغاز کا یہ توڑ ہے

ظلمتوں میں زندگی کی آبرو لٹنے نہ پائے
ہاں نئے بڑھتے اجالو راستہ چھٹنے نہ پائے

محمود واجد

بچن ——— ہندی کا خیّام

"کھاؤ پیو اور خوش رہو" یہ قول ایک کہاوت کی طرح مشہور ہو گیا ہے۔ ادب کی تاریخ میں ایسے تصور رکھنے والے کم نہیں۔ عربی شاعر ابو نواس کا کلام شراب میں شرابور ہے۔ فارسی کے عمر خیام کی رباعیاں ان کے لفظوں سے غسل کر کے نکلی ہیں۔ انگریزی کے ہیرک اور ٹنگ کے سانیٹ نشے میں سرمست ہیں۔ اردو کے ریاض خیرآبادی اور جگر کے شیشے میں آج تک رندی کے اشعار پرتے ہوئے ہیں۔ مگر ان سب میں سب سے عظیم خیام کا فلسفہ ہے۔ کل کا فکر فضول ہے۔ آج کا اور جینے کا حق ادا کرو۔ یہاں تک کہ وہ اس مستی میں خدا کو بھی نہیں بخشتا ۔

ابریق مئے مرا شکستی ربّا ——— بر من در عیش را ببستی ربّا
بر خاک بریختی مئے گلگون مرا ——— خاکم بدہن کہ تو مستی ربّا

(اے خدا تو نے میری شراب کی صراحی توڑ دی۔ مجھ پر عیش کا دروازہ بند کر دیا۔ میری سرخ شراب کو خاک پر گرا دیا۔ خاکم بدہن تو بھی مست ہے اے رب) وہ تو یہاں تک کہتا ہے کہ ۔

چوں فوت شوم بہ بادہ شوئید مرا ——— تلقین ز شراب و جام گوئید مرا
خواہید بروز حشر یابید مرا ——— از خاک در میکدہ جوئید مرا

(جب میں مروں تو شراب سے مجھے غسل دو۔ اور بوقت مرگ جام و شراب ہی سے تلقین کرو۔ اگر چاہتے ہو کہ قیامت کے دن مجھے پاؤ تو در میکدہ کی مٹی میں مجھے تلاش کرو۔)

ہندی شاعر بچن بھی کم و بیش یہی تخیل رکھتا ہے ۔

میرے ادھروں پر ہو انتم وستو نہ تلسی دل پیالا ——— میری جیہوا پر ہو انتم وستو نہ گنگا جل ہالا
میرے شو کے پیچھے چلنے والو یاد اسے رکھنا ——— رام نام ہے ستیہ نہ کہنا کہنا سچی مدھوشالا

(میرے ہونٹوں پر آخری وقت تلسی کی پتی نہ ہو بلکہ جام ہو اور میری زبان پر آخری شے گنگا جل نہ ہو بلکہ شراب ہو۔ اے میرے جنازے کے پیچھے چلنے والو یاد رکھو کہ رام نام ستیہ ہے نہ کہنا بلکہ کہنا کہ میخانہ کا نام سچا ہے)

اس طرح سے دنیا کی مختلف زبانوں کے کئی بڑے شاعر ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ غالب نے کہا ۔

مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو ——— اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

مے بیخودی کا غم سے نجات پانے کا ذریعہ ہے۔ بچن بھی اسی عقیدے کو مانتے اور بے اختیار پکار اٹھے ۔

یاد نہ آئے دکھ مے جیون اس سے پی لیتا ہالا ——— جگ چنتاؤں سے رہنے کو مکت اٹھا لیتا پیالا
شوق سادھ کے اور سواد کے ہیتو پیا جگ کرتا ——— پر میں وہ روگی ہوں جس کی ایک دوا ہے مدھوشالا

میں شراب اس لیے پیتا ہوں کہ دکھ بھری زندگی یاد نہ آئے۔ دنیا کی فکر سے نجات پانے کو جام اٹھاتا ہوں۔ لوگ شوق کے لئے اور سواد کے لئے

پیتے ہیں، لیکن میں وہ بیمار ہوں جس کی دوا ہی شراب ہے)

حضرت جگر نے بھی کچھ ایسی ہی بات بڑے پیارے انداز میں کہی ہے ـــ

اس واسطے پیتا ہوں کہ مل جائے جوانی ۔۔۔ واللہ کسی شوق کے مارے نہیں پیتا

لیکن بیسویں صدی یا اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہر جگہ شراب کا مقصد حقیقی شراب ہے۔ بعض حالات میں یہ محض علامتی شے ہے۔ شراب سے مراد [illegible] ہے۔ فارسی اور اردو کے بیشتر اساتذہ نے اسے انھیں معنوں میں لیا ہے۔ ہاں بعض نے اسے مجازی معنی پہنائے ہیں۔ یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ انھوں نے زندگی کی بے راہ روی کو اپنے فن پر پڑنے نہیں دیا۔ (میرا مطلب بے راہ روی سے ہے)۔ یہ کردار کا جوہر ہے۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ عملی زندگی میں کسی نے شراب کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور شراب پر بے شمار پہلوؤں سے اشعار کہے ہوں۔ اردو میں ریاض اس کی تابندہ مثال ہیں جن کے یہاں خمریات پر شاید سب سے زیادہ (ہزاروں اشعار) ہیں۔ ـــ

مجھ سے مینا یہ کہتا ہے، آوازِ بلند ۔۔۔ میرے ہوتے ہوئے اندیشۂ فردا کیا ہے

خیام کہتا ہے ـــ

مے خور کہ چنیں عمر کہ غم در پئے اوست ۔۔۔ آں بہ کہ بخواب یا بمستی گذرد

(شراب پی تاکہ زندگی میں جو غم ہے وہ اس میں ڈوب جائے۔ ہر فکر کو مستی میں محو کر ٹال دے!)

غم بھلانے کو شراب پینے کا جواز تقریباً سبھی شاعروں نے ڈھونڈا ہے۔ لیکن ہر ایک کا انداز منفرد ہے۔ کوئی شراب کو شراب سمجھ کر پیتا ہے، کوئی خونِ دل پیتا ہے اور کہتا ہے کہ شراب پی لی۔ اپنا اپنا ظرف ہے۔ لیکن ان معنوں میں ہندی کے ریاض ہیں کہ انھوں نے خود شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اپنے مجموعۂ کلام "مدھوشالا" میں وہ کہتے ہیں۔

* "مدھوشالا کی بہت سے پاٹھک (قاری) اور شروتا (سامعین) ایک سمے (وقت) کہا کرتے تھے کچھ شاید اب بھی کہتے ہوں کہ اس کا لیکھک (مصنف) مدیرا (شراب) کے نشے میں چور رہتا ہے۔ واستوکتا (حقیقت) یہ ہے کہ مدیرا نام دھاری دَرو (شراب نامی جنس) سے میرا پریچے (تعارف) اکھرشہ (لفظاً) ہوائے نام ہے۔ نشے سے انکار نہیں کروں گا۔ زندگی ہی ایک نشہ ہے۔ کویتا (شاعری) بھی ایک نشہ ہے اور بھی بہت سے نشے ہیں۔ اپنے پریمیوں کا بھرم دور کرنے کے لئے ایک سمے (وقت) میں نے ایک رباعی لکھی تھی۔

سویم نہیں پیتا اوروں کو کنتو پلا دیتا ہالا ۔۔۔ سویم نہیں چھوتا اوروں کو پر پکڑا دیتا پیالا
پر اُپدیش کشل بہتیروں سے میں نے یہ سیکھا ہے ۔۔۔ سویم نہیں جاتا اوروں کو پہنچا دیتا مدھوشالا

(میں خود نہیں پیتا لیکن اوروں کو شراب پلا دیتا ہوں۔ خود نہیں چھوتا لیکن دوسروں کو جام پکڑا دیتا ہوں۔ لیکن یہ نصیحت میں نے بہت سارے ماہروں سے سیکھی ہے کہ خود نہیں جائے لیکن دوسروں کو مے خانہ تک پہنچا دیتے ہیں۔)

مجھ سے اکثر یہ سوال پوچھا جاتا ہے: آپ پیتے نہیں تو آپ کو شراب پر لکھنے کی پریرنا (تحریک) کہاں سے ملتی ہے؟ یہ پرشن بھولا بھالا ہے اور ایک حد تک [illegible] (خیال)، آیا کاشستھوں کے کل (خاندان) سے جنما (پیدا ہوا) ہوں جو پینے کیلئے پرسدھ (مشہور) رہا ہے۔ سو چھوڑ کر بزرگوں کا آباؤ اجداد کا کیا [illegible] (نتیجہ) مجھ پر سنسکار (روایت) نہ چھوڑ گیا ہوگا۔ ایک رباعی تھی ـــ

میں کاشستھ کلودبھو میرے پرکھوں نے اتنا ڈھالا ۔۔۔ میرے تن کے لہو میں ہے پچھتر پرتی شت ہالا
پشتینی ادھیکار مجھے ہے مدیرالے کے آنگن پر ۔۔۔ میرے دادوں پردادوں کے ہاتھ بکی تھی مدھوشالا

(میں کاشستھوں کی اولاد ہوں میرے باپ دادا نے اتنا ڈھالا کہ میرے جسم کے خون میں پچھتر فیصدی شراب ہے۔ میرا حق میخانے کے آنگن پر خاندانی ہے کیونکہ میرے دادوں پردادوں کے ہاتھ میخانہ بکا تھا۔)

لیکن سچ تو یہ ہے کہ ہم لوگ اس دور کے کاشستھ ہیں جن کے یہاں کہاوت (کہاوت) ہے کہ اگر کوئی شراب پی لے تو کوڑھی ہو جائے گا۔ یہ بھاگیہ (قدرت) کا ایک ویَنگیہ (طنز) ہے کہ مجھ جیسوں نے مدیرا (شراب) نہ پینے کی قسم کھا رکھی ہے (صہبا) کی [illegible] کے [illegible] اور [illegible]

مدیرا کی اتنی وکالت کی ...!"

دراصل کاتن ایک مخصوص بحر و وزن رکھتا ہے جو آہنگ و نغمگی رکھتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ فارسی الاصل ہے۔ [illegible] اس کا تتبع سب کم ہوا ہے۔ سب سے اہم کوشش بچن نے کی اور انہے لیے [illegible] اسکے تتبع [illegible] ایک ہی التزام [illegible] کو برجستہ مصرعے میں مدھوشالا اور [illegible] کی شکل ہے۔ [illegible] کے لحاظ سے [illegible] رباعیاں [illegible] کو ہندی کے قریب لانا [illegible] کہ ہندی کو اردو کے قریب لے گئے۔ ہندی شاعری میں اردو و فارسی کی بحر کے علاوہ [illegible] جنس [illegible] کا فرق ہے۔ [illegible] ہندی اور اردو شاعری کا جہاں اردو میں [illegible] اور آہنگ ہے وہاں ہندی میں [illegible] اور عالمانہ پن ہے۔ جہاں جہاں ہندی نے اردو اور فارسی کے اثرات قبول کئے ہیں وہاں وہاں [illegible] کی ہم آہنگی ملتی ہے۔ بچن کی بنیادی [illegible] اور [illegible] کا حامل ہوتا ہے۔ اردو دو بہت معنوں میں [illegible] کے تہذیبی [illegible] اثرات اردو میں سب سے زیادہ ہیں، اپنا مخصوص مزاج رکھتی ہے اور ہندی کا اپنا۔ حالانکہ دو تنہا نہیں ہیں۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ بچن کی رباعیاں عمر خیام کی رباعیوں سے اثر انداز ہوئی ہیں۔ فرق صرف عقیدوں اور تہذیبوں کا ہے ...
[illegible] کا اصل [illegible] مزاج رکھتا ہے جو واقعیت حیات کے اعتبار سے الگ ہے۔ بچن نے خود کہا ہے۔

"میں عمر خیام کے ہر مصرعہ [illegible] جذبات کا ہم [illegible] کے بعد میں پڑھ کر چھلکا دیتی [illegible] ہے۔ عمر خیام کی رباعیاں بظاہر [illegible] ہوں مگر [illegible] فکری اور فنی اعتبار سے اتنی بلند ہیں کہ ان کا [illegible] سال [illegible] میں [illegible] کی مقبولیت کا باعث ہے۔ بچن کی ہندی ادب میں کم [illegible] ایک تصنیف مدھوشالا کے [illegible] ایڈیشن نکل چکے ہیں اور پچھلے تیس برسوں سے آج تک کسی کتاب کو [illegible] مقبول عام [illegible] ہے۔ عمر خیام کی طرح [illegible] فلسفہ حیات نہیں [illegible] فکری گہرائی اتنی زیادہ نہیں ہے [illegible] بچن کے سب قریب [illegible] اور دل و جان سے [illegible] کی طرح [illegible] ایک جگہ [illegible] ہیں۔

مدھوشالا [illegible] سے متعلق [illegible] شاعری [illegible] کے [illegible] کا سبب [illegible] (اللہ) [illegible] ہوگئیں۔ بچن کی [illegible] سے موازنہ کرتے ہوئے آگے [illegible] لکھتے ہیں۔ "ایک کا [illegible] عاشق [illegible] ایک [illegible] (مدیرا) [illegible] ایک [illegible] (مدیرا عالم)۔"
کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک [illegible] پر پڑتا ہے تو دوسرے کا دل [illegible]۔ ایک سے [illegible] تو دوسرے سے [illegible] ہے اور یہ دوسرا [illegible] کہ مدھوشالا [illegible] اصل [illegible] دل میں [illegible] وہ [illegible] بچن کے نزدیک اصل [illegible] ہے۔ اسی میں انسان [illegible] ہو جائے۔ [illegible] تو آپ [illegible] کی رباعیاں عمر خیام کی رباعیوں کی طرح عام میں [illegible] ہیں۔ بچن نے خود [illegible]۔

[illegible] مدیرا (شراب) [illegible] (دخت) [illegible] کال (مالی) کے [illegible] دشمنی [illegible] ہو جاتے ہیں۔ جیسے [illegible] اور [illegible] (دولت) [illegible] ہو جاتا ہے [illegible] (زندگی) کی [illegible] (تکلیف) اور [illegible] کو [illegible] (مادی) [illegible] (محنت)، [illegible] (مصیبت)، [illegible] (اذیت) [illegible] ہے۔ [illegible] مدیرا (زندگی کی شراب) [illegible] کتنی کڑوی ہے! یہ مدیرا (شراب) [illegible] کو اُتار دے گی۔!"

[illegible] بچن کی [illegible] نظر [illegible] ہوتا ہے۔ زندگی بڑی سخت ہے [illegible] کی ایک [illegible] کہ انسان [illegible] جائے۔ شراب کے نشے میں [illegible] جائے۔ شراب اور [illegible]

بچن کی مدھوشالا میں جو شراب ہے وہ عقیدہ اور مذہبوں سے بھی اونچی ہے ... اس کے علاوہ ... جیسا کہ انہوں نے بیان کیا نہیں مدھوشالا میں ہندو مسلم کا جھگڑا ختم ہو جاتا ہے جہاں ہر کسی کو جام ملتی ہے جس جگہ ہر کوئی اپنا غم بھول جاتا ہے انسان کا انسان سے ملاپ ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں ___

مسلمان اور ہندو ہیں دو ایک مگر ان کا پیالا   ایک مگر ان کا مدیرالیہ ایک مگر ان کی ہالا
دونوں رہتے ایک نہ جب تک مسجد مندر میں جاتے   بیر بڑھاتی مسجد مندر میل کراتی مدھوشالا

(مسلمان اور ہندو دونوں مگر ان کا جام ایک ہے ایک ہی میخانہ ہے۔ ایک ہی شراب ہے۔ دونوں ایک ہیں لیکن نہیں رہتے کیونکہ مسجد میں ایک نہیں ہونے دیتے جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے لیکن میخانہ ان میں میل کراتا ہے)۔ اسی طرح مدیرا (شراب)، مدھوشالا، میخانہ، پیالہ اور ساقی کی علامات سے جو کام لے کر بچن نے اپنی رباعیوں میں بڑا تنوع پیدا کیا ہے۔ خیام اس معنی میں ان سے آگے بڑھ جاتے ہیں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی قضا و قدر کے ہاتھوں میں ہے۔ دو روزہ عمر خوش ہو کر کیوں نہ گزاری جائے۔ لہٰذا وہ غم کو بھی شراب کی طرح [illegible] جاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مستی و سرشاری میں وہ بہت دور چلے جاتے ہیں۔

خیام اگر ز گناه این ماتم چیست   وز خوردن غم فائده بیش و کم چیست
آن را که گنه نکرد غفران نبود   غفران ز برای گنه آمد غم چیست

(اے خیام اگر تم نے گناہ کیا ہے تو غم کیا ہے۔ حق کے کرم کو اظہار کا بھی تو موقع ہے۔ جو گناہ نہیں کرتا اس کی مغفرت کا سوال کہاں پیدا ہو گناہ کے سبب مغفرت ہے تو غم کس بات کا!)

بچن کہتے ہیں ___

پاپ اگر پینا، سم دوشی تو تینوں ساقی بالا   نتیہ پلانے والا پیالا، پی جانے والی ہالا
ساتھ انہیں بھی لے چل میرے نیائے یہی بتلاتا ہے   قید جہاں میں ہوں کی جائے قید وہیں پر مدھوشالا

(پینا اگر گناہ ہے تو تینوں ہی گناہگار ہیں ساقی، ہمیشہ پلانے والا جام اور پی جانے والی شراب۔ انصاف یہی کہتا ہے کہ انہیں بھی میرے ساتھ لے چل۔ جہاں میں قید ہوں وہیں میخانہ بھی قید ہو)۔ انہیں احساس ہے کہ شراب اور ساقی کے لوازمات دراصل [illegible] ہیں اگر انہیں زندگی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں تو زندگی کس کام کی۔ میرے لئے تو یہی سب کچھ ہے۔ زندگی سے اگر خلوص و محبت کا [illegible] دینے والا کیا رہ جاتا ہے۔

غم کے باب میں خیام کہتے ہیں ___

تا کی ز غم زمانه محزون باشی   با چشم پر آب و دل پر خون باشی
مے نوش و دمے بعیش کوش و خوشدل باش   زان پیش که زین دائره بیرون باشی

(کب تک زمانے کے غم میں پریشان ہوگا۔ کب تک چشم نم اور دل پرخون لے کر رہے گا۔ مستی و شراب میں ہر غم کو ڈبو دے اور خوش رہ! کل کی کیا خبر کیا ہوگا!)

خوش اوقات ہونے کی یہاں ایک بات ہے خیام کا اس میں جواب نہیں۔ لیکن خوش نصیبی کے ساتھ ہم سفری کا احساس بچن کو ہے۔ وہ میخانے کو ایسی آنکھوں سے دیکھتے ہیں جن میں کوئی تفریق نہیں۔ ما و تو کا جھگڑا باقی نہیں رہ جاتا۔ سب برابر ہو جاتے ہیں خیام پر خوش اوقاتی کا غلبہ ہے اور بچن [illegible] خیال میں کا [illegible] ہے۔ جو بلا امتیاز این و آن سب کچھ ایک کر دیتا ہے [illegible] بچن کے یہاں بھی کم نہیں ہے۔ شراب اور ساقی کا ذکر ہی لطیف شے ہے اور پھر اس کا والہانہ اظہار [illegible] کو اس اظہار کا لہجہ۔ بچن کی آواز سیکڑوں میں پہچانی جا سکتی ہے۔ ان کا منفرد لہجہ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہندی شاعری [illegible] مقبولیت ملی۔ [illegible] اور اس میں وہ ایک مخصوص مقام رکھتے ہیں۔ [illegible] ہندوستان کی کسی دوسری [illegible]

شفیقہ کوثر

غزل

محبت پھول بھی ہے خار بھی ہے
جمالِ طور بھی ہے، دار بھی ہے
تمھارا منتظر میں ہی نہیں ہوں
چمن میں نرگسِ بیمار بھی ہے
نفس ہی اک نہیں رستے میں حائل
حجابِ روح کی دیوار بھی ہے
اسے تم قہقہا سمجھو نہ میرا
شکستِ دل کی یہ جھنکار بھی ہے
سکونِ روح بھی ہے اشکِ غم بھی
محبت لطف بھی آزار بھی ہے
زباں ہے مرہمِ زخمِ جگر بھی
زباں چلتی ہوئی تلوار بھی ہے
فنا ہونے پہ ہے مجبور انساں
جو تیرا عکس بھی شہکار بھی ہے

طاہرہ قریشی

غزل

لہو دل کا لئے پلکوں پہ اشکِ لرزہ تاب آیا
مری آنکھوں کی بینائی چرا لینے آفتاب آیا
حرم سے میکدے میں کون بہرِ احتساب آیا
بڑھا مینا کا دل، جام و صراحی پر شباب آیا
وہ کیوں چھپتے گل و لالہ و انجم کے پردوں میں
ہماری بے حجابی دیکھ کر اُن کو حجاب آیا
تمھارے شوقِ بیتاب بے صبح تک بیدار رہنا ہے
خیالِ یار پر تکیہ کئے آنکھوں میں خواب آیا
کہاں تھا پہلے دنیا کے خط و عارض کا یہ عالم
جبیں چومی تمھاری جب کہیں رنگِ شباب آیا
زمیں بدلی، زمیں پر بسنے والے تو نہیں بدلے!
پڑے ملبے محل ہی چیخ اُٹھی انقلاب آیا
تپتی دوپہر اور یہ درختوں کے گھنک سائے!
کسی کے گیسوؤں کی چھاؤں لیکر آفتاب آیا
مجھے چھونا ظرفتہ کیوں نہ اپنی باریابی پہ
گیا با آب و تاب اس بزم میں با آب و تاب آیا

شاہکار

مراٹھی کہانی — مترجم ـ نور پرکار — از:۔ آشا بھاجیکر

سنگیتا

جانتی ہو اس کے بعد کیا ہوا۔؟

اس کی بچی نے سے پرندے نے اپنے پر تول لئے۔ اور راج محل کے گنبد کے اوپر ہوئے جھٹکا سا شروع ایک عجیب سا انتباہ رہی۔ کئی لاکھوں جو اتنی جلدی ہوئے اس احساس اور پریشان دل کی آنکھوں پر نیند کے سائے اتر آئے اور وہ نیند کی آغوش میں گویا دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگئی۔ سنگیتا کی پیشانی پر الجھے ہوئے بالوں سے کھیلتے ہوئے میں اسے کہانی سنا رہی تھی۔ وہ دوپہر اور رات سونے سے قبل اسے کہانی سنانی ہوتی ہے۔ جب تک اسے کہانی نہ سنائی جائے سونے کا نام نہیں لیتی۔ اس لئے دوپہر میں کسی بھی ضروری کام کو پرے رکھ کر کہانی کی ابتدا کرنی ہوتی تھی۔ پہلی کہانی تو پوری ہو جاتی مگر دوسری کہانی جب تک اپنے اختتام کو پہنچتی۔۔۔ سنگیتا سو چکی ہوتی۔ لیکن آج پہلی کہانی بھی ابھی پوری ہونے بھی نہ پائی کہ نیند کی پری نے اسے آدبوچا۔ میں نے اسے چھوٹی سی کھاٹ پر لٹا کر مچھر دانی گرادی۔ ہمارے گھر میں گاؤں کے باہر ہونے کی وجہ دن میں بھی کھٹمل اور مچھر [illegible] اپنا راگ الاپتے رہتے ہیں۔ اس لئے مچھر دانی کا دن میں بھی استعمال نہایت ضروری ہے۔ میں نے کھڑکی میں [illegible] کے لئے اپنی آنکھیں [illegible] سے ٹکرا رہی۔ میں نے اپنا رخ دیوان خانے کی طرف کر دیا۔ دیوان خانے کے دروازے میں ایک لفافہ [illegible] ۔ مگر اسی لمحے مجھے یاد آگیا [illegible] سے [illegible] گئی تھی۔ [illegible] کا خط آج آنا چاہئے تھا مگر تحریر اجنبی سی تھی اس لئے میں نے لفافے کو چاروں طرف سے اور جب [illegible] بات کا یقین ہو گیا کہ یہ خط شناسا لوگوں میں سے کسی کا نہیں ہے تو میں نے لفافہ چاک کیا۔ لفافے میں ایک چھوٹا سا کاغذ کا ٹکڑا اس [illegible] صرف پانچ سطریں۔ لیکن اتنی مختصر سی تحریر پڑھتے وقت مجھے محسوس ہوا جیسے دھیرے دھیرے کوئی میری روح قبض کر رہا ہو!

....."نہیں نہیں، بالکل نہیں۔ سنگیتا میری ہے، صرف میری۔ وہ اس پر کسی کا کوئی حق نہیں۔" میں نے اپنے آپ سے کہا اور اٹھ کر [illegible] سنگیتا [illegible] نیند سو رہی تھی۔ میں نے اسے اپنے ہاتھوں میں لے کر اس قدر اپنے سینے سے بھینچا کہ سوئی ہوئی سنگیتا بھی [illegible] دھیرے دھیرے پھر نیند کی آغوش میں [illegible] دیا۔ وہ سو گئی مگر میں نہ سو سکی میں جاگ گئی تھی، میرے خیالات جاگ گئے!

اس کہانی کو شروع ہوئے آج تین سال ہو رہے ہیں۔ میں بڑی خاموشی سے اس امریکہ سے آئے ہوئے ڈاکٹر کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ یہ ڈاکٹر بھی جو انہوں نے کی بات منظور کریں گے کیونکہ ایک ایک کر کے ساری امیدیں ختم ہو چکی تھیں۔ اس [illegible] کہ [illegible] سے [illegible] کا جھکا ہو اچہرہ آنسو اداس تھا۔ ڈاکٹر نے یکایک اپنا لہجہ بدلا۔ اور مجھ سے پوچھا کیا بچپن میں تم کو حادثے کا شکار ہونا پڑا تھا!

"جی ہاں؟"

ڈاکٹر نے بڑی گمبھیرتا سے کہا: آپ کی آنتوں کو سخت نقصان پہنچا ہے اس لئے اب بچے کا جنم لینا ناممکنات میں سے ہے۔"

میں [illegible] نے مجھے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ زندگی میں ہر شخص کو سب کچھ میسر نہیں ہوتا۔

[illegible] ... !
[illegible] ؟
[illegible] کریں گے؟
اور اگر حالات ایسا کرنے پر مجبور کریں تو؟ [illegible]
[illegible] اپنے بچے کی ماں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ؟
مولوی!
[illegible] ؟
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

دوڑیں تو مجھے کا موقع ملا۔ بیگم کی نہیں کی آج میں [illegible] بھی میں نہ ہوئی تھی کہ ان کو بات ہوئی مٹھا
بے کل رہے تک [illegible] سے کہ ہم سب گھنٹے ہوئے رہے تھے۔ ہم نے پہلا گھر پہنچنے ہی ملنے والے۔ [illegible]
رکشا کو لے لیا۔ کیسے کیسے حسرت جیتے رشتے آج ہوا کہ اس وقت نے میرے گھر پہنچ کی آگ دی۔
"سنگیتا کی ماں شیشے سے جھانک رہی ہے"
لیکن کیوں اور [illegible] آج کل سے جیسے بیٹھے بنی ہوں کہ وہ دن شام ہی ہر وقت کسی کو جا کے دیکھا گیتا کی ماں
آتی ہی ہوگی۔ گر اب کیا میں اس کا حال ہے۔؟
ابھی وقت کال ہی [illegible]۔ میں نے اپنی کمرے بولا آنٹ کو کہ سب مال کھول کر دیکھا تو سامنے پلنگ پر سنگیتا بیٹھی
کی ماں کا رنگ اور اس کا چہرہ آئینہ جیسا کیسے ہی اس کی آنکھیں [illegible] ہیں کھو سی سامنے تھی۔
میں نے استعمال [illegible] سامنے کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر اس کی [illegible] شروع تھے [illegible]
ہے کہ اس نے سنگیت [illegible] میرا خیال ہوگا۔
میں اس کا جواب سوچ رہا تھا کہ اس کے بعد [illegible] کیے گئے خیالات میں اپنا سر ہلایا۔
"وہ پھر کیسے [illegible] کر باہر نکل رہی ہے" اس کے بعد [illegible] اس کی [illegible]
پر دیا [illegible] بھی کہا۔ مجھے [illegible] ہوئی بولا: "میں [illegible] کی اس [illegible]
کیا [illegible] زندگی کے [illegible] ختم کر کے [illegible] یادوں کو [illegible]
کیا۔ "کیسے [illegible] بات ہے [illegible] ماں نے آکر [illegible] ہے۔ اور تمہارے پاس ہے۔ [illegible]
تم اس کا ذکر نہ کرو۔"
یکایک وہ رک گئی اور پوچھ بیٹھی۔ "کیا آگئی ہے وہ میری طرح پاگل کی طرح؟"
میں اس کی [illegible] کر رہا تھا [illegible] سے نکال کر دیا [illegible]
آنا ہوں [illegible] گر بات [illegible] ہے۔ البتہ [illegible] اپنے [illegible]
ابھی وقت [illegible] لیٹ گا۔ میں نے [illegible] لگایا۔
اور [illegible] اس [illegible] کو دیکھ کر [illegible] میرے قریب آگئی۔
سنگیتا نے [illegible] اس [illegible] اس کی آنکھیں بھر آئیں۔
رات بھر سنگیتا میرے [illegible] میں [illegible] خیالات کی ایک [illegible] سنگیتا اس کی ہے۔ اس لئے [illegible]
پاس [illegible] میرے [illegible] اور [illegible] تمہارے پاس کیا رہے گا۔ کیسے کیسے [illegible]
جیسے ہیں تم نے اس کے لئے [illegible] کیا؟
رات بھر [illegible] اس بات کا اندازہ لگا لیا۔ اس [illegible] میں جانتی ہوں
بن تمہیں بھی تکلیف ہو رہی ہے۔ مگر میں مجبور ہوں۔"
[illegible] سنگیتا کو لے جا رہی ہو" میں نے اپنے سینے پر پتھر رکھتے ہوئے کہا۔
اگلی شام [illegible] سنگیتا کو [illegible] حسب معمول میں رات بھر اس کے سرہانے بیٹھی دوائیں پلاتی
رہی۔ [illegible] اس لئے وہ زیادہ دیر [illegible] سکی تھی۔
آخر [illegible] میں سنگیتا کے کپڑے بیگ میں بھر رہی تھی اور [illegible] کو ہدایات دے رہی۔ ایسے دو وقت
[illegible] بالکل [illegible] لیکن [illegible] کہ وہ [illegible] ہو لے کے جلتے ہیں اسے گرم کپڑے

[illegible]

[illegible] ایک ہے بس اور [illegible] اس کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتا ہے؟

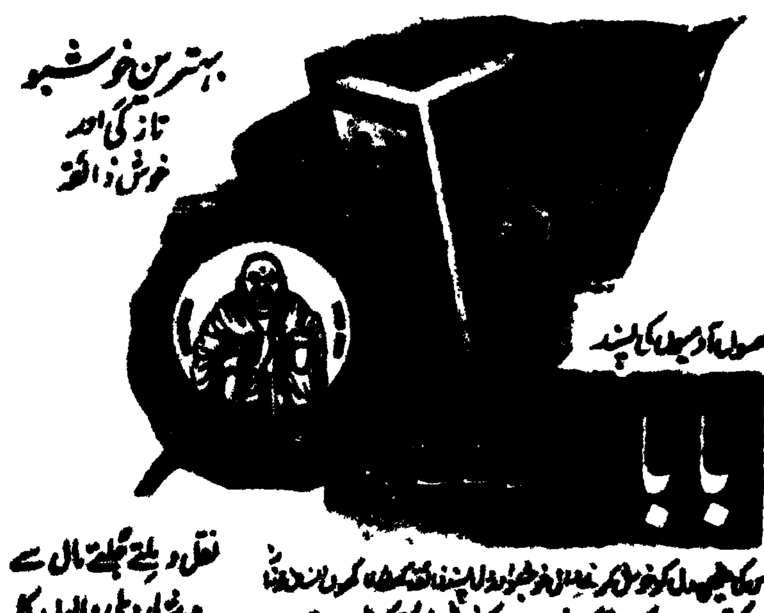
[illegible]

[illegible] پیاسی ہیں!

[illegible]

[illegible] تمہاری —— ارونا

[illegible] جیسے زندگی کی ایک نئی کہانی کا آغاز ہو رہا ہے...!



بشر نواز

غزل

اس شہر کی گلیوں میں چرچے ہیں مرے دل کے
افسانہ در افسانہ قصے ہیں مرے دل کے

کس حد کے چہرے سے الٹوں میں نقاب آخر
ہر حد سے نکل جانے فتنے ہیں مرے دل کے

اک قیدِ مسلسل ہے اس شوخ کی چاہت بھی
اب تو مری آنکھوں پر پہرے ہیں مرے دل کے

بچھڑے ہوئے خوابوں کو ڈھونڈو تو کہاں ڈھونڈو
رستے تو کئی دن سے سونے ہیں مرے دل کے

کیفیتیں کچھ کچھ تو شعروں سے ہوئیں ظاہر
کچھ رنگ جبیں سے بھی جھلکے ہیں مرے دل کے

شاہد صدیقی (لکھنوی)

غزل

معجز بیاں ہیں نطقِ گہربار کی طرح
ہم وہ کہ چپ ہیں سایۂ دیوار کی طرح

نادانیوں نے دل کی ہمیں در بدر کیا
ہم بھی گراں تھے ورنہ ترے پیار کی طرح

ٹھہرا نہ گل فروش جہانِ خراب میں
موسم کوئی بھی موسمِ دیدار کی طرح

بربادیوں سے کھیل کے اے خودسری تجھے
ہم کر چلے عظیم غمِ یار کی طرح

سوچیں ہیں بار بار یہ بولیں ہیں گاہ گاہ
ہم کم سخن ہیں ندرتِ افکار کی طرح

شاہد مہک رہی ہے خیالوں کی انجمن
اب تک کسی کی زلفِ طرحدار کی طرح

مضامین

یعقوب یاور

اردو مرثیہ کا تدریجی ارتقاء

مرثیے دراصل مرنے والے کی یاد میں لکھے جاتے ہیں۔ عزیزوں اور دوستوں کے بچھڑ جانے کے بعد جو خلا پیدا ہوتا ہے وہ بہت محسوس ہوتا ہے۔ عمر کا بہت سا حصہ ساتھ گزارنے کے بعد جدائی کوئی بھی خوشی سے قبول نہیں کرے گا۔ دنیا کی محبت کچھ ایسی ہوتی ہے کہ انسان کسی کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اس کی دولت، اس کے عزیز اور اس کا اثاثہ سب اسے کھینچے رکھتے ہیں۔ دوست اپنے رفیق کو، بچے اپنے عزیز کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جب تک ان کا دم قائم ہے وہ بھی ساتھ رہیں۔ لیکن قضا کسی کی نہیں سنتی۔ عزرائیل آتے ہیں اور اچانک کسی پیارے کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ پسماندگان کے لئے یہ جدائی ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ یہ غم انسان کی فطرت کا حصہ ہے۔ چنانچہ کوئی دل اسے ضبط نہیں کر سکتا۔ کبھی یہ غم آنسو بن کر بہہ جاتا ہے۔ الغرض رنج و غم کا اظہار بہت سے طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ مرنے والے کی خوبیاں گنوائی جاتی ہیں۔ اس کے کارناموں کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔ غرض اس کی زندگی بھر کی خوبیوں اور اچھائیوں کو گنا گنا کر ماتم کیا جاتا ہے۔ ان میں تصنع اور بناوٹ کو دخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ مرنے والے پر غم دل کی آواز ہوتا ہے۔ کسی کو شاعرانہ اور جذبات کی خاطر قلم داری نہیں کرتا۔

یہی غم، درد اور رنج و الم شاعری کی زبان میں مرثیہ کہلاتا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں عربوں کے یہاں مرثیے کے نقوش ملتے ہیں۔ اسلام سے قبل ہی عربوں کے یہاں مرثیہ نگاری موجود تھی۔ اپنے عزیزوں کے مرنے پر شاعر مرثیے لکھتے تھے۔ جن میں رونے رلانے کی باتیں ہوتی تھیں۔ لیکن اسلام سے پہلے یہ صنف اتنی ترقی یافتہ نہ تھی۔ "واقعہ کربلا" اس صنف شاعری میں ایک اہم موڑ ہے۔ امام مظلوم کی شہادت کا سانحہ ایسا تھا کہ جس کا بیان کرنا آسان نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ نواسۂ رسول خدا کے قتل پر ہر ایک قلم رو گیا۔ ستم کا یہ عالم تھا کہ آسمان تھرا گیا، زمین کانپ اٹھی اور مسلمانوں نے خون کے آنسو بہائے۔ یہ ایک قومی سانحہ تھا۔ سارے عالم کے مسلمانوں کے دلوں میں یزید کی خلافت کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھی۔ عرب شاعروں نے بہت سے مرثیے لکھے۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ لوگ سن کر بیقرار ہو جائیں۔ اور مجالس میں ماتم اور نوحہ و زاری کرتے۔ غرض واقعۂ کربلا نے مرثیے کو ایک نیا موڑ دیا۔ عرب شاعر حقیقت پسند تھے۔ چنانچہ ان کے مرثیوں میں بھی مبالغہ نہیں تھا۔ لیکن جب یہ صنف شاعری ایران میں آئی تو ایرانی ماحول میں رنگ گئی۔ شاعری کی اور اصناف کی طرح اس میں بھی تصنع اور بناوٹ داخل ہو گئی۔ مبالغہ پسند ایرانی شاعر مرثیہ نگاری میں حقیقت کو نباہ نہ سکے۔ یہاں سے عربی مرثیے اپنا مقام کھو چکے تھے۔ چنانچہ ایرانی شاعروں کا انداز دکھایا گیا۔ کیونکہ اس سے عوام کے جذبات بر انگیختہ ہونے کا خطرہ تھا۔ ایران پر تاتاریوں کا حملہ ایک آسمانی مصیبت تھا۔ اکثر انسان موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ علم و ادب کی شمعیں گل کر دی گئیں۔ اور اسلامی تہذیب و تمدن کا سرمایہ خاک میں مل گیا۔ یہ خونچکاں منظر وہاں کے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ ان کی زندگی میں گریہ کے آثار پائے جاتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے

جب حضرت سے واقعات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو تعجب ہوتا ہے کہ کیسا ہوتا ہے [illegible] جتنا کہ یہ [illegible]
بنا رہا تھا چنانچہ اس دور میں عقیدت کی جگہ مرثیے نے لی۔ اس دکنی شاعری میں اسلامیہ مرثیے لکھے گئے۔

اسی دور میں بہت سے [illegible] کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس کے دور میں [illegible] تھا کہ آخر میں امام [illegible]
استعمال ہوا کرتے تھے۔ بیجاپور اور گولکنڈہ میں شیعیت کا رجحان تھا اور ان میں امام [illegible] شاعروں کی
تھی۔ بیجاپور اور گولکنڈہ دونوں میں مرثیہ گوئی کی ابتدا دکن سے ہوئی۔ اس دور کے مرثیہ نگاروں میں محمد قلی قطب شاہ، [illegible]
عبداللہ قطب شاہ اور بیجاپور کے علی عادل شاہ ثانی، مرزا، غواصی [illegible] [illegible] کی مرثیہ [illegible]
سے حضرت مرثیہ گوئی کا آغاز ہوا بلکہ ایسے شاعر بھی پیدا ہوئے جو صرف مرثیے ہی کہتے تھے۔ لیکن شاہی مرزا [illegible]
مرثیہ کہنے والوں [illegible] سے مثال کا ہے جس کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کے آخری [illegible]
میں مرثیے کہے گئے۔ جو ابتدائی کا شاعر نے کے مرثیوں کے مطالعہ زیادہ تر مسلسل ہیں۔ جذبات و خیالات کا اظہار [illegible]
ہے۔ زبان کسی قدر [illegible] مسلسل اور واقعہ نگاری کی جھلک [illegible] ہے۔ یہ مرثیے ماتم کی مجلسوں میں پڑھنے کے لیے [illegible]
مگر ان کا مقصد صرف رلانے کے سوا کچھ نہیں۔ غوث [illegible] شاعر مرثیہ گو اور دوسرے مرثیے [illegible]
دور کے مرثیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں واقعات کربلا کا ذکر جزوی حیثیت سے ملتا ہے۔ الگ الگ شخصیات [illegible]
کو پیش کرنے کا طریقہ دوسرے عہد کی اختراع ہے۔

مرثیہ نگاری کا دوسرا عہد اورنگ زیب کی فتح دکن سے شروع ہوتا ہے۔ بیجاپور اور گولکنڈہ اورنگ زیب کے زیر نگیں [illegible]
لیکن عادل شاہی اور قطب شاہی سلاطین کے ختم ہونے کے بعد بھی اردو شعر و شاعری دکن میں ویسے ہی مقبول رہی۔ البتہ [illegible]
بیجاپور اور گولکنڈہ کے بجائے اب شاعروں کا مرکز اورنگ آباد بن گیا۔ دکن میں مغلیہ سلطنت کا [illegible]
تبدیلی اردو مرثیے کے پہلے اور دوسرے دور کی حد فاصل قرار دی جا سکتی ہے۔ دوسرے دور کے مرثیے کی زبان [illegible] اظہار [illegible]
[illegible] ہوگئی۔ جس کی وجہ سے کلام میں صفائی اور ہمواری آگئی۔ مناسب بحروں کا انتخاب [illegible] ترتیب [illegible]
واقعات [illegible] مرثیوں کی [illegible] ہیں۔ پہلے دور کے مرثیوں میں [illegible]
[illegible] حضرت قاسم، حضرت حرؑ اور حضرت علی اصغر کے متعلق [illegible]
کئے۔ [illegible] کے دور سے مکالمے، گفتگو اور رسوم کے رنگ بھر کر ان مرثیوں کو ہم سے قریب لائے۔ جناب شہربانو کا اپنے [illegible]
[illegible] حضرت زین العابدین کی بیماری اور ضعف اور بی بی سکینہ وغیرہ سے مرثیہ کے [illegible]
سے [illegible] اضافہ ہوا۔ [illegible] مرزا کے بعد دوسری صدی سید [illegible] کے یہاں ملتی ہے جنہوں نے [illegible] کربلا میں [illegible]
سیاست ترتیب دیا۔ حسن بیان اور بحر کے مناسب انتخاب نے اس مرثیے میں بڑی تاثیر پیدا کی۔ اس دور کے مشہور مرثیہ نگاروں میں
ذوقی، احمد، اشرف، [illegible] اور [illegible] کے نام نمایاں ہیں۔ ہاشم علی کی شخصیت دکنی مرثیہ گویوں میں ممتاز ہے۔ انھوں
نے اپنا [illegible] ردیف وار مرتب کر کے اس کا نام دیوان حسینی رکھا۔ دیوان حسینی میں ۳۰۰ مرثیے اور سلام ہیں۔ اس دور کے
مرثیوں میں مکالموں نے راہ پائی۔ اور مکالموں کی وجہ سے نہ صرف اصل منظر آنکھوں میں ابھر آتا ہے۔ بلکہ کرداروں کے [illegible]
ہیں۔ دوسرے دور میں جب شہیدوں کے حال کے الگ الگ مرثیے لکھے گئے تو ان میں جذبات کی ترجمانی، رخصت، جنگ، شہادت اور
بین کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس طرح ان تمام عناصر کی جھلکیاں دکھائی دیں جو لکھنؤ پہنچ کر اردو مرثیے کے اجزائے ترکیبی قرار پائے۔ ان مرثیوں
کے کردار اور جذبات نگاری میں ہندوستانی ماحول و فطرت کا خاص خیال رکھا گیا۔

دکن کے مرثیہ گویوں سے شمالی ہند بھی واقفیت رکھتا تھا۔ میر و سودا کا زمانہ اردو شاعری کا عہد زریں ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب
شعر و شاعری [illegible] ہوتے تھے۔ [illegible] اسی زمانے [illegible]

کا عام رجحان تو غزل کی طرف تھا لیکن مرثیہ گوئی کا رواج بھی بہت تھا۔ لوگ حصولِ ثواب کے خیال سے مرثیے لکھتے اور بڑی بڑی مجلسیں منعقد کرتے تھے۔ [illegible] ثواب کے خیال سے لوگ مرثیوں کی طرف [illegible] تھے [illegible] ادب نہیں سمجھتے تھے۔ مذہب کا احترام اور عقیدت پیدا کرنے والے ہوتے ہیں مگر شاعروں نے تو مرثیہ گوئی کو ایک ذریعہ معاش بنا لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اہلِ شعر و ادب کی نگاہ میں [illegible] شاعر مرثیہ گو کو ناکام قرار دیا گیا — اس زمانے کے مرثیہ گویوں میں [illegible] سکندر، مرتضیٰ، گلین [illegible] وغیرہ مشہور ہیں۔ ان مرثیہ گویوں نے بہت سے ایسے الفاظ مرثیوں میں استعمال کئے جو [illegible] استعمال نہیں کئے گئے تھے۔

مرثیہ کا مقصد [illegible] مرثیے اب بھی بہت سیدھے سادے لکھے جاتے تھے۔ میر صاحب کے زمانہ میں مرثیہ گوئی میں کوئی خاص ترقی نہ ہوئی [illegible] اس لئے مرثیے میں بھی سلام اور مجرے داخل ہوئے۔ یہ صنف جب لکھنؤ پہنچی ہے تو بگڑا ہوا ماحول پاتی ہے [illegible] ہو چکا تھا۔ لیکن اب بھی کچھ [illegible] ایسے تھے جنہیں [illegible] کے زمانے میں سلام [illegible] اس زمانہ میں میر حسن کے صاحبزادے میر خلیق مرثیہ کی شمع جلائے ہوئے تھے [illegible] میر خلیق کے زمانہ میں [illegible] مرثیہ کے لئے مسدس [illegible] میر ضمیر [illegible] میر خلیق کی طرح غزل سے دست بردار ہو کر مرثیہ گوئی کے لئے وقف ہو گئے۔ اس وقت تک [illegible] پایا [illegible] میر ضمیر نے مرثیہ لکھا ہے

کس نور کی مجلس میں مری جلوہ گری ہے

اس میں شاہزادہ علی اکبر کی شہادت کا بیان ہے۔ پہلے ایک تمہید ہے، مرثیہ کا چہرہ باندھا، پھر سراپا لکھا، پھر میدانِ جنگ کا نقشہ کھینچا۔ اور پھر شہادت پر ختم کر دیا [illegible] تعریف کی آوازیں دور دور تک پہنچیں۔ تمام شہر میں شہرہ ہو گیا اور اطراف و اکناف سے [illegible] یہ صنف مرثیہ گوئی میں ایک انقلاب [illegible] روش متروک ہو گئی۔ اور سب اسی نئی طرز کی پیروی کرنے لگے۔ اسی دور میں میاں دلگیر اور میاں فصیح بھی نامور مرثیہ گو تھے۔ مرزا فصیح [illegible] ہجرت کر گئے اور [illegible] سکونت پذیر ہو گئے۔ میاں دلگیر کی زبان [illegible] میر ضمیر اور میر خلیق [illegible] خالی رہا [illegible] میر خلیق کے یہاں [illegible] میر ضمیر ایک ہی مجلس میں اپنا کلام نہیں سناتے تھے۔

اس کے بعد مرثیہ گوئی کا سنہرا دور آتا ہے۔ یہ انیس و دبیر کا دور ہے۔ ان اساتذہ نے مرثیہ گوئی کو ترقی کے نصف النہار تک پہنچا دیا۔ میر ضمیر اور میر خلیق کی طرح اس دور میں بھی مرزا دبیر اور میر انیس میں مقابلے ہوتے رہے۔ دبیر نے اپنے استاد میر ضمیر کے نام کو چار چاند لگا دیئے اور میر انیس بھی اپنے باپ میر خلیق کی مسند پر بیٹھے [illegible] شاعروں کے [illegible] دو حصوں میں بانٹ لیا۔ آدھے دبیر کے [illegible] انیس کے۔ میر انیس صاف کلام [illegible] زبان، محاورہ کی چاشنی [illegible] اسلوب، مناسبتِ مقام [illegible] اور سلسلہ کی ترتیب [illegible] مرزا دبیر شوکتِ الفاظ، مضامین کی آمد [illegible] الفاظ اور [illegible] دونوں اپنی اپنی [illegible] بادشاہ تھے۔

اس دور میں لکھنؤ کے [illegible] کہتے تھے اور [illegible] کے عاشق۔ چنانچہ دونوں استادوں کے باہمی مقابلوں نے مرثیہ گوئی [illegible] غزل سے [illegible] ان اساتذہ نے مرثیہ گوئی کو اتنی بلندی پر پہنچا دیا کہ اب اس سے زیادہ [illegible] غیر ممکن معلوم ہوتی ہے۔ ان اساتذہ نے مرثیہ گوئی کو دوسرے اصنافِ شاعری کے مقابل لا کر رکھ دیا بلکہ اردو میں [illegible] مرثیہ گوئی [illegible] رنگینی پیدا کر دی [illegible] تشبیہ، استعارہ اور [illegible] سے زبان کو [illegible] کیا۔ انیس و دبیر کے جانے [illegible] کی [illegible] کرتے رہیں گے [illegible] ادب میں [illegible] ہے [illegible] مرثیہ [illegible] رکھے گا۔

چراغ بجھتے چلے گئے۔ احساس جو احول کی روشنی میں مستقبل کا مرثیہ گویا ہی منزل کا نشان پا سکا۔

۱۸۵۷ء کے بعد سیاسی سماجی اور اخلاقی بیداری ہوئی۔ سرسید اور ان کے رفقا کار نے اپنی قوم کو بیدار کرنے کی ازحد کوشش کی۔ مولانا حالی بھی اس مالا کے ایک چمکیلے موتی ہیں۔ حالی نے اردو شاعری کا رخ بدلا اور مسدس مدوجزر اسلام جو مسدس حالی کہلاتی ہے قوم کا مرثیہ ہے۔ اس میں حالی نے اپنی قوم کی تاریخ لکھی۔ مسلمانوں کے زوال پر آنسو بہائے۔ اسلاف کے شاندار ماضی سے موجودہ حال کا مقابلہ کیا۔ حالی کا ہر شعر درد و تاثیر سے بھرا ہوا ہے۔ پڑھنے والے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی قوم کی بدحالی پر آنسوؤں کا سیلاب امڈ آتا ہے۔ اسی طرح حالی نے شخصی مرثیے بھی لکھے۔

سرسید اور غالب پر لکھے ہوئے مرثیے آج بھی لوگ پڑھتے ہیں۔ اور غالب و سرسید جیسی باکمال شخصیات کی یادوں سے اپنے دلوں کو منور کر لیتے ہیں۔ اسی طرح علامہ شبلی نے بھی اپنے بھائی محمد اسحاق کی وفات پر ایک مرثیہ کہا۔ یہ مرثیہ نہ صرف مولانا شبلی کی شاعری کا حاصل ہے بلکہ اردو کے چند بہترین مرثیوں میں سے ایک ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف اثر اور درد میں ڈوبا ہوا ہے۔ ناممکن ہے کہ کوئی اسے پڑھے اور متاثر ہوئے بغیر رہ سکے۔ اور مولانا شبلی کے درد و غم میں برابر کا شریک نہ ہو۔ مولانا شبلی کے اس مرثیہ میں میر انیس کا رنگ صاف جھلکتا ہے۔

شاد عظیم آبادی نے بھی مرثیہ نگاری کے میدان میں جوہر دکھائے ہیں۔ شاد کے مرثیوں میں انداز تحریر کا نیا مسلک پایا جاتا ہے۔ خاص طور پر شاد عظیم آبادی کے قومی مرثیے توجہ کے مستحق ہیں۔ لیکن ان کے مرثیوں کے مطالعہ سے یہ بات نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے مرثیوں میں میر انیس کا تتبع کیا ہے۔ اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ ان کے مرثیوں میں فصاحت، مضمون آفرینی اور بلند پروازی پائی جاتی ہے۔ کردار نگاری اور منظر کشی وغیرہ خصوصیات بھی شاد کے مرثیوں میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔

اردو مرثیہ کے سرمایہ میں آج کے دور (بیسویں صدی) میں تقریباً ہر خوش فکر شاعر نے قومی اور شخصی مرثیے لکھ کر گراں قدر اضافے کئے ہیں۔ اس سلسلے میں علامہ جمیل مرحوم کی تخلیقات کافی اہم ہیں۔ مرحوم نے شخصی مرثیے بہت لکھے ہیں۔ ان کے تمام مرثیے اثر و درد میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ان کو پڑھ کر ہر شخص متاثر ہو جاتا ہے۔

اردو مرثیہ کے تدریجی ارتقاء میں اعجاز صدیقی کے "کرب خود کلامی" کا ذکر نہ کرنا بہت بڑی ادبی کوتاہی ہوگی۔ "کرب خود کلامی" ہندوپاک کے تناؤ کی پیداوار ہے۔ یہ اپنے وقت کا نوحہ اور ذاتی مرثیہ ہے احساس کا ہر مصرع درد و غم میں ڈوبا ہوا ہے۔ ●●

بقیہ صفحہ ۲۹ . . . . . "بچن ـــــ ہندی کا خیام"

زبان اردو جو فارسی سے اتنی قریب ہے وہ بچن کے ایسا شاعر بھی ان معنوں میں پیدا نہ کر سکی جس میں اپنی مکمل انفرادیت کے ساتھ اپنی مخصوص آواز کا کوئی شاعر ہمارے سامنے پیش کیا جا سکے۔ یہ ہندی کی خوش نصیبی ہے۔!

لیکن بچن کے ساتھ یہ بڑی ٹریجڈی ہے کہ ہندی والے انہیں اردو کا اور اردو والے انہیں ہندی کا شاعر سمجھتے ہیں۔ ہندی والے ناراض ہیں کہ ان کی (بچن کی) شاعری کی بنیاد اردو کلچر پر ہے۔ اور اردو والے ان کے یہاں کوئی نئی بات نہیں پاتے۔ چونکہ خیام کے اثرات اردو میں یوں بھی کم نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔

بچن کی شاعری میں جو خیام کے خیالات کی بازگشت سہی، وہ ہندی ادب کو متنوع جذبات کی قوس و قزح سے روشناس کرواتی ہیں۔ اردو والوں کے لئے وہ قابل احترام اس لئے ہیں کہ زبان و بیان کا ایسا گنگا جمنی رنگ پیدا کرتے ہیں کہ دل جھوم اٹھتا ہے اور جدید ادب میں زبان و بیان کا مسئلہ کم اہم نہیں۔ اس حیثیت سے وہ اردو والوں کے لئے قابل تقلید بھی ہیں۔

شاعر

نظیر صدیقی

اے سبک سارانِ ساحل

بحر کی بیکراں پہنائی نگل لے نہ ہمیں
موجۂ آب کی تلوار انھیں کاٹ نہ دے
ہم کہ ہیں کشتیٔ جزب
سیلِ امواجِ بلاخیز کی زد میں کہیں آ جائے
اس لیے
موجِ گستاخ کے بے باک جو منہ زور تھپیڑے
ریگ زارِ لبِ ساحل پہ بناتے ہیں نقوش
چند لمحوں کے لیے
اُبھرتے ہیں پریشان خیالوں کے نقوش
ریگ زارِ لبِ ساحل پہ بکھر جاتے ہیں
پھر [illegible] سے کوئی موج آ کے
اور مٹا جاتے ہیں موہوم نقوش
اور [illegible] کو
بحرِ بے پایاں کی آغوشِ عمل لیتی ہے

- - - - - - -

اب نہ ساحل پہ ہیں نقاش نہ باقی ہیں نقوش
حلقۂ موج میں آ الجھے ہوئے سرگرداں تھپیڑے
تیرتے پھرتے ہیں بے جان سے تنکوں کی طرح

گرمیٔ خونِ عمل خونِ یقیں سے جاری
لحم و دم سے مرکب کوئی ڈھانچہ جیسے
ایک بے جان عمل
زندگی نام نہیں ہے اس کا

یوں ہی یہ جسم کا ڈھانچہ ہے نفس کا مرہون
آمد و شدِ نفس کی یہ کراماتِ حیات
ہاں مگر زیست کی ضامن تو نہیں
کیونکہ یہ موت کی ہمراز بھی ہے

گو جنونِ عمل مخزنِ یقیں ہو لیکن
سانس رکتی تو نہیں
موت اک لمحہ ٹھہرتی تو نہیں
عمر دو دن کو بھی
خضر کی عمر میسر تو نہیں !

بند شریانوں میں کچھ قطرۂ خون بکھرے ہیں
زندہ ہائے بگرسستہ ہیں محرومِ روانی و عمل
گرمیٔ عزم و یقیں مرداں کو
برف پگھلے گی تو اک سیلِ رواں
کتنی امواجِ حوادث میں بدل جائے گا
زندگی پھر انہی موجوں کے تھپیڑوں میں جگہ پائے گی
موت برحق ہو نہیں اس سے مفر
ہاں مگر
موت آئی اگر اس کشمکشِ طوفاں میں
زندگی سے تو حسیں تر ہوگی

(طنز و مزاح)

یوسف ناظم

عاشقی صبر طلب.....!

جو لوگ عشق وغیرہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ان کے لئے ہمارا پہلا مشورہ تو یہ ہوگا کہ وہ اپنی عقل کو کچھ عرصے کے لئے طاق پر رکھ دیں۔ چودھری شیرازی کی ریسرچ کے مطابق دمشق میں بھی جب قحط پڑا تھا تو عوام نے عشق کرنا بند کر دیا تھا۔ صرف چند مالدار گھرانوں کی حد تک عشق محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ عشق کے لئے خوشحالی پہلے بھی ضروری تھی اور آج بھی ضروری ہے۔ بلکہ ہمارا خیال ہے عشق کے لئے پہلے زیادہ سہولتیں حاصل تھیں۔ وہ لوگ قناعت پسند ضرور تھے لیکن آسودہ حال تھے۔ ایک ہی وقت میں کئی کئی عشق کر سکتے اور انھیں خوش اسلوبی کے ساتھ نبھانے کی استطاعت ان میں تھی۔ آج عشق کے مواقع تو بہت ہیں لیکن استطاعت کے نام صفر سا ہے۔ اس کے علاوہ لوگ کچھ سست اور کاہل بھی ہو گئے ہیں۔ محنت کرنے کا جذبہ ان میں رہا ہی نہیں۔ پہلے زمانہ کے عاشق راتوں میں اللہ اللہ کر کے آہیں کھینچا کرتے تھے۔ آہ نیم شبی عشق کا لازمہ ہوا کرتی تھی۔ دن کے اوقات میں وہ بڑی سخت محنت کرتے اور عشق کے امتحان میں کامیاب ہونے کے لئے جان تک لڑا دیتے تھے۔ عشق کا ایک امتحان کامیاب کر لیا تو دوسرے امتحان کی فکر میں مبتلا ہو جاتے۔ ان عاشقوں کی محنتیں بھی ان کی تھیں۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ بچپن سے اچھا کھاتے پیتے ہوتے تھے۔ اگر گریبان میں آپ کا منہ سما سکتا ہے تو اس میں منہ ڈال کر دیکھئے اور دیکھئے کیا آپ کی صحت اجازت دیتی ہے کہ آپ عشق کر سکیں۔ ہمارے سارے نوجوان بلڈ پریشر کے مریض ہیں۔ اور بلڈ پریشر والا کیا عشق کرے گا۔ اچھی صحت کے علاوہ پہلے کے عاشق پہننے کے لئے درجنوں جوڑے اپنے پاس رکھتے تھے۔ روزانہ کم سے کم ایک قمیص کا گریبان تو وہ چاک ہی کر ڈالتے تھے۔ بعض اوقات تو عشق اتنا شدید ہو جاتا تھا کہ قمیص کسی کام کی نہیں رہ جاتی تھی۔

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

لیکن کل تو کپڑا اتنا مہنگا ہو گیا ہے کہ ہم نہیں سمجھتے کوئی سمجھدار آدمی عشق کے نام پر ایک آدھ قمیص بھی قربان کر سکے۔

کس درجہ تنگ ہوں ترے ہاتھوں سے اے جنوں لاؤں کہاں سے روز گریباں نئے نئے

سراج اورنگ آبادی کچھ زیادہ دولت مند نہیں تھے۔ عاشقی کے لئے ان کے پاس مناسب لباس نہ تھا لیکن چونکہ ان کا عشق کرنا بہت ضروری تھا انھوں نے اپنے لئے لباس برہنگی کا انتخاب کر لیا۔

شہ بے خودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی نہ خرد کی بخیہ گری رہی، نہ جنوں کی پردہ دری رہی

عاشقی کے لئے وسیع مطالعہ بھی بہت ضروری ہو گیا ہے۔ عشق میں کیا کرنا چاہئے اور کیا نہ کرنا چاہئے ان باتوں کو جانے بغیر عاشقی کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی ریسٹورنٹ میں کھانا کھانا۔ عشق صرف خوشحالی کا نہیں اصول اور آداب کا بھی تابع ہے۔ عشق کے دوران میں آہیں بھرنا، گریہ و زاری کرنا، نالہ و فریاد و فغاں سے کام لینا، صحرا کا رخ کرنا، آبادی کی طرف لوٹنا، سنگ در جاناں پر اپنا ماتھا رگڑنا، خط لکھنا، خط کو کبوتر کو دینا۔ رقیب سے لڑنا، بیمار ہونا، نزع کی تکلیف برداشت کرنا، عاشق کے لئے یہ سب ضروری افعال ہیں۔ اور ان سب کاموں میں آداب کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے مثلاً آہ کی بات ہی کو لے لیجئے۔ اکثر لوگ آہوں کے معاملے میں دھوکا کھا جاتے ہیں۔

آہوں کے معاملہ میں نقل کرنا تو جیسے سب کا پیشہ ہو گیا ہے۔ آہ بھرنا اپنی بداعمالی کی وجہ سے آدمی نہ صرف اپنی ذات کو نقصان دہ کرتا ہے ذات کیوں دے بلکہ اپنی آل و اولاد کو بھی خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ گرم آہ کے موقع پر سرد آہ استعمال کرنا یا اس کے موقع پر لاعلمی کی وجہ سے آہ سرد اس کو صرف میں لاتا ایک عام غلطی ہے جو عادتاً ہوں یا اتفاقاً، مثلاً یوں آہ کا سر سے سرزد ہو جاتا ہے ہر ہو گی جب کہ خود اس بات پر بھی افسوس کے اظہار کے لئے لوگ جو آہ کھینچتے ہیں وہ عام طور پر گرم ہوا کرتی ہے۔ حالانکہ شعراء اور ناقد کی مستند کتابوں میں افسوس اور ندامت کے موقع پر آہ سرد کھینچنے کی تاکید ہے۔ واقف کار لوگ دوسرے کی بے بسی کی طرف دیکھ کر بیٹھے آہ سرد کھینچا کرتے ہیں۔ اس آہ میں عاشق کا عنصر کم اور حسرت کی مقدار زیادہ ہوتا ہے۔ سرد آہ کھینچنا زیادہ مشکل کام نہیں خود بھی آہوں سے آس پاس کے لوگوں کو تکلیف نہیں پہنچتی۔ آہ کھینچنے والے کے دل کو البتہ تقویت پہنچتی ہے مثلاً بس آ کر آگے نکل گئی آپ وہیں کھڑے رہ گئے۔ یا بس میں چڑھ جانے کے بعد کنڈکٹر نے آپ کو اتار دیا تو آپ بجائے گالی دینے کے سرد آہ کھینچ سکتے ہیں گالی دینے سے آپ کے اعصاب کا تناؤ دور نہیں ہوگا لیکن ایک آہ سرد آپ کی کوفت کو دور کر دے گی۔ اسی لئے آپ نے دیکھا ہو گا کہ سہارے پر کھینچنے کا شوق رہتا ہے۔ ہر شخص آہ سرد جو کھینچتا رہتا ہے ــــ آہ سرد کھینچنے کیلئے آپ کی قدرت نے بکثرت مواقع فراہم کئے ہیں۔ سرد آہیں کھینچنے میں ہمارے بزرگوں نے بڑا نام پیدا کیا ہے۔ ایک اہل اللہ ہر موقع پر سرد آہ کھینچتے ہیں اور آسمان کی طرف دیکھا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شعر وابستہ یا نہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ آدمی کے لئے یہی روزی کافی ہے مگر حاصل ہوتی ہے۔ اب تو عقیدہ یہ ہو گیا ہے کہ اگر کوئی دو شعر بھی نہیں سنتا تو اس بات پر بھی ہم آہ سرد کھینچتے ہیں کہ یہ کیا غضب ہو گیا۔

سب سے کشش ناک قسم کی آہ "سادی آہ" ہوتی ہے۔ یہ نہ گرم ہوتی ہے نہ سرد۔ یہ آہ کھینچی نہیں بلکہ بھری جاتی ہے۔ سادی آہ کرنے سے آدمی بدنام ہو جایا کرتا ہے۔ اکبر الہ آبادی نے اپنے ایک شعر میں لکھا ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام   وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

عاشقوں کو سادی اور سردی دونوں قسم کی آہوں سے پرہیز کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ عاشق کی شان آہ سوزاں میں ہے۔ پہلے زمانے میں تو موسم سرما میں عشاق گرم آہوں سے آتش دان کا کام لیا کرتے تھے۔ کہ ان انگیٹھی جلانے کے بجائے ایک آہ گرم کھینچی اور سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی۔ عاشقوں کے جسم خود کھانا گرم کرنے کے کام آیا کرتے تھے بلکہ یوں سمجھئے عاشق انگیٹھی کے تنور کی طرح گرم رہا کرتا تھا۔ اب یہ گرمی، آج کے لوگوں کے دل سے اٹھ گئی۔ یعنی با آواز گنبد رونا بھی نہیں آئے گا۔ رونا آیا بھی تو ہمسائے بری طرح جز بز ہوں گے۔ میر کے زمانے میں تو مکان بڑے وسیع ہوا کرتے تھے اور ایک مکان سے دوسرے مکان کا فاصلہ بھی زیادہ ہوا کرتا تھا لیکن میر کے ہمسائے سو نہیں سکتے تھے کیونکہ بحیثیت عاشق میر کیلئے "آواز گنبد رونا" ضروری تھا۔

جو اس شور سے میر روتا رہے گا   تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

آج تو مکانات کی وسعت جاتی رہی کا طرز تعمیر ایسا ناقص ہے کہ پڑوسی کے کان میں بھی کوئی بات کہو تو پڑوسی کا سن لے۔ با آواز بلند رونا تو الگ بات رہا۔ عاشق ہونے کا یہ نہیں تو کیا دم سادھے گا کر رہے ہیں گا چلئے رونے کی سہولت سے بھی محروم ہو گئے۔ عہد عشق کے لئے درمیان لانا بھی لازمی ہے دلی اور تنہائی کے ساتھ محبوب کی یاد اور تصور میں ڈوبا رہنا چاہیئے کہ آدمی کو اپنی خبر نہ آئے۔ عاشق اپنے تصور کی اس میں پرورش کرتا ہے اور آہستہ آہستہ اس منزل پر ہے اکثر جہاں تصور میں ہی وصل کا لطف آ جاتا ہے۔ جلیل نے اس معاملہ میں سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔

ہائے پوچھو نہ تصور کے مزے   گود میں ان کو لئے بیٹھے ہیں

ہمارے ایک دوست کو پہلے یقین ہی نہیں آیا کہ یہ شعر محبوب کی شان میں کہا گیا ہے۔ ان کا اصرار تھا کہ یہ شعر شاعر نے اپنے بچوں کی یاد میں لکھا ہوگا۔ جمع کا صیغہ استعمال کر کے شاعر نے عاشقی غلط فہمی پیدا کر دی۔ آج کے عشاق تو خود گود میں بیٹھ جانے کے قائل ہو گئے ہیں۔ گود اور تصور۔ ینڈی عاشقوں نے عشق کا سچا ناس مار دیا ہے۔ آخر ہیر رانجھا صاحب کے عشق سے

(بقیہ صفحہ ۴۷ پر دیکھئے)

اقبال بیجاپوری

غزل

جب سے بیدار ہو گئی دنیا
شہرِ آزار ہو گئی دنیا

خوف رہتا ہے جس کے گرنے کا
ایسی دیوار ہو گئی دنیا

دھول اڑاتی ہے یاس وحشت کی
دشت پُرخار ہو گئی دنیا

جب کبھی نامِ خلوص ہم نے لیا
ہم سے بیزار ہو گئی دنیا

پا بجولاں ہے حسن کی دیوی
شہر کی سرکار ہو گئی دنیا

ہر قدم مشکلات ہیں، یارو!
راہِ دشوار ہو گئی دنیا

ابنِ مریم کی یاد آتی ہے
اتنی بیمار ہو گئی دنیا

ایک بھی تو نہیں دکانِ خوشی
غم کا بازار ہو گئی دنیا

بھول بیٹھی ہے جبرِ قدرت کو
اتنی مختار ہو گئی دنیا

ہم پڑے ہیں ابھی وہیں کے وہیں!
تیز رفتار ہو گئی دنیا!

خاک چھنوا رہی ہے اے اقبال
کوچۂ یار ہو گئی دنیا

ظفر غوری۔ کوٹہ (راج)

غزل

تری نظر کی کرن شب کدوں کا ساز بنی
ہمارے خوں کی شفق، صبحِ نو کا راز بنی

وہ اک نگاہ جو شرما کے رقصِ جام ہوئی
وہی نظر جو اُٹھی عرش کا فراز بنی

ہم اہلِ درد کو دنیا کی ہر ادائے ستم!
خیالِ دوست کے پرتو سے دلنواز بنی

جنوں نے کر دیا باہم ہزار عالم کو
خرد دلوں کے لئے حدِّ امتیاز بنی

یہ زندگی کہ گنہگارِ غم ازل سے تھی
حریمِ مے سے جو گزری تو پاکباز بنی

کسی کی یاد کبھی چاندنی کے بستر پہ
کسی حسیں کا مہکتا سا جسمِ ناز بنی

ہمارا ذکر ہے ماتم کسی گلستاں کا
تمھاری بات خرابے میں گل طراز بنی

ظفر وہ بات جو لوح و قلم سے فاش ہوئی
دلوں کا سوز بنی اور روح کا گداز بنی

افسانہ

شیام کنولی

ایک جھونپڑی کی کہانی

اِس ویران اور بے رونق سڑک سے دُور اُس اونچے ٹیلے پر ایک [illegible] کب سے [illegible] میرا مالک [illegible] کی [illegible] اور [illegible] اس طرح [illegible] کی آرزو [illegible] [illegible] تھے۔ [illegible] بچوں سے محروم ہو گیا لیکن اس کی [illegible] میرے مالک کو [illegible] [illegible] بہت [illegible] میرے مالک کو [illegible] اور میں [illegible] اسی طرح میری [illegible] شاید اس لئے کہ وہ [illegible] تنہائی سے [illegible] لیکن میرا وجود بھی اس [illegible] کو توڑ سکا ہے۔ [illegible] روشنی [illegible] کر سکی [illegible] یہاں [illegible] [illegible] میرے دامن [illegible] میری آغوش [illegible] میں دو [illegible] آغوش میں [illegible] ہوں۔ ایک میرا مالک اور دوسری اس کی [illegible]۔

میری مالکن شام ڈھلنے سے کچھ پہلے ہی آ جاتی ہے۔ اس کے کچھ دیر بعد میرا مالک۔ [illegible] لیکن [illegible] آواز سننے [illegible] کرتا [illegible] میری مالکن اپنے [illegible] زندگی کی [illegible] آگے [illegible] ہے اور میرا مالک [illegible] اپنے سر سے [illegible] لکڑیوں کی گٹھڑی اتار کر [illegible] جہاں [illegible] اور [illegible] آگ کی [illegible] ہیں۔ [illegible] شعلوں کے قریب بیٹھی میری مالکن کے ساتھ [illegible] لرزنے لگتی ہیں [illegible] میرا مالک [illegible] زندگی [illegible] کر کے اپنا بستر [illegible] کے چہرے پر [illegible] آنکھوں سے [illegible] کے ساتھ [illegible] [illegible] میری مالکن کی آواز [illegible] تو وہ چونک [illegible] مالکن ایک [illegible] پیالہ [illegible] کے ٹکڑے [illegible] ہیں۔ جب میرا مالک [illegible] تو میری مالکن اندر آتی ہے [illegible] کیونکہ ان کے پاس [illegible] کرنے کیلئے کوئی موضوع [illegible] مستقبل [illegible] کبھی کبھی کوئی [illegible] کسی کے [illegible] اور پھر [illegible] میرا مالک اپنے [illegible] مالکن [illegible] جب وہ [illegible] میری آغوش میں [illegible] رات کی سیاہ چادر تن جاتی ہے۔

[illegible] ایک واقعہ سناؤں! مجھے وہ دن آج بھی یاد ہے جب [illegible] ایک خواہش ظاہر کی تھی۔ [illegible] خواہش جس

[illegible] ہے کسی لرزش کی آنچ [illegible] کے وقت [illegible]
[illegible] ... [illegible] ... انگلیوں کی [illegible]
[illegible]
[illegible] بیٹھا [illegible] اس [illegible] کی [illegible]
[illegible] اس نے [illegible] کر دی [illegible] ایک طرف رکھ [illegible] کیا [illegible]
[illegible] کر اس پر [illegible] آنکھوں [illegible]
[illegible] اسی طرح [illegible] تھی ۔ " کرنا ! " [illegible]
[illegible] آج [illegible] گئی ؟ " [illegible] کوئی بات نہیں ۔ " [illegible]
[illegible] گئی [illegible] کر [illegible]
[illegible] ... [illegible] ہو [illegible] ہے [illegible]
[illegible] جنم لینے سے پہلے [illegible] دم توڑ دیتی ہیں ۔ [illegible] دم توڑ دیتا ہے [illegible]
[illegible] لیکن [illegible] تاریک [illegible]
[illegible] ..... [illegible] ایک کرن [illegible]
[illegible] ... کب تک [illegible] جنم لینے والی زندگی کا دم گھٹتا رہے گا ! [illegible]
[illegible] ..... [illegible] ایک خیال آیا [illegible] سے [illegible]
[illegible] " نہیں ۔ " " مجھے [illegible] : " کوئی بھی انسان [illegible]
[illegible] ..... [illegible] کیا [illegible] ہے ؟ " [illegible] آواز میں [illegible]
[illegible] ..... [illegible] کیا [illegible]
[illegible] لیکن اس آواز میں پہلے [illegible]
اس آواز میں [illegible] ۔ شاید [illegible] انسان کی [illegible] کی [illegible]
[illegible] ..... [illegible] ..... پتہ نہیں کسی اور چیز کی ..... اور [illegible]
[illegible] آواز ..... [illegible] ..... میں [illegible] تھی ۔ [illegible] اس وقت [illegible]
آواز [illegible] تھا ۔ [illegible] کرتا [illegible] ہے ؟ [illegible]
[illegible] ..... اور آنکھوں میں [illegible] اپنی معصوم [illegible]
[illegible] ..... [illegible] ہے ۔ " کرنا ! " [illegible] سب جانتی ہے نا ! " [illegible]
[illegible] ... میں [illegible] ..... میرے آنگن میں [illegible] ۔ میری ... میری گود ..... " اور کرن کی آواز [illegible]
[illegible] ۔ ایسی [illegible] آواز اپنی ماں کی [illegible] پہلے [illegible] اور نہ بعد میں ۔ شاید [illegible]
[illegible] ۔ [illegible] اس کی آواز [illegible] ۔ وہ نہ جانے کیا کیا سوچ رہا ۔ خیالوں کی دنیا
[illegible] اس کی آواز اُبھری [illegible] ۔ [illegible] کرن تیری [illegible] ...
[illegible] ... کیا [illegible] ! ہماری [illegible] جنم لینے سے پہلے
[illegible] پہلے ہی سے [illegible] ۔ [illegible]
[illegible] ... [illegible] مستقبل کو حیات بخشنے اور ... اور [illegible] ہاتھوں میں [illegible]

ٹھیک ... [illegible] ہم [illegible] اپنے مستقبل کیلئے [illegible] ہو جائیں گے۔ [illegible]

[illegible] نئی زندگی [illegible] مستقبل [illegible] ہم [illegible] کریں گے۔ [illegible]

[illegible] ... ایک بات بتاؤں ... [illegible] آواز [illegible]

[illegible] ... میں ... [illegible] ... کاش ... [illegible] ایک [illegible] کیلئے [illegible] ...

[illegible] ...!

[illegible]

ایک دن ... شام [illegible] ...

[illegible]

شائد ساتواں دن [illegible]

[illegible]

[illegible]

مالکن ایسی حالت میں مکمل صحت یاب کیسے ہو سکے گی؟ اب تو وہ بیمار بھی رہنے لگی ہے۔ کئی کئی دن کام پر نہیں جاتی۔ دن رات بستر پر پڑی کھانستی رہتی ہے جیسے سینے کا سارا دھواں نکل رہی ہو۔ اس کا جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے۔ بالکل ویسے میں ——

رات بھر بارش ہوتی رہی ہے اور خوب زور و شور سے۔ اور صبح ہونے سے پہلے گرجتے برستے بادل کالی گھٹا پھٹ گئی۔ کی تہہ کی پہلے لگی ہے۔ میرے گھیرے میں مالکن چپ چاپ بے حس و حرکت پڑی ہے اور مالک ایک ٹک اسے دیکھ رہا ہے۔ اب لگتا ہے اس نے کچھ یاد کیا ہے جب کہ اس کو بھی کبھی میری مالکن کو اپنی بیوی کی شکل میں دیکھنا یاد ہے۔ اسے دیکھتا رہا اور رونے کی لڑکی بھی لڑکی رہی۔ بکھرتے رہے۔ اور... بہت دیر بعد... وہ چونک پڑا۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اپنے بدن سے لپٹا ایک چیتھڑا، پھٹا پرانا کمبل اتار کر مالکن کے جسم کو ڈھانپنے لگا۔ اب وہ صرف ایک جسم ہے۔ اس جسم کو ڈھانپتے ہوئے اس کی خشک اور ویران آنکھوں میں جانے کہاں سے دو موتی آئے اور ٹوٹ پڑے۔ پھر وہ انہیں پونچھ کر باہر نکل گیا۔ وہ جب لوٹ کر آیا تو اس کے ساتھ چند آدمی اور تھے بالکل اسی کی طرح۔ ان کے تن پر بھی برائے نام ہی کپڑا تھا۔ سب مل کر لکڑیاں اکٹھی کرنے لگے۔ گیلی سوکھی لکڑیاں۔ ایسی لکڑیاں جو رات بارش کے پانی سے بھیگ گئی تھیں یا وہ جو جھاڑیوں کی شکل میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور پھر... دور دور تک پھیلے شمشان میں ایک چتا تیار ہونے لگی۔

ٹھیک... چار کندھے... میری مالکن کو اٹھا کر لے جا چکے ہیں۔ اب میرا مالک تنہا رہ گیا ہے مجھے محسوس ہو رہا ہے۔ اب میرا کوئی وجود نہیں ہے کوئی فائدہ نہیں۔ تنہا ہی اکیلے کے بھروسے پر مالک اب مجھے مالکن کی چتا کی طرف لے جا رہا ہے۔ اب وہ اپنی مالکن کے جسم پر چادر کی طرح پھیلا دیا گیا ہوں اور... نیچے گیلی لکڑیوں میں آگ لگا دی گئی ہے۔ وہ اب سلگنے لگی ہیں۔ نہیں... دھواں دیتی ہوئی جیسے... میری مالکن کی زندگی سے دھواں اٹھا کرتا تھا... ٹھیک ویسا ہی دھواں ان لکڑیوں سے اٹھ رہا ہے۔ کچھ دیر بعد دھواں چھٹ جائے گا اور شعلے جل کر مالکن کے جسم کو میرے وجود کے تنکے تنکے کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ ہم خاک ہو جائیں گے اور... یہ کہانی ختم ہو جائے گی۔ چند لمحوں میں۔ لیکن۔ ایسی ہزاروں لاکھوں کہانیاں یہاں بکھری پڑی ہیں۔ جب تک یہ تنگ و تاریک جھونپڑیاں ہیں، جب تک یہ بیک وارڈ جیسے لوگ ان جھونپڑیوں میں بسیرا کرنے پر مجبور رہیں گے، ایسی کہانیاں ہر روز جنم لیتی رہیں گی، ختم ہوتی رہیں گی اور پھر جنم لیتی رہیں گی۔

بقیہ صفحہ ۴۲ "عاشقی صبر طلب"

بقیہ صفحہ ۴۲

عاشق ہو کر تصور کرنے کے لئے بیٹھتے تو رات رات بھر تصور ہی میں مبتلا رہتے۔ وہ قسم قسم کے نقشے دیکھا کرتے تھے۔

رات بھر ان کا تصور دل کو تڑپاتا رہا
ایک نقشہ سامنے آتا رہا جاتا رہا

عشق میں تصور کے علاوہ بے شمار دوسرے امور سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ مثلاً دونوں ہاتھ اٹھا کر وصل کی دعائیں مانگی جائیں یا پھر ایک ہاتھ سے اپنا دل تھامے اور ایک ہاتھ سے محبوب کا دامن۔ داغ نے یہ شعر لکھا:

ہاتھ نکلے اپنے دونوں کام کے —— دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے

اگر عاشق صرف ایک ہاتھ استعمال کرے تو دل اور دامن دونوں میں سے ایک کا نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔

منظور احمد تنہا چاند پوری

گل شرح

بھیگی آنکھوں سے سوچتی کیا ہو؟
چشمِ حیراں سے دیکھتی کیا ہو!
آسماں کچھ نہیں خلا کے سوا،
آسمانوں میں ڈھونڈتی کیا ہو؟

خواب پلتے ہیں صرف دھرتی پر
خواب جلتے ہیں صرف دھرتی پر
کتنی صدیوں سے ابنِ آدم نے
خواب دیکھے ہیں صرف دھرتی پر!

اپنے خوابوں کی کوئی بھی تعبیر
ماہ و انجم کی زرد کرنوں میں
ڈھونڈنا بھی تو ایک سپنا ہے
آدمی پھر بھی گم ہے سپنوں میں

کیسے کہہ دوں زمین اپنی ہے؟
چاند اپنا، ستارے اپنے ہیں!
ہم ہی انساں خدا کے نائب ہیں۔
دونوں عالم ہمارے اپنے ہیں!!

آسمان و زمیں کے ربِّ جلیل
ہم سے اعزازِ دو جہاں لے لے
ہیں جو آنکھوں میں کچھ خموش سوال
صرف اُن کا جواب لوٹا دے!!

رؤف خلش

خرابہ

یہ گماؤں کا حسین خرابہ
جہاں ہزاروں سلگتے لمحوں کی آنچ میں
خوشبوؤں کے اجسام جل گئے ہیں
جہاں ابھی کونپلوں کی مہکار
سنولی سنولی رُتوں کی تعبیر تا میں گم ہے
الجھتے تاروں میں کھو گئے ہیں
جواں نظر کے جواں اُجالے
چلتی پنہاریوں سے خالی ہیں سارے پنگھٹ

یہ گرم آنچلوں کی طرح تپتی ہوا کے جھونکے
یہ تلملاتی سی دھوپ، جیسے اُچٹتی نیندیں
کہاں اُفق پر ایک سکیں گے
نشیلے بادل
نہ سنگھ ملہار کی چھما چھم
نہ پائلوں کی لرزتی چھم چھم

گگنوں کے باسیو!
یونہی چلیں گے یہ گرم جھونکے
یہ دھوپ پھیلی رہے گی تنہا
نہ شعب تک یہاں کوئی خوشبوؤں کا گھائل
چلو دھوپ میں بھی
ہمارے اپنے کنول کھلا دے
کنول کی ان نرم ٹھنڈکوں سے
جو اس خرابے میں چھاؤں کر دے
اور اس کے دامن کو اپنے ہی آنسوؤں سے بھر دے!

ضیا حسنی

عمر انصاری سے ایک ملاقات

ملاقات کا مقابلہ اس وقت ہوا جب ہم نے ممتاز اور خوش فکر شاعر عمر انصاری کو قریب سے دیکھا۔ ان کی پرخلوص شخصیت ان کی شاعری کی طرح دلکش و دلربا ہوتی جس سے میری ذہنی وابستگی کافی دنوں سے تھی۔ پہلے وہ غریب خانے پر شعر و ادب کے موضوعات پر بات چیت کرتے رہے۔ اس غیر رسمی گفتگو کے درمیان ایک ایسا انسان ابھر کر سامنے آیا تھا جس کے خلوص کی گرمی میں اب بھی محسوس کر رہا ہوں۔ گفتگو طویل ہوتی گئی۔ اسی دوران میں جناب ہلال بستی تنویر خواجہ تشریف لے آئے اور ہم دونوں کو چائے پلانے کیلئے لے گئے۔ وہاں چائے پیتے ہوئے میں نے عمر صاحب سے گفتگو شروع کی۔

ض: آپ کی ولادت کب اور کہاں ہوئی؟

ع: لکھنؤ میرا اصل وطن ہے۔ میں ۲۰ ستمبر ۱۹۱۲ء کو وہاں پیدا ہوا۔ اور وہیں کی خاک کے ذرّوں میں اپنی زندگی کی تلاش جاری ہے۔

ض: تعلیم کہاں تک حاصل کی؟

ع: میں نے لکھنؤ یونیورسٹی سے بی اے (آنرز) کی ڈگری حاصل کی۔

ض: گہوارۂ شعر و ادب کی روایات خیز اور رنگین فضاؤں نے آپ کو پروان چڑھایا اور لکھنؤ بہ دعوےٰ استاتذہ ملے۔۔۔ وہاں کی ادبی اور یہاں کی ادبی فضا آپ کو لکھنؤ کی ادبی فضا سے ملیں۔ عمر صاحب! ایسا لگتا ہے کہ کوئی دلکش شام اور ... آپ کے شاعر کا مزاج بن گئی۔

ع: مصحفی، میر، آتش، ناسخ، آرزو، ثاقب، اثر اور صفی کے لکھنؤ نے یقیناً مجھے بہت کچھ دیا لیکن میں فطری طور پر موسیقی سے کافی رغبت رکھتا تھا اور گا نا سننے کے بعد جو کیفیت طاری ہوتی تھی وہی مجھے شعر کہنے پر اکساتی تھی۔

ض: زحمت کرکے ابتدائی دور کی طرف نظر کر دیجئے اور کوئی ایسا واقعہ سنائیے جو خاص طور پر آپ کی شاعری پر اثر انداز ہوا ہو۔

ع: ضیا صاحب! مجھے کوئی ایسا واقعہ یاد نہیں جسے میں شعر گوئی کا موضوع کہہ سکوں۔ میں نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہ جدید اثرات کا دور تھا۔ اس وقت صرف ایک خاموش تماشائی نہ تھا اور حالات نہایت تیزی سے بدل رہے تھے۔ ذہنوں میں نئے خیالات نئے اسالیب اپنانے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ حالی اور آزاد کی دکھائی ہوئی شاہراہوں پر چلنے والے شروع ہو چکے تھے۔ اقبال اور جوش کے ترانے فضا میں گونج رہے تھے۔ مجاہدین آزادی نے مجھے بھی متاثر کیا اور وہی میری نظموں کے پیرو بنے۔

ض: شاعری کے میدان میں کس قابل قدر ہستی نے آپ کی رہنمائی کی تھی؟

ع: میں نے تین اساتذہ سے استفادہ کیا جن کے اسمائے گرامی ہیں۔ (۱) مولانا ابو ارشد رشید لکھنوی (۲) لسان الہند مرزا عزیز لکھنوی

(۳) حضرت صدر ملا تا عبدالباری آسی

ض: اس وقت آپ کن شعراء سے زیادہ متاثر تھے؟

ع: مجھے میر، غالب اور مومن کا بیک وقت مطالعہ کرنے کا موقع ملا اور میں ان کی عظمت کا قائل ہوں۔ حسرت، سیماب، جگر اور جوش کو بہت قریب سے دیکھا اور ان شعراء کو میں پسند کرتا ہوں۔

ض: اب آپ کن شعراء کو پسند کرتے ہیں؟

ع: فیض اور فراق کو

ص: کن اصنافِ سخن میں آپ نے طبع آزمائی کی ہے۔

ع: یعنی میں غزل میرے دل کی آواز ہے نظم میری فکر کی جولانگاہ اور رباعی میری ذہنی آوارگی کا میدان۔

آپ کے کتنے مجموعے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔

ع: دو "تریں کارواں" اور "سازِ بےخودی" شائع ہو چکے ہیں۔ غزلیات کا مجموعہ "صنم کدہ" بہت جلد شائع ہونے والا ہے۔

ص: رشید احمد صدیقی فرماتے ہیں بہترین شعر وہ ہے جو ضرب المثل بن جائے۔ آپ کے نزدیک اچھے شعر کی تعریف کیا ہو سکتی ہے؟

ع: میں اس شعر کو سب سے بہتر سمجھتا ہوں جو اپنے عہد کا ترجمان ہو۔ اچھے شعر کی ہزاروں تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔

ص: آپ نے کافی خوبصورت اور مکمل نظمیں کہی ہیں۔ "ہمارا وطن"، "جنتِ کشمیر"، "دھان کے کھیت کی ایک شام"، "رہبرِ اعظم" بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ براہِ کرم بتائیے کہ آپ نظم کس طرح کہتے ہیں۔

ع: نظم کہنے کے لئے کسی تحریک کی ضرورت ہوتی ہے اور مجھے یاد نہیں کہ میں نے کوئی نظم بغیر تحریک کے کہی ہو۔ خواہ وہ داخلی ہو یا خارجی۔ میری نظمیں میری زندگی کے مختلف ادوار کی یادگار ہیں اور میرے احساسات، مشاہدات اور تجربات کی آئینہ دار۔

ص: نظم کو کیا چیز مؤثر بناتی ہے۔

ع: میرے نزدیک نظم کے موضوع کے ساتھ شاعر کی صحیح وابستگی ہو تو وہ اسے جاذبِ نظر اور مؤثر بنا سکتا ہے۔

ص: سماجی اور سیاسی تبدیلیوں نے اکیلے نظم کو نہیں غزل کو بھی متاثر کیا۔ نئی غزل اپنے آہنگ اور طرزِ اظہار کے اعتبار سے مجھے کافی اچھی لگتی ہے۔ فیض، احمد ندیم قاسمی، اعجاز صدیقی اور مخدوم محی الدین کی غزلیں فوراً ہی میری توجہ مبذول کر لیتی ہیں — اور میں انہیں بہ شوق پڑھتا ہوں۔ زحمت کر کے بتائیے کہ آپ غزل کے موجودہ معیار سے پوری طرح مطمئن ہیں یا نہیں۔

ع: آپ کا پسندیدگی کا کیا سوال ہے۔ خود جدید ادب کا رجحان غزل کی جانب ہے۔ میرے نزدیک غزل ہر دور میں ایک نئے موڑ میں داخل ہوتی چلی آ رہی ہے۔

ص: براہِ کرم جدید ادب کے متعلق کچھ فرمائیے۔ کیا کسی خاص دورِ شعر و ادب کو جدید کہا جا سکتا ہے۔

ع: ہر دور میں کچھ نئی قدریں ادب میں آتی ہیں جنہیں جدید ادب کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ کسی خاص دورِ شعر و ادب کو جدید نہیں کہا جا سکتا۔ میرے نزدیک غالب اور اقبال اپنے عہد کے ترقی پسند شاعر تھے۔

ص: اختر کی بہاریہ نظمیں مجھے کافی پسند آئیں اور اکثر میں نے وہی جاذبیت اور انداز [illegible] دیکھی جیسی میں چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

ع: ہمیشہ ادب میں لاتعداد تجربے ہوتے ہیں اور ان میں سے چند ہی پنپنے پاتے ہیں اور کامیاب ثابت ہوتے ہیں۔

ص: شاعری کے علاوہ آپ کن دوسری اصنافِ ادب سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور انہیں پڑھنا پسند فرماتے ہیں۔

ع: تنقیدی اور افسانوی ادب کو میں بشوق پڑھتا ہوں۔

ص: کیا اردو تنقید سے آپ مطمئن ہیں؟

ع: تنقیدی کام خوب ہو رہا ہے اور مستقبل خوشگوار دکھائی دے رہا ہے۔

ص: صحافت نگاری سے آپ کی توجہ کبھی مبذول ہوئی تھی اور کیا آپ کسی اخبار یا رسالے سے متعلق رہ چکے ہیں۔

ع: ایک مختصر عرصہ میں نے صحافت کی طرف بھی رجوع کیا تھا۔ ماہنامہ "ساقی"، ہفت روزہ "قلم سنگار"، پندرہ روزہ "ترقی" اور روزنامہ "الہند" کی ادارت کے فرائض ادا کر چکا ہوں۔ بہت سی کہانیاں بھی لکھی ہیں۔ ان میں سے پہلی کہانی "پنچھی" ہفتہ وار "ہلال" میں ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی تھی۔

(بقیہ صفحہ ۲۴۲ پر دیکھئے)

غزلیں

کیف احمد صدیقی

دلِ خاموش جب نذرِ سبو معلوم ہوتا ہے
بجھا سا کچھ تری آواز کا معلوم ہوتا ہے
مرے دل کی نزاکت سے بہاروں کو نہیں نسبت
یہ وہ گل ہے جو پامالِ صبا معلوم ہوتا ہے
مجھے تو آخری شب کا یہ حسرت ناک سناٹا
کسی ٹوٹے ہوئے دل کی صدا معلوم ہوتا ہے
ہوائے غم سے جب افکار کے شعلے بھڑکتے ہیں
مرا احساس اک جلتی چتا معلوم ہوتا ہے

صاحبزادہ میر فدا علی خاں مست نرگس

اپنے ہر زخمِ تمنا کو تمنا کہیے
وقت قاتل ہے مگر اس کو مسیحا کہیے
چاند نکلے نہ سحر ہو، نہ شبِ غم گزرے
یوں کوئی روٹھ کے جائے تو اسے کیا کہیے
چند لمحے ہیں سما بھی ہیں افسانے بھی
کس طرح اے دلِ تنہا تجھے تنہا کہیے
پھول پامال، خفا گیت، سحر افسردہ
کوئی ایسا بھی نہیں اب جسے تجھ سا کہیے
دل پہ کھلے ہے جسے تلخیٔ دوراں نرگس
زندگانی کو وہ اک حرفِ تمنا کہیے

مدحت الاختر

گل کی جگہ خار لٹائے گئے
جشن بہاروں کے منائے گئے
اُن کے دلوں میں تھا اندھیرا بہت
دیپ مرے خوں سے جلائے گئے
منزلِ پُرکیف نگاہوں میں تھی
دار و رسن سامنے لائے گئے
دھوپ ترے ہجر کی پھیلی رہی
دور تلک درد کے سائے گئے
غیر کا کیا ذکر کرو مدحت یہاں
ہم بھی سدا غیر سے پائے گئے

(انگریزی سے ترجمہ)

انجمن آرا انجم

خط

مالا کو خوش ہونا ہی چاہیئے تھا کیونکہ دو سال بعد اُس کی بیٹی گھر آ رہی تھی۔ دو سال کے اس عرصہ میں مالا کی زندگی جس اذیت اور پریشانی میں گذری تھی اُسے صرف وہ جانتی تھی۔

دن کسی طرح آفس میں گذرتے۔ دفتر کا یہ کام جس سے اُن دنوں وہ راہِ فرار اختیار کرتی رہی تھی اب اُس کے لئے ذہنی سکون کا باعث بنا ہوا تھا مگر شامیں اُسے تنہائی کی دنیا میں گھسیٹ لاتیں اور راتیں نیم خوابی کے عالم میں بیت جاتیں۔

تنہائی کا شدید احساس اُس کے لئے بڑا تکلیف دہ تھا۔ یہ احساس اس وقت اور زیادہ ہو گیا تھا جب چترا سیلش میں دلچسپی لینے لگی تھی۔ اُسے یہ لگا تھا کہ اب اُس کی بیٹی چترا اُس سے دُور چلی جائے گی جو گذشتہ سالوں میں اُس کی بہترین دوست ثابت ہوئی تھی۔

شروع کے چند برسوں میں اُس کی زندگی کا انحصار چترا پر اتنا نہ تھا کیونکہ اُس کی ماں زندہ تھی مگر جب سے ماں کا انتقال ہوا تھا چترا اُس کی زندگی بن گئی تھی۔

اصل میں چترا ہی اُس کا سب کچھ تھی۔ جب اُسے دفتر سے چھٹی ملتی تو وہ تمام وقت اپنی بیٹی کے ساتھ گذارتی تھی۔ اُس کے ساتھ کھیلتی، اُسے جانوروں کی کہانیاں سناتی۔ اُسے گھمانے لے جاتی اور اُس کی پرورش میں ہر طرح کا خیال رکھتی۔ وہ بیک وقت اُس کی ماں بھی تھی اور باپ بھی۔

مالا کے چہرے پر تمام واقعات میں سے ایک واقعہ اُس کے دل کی گہرائیوں کو چھوتا ہوا ابھر آیا۔ وہ زیرِ لب مسکرائی۔ [illegible] اپنی بچی کی سالگرہ پر جیسے پیلے رنگ کی فراک سی لائی تھی کیونکہ یہ اُس کی بیٹی کی پسند تھی۔ اور جب چترا نے انتہائی مسرت میں مالا کے گلے میں بانہیں ڈال کر پیار کیا تھا اور کہا تھا اگر یہ فراک وہ نہ سیتا تو میں کچھ نہ پہنتی بلکہ نفرت کرتی۔

اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں اپنی بیٹی سے اتنا زیادہ پیار پا کر وہ مطمئن سی ہو گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ چترا اُس کا سب کچھ بن کر رہ گئی تھی۔ عام طور سے بچے اپنی ماؤں کے بجائے دوستوں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں مگر چترا کی دوست تو اُس کی اپنی ماں تھی۔

اور اب چترا گھر واپس آ رہی تھی۔ مالا نے ہاتھ میں [illegible] خط پر ایک نظر ڈالی۔ [illegible] مگر اُس نے خط [illegible] اور اُس کو ڈریسنگ ٹیبل پر چترا اور سیلش کے فوٹو کے قریب رکھ دیا جو اُن کی شادی کے فوراً بعد کھینچا گیا تھا۔

اُس نے فوٹو اٹھایا اور کافی دیر تک دیکھتی رہی۔ ایک دلکش لڑکی کا مسکراتا ہوا چہرہ [illegible] کے پہلو میں ایک سنجیدہ نوجوان کا چہرہ جو اپنے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

مالا جب پہلی بار سیلش سے ملی تھی اُس وقت [illegible] اُس کے لہجے سے اُس نے اُس کی شرافت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اُس نے محسوس کیا تھا کہ چترا اُس کے ساتھ اچھی طرح رہ سکے گی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اُن کی دوستی بڑھتی جا رہی تھی۔ سیلش کو جب دہلی میں ایک اچھی ملازمت مل گئی تو مالا کو ایک اطمینان سا سکون ملا تھا۔

چترا اور سیلش کے خطوط کثرت سے آتے تھے۔ ہر خط میں چترا کے [illegible] محبت ہوتی۔ [illegible]

تھوڑی دیر کے بعد جب چترا آئی تو عجیب حالت تھی۔

ماتا کو وہ دل ہی دل میں عجیب محسوس ہو رہی تھی۔ چترا کو دیکھ کر ماتا سے کچھ کہتے نہ بنا تھا۔

سلیش نے اس کو دیکھ کر تعجب سے پوچھا اتنی جلدی کیسے آ گئے۔ مجھ کو خوشی ہے کہ آپ آ گئیں۔ تم کیسے ہو۔ جلدی سے اپنے بارے میں سب کچھ بتاؤ۔

سلیش بولے اب سے ابھی ہم کچھ کہہ رہا تھا۔ مگر چترا کا یہ حال تھا کہ وہ بستر پر بیٹھی ہوئی چترا کو بڑی بے قراری سے دیکھ رہی تھی۔ اضطراب کا اندازہ لگاتے ہوئے کہہ دیا۔

جی۔ سلیش تم ہم سے کچھ کہنا چاہتے ہو۔

وہ وقت آ چکا تھا جب اتنا ... ماتا نے جیسے اس وقت کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ خاموش ہی رہی تھی۔ مجھ میں بھی ہمت تھی کیا اب کیا نہ کہے۔

مجھے اچھی ملازمت مل گئی ہے۔ میں پوری طرح چترا کا خیال رکھوں گا اور اسے خوش رکھنے کی ہر امکان کوشش کروں گا۔

ماتا نے مشکل سے کہا۔ مجھے بڑی خوشی ہے سلیش۔ خدا پر بھروسہ رکھتے ہوئے کہا۔ مجھے یقین ہے چترا کو خوش رکھو گے۔ تم دونوں کو میری مبارک باد۔

چترا اپنی ماں کی گردن میں بانہیں حمائل کرتے ہوئے خوشی و مسرت سے چیخ اٹھی ممی تم کتنی عجیب اور اچھی ہو۔

اپنی بیٹی کی بے پناہ خوشی محسوس کر کے ماتا کا دل ٹوٹ گیا۔ رنج و مسرت کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو اس نے دوسری طرف موڑ لیا۔ اس وقت کا اس کے جذبات سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا خوش تھی کہ ہر کام انجام ہو جاتا ... شادی کا سارا انتظام ... ٹھیک تمام سامان جہیز اور ... سلیش کو رخصت کیا۔

اس کا دل ٹوٹ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ وہ اپنے بستر پر گر پڑی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اپنی عزیز ترین بیٹی کی جدائی پر اس کا دل ... سے وہ اپنی بیٹی ہی کو اپنی زندگی کی پونجی سمجھتی تھی۔ مگر اب وہ رشتہ بھی ٹوٹ گیا تھا اور زندگی کا صرف ... باقی رہ گیا تھا۔

اب وہ صرف اپنی بیٹی کے خط پڑھ کر زندہ رہ رہی تھی۔ دفتر سے واپسی پر ہر روز وہ لیٹر بکس کا دروازہ کھول کر سب سے پہلے لفافہ پر نظر ڈالتی۔ ہفتہ میں اس کا ایک خط آتا تھا اور دوسرے ہفتے تک اس خط کو وہ کئی بار پڑھتی رہتی تھی۔

گزشتہ دو برس میں چترا دو دفعہ آئی تھی لیکن دونوں مرتبہ ... چترا اپنی زندگی کے بارے میں خاموش رہتی تھی۔ اور ماتا نے بھی اس سے پوچھنے کی کوشش نہ کی تھی۔

دوسرے دن ماتا چترا کے خط کا جواب دینے بیٹھی تو اس نے قلم ہاتھ میں لیا اور سامنے پڑے ہوئے کاغذ کو دیکھنے لگی۔ ابھی تک کچھ نہیں لکھا تھا۔ اس نے ... اور انتہائی محبت سے چترا کو لکھنا چاہا کہ یہ اس کا اپنا گھر ہے۔

کچھ سوچ کر اس نے قلم رکھ دیا اور پھر خط اٹھا کر دوبارہ پڑھنے لگی۔

پیاری ممی۔

مجھے احساس ہے کہ یہ بات آپ کیلئے انتہائی تکلیف دہ ہوگی جب کہ ... سے آپ نے ... زندگی ... سلیش اور میں ایک دوسرے کے ... ہماری شادی ایک بہت بڑی غلطی تھی ہم دونوں ہر ایک بات پر لڑنے جھگڑنے لگے ہیں۔

... سے ... ہیں ... چاہتی ہوں ... آپ ... ذرا ... دیجئے۔

آپ کی بیٹی —— چترا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] قلم اٹھا کر لکھنا شروع کیا۔

پیاری چترا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نیک خواہشات کے ساتھ

تمہاری پیاری [illegible]

مہدی پرتاپ گڈھی

مُعَاھَدَہ

گو کہ نا واقفِ آدابِ جنوں ہے اب تک
اور مجھ کو بھی نہیں عقل و خرد کا کوئی پاس
مشغلۂ عشق پہ نازاں ہے تری فکرِ جمیل
اور خودداریٔ احساس ہے میری بھی اساس

تجھ سے جو ہر تعمیرِ محبت نے اجالا پایا
تاج کو میں نے بھی تیرے حسن پہ عظمت دی ہے
راستہ زیست کا گل بیز کیا ہے تو نے
میں نے بھی تیشۂ فرہاد کو عزت دی ہے

کیف دستی کا طرب خانہ ہے تجھ سے آباد
عارض و زلف کا افسانہ سنایا میں نے
زندگی تجھ سے عبادت، مری فطرت ایثار
ولولۂ زیست کا اک حسن بڑھایا میں نے

آ کہ ہم مل کے نئے دور کا آغاز کریں
ٹوٹ پامال سنگینیں مل جائیں تمناؤں کے خواب
تشنہ لب کلیوں کو شبنم کی نمی مل جائے
اور کھل جائیں ہر اک گال پہ مسرت کے گلاب

حنیف کیفی بریلوی

مِعْرَاج

(دو سانیٹ بطرزِ پیٹرارک)

پھر ہُوا شور کہ پھر اِک طرحِ اُفق کے اُس پار
آج پھر برسرِ پیکار ہے قدرت سے بشر
چیرتا آگیا انساں خلاؤں کا جگر
مختصر سا ہے نظامِ فلک کی رفتار
پھر فضاؤں میں نظر آئے جنوں کے آثار
چاند کی سمت ہوا پھر کوئی سرگرمِ سفر
اور یہ سوچ رہا ہوں میں سرِ راہگذر
کتنے طوفان اُٹھا سکتی ہے اک مشتِ غبار!

میں کہ ہوں دورِ تمدن کا اک ادنیٰ انساں
ذرۂ خاک کی معراج مجھے ہے معلوم
میں کہ لا حاصلِ بشر کی مری نظروں میں حدود
تنگ ہے دامنِ فکر و نظر بے پایاں
دشتِ ظلمات میں ہے نقشِ تجلی معدوم
عدم آباد کی حد میں ہے شبستانِ وجود

مکتوبات

رفیعہ شبنم عابدی۔ بی۔ اے۔ بی ٹی ______ بی۔ آئی۔ ٹی۔ بلاکس بمبئی ۸

اس ماہ کے شمارے میں آپ کا اداریہ خاصا طلب ہے۔ واقعی اب اردو بولنے والے طبقہ کا یہ دعویٰ ریزہ ریزہ ہو چکا ہے حال ہی میں اردو [illegible] سے کچھ توقعات بندھی ہیں۔ مگر پھر خدشہ ہے کہ کہیں اس کو بھی مجبوریوں کا سامنا کرنا پڑے جو گذشتہ کئی سالوں سے انجمن ترقی اردو کو کرنا پڑ رہا ہے۔ اس سلسلے میں آنند نرائن ملا کی وہ تقریر یادگار رہے گی جو انہوں نے انجمن اسلام کے [illegible] سال میں [illegible] والے مشاعرے اور انتخابات [illegible] ایک اہم مسئلہ ہے اور اس جانب خاطر خواہ عمل کی گزارش کرنا نہایت ضروری ہے۔

نظم کے حصے میں شہاب جعفری، مظفر حنفی، عتیق شمیم، ممتاز راشد اور [illegible] کی غزلیں قابل تعریف ہیں۔ خصوصاً مظفر صاحب کی غزل کے یہ دو شعر بہت پسند آئے۔

غیروں سے متعارف اجالوں کو کیا کریں — آنکھوں میں پڑ نہ جائیں کہیں روشنی کے زخم
کوشاں رہے ہیں ہم کہ نہ آئینہ دیکھ لے — آئینۂ غزل میں ہماری صدی کے زخم

[illegible] غزل کو بعض [illegible] گل و بلبل تک محدود کر دیں تو اس میں غزل کا کوئی قصور نہیں [illegible] جہاں تک [illegible] کا تعلق ہے [illegible] عاشق صاحب نے اپنے مقالے میں حیات [illegible] کے اقتباسات زیادہ دیئے ہیں اور [illegible] کے متعلق بہت کم لکھے ہیں۔ [illegible] اور لیڈر رشید الوزیر کا افسانہ طنز کے خوبصورت لبادہ میں ایک تلخ حقیقت کو چھپائے ہوئے ہے اور کافی اچھا ہے۔ فن گفتگو میں [illegible] مردوں کی محفلوں کا نقشہ [illegible] خوبصورت طنز [illegible] میں کھینچا ہے [illegible] عورتوں کی محفلوں کا نقشہ کھینچ دیتے جہاں سگریٹ کے بجائے [illegible] حکومتوں کے تختے تک الٹ دئے جاتے ہیں۔ عورتیں [illegible] فن گفتگو میں ماہر ہیں [illegible] معززین اور [illegible] سے تعلق رکھتے ہیں۔ [illegible] "کہہ مکرنی" [illegible] خوبصورت بنایا جا سکتا تھا۔

[illegible] رنگ حنا پر تبصرہ کرتے ہوئے قیصر الجعفری کے متعلق [illegible] کے اس جملے پر کہ "رنگ حنا" کا شاعر [illegible] شاعری کا کاروان تیس سال سے سفر کر رہا ہے نقاد نے لکھا ہے۔ شاعر کے مستقبل کی پہچان نئی راہیں [illegible] ہوتی ہے نہ کہ بنے بنائے راستے پر چلنے سے۔ اگر "رنگ حنا" کا بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ قیصر الجعفری نے [illegible] نئے راستے [illegible] کوشش کی ہے بلکہ تنہا [illegible] ہیں۔ ان کی نظمیں "صلیب" "سوال" "اولاد" "کھنڈر" [illegible] اور [illegible] نئے راستوں کا پتہ دیتی ہیں۔

آپ نے اپنے مقالہ میں "ادب اور مقصدیت" [illegible] اور اس سلسلہ میں جو مشورے دیئے [illegible] قبول [illegible] کی جا سکتی ہے۔

پروفیسر پیرزادہ اقبال بیجاپوری ______ ہاشم پیٹھ [illegible] بیجاپور

شاعر کا تازہ شمارہ موصول ہوا۔ واقعی پچھلے شماروں سے کچھ مختلف ہے۔ نثری حصے میں [illegible] قابل تعریف ہے۔ انہوں نے "[illegible]" کا جائزہ نئے انداز میں تجزیہ کیا ہے۔ مقالہ [illegible] ہونے کے باوجود تنقیدی پہلو [illegible] صاحب کا مضمون پڑھ کر [illegible] دیکھنے کا شوق [illegible] ہے۔ [illegible] کا مضمون [illegible] کے اشعار کی وضاحت کرنا مناسب ہے۔

مظفر حنفی کی غزل کی تعریف کرنے کے لئے میرے پاس مناسب الفاظ نہیں [illegible]

[illegible]

پسند آئے ۔

لما سکم نظر سے کچھ احتیاط " سے — یوں دیکھنے کا جرم نہیں زندگی کے ہم
پوچھیں گے آپ کیوں یہ نشیمن جلا دئیے — ہم آپ کو دکھائیں اگر تیرگی کے زخم

عبدالرحیم نشتر، محمد اعظم اور اقبال ظاہر اکلوتی کی غزلیں بھی اچھی ہیں۔

"ترشحات" میں اس بار بہت سی کام کی چیزیں ہیں۔ اردو والوں کا فرض ہے کہ وہ اسے اپنے حلقے میں عام کرنے کی کوشش کریں [illegible] دوسری ریاستوں کی طرح مدھیہ پردیش میں بھی اردو کی حالت بہت خستہ ہے۔ اردو کے طالب علموں کی [illegible] اب بہت [illegible] کا بقا بہت ہی مایوس کن ہے [illegible] کی طرف توجہ دیجئے۔ اردو کی [illegible] اردو [illegible] اپنا حلقے میں آپ مزید کچھ لکھئے

بدیع الزماں خاور ——— ایم اے فیل الہ دالپلی (ضلع رتناگری)

آپ نے اشتہار عام انتخابات میں ہر علاقے سے اردو کے آزاد نمائندوں کو کھڑا کرنے کی جو تجویز پیش کی ہے اسے اردو والوں کی تائید حاصل ہونی چاہئے۔ اس سے زیادہ مؤثر اور مفید طریقہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ مرکزی انجمن ترقی اردو، ریاستی شاخوں کے اشتراک و تعاون سے اس سلسلے میں جلد از جلد ایک لائحہ عمل مرتب کرے تا کہ کام کے آغاز ہی تاخیر نہ ہو۔ اردو کے [illegible] [illegible] کے نہ لیے کئے جا رہے ہیں۔ یہ بات ہمارا صبر آزما ہے !!

"شاعر" کا تازہ شمارہ [illegible] بڑے [illegible] کی کاوش اور معیاری ہے۔ اور اس کے لئے آپ کی [illegible] قابل داد ہے۔

"سورج کا شہر" شہاب جعفری کی بہترین شعری تخلیق ہے۔ یہ نظم اسلوب کے اعتبار سے اچھوتی ہے۔ مظفر حنفی صاحب کی زمین میں [illegible] غزل کہی ہے۔ رفعت نواز اور [illegible] عاشق کے مقالات موضوعات کے لحاظ سے جامع اور فکر انگیز ہیں۔ [illegible] کی نظمیں گہرے تاثرات کی حامل ہیں۔ [illegible] نے شیکسپیئر کی "کنگ لیر" [illegible] کا ترجمہ کیا ہے۔ رفیعہ شبنم، شہاب مالوری اور رشید انجم کے افسانوں کے علاوہ "آخری ملاقات" اور "فن گفتگو" میں بڑی [illegible] تعلیقات ہیں۔ [illegible] کی غزل سے بھی آج کل عام طور پر رسالوں میں چھپنے والی [illegible] غزلوں ہی کی طرح [illegible] کیا۔ رسول [illegible] اس شمارے کی جان ہے۔

نعیم صدیقی چنوری ——— معرفت وارث میاں صاحب۔ کڑپہ

جیسا کہ آپ نے [illegible] شاعر کے اداریے میں تحریر فرمایا ہے اب وقت آ گیا ہے کہ انجمن ترقی اردو (ہند) اور [illegible] مل کر ایک متحدہ محاذ بنائیں اور انتخابات کے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ اردو کے مقاصد حاصل کرنے کے ذرائع و وسائل کو اپنانے کی سعی بلیغ فرمائیں۔

اس بار مقالوں میں "[illegible] کے بارے میں" "شہاب جعفری کے آخری ملاقات" "فن گفتگو" اور [illegible] بہترین ہیں۔ افسانوں میں "[illegible]" [illegible] کی نظموں میں [illegible] اور غزلوں میں مظفر حنفی، شمیم [illegible] اور [illegible] کی غزلیں قابل ذکر ہیں۔ مکتوبات میں [illegible] کے مکتوبات کے جواب میں ڈاکٹر سلام سندیلوی نے جو تفصیل پیش کی ہے واقعی [illegible] ہے بلکہ ڈاکٹر صاحب [illegible] کی ضرورت ہے۔ [illegible] اور [illegible] ہے۔ مگر [illegible] ڈاکٹر صاحب [illegible] طریقہ [illegible] مستحسن ہے بلکہ قابل تقلید بھی۔

[illegible] شاعر [illegible] اساتذۂ فن کی اصلاحیں، مشہور شعرا کی غزلیں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جواب

مکرمی تسلیم

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] Independence [illegible]

[illegible]

[illegible]

شفیقہ فرحت ایم اے ___ [illegible] گورنمنٹ گرلز کالج ۔ بھوپال

[illegible]

[illegible] ___ مرکز ادب [illegible] محلہ ۔ بھوپال

[illegible]

مظفر حنفی کا غزل ... [illegible] مختلف رسائل میں ... [illegible]
[illegible] ... Ke Eq ... [illegible] مظفر حنفی کے ذہن میں
... [illegible] سے کہ ان کا بادہ پہچان سکے ۔

پروفیسر ایم ۔ سیف الظفر ——— ۳۴۴-۲-۸ ، جگدیش نگر ۔ حیدرآباد

خاتون ... [illegible] ... شوق سے پڑھتی ہوں ... [illegible] ... خصوصاً ...
... [illegible] ... پڑھتی ہوں ۔ ... [illegible] ... نظمیں ... کیا ... [illegible] ...
... [illegible] ... صرف چند بند دئے گئے ہیں ۔ اگر آپ مکمل نظمیں شائع کریں تو لطف آجائے ۔
تازہ شمارہ میں ... [illegible] ... غزل دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی ... [illegible] ...
... Photo stat ہے

عروج احمد عروج ——— مزید کرم ناکیرز ۔ جالنہ

... [illegible] ... نظر نواز ہوا ۔ آپ ... [illegible] ... رسائل ... [illegible] ...
... [illegible] ... کر سکتے ہیں ۔ اس بار ... [illegible] ... کا مقالہ ... [illegible] ...
... [illegible] ... مقالات میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے ۔ انھوں نے بڑی تفصیل سے ناول نگار
... [illegible] ... کے فن پر روشنی ڈالی ہے ۔ ان کا یہ مقالہ ایک ... [illegible] ... افسانوں میں ... [illegible] ...
... [illegible] ... مظفر حنفی ... [illegible] ... کی غزلیں ... [illegible] ... مکتوبات ... [illegible] ...
... [illegible] ... کس حد تک برداشت کر سکتے ہیں ۔

آپ نے ... [illegible] ... یہ بات عجیب ہی ... [illegible] ... کہاں گم ہو گئے ہیں ۔ لیکن ... [illegible] ...
... [illegible] ... تخلیقات سے ... [illegible] ... غیر معیاری ... [illegible] ... معیار کا ایک ... [illegible] ... ہوتا ہے ۔

سید نسیم احمد ——— پی ایس ۔ پی ۔ ایم ۱۱ ... جمشید پور

تازہ شمارہ ... [illegible] ... مضامین ... [illegible] ... کے بارے میں ... [illegible] ...
... [illegible] ... کے لئے لکھا گیا ہے ۔ پھر بھی ... [illegible] ... خصوصاً جناب کلیم الدین احمد
کی بیالیس نظمیں کے بارے میں ان کا یہ کہنا —

" ...... [illegible] ... خیالات ۔ کسی نظم میں اتنی دلکشی نہیں کہ ایک بار پڑھنے کے بعد ... قاری
کے ... احساس کو ... [illegible] ...... " (یہ الفاظ ... [illegible] ...) درست ہی نہیں بلکہ ... [illegible] ... صرف ان کا
... [illegible] ... کیونکہ بات ... [illegible] ... تک پہنچ چکی ہے ۔ اگر ان کی ... [illegible] ... درست بھی
... [illegible] ... بیالیس نظموں کے بارے میں آپ کا یہی خیال تھا تو پھر ... [illegible] ...
بہترین ادبی تخلیقات میں ان کا ذکر کیسا معنی ؟ آپ کلیم الدین احمد کی بیالیس نظموں کو ... [illegible] ... بہترین ادبی تخلیقات ... [illegible] ...
... [illegible] ... لیکن ... [illegible] ... کلیم الدین احمد کی ... [illegible] ... شخصیت ... تنقید ... [illegible] ...
... [illegible] ... دل اور ... [illegible] ...
... [illegible] ... معذرت کرتا ہوں مگر ———
... [illegible] ... ۔ "

ادارہ

محفل اپنی ....!

پہلی ششماہی

۱۹۶۶ء کی پہلی ششماہی کا اختتام جون کے اس شمارے کے ساتھ ہو رہا ہے۔ جنوری سے جون تک چھ پرچے پیش کئے گئے۔ جولائی سے دسمبر ۱۹۶۶ء تک کی دوسری ششماہی کے بقیہ چھ شمارے بھی اسی طرح پابندی کے ساتھ پیش کئے جائیں گے۔ ہر مہینے کی ابتدائی تاریخوں میں شاعر کو شائع کرنے کی امکانی کوششیں جاری ہیں۔

یہ تازہ شمارہ

جون ۱۹۶۶ء کا یہ تازہ شمارہ پچھلے شماروں ہی کی طرح متنوع ہے۔ انٹرویو، غزلیں، تراجم، مقالے، افسانے سب کچھ۔ اس شمارہ کی کئی تخلیقات بھرپور ہیں۔ سیاست کے فنی نظریات، اور اردو ادب کا تدریجی ارتقاء۔ اس کا ثبوت ہیں۔ پہلی بار شعراء کو اردو میں پیش کرنے کا سلسلہ شاعر نے شروع کر دیا ہے۔ یقیناً یہ مضمون پسند کیا جائے گا۔ "عاشق صبر طلب اور تمنا بے تاب" خوبصورت شہ پارہ ہے۔ افسانوں میں دو طبع زاد اور دو ترجمہ شدہ ہیں۔ "ایک شام" غیر معمولی اچھے افسانوں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے۔ تحلیلِ نفسی پر اس افسانہ کی بنیاد ہے۔ "ایک جزیرہ کی کہانی" بڑی دردناک ہے۔ "سنگیت" اور علاوہ دوسری زبانوں کی معیاری کہانیاں ہیں۔

اس بار نظمیں اور غزلیں نہ صرف زیادہ ہیں بلکہ معیاری بھی۔ "شاعر" ادبی رسائل کی مختصر سی اچھی ادبی روایتوں کو توڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔

شاعر کی قیمت میں معمولی سا اضافہ

ملک میں پچھلے دنوں زبردست گرانی کی وجہ سے سبھی رسائل و اخبارات نے بہت پہلے اپنی قیمتوں میں اضافہ کر دیا تھا لیکن شاعر اب تک اسے پرانی قیمت میں دیا جا رہا تھا۔ ہم اضافہ کے متعلق سوچ ہی رہے تھے کہ مرکزی حکومت نے روپیہ کی قیمت میں بجائے کمی کے درآمدی کاغذ کی قیمت میں بازار سے ۶۵ فیصدی فی ٹن کا اضافہ کر دیا۔ اور اسی مہینے سے اخبار کا کاغذ بیچنے والے ڈیلروں نے بڑھی ہوئی قیمت وصول کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ ملک کے چھوٹے اخبارات و رسائل کے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ اگر حکومت نے فریاد سنی اور اس کا کوئی حل نکل بھی آیا، تو بھی دوسری گراں ساز و سامانوں کی وجہ سے کوئی رسالہ پرانی قیمت پر اب نہیں دیا جا سکتا۔

ہم شاعر کی قیمت میں اس کے بڑھے ہوئے اخراجات کے اعتبار سے تو کوئی اضافہ نہیں کر رہے ہیں۔ البتہ صرف تھوڑا سا خسارہ پورا کرنے کے لئے قیمت میں برائے نام اضافہ کیا جا رہا ہے۔ یعنی سالانہ چندے میں صرف ایک روپیہ کا اور فی کاپی میں صرف دو آنے کا۔

چنانچہ جولائی ۱۹۶۶ء سے شاعر کی سالانہ قیمت آٹھ روپے اور فی کاپی بارہ آنے (۷۵ پیسے) ہوگی۔

اُمید کہ شاعر کے مستقل خریدار اور ایجنسیوں سے خریدنے والے حضرات اس نہایت معمولی اضافہ کو قبول کر لیں گے۔

ارتقا کی طرف

شاعر کی ترتیب اس ماس کے خوش میعاد میں شاعروں کے ٹھیک وقت سے سجایا جا رہا ہے جولائی اور اگست کے دونوں شمارے اس اعتبار سے اہم ہوں گے۔ ہم کوشاں ہیں کہ شاعر میں ایسی نئی تبدیلیاں لائیں جو اسے ایک منفرد ادبی جریدہ بنا دیں۔ اُمید کہ شاید اہلِ قلم ان تبدیلیوں کے سلسلے میں ہم سے تعاون فرمائیں گے۔

ایجنٹوں سے

خوش قسمتی سے شاعر کو نہایت پُرخلوص احباب دوست ایجنٹوں کا تعاون حاصل ہے۔ شاعر کے ان تمام ایجنٹوں سے گزارش ہے کہ وہ اخباری کاغذ کی موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر پہلے سے اضافی کاپیوں کی اطلاع دے دیا کریں۔ تاکہ اُن کی ضرورت کے مطابق پرچہ چھپایا جا سکے۔ انہیں کسی قسم کی شکایت نہ ہو۔

صرف دو

شاعر نوازوں اور ادب دوستوں سے درخواست ہے کہ وہ دوسری ششماہی کے پہلے شمارے جولائی ۱۹۶۶ء سے صرف دو دو نئے خریدار عنایت فرما دیں۔ اُن کا یہ تعاون "شاعر" کے نئے پروگرام اور گرانی کے اس بحران میں زبردست امداد کا کام کرے گا۔

نقد و نظر

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

گفتنی ——— از محمود سعیدی

محمود سعیدی اردو دنیا میں ایک جانا پہچانا اور امید افزا نام ہے۔ آزادی کے بعد بہت سے نام ابھر کر سامنے آئے، کچھ تو جھلک دکھا کر چھپ گئے، کچھ زبردستی بلند ٹیلوں کی چوٹیوں پر بیٹھ کر رہ گئے اور کچھ نئے حال کے ذرائع میں بہتے چلے گئے۔ کچھ ہی ایسے ہیں جو کل کے شاعر نہیں ہیں لیکن تپتی دھوپ اور ٹھٹھرتی فرصتوں میں شاعری کو نکھارنے کے لئے ادبی ترقی کے ساتھ ساتھ تعمیر کے نشتروں میں زندگی کا تجزیہ کرتے رہتے ہیں۔ محمود سعیدی کا شمار ان چند خوش بخت لوگوں میں ہے، جو بدلتے وقت، ناہموار حالات اور سماجی تصادموں کے باوجود بھی پوری کشش اور دم خم کے ساتھ رہے…… مستقل ایک بہتر اور زرخیز رقبے کے ساتھ کر رہے ہیں۔

محمود سعیدی حساس طبیعت اور روشن ذہن کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری اس کی اس تشکیل کا نام ہے جو اقتدار کے الاؤ میں سلگتا رہا اور روشنی معاملات سے کم متاثر ہوا ہے، یہ چلتی پھرتی زندگی کے ساتھ زیادہ چلا ہے۔

ان کی نظموں اور غزلوں میں انفرادی فکر، اور حیاتی تجربہ نکھار کے ساتھ نظر آتا ہے۔ یہ شاعری بناسپتی نہیں ہے، اور جس کی بڑی خوبی ہے کہ زندگی اور عمل کی طرح سیدھی اور سخت نہیں بلکہ نرم اور سبک ہوتی ہے ——— گفتنی کا شاعر بکھرے ہوئے لمحوں میں سانس لیتے ہوئے اس کی زندگی جیتا ہے اس کا ہر قدم ایک نیا سفر، ہر صبح ایک نیا زاویہ اور ہر شام ایک نئی پہچان ہوتی ہے۔ وہ ایک لمحہ کی طرح سوچتا، دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، جس سے نکھار آب و تاب حاصل ہوتی ہے۔ محمود کے یہاں رنگ کا انداز نیا ہے اور خیال کا انداز بھی نیا ہے، حسن نظر جہاں حسن نظر بھی ہے۔

بیل [illegible] سخ گلشنم پر ٹوٹ کر آ گئی ہے سامنے کے بام پر
نا گہاں ہو گئی ہے چاندنی پھر ادھر ہو گئی ہے چاندنی

حسن نظر ہی پڑھنے کے لئے محمود کو دیوانہ بنانے کے لئے
ایک سا جسم ایک مسرت ہیں،

جانی پہچانی نگاہوں کا تصادم ہو کہ پھر
ایک بے نام تبسم کی کرن ہونٹوں پر
ایک انجان مسرت کی جھلکا نکھرتی

دو الفی سرشاریوں میں گھرے ہوئے نظر آتے ہیں وہیں کلک اور دوسری نظموں میں زندگی کی تحریکات بار یک بینی سے پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سیکڑوں چاند کے آئینے ہیں
جلوہ گہہ ہے تراجستا ہجا رو حسن ترا
تو کسی انجمن ناز کی زینت ہو گی
میں یہاں غم کے جہنم میں پڑا بیٹھا تنہا
سوچتا ہوں کہ کوئی نظم کہوں

ماضی کا اقتباس بھی دیکھئے۔

دستور ہے یہاں کا پیچھے نظر نہ کرنا
ایسا نہ ہو دگر نہ اقلیم خود کا
حاکم تجھے سزا دے پتھر کا بت بنا دے

محمود سعیدی کے انداز بیان میں کلاسیکی سنجیدگی اور جدید یت کا لطیفہ جھلک جلوے پائے جاتے ہیں، غزلوں میں روایتی دلکشی کہیں کہیں کھٹکتا ہے۔ جس سے خیال کی تازگی مرجھائی سی لگتی ہے۔ غزلوں میں اچھے اور خوبصورت شعروں کی خاصی تعداد ملتی ہے، یہ بھی کچھ کم نہیں، ان کی غزلیں بالکل روایتی نہیں معلوم ہوتیں۔ نظموں میں ایک طرح کی نشست ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ محمود سعیدی غزل اور نظم دونوں کا ایک متوازن شاعر کہلائے

تم بھی چاہو کبھی سمجھ لو کبھی میرا
کبھی ایسے کبھی زندہ تجھ سے بھی تیری
زندگی کا کٹھن سفر…… تنہا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] نے لکھا ہے، قیمت دو روپے [illegible]
[illegible] دہلی

تحقیقی مطالعے

از .... عطا کاکوی

تحقیقی مطالعے عطا کاکوی کے [illegible] انیس مقالات کا مجموعہ ہے۔ [illegible] اس [illegible] کے ساتھ [illegible] زندگی کے [illegible] ادب پر [illegible] حال کے [illegible] کی کوشش ہوتی ہے۔

عطا کاکوی نے ان مضامین میں [illegible] کے ساتھ [illegible] کی کوشش کی ہے۔ [illegible] کلام [illegible] عطا صاحب نے [illegible] کے [illegible] میں [illegible] سے [illegible] ہیں۔

مثلاً مشہور شعر

[illegible]
[illegible] نے خوب کیا

[illegible]

دلّی سے [illegible]
[illegible]

کوئی عاشق نظر نہیں آتا
[illegible] سے نقل [illegible]

فاروقی صاحب میر کے [illegible] ہیں [illegible] ہے۔ [illegible]

[illegible]

از .... درشن سنگھ دُگل

ہر شعر میں [illegible] ہے [illegible] ساتھ [illegible] زندگی میں [illegible]

جسم اور روح کا توازن زندہ [illegible] کی تہذیبی شناخت ہے۔ ہند پاک میں ۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فسادات [illegible] انسانی [illegible] شاعری [illegible] ہے۔

[illegible]

درشن سنگھ دُگل کی شاعری کو [illegible]

وجدانیت، شائستگی اور خلوص ہے جو تصوف کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ وہ کبھی طنز کرتا کا شاعر ہو اور طنز کر نہیں سکتے ہیں۔ تصوف شعر میں گورو نانک، حضرت مجدد سرمد، کرشن بھاگوت، رام چندر جی، مہاتما بدھ، معین الدین چشتی اور بہت سے دوسرے عظیم ہندوستانی روحانی معلموں کی تعلیمات پر خوبصورت نظمیں شاعر کی مذہبی کشادگی اور سیکولر ذہنیت کی طرف واضح اشارہ کرتی ہیں۔ اس شاعری میں نظم اور فلسفہ کا اسکرپٹ نہیں بلکہ عقیدت کی ہی گہرائی اور معاداری اور اشتراکی ہم آہنگی کی لطافت نظر آتی ہے۔ حرف زر گشت میں وہ کہتے ہیں۔

کسی دیار کی بہشت زمین کی قید
پیام وارث وارا ہے مقل جہاں کیلئے

یہی وہ مکمل ذہنیت ہے جو حرم و دیر کی خارجی علامات سے اوپر اٹھ کر فلک کی فاخمیں پرواز کرتا نظر آتی ہے۔ درشن کا شعر ہے

منزل دیر و حرم سے مجھے مطلب کیا ہے
میری منزل تو دہیں ہے کہ جہاں ہے اک روح

• میناب دانش میں وہ کس خوبصورتی سے اپنا نقطۂ نظر بیان کر رہے ہیں۔

۲ اللہ مذہب کو چھوڑ کر یہ لوح
آسمانوں سے اتری ہے زمیں کی خاطر
ایک دھرتی سے کہ آئی ہے انسانوں کیلئے
سلسلہ یہ ہے انساں کو ملانے کیلئے

درشن سنگھ ایک سلجھے ہوئے ذہن کے اچھے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری قدروں کے خلوص اور انسان دوستی کا مظہر نہیں بلکہ ذہنی شعور پیدا کرتے ہیں۔ اور بہت متصادمات سے نیکی خیر کی آزادی شدت کو بجائے بغیر شعری و غیر شعری باتیں یکجا ممکن ہے "تلاش نور" میں غزلیں بھی ہیں اور نظمیں بھی۔ ہر جگہ شاعر کا احساس جمال انسانی کی سچائی اور دھرتی کی جڑوں کا عکس صاف نظر آتا ہے۔

قیمت تین روپے۔ ناشر

حلقۂ ادب پبلیکیشنز دہلی۔ پتہ روحانی ستسنگ

سنت نگر دہلی

اردو کا حق [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مولانا آزاد کے خطوط مطلوب ہیں

[illegible]

رفتار

علمی — ادبی — تہذیبی — خبریں

[illegible]

عابد حسین ادیب کو صدمہ

[illegible]

حضرت بسمل [illegible] کا انتقال

[illegible]

[illegible]

نیپال میں مشاعرہ

[illegible]

ملازمت کیلئے بنگلور کی سابقہ کالجیہ جاری

[illegible]

[illegible] واضح ... کے [illegible]

[illegible] کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] نگاروں کے تذکرے کے سلسلہ میں

[illegible] کی اپیل

[illegible]

[illegible] مراحل میں ہے۔

شہر میسور میں یادگار مشاعرہ

حسب اطلاع [illegible] میسور کی جانب سے [illegible] کی شب [illegible] جناب محمود [illegible] ... جناب [illegible] ... محمود [illegible] ... [illegible] میں اتنی کثیر تعداد میں شرکت کی ہو گی۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہو گیا۔

[illegible]

[illegible] شائع کیا ہے۔

[illegible]

[illegible] گیا ہے۔

بقیہ صفحہ ۵۰ • ... انصاری ایک ملاقات

س: اس کی theme کیا تھی۔

ج: [illegible] اعتبار سے [illegible] ہو۔

س: اس وقت آپ کن افسانہ نگاروں سے [illegible] آپ کن کو پسند کرتے ہیں؟

ج: اس وقت [illegible] پسند ہیں۔

س: آپ نے [illegible] افسانہ نگاروں کے سلسلے میں [illegible] جا سکے۔

ج: میں نے اپنے [illegible] صاحب [illegible]

علامہ سیماب اکبرآبادی

[illegible]

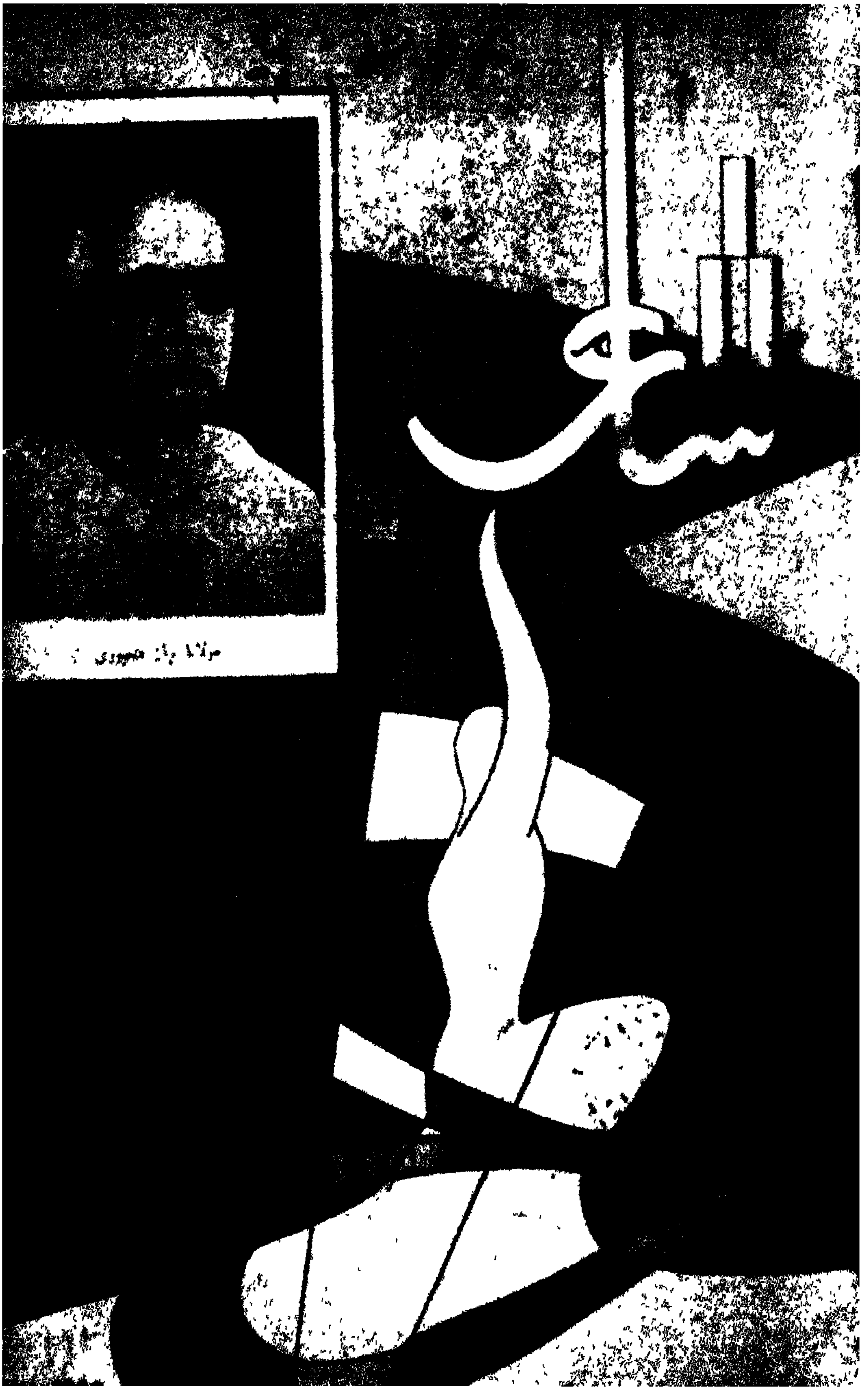
کلیم عجم	(رباعیات)	چھ روپیہ آٹھ آنے
سدرۃ المنتہیٰ	(غزلیات)	چار روپیہ
کار امروز	(نظمیں)	چار روپیہ آٹھ آنے
شعر انقلاب	(نظمیں)	تین روپیہ
عالم آشوب	(رباعیات)	تین روپیہ
[illegible]	(عارفانہ نظمیں اور سلام)	ایک روپیہ

جلدوں پر خوبصورت اور رنگین گردپوش

(مکمل سیٹ کی خریداری پر محصول ڈاک معاف)

منیجر ، شاعر ، مکتبۂ قصرالادب پوسٹ بکس ۲۵۲۶ بمبئی ۸

Only cover printed at Adabi Printing Press, Bombay-8



جاری شدہ ۱۹۳۰ء

بانی علامہ سیماب اکبرآبادی مرحوم

اُردو کا بتیس سالہ علمی، ادبی اور تہذیبی ماہنامہ

شاعر بمبئی

ادارہ

اعجاز صدیقی
مہندر ناتھ

فی پرچہ	ممالک غیر سے	تاعمر خریداری	معاونین سے	زرِ سالانہ
۱۲ آنے دس پیسے	۲۵ شلنگ	۱۲۵ روپے	پچیس روپے	آٹھ روپے

[illegible]

ماہنامہ "شاعر" قصرالادب بمبئی ۴ بی سی

[illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] ۱۲۱۔ بلیماران۔ دہلی ۶

مکتبہ قصرالادب

پوسٹ بکس ۲۵۲۶، بمبئی ۴ بی سی

شاعر بمبئی
جولائی ۱۹۶۶ء

ترتیب

تصویر سرورق
مولانا نیاز فتح پوری

مکتوبات

ل۔ احمد — علی عباس عابد، عبدالحمید — رفعت نواز
نثار پرویز — انجنا آرا انجم — انور انصاری
ظہور احمد — تمنا مظفرپوری — ضیا حسنی

—— اور دوسرے ——

ادارۂ "شاعر" فخر و مسرت کے ساتھ
اُردو کے شہرۂ آفاق افسانہ نگار

کرشن چندر

پر نہایت ضخیم، شاندار اور مثالی نمبر پیش کر رہا ہے
کرشن چندر کی منفرد شخصیت اور اُس کے ہمہ گیر فن پر نہ صرف ہندوستان کی کئی
زبانوں کے مشہور قلم کاروں بلکہ دُنیا کے بڑے بڑے مصنفین اور مفکرین
کے مضامین و تاثرات

کرشن چندر نمبر

میں
پیش کئے جائیں گے

کرشن چندر کی ادبی زندگی کی لافانی تاریخ، اُس کی عظمت
کی کہانی، اُس کی تصانیف کا جائزہ
اُس کے زندہ اسلوبِ فکر اور شاہکار
افسانوں، ناولوں اور
ڈراموں پر تنقیدی
نظر

درجنوں تصاویر
تفصیلات اور تاریخ کا انتظار کیجئے

کرشن چندر نمبر میں
خود
کرشن چندر
کے اپنے قلم سے
ایک تازہ، غیر مطبوعہ اور شاہکار
نئے

ناول

کے
علاوہ
تین تازہ کہانیاں
ایک ڈرامہ
ایک مزاحیہ
میرے ادبی نظریات
میرے تنقید نگار
میری ادبی زندگی کا آغاز و انجام

کرشن چندر کے شب و روز
(تصاویر کے ذریعے)
اور
عکسِ تحریر
کرشن چندر کے
اہم خطوط

ارباب قلم اپنے مضامین کرشن چندر نمبر کے لئے جلد از جلد ارسال فرمائیں

[redacted]

نارسائی سی نارسائی ہے -!

ہمارے ملک میں مختلف آتش فشاں سلگ رہے ہیں بھوک کا آتش فشاں ہے روزگاری کا آتش فشاں ، مہنگائی کا آتش فشاں عیاری اور بدلیوں کا آتش فشاں حادثات کا آتش فشاں جیسا نہیں اسے [illegible] کا آتش فشاں سیاسی اختلافات کا آتش فشاں اور ان سب سے بڑا لسانی تعصب کا آتش فشاں - سب سے خطرناک [illegible] کا تو ذکر ہی کیا [illegible] لوگ [illegible] اس ملک میں [illegible] حالات سے سخت متاثر ہیں [illegible] [illegible] کب [illegible] پھوٹ پڑے اور کون [illegible] ہے - کیسی کل [illegible] ہمیں [illegible] ہے - عجیب بے حسی اور نارکی کا عالم ہے -

لسانی تعصب نے تو تمام ہندوستان میں [illegible] کل [illegible] کی [illegible] ہے جب زبان کو قابل فہم بنا کر مختلف زبانوں کے صوبوں کو اس [illegible] ذریعہ بنایا ہے - صوبائی حکومتوں نے اپنی اپنی زبانوں میں سرکاری کام کرانے شروع کر دئے ہیں - وہ لوگ سخت مصیبت میں ہیں جو اگر ہندی، انگریزی اور اردو تو جانتے ہیں لیکن صوبائی زبان [illegible] پر نہیں جانتے - اب یہ لسانی بحران یونیورسٹیوں میں بھی گھس گیا ہے - حال ہی میں ناگپور یونیورسٹی نے اردو زبان کے [illegible] ہے احتجاج ہو رہا ہے - قراردادیں پاس کی جا رہی ہیں - مگر حاصل !!

حال ہی میں [illegible] بہار ، مدھیہ پردیش ، مہاراشٹر پردیش اور پنجاب وغیرہ میں ہوا - کون سنتا ہے بے [illegible] - [illegible] پارلیمنٹ کے ممبروں کا احتجاج کام آیا نہ انجمن ترقی اردو کے وفود کی ملاقاتوں کا نتیجہ نکلا نہ [illegible] - قراردادوں سے کام چلا - آل انڈیا اردو کنونشن کی ساری کوششیں بے سود ثابت ہوئیں - پہلے تو بعض کٹر [illegible] اور انتہا پسندوں [illegible] اردو کے وجود اور اس کی افادیت کے منکر تھے اب یہ بات بھی ختم اور نمایاں ہو چکی ہے کہ مرکز نے لیکن بعض صوبائی حکومتوں کا منشا یہی ہے کہ اردو کے جائز حقوق کو پامال کیا جائے -

بہرحال اردو والوں میں اب حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک ایسا جذبہ ابھرا ہے جو قربانیوں پر دلالت کرتا ہے مگر یہ جذبہ تیز ہو جائے گا یا ایک نہ ایک دن اردو کے جائز مطالبات کی [illegible] اردو کی [illegible] عزت بہت [illegible] اور تنظیم و اتحاد کی ہے - بد قسمتی سے اردو کی صفوں کا اختلاف [illegible] دور نہیں ہوا ہے اور ایک اعتبار سے یہ پہلے سے کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے - بمبئی اور بہار کی حالیہ "بھوک ہڑتالوں" اور ان کے سلسلے میں عام طور پر اردو والوں کا عدم اتحاد و اتفاق ، ہمارے اجتماعی انتشار کی واضح نشانی ہے - اگر ان بھوک ہڑتال کرنے والوں کو اردو کے تمام حلقوں کی تائید حاصل ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کا اثر نہ ہوتا - بمبئی کانگریس کے سیشن کے موقع پر بھوک ہڑتال کرنے والوں اور جلوس نکالنے والوں کی طرف سے [illegible] کانگریس پارٹی کا مرا [illegible] کو ایک [illegible] پیش کیا گیا تو انھوں نے توجہ کا وعدہ فرمایا - وزیراعظم مسز اندرا گاندھی اور صدر کانگریس [illegible] سے [illegible] بہار میں بھی یہی ہوا - [illegible] بہار کے وزیر اعلیٰ نے بھی توجہ دینے کا وعدہ کیا ، لیکن جس کا نام وعدہ ہے وہ آزادی کے بعد سے اب تک کیا جا رہا ہے - وہ ایسی چیز ہے جسے ہم [illegible] کہتے ہیں -

[illegible] کے اخباروں میں [illegible] سے یہ عرض کیا جا رہا ہے کہ ہماری اردو تحریک بہت کمزور ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ [illegible] نام [illegible] نہیں [illegible] اور خود حکومتیں بھی متاثر ہوں - ملک کے [illegible] میں جب تک کوئی ایسا شخص پیدا نہ ہو جائے جو مر جاتا ہو جسے سامنے کسی [illegible] آتا ہو اس وقت تک کوئی قابل ذکر ہی نہیں ہو سکتے - لکھنؤ کے چند گمنام نوجوانوں نے دہلی اور لکھنؤ میں بھوک ہڑتال کی [illegible] رہا - حکومتیں مطمئن ہیں کہ اس میں حیات اللہ انصاری ، پنڈت آنند نرائن ملا ، آل احمد سرور ، آنند نرائن ملا - فراق گورکھپوری ، [illegible] جیسے [illegible] فراق گورکھپوری اور پنڈت آنند نرائن بھوک ہڑتال شروع کر دیں تو لاکھوں اردو عوام ان کے ساتھ ہو جائیں - صوبائی حکومتیں لرز جائیں اور کل کوئی نتیجہ خیز بات سامنے آ جائے - یہ وقت [illegible] اور [illegible] کی [illegible] کا کہاں ہے !!؟

[illegible] [illegible]

سعید طاہر صدیقی

اردو میں عورتوں کا ادب

ہر دور کا ادب اس وقت کی سماجی زندگی اور اس کی پیچیدگیوں کا مظہر ہوتا ہے۔ عام طور پر ادیب وقت اور زمانے کے ساتھ چلتا ہے اور اپنے فن سے سماج کے شعور میں گہرائی اور وسعت پیدا کرتا ہے۔

اسی لئے ہر ادیب کا ادب اوّل تو اس کے اپنے شعور کے مطابق ہوتا ہے، دوسرے انسان کی مادی زندگی کے عروج و زوال کا آئینہ دار۔ اردو زبان میں عورتوں کا ادب بھی کم و بیش انہی اصولوں سے متاثر رہا۔ عورتوں سے متعلق جو کچھ ادب تخلیق میں آیا اس کے بھی مختلف تاریخی ادوار ہیں اور انہی تاریخی ادوار کے پس منظر میں ادب کی تخلیق ہوئی۔

ابتدائی افسانے، قصے، بہادری اور جانبازی اور دلیری کے کارناموں کے عکس ہوتے تھے۔ بہادری کے جذبے کا اثر افسانوں پر تھا۔ اس کے بعد ایسے قصے لکھے گئے جن میں خواتین کی تعلیم کی تحریک تھی، اور معاشرہ [illegible] گزند [illegible] نہ لکھے گئے۔ انہیں مولوی نذیر احمد کا نام زیادہ اہمیت کا حامل ہے جنہوں نے خواتین کے لئے

• مراۃ العروس اور بنات النعش جیسے مشہور ناول لکھے۔

"مراۃ العروس" — تعلیم نسواں پر سب سے پہلی تصنیف تھی جس میں ایک پھوہڑ عورت کا کردار پیش کیا گیا ہے۔ اور واقعات سے ثابت کیا گیا ہے کہ کس طرح ایک پھوہڑ عورت اپنے خاندان کی تباہی کا باعث ہوئی۔ کتاب "بنات النعش" مستورات کی واقفیت عامہ کے لئے سلیس اردو میں لکھی گئی۔ اس کے علاوہ پند و نصائح کی کتاب مثلاً "مواعظ حسنہ" بھی تخلیق کی۔ یہ دور نثری قصے کہانی کا ایک عروج کا دور ہے۔

محمد حسین آزاد نے نصیحت کا کرن پھول جیسے پند و نصائح کی کتاب لکھی، حالی نے اپنے خاص رنگ میں "ماؤں، بہنوں، بیٹیوں" کے لئے اخلاقی نظمیں کہیں اور انہیں قومی اور معاشرتی ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔ "حقوق نسواں" مولوی سید ممتاز علی نے لکھی۔ لیکن خانہ داری کے ناول اس جھنڈے سے باہر نکل گئے جس پر نذیر احمد نے انہیں پہنچایا تھا۔ اس قسم کے ناول دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک وہ گروہ جو خانہ داری کی زندگی کا مقابلہ آسودگی کی زندگی سے کر کے گھر کی زندگی کی مسرتوں کو سراہتا ہے جیسے "خواب کلثوم"۔ اس ناول میں بیوی اور ماں کی حیثیت خالق کی مانند سب سے اہم سمجھی ہے اور اپنے شوہر کو ہمیشہ معاف کر دیتی ہے۔

• دوسرا گروہ جو خواتین کے لئے خانہ داری سے متعلق ادب کی تخلیق کر رہا تھا اس کا اصل [illegible] عورتوں کی عام زندگی اور مظلومیت [illegible] اشتیاق حسین قریشی [illegible] شروع سے کچھ ایسے ناول بھی جو اصلاحی مقصد لئے ہوئے [illegible] لکھے گئے۔ مثلاً مرزا رسوا نے "شریف زادہ" خواتین کے لئے لکھی۔

• مرد لکھنے والوں کے ساتھ خواتین بھی مقصدی ادب کی تخلیق کر رہی تھیں اور خاص طور سے خواتین کے لئے لکھ رہی تھیں، مثلاً [illegible] نسواں [illegible] فاطمہ بیگم نے [illegible] تخلیق کی۔ کتاب کا مقصد عورت کو شائستگی، خانہ داری، معاشرتی تربیت، اخلاق کی صفات کا مجموعہ بنانا تھا۔ بیگم مرزا احمد علی کی "گلدستۂ خواتین" خواتین کے لئے ادبی [illegible] کہی جا سکتی ہے۔

ادب میں ہر دور میں ایک گروہ ایسے لکھنے والوں کا ملتا ہے جنہوں نے عورت کے حقوق [illegible] والی کاوشیں کی ہیں۔ شاعروں نے اپنی فن سے کہیں کہیں عورت کے [illegible]

اصلاح پسندوں نے اس تعلق کو زیادہ مستحکم بنانے کے لئے عورتوں کو اپنے افسانے کا موضوع بنایا۔ ان میں سیرت کی بہترین اچھائیاں تھیں۔ پیدا کیں عورت کو ایثار، محبت اور اطاعت کا مثالی پیکر بنایا۔ ان ناولوں میں شوہر خواہ کس قدر کتنا ہی ظلم کرے مگر عورت کی فطرت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ اس کے لئے دھو دھو کر پیئے۔ اور اپنی نیند اور اپنا عیش و آرام کو صرف اپنے سرتاج کی زندگی کے آرام پر قربان کر دے اور اس کے آرام کا خیال رکھنا اپنا [illegible] خدمت کو عبادت جانے۔ عورت کے لئے اس قسم کے ادب میں ممتاز حیثیت، لکھنے والے راشد الخیری، سلطان حیدر جوش اور پریم چند میں راشد الخیری نے تقریباً ساٹھ کتابیں خواتین کے لئے لکھیں۔ انہیں نصف صدی یعنی ۱۸۹۰ء سے ۱۹۳۶ء تک لکھی گئیں۔ ان کی چند کتابوں کے نام ہیں "ستونتی، نالۂ زار، وداعِ خاتون، گرداب حیات، منازل السائرہ وغیرہ۔

اس دور میں ترجموں نے عورت کو بہ حیثیت موضوع بہت رواج دیا۔ خصوصاً راشد الخیری اور خواجہ حسن نظامی ایک مقصد لے کر آگے بڑھ رہے تھے، خواجہ حسن نظامی کی اس سلسلے کی ایک کتاب "بیوی کی تربیت" ہے۔

خواتین کے مذاق اور مطلب کے مضامین لکھنے کی قدرت اور ان کی اصلاح و ترقی کا دل میں درد رکھنے والوں کی فہرست میں سیماب اکبرآبادی، تلوک چند محروم، سید احمد حسین، مرزا فرحت اللہ بیگ، آغا شاعر قزلباش، ڈاکٹر سید احمد بریلوی، عزیز لکھنوی، میر باقر علی داستان گو، مرزا عظیم بیگ چغتائی وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔

صحافت کی دنیا میں عورتوں کے لئے جو رسائل اور جرائد جاری ہوئے ان میں عصمت، تہذیب نسواں، زیب النساء، خاتون بمبئی، مستورات، مسلم، مصباح، سہیلی، حریم وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے بعض اب تک نکل رہے ہیں کئی اور پرچے بھی شائع ہوئے مثلاً عفت برہان پور، عزت، [illegible]، خاتون بیگم، پیام امید، پردہ نشین، خادمہ، استانی، حور، خاتون مشرق وغیرہ۔

یہ اس دور کا ذکر ہے جب ہندوستان پر ایک غیر ملکی حکومت کا غلبہ تھا اس لئے اپنی پرانی روایات اور تہذیب کو قائم رکھنے کی جدوجہد میں اخلاقی مقصد تک ہی محدود تھا۔ لیکن عورت نے جلد ہی افسانوں میں دوسرا روپ دھارا، وہ زیادہ دلکش اور پرعظمت ہو گئی۔ یہ تصویریں پریم چند نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں پیش کیں۔ انھوں نے ایسے نسوانی کردار پیش کئے جن میں مشرق کی سادگی دلکشی ہے، وہ محبت کی دیویاں ہیں گو دوسری ہندوستانی عورتوں کی طرح وہ بھی اپنے شوہر کو دیوتا جانتی ہیں لیکن پریم چند اپنی کہانی کے نسوانی کرداروں کو عمل اور مرد کے لئے زورِ بازو بننے کی ترغیب دیتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے، عورت مرد کی راہ میں رکاوٹ بنے، ان کے ناول "میدانِ عمل"، "پردۂ مجاز"، "چوگانِ ہستی"، "نرملا" اسی طرز فکر سے متاثر ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ پریم چند اپنے ناولوں اور کہانیوں میں عورتوں پر مردوں کی زیادتی کے خلاف احتجاج بھی کرتے ہیں۔

اب ادب میں ایک تیسرا گروہ پیدا ہوتا ہے جو نہ عورت کی پہلی تصویر کو پسند کرتا ہے اور نہ دوسری کو۔ اس تیسرے گروہ کے لکھنے والوں نے عورت کی شعریت اور نسوانیت کی جیتی جاگتی تصویر پیش کی۔ جس پر رومانیت کا رنگ زیادہ چڑھا ہوا تھا۔

اس فکر کے تحت عورت کا ظاہری حسن ہی شعریت تھا، وہ اپنے ادب میں اسی ظاہری حسن کے نمونے پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہو عورت کے بارے میں ایک شاعرانہ تصور

آنکھیں وہ فتنۂ دوراں کو گنہگار کریں — گال وہ صبح درخشاں کو ملک پیار کریں
دلکشی چال میں ایسی کہ ستارے رک جائیں — سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں
آتشِ حسن سے تقویٰ کو جلانے والی — بجلیاں لطفِ تبسم سے گرانے والی

لیکن ترقی پسند ادب میں عورت دیوی اور پتلی بنی نہیں ہے یہاں کچھ اور ہی رنگ ہے اس ادب میں گوشت پوست کی جیتی جاگتی عورت ہے جو اپنے حسن و جمال کے ساتھ، وہ ادب میں ماں، بہن، بیوی اور محبوبہ بن کر جلوہ گر ہوئی۔

اکبر الہ آبادی نے انگریزی تعلیم کیخلاف ایسے اشعار کہے جن میں ان کو مغربی تعلیم حاصل کرنے کی تنقید ہے تو اختر شیرانی نے [illegible] پیش کی اگر ترقی پسند ادب میں عورت نے جنم لیا اس کا سہرا اختر ہی کے سر ہے۔ جیسے بھی دیکھا جائے تو انھوں نے ہی عورت کو [illegible] کے پیچھے ہی رکھنا

[illegible]

ترقی پسند شاعروں اور افسانہ نگاروں نے عورت کی نئی منزل، کھلی اساس کی [illegible] کا مطالبہ کیا۔
ترقی پسند ادب میں مردوں کے بعد عورت کو دنیا کی سب سے مظلوم مخلوق قرار دیا گیا ہے کیونکہ عورت اُن کے خیال میں دو طرح سے استحصال کا شکار ہو رہی ہے ایک تو معاشی اور دوسرا جنسی جو کہ ترقی کے تجزیے تعمیری بنیاد پر اُن پر بڑھائے گئے۔
غرضیکہ عورت جو ترقی پسند ادب کے ابتدائی زمانے میں عشق کے دروازے سے ادب میں داخل ہوئی تھی اب شاعروں نے اپنے آنچل کا پرچم بنا لینے کو کہا۔
اسرار الحق مجاز نے آزادیٔ نسواں پر بہت زور دیا ہے۔ اُن کی نظم "نوجوان خاتون سے" کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تری نیچی نظر خود تیری عصمت کی محافظ ہے
تو اس نشتر کی تیزی آزما لیتی تو اچھا تھا
اگر خلوت میں تو نے سر اُٹھایا بھی تو کیا حاصل
بھری محفل میں آ کر سر جھکا لیتی تو اچھا تھا
ترے ماتھے پہ یہ آنچل بہت ہی خوب ہے لیکن
تو اس آنچل سے اک پرچم بنا لیتی تو اچھا تھا

[illegible] نے اپنی نظم "[illegible]" میں بستی کے [illegible] کو جنگل کے درندوں کی نسبت زیادہ [illegible] دیکھا ہیں [illegible] عورتوں کے لیے بہت کچھ لکھا۔ اُن کے افسانے "کرنیں"، "مرغی"، "[illegible]" اور [illegible] عصمت کے لیے [illegible] ہیں، یعنی وہ معاشی آزادی کے خواہاں ہیں۔
ترقی پسند ادب میں منٹو نے مردوں کے موضوع میں عورت کے جنسی EXPLOITATION کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ [illegible] عورت پر کوئی ظلم برداشت نہیں کرتے۔ وہ ایسے سماج پر کاری وار کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف عورت کی عصمت کی حفاظت چاہتے ہیں، بلکہ اُس کی آزادی کے بھی خواہاں ہیں۔
کرشن چندر نے زیادہ تر عورت کے افسانے لکھے ہیں کیونکہ اُن کے خیال میں ہندوستانی عورت کی بدقسمتی گہری ہے۔ [illegible] عصمت چغتائی کا خاص موضوع [illegible] انھوں نے بیسیوں افسانے لکھے ہیں جیسے "جنت الحمقا"، "ننھی کی نانی"، "منا چوتھی"، "شکست" وغیرہ۔
ہندوستانی عورت کی مظلومیت کو کرشن چندر کی انقلابی رومانیت نے دل گداز رنگ میں بیان کیا۔ عصمت چغتائی نے کہیں کہیں عورتوں کی نفسیات کا مطالعہ بھی پیش کیا ہے۔ راجندر سنگھ بیدی کا افسانہ "گرم کوٹ" ایک ہندوستانی بیوی کی [illegible] محبت اور ہمدردی کی تصویر ہے۔ علی عباس حسینی نے اپنے افسانوں میں اکثر اصلاحی رجحان رکھا ہے۔ بقول سردار جعفری "اب نئی عورت ادب میں [illegible] عشق اور عورت کی آزادی کے تصور نے ترقی پسند ادیبوں کو متحرک کیا تھا۔ اب وہ یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ عشق کی صحت مندی اور آزادی کی بنیادیں معاشی اور سماجی ہیں اور جب تک عورت کو معاشی آزادی نہیں ملتی وہ سماجی آزادی میں اپنا حصہ نہ حاصل کر سکے گی۔"

سید حرمت الاکرام

غزل

حسنِ ظاہر سے بہلتی ہے نظر
ورنہ پھولوں میں بھی ملتے ہیں شرر

لوٹ کر کون و مکاں سے اکثر
اپنے پیکر سے الجھتی ہے نظر

زندگی! وقت سے آگے بڑھ کر
پیچ و خم سے کبھی اپنے بھی گزر

میں نے خود کھوئی ہے اپنی منزل
کس سے پوچھوں مجھے جانا ہے کدھر؟

سفرِ غم میں یہ مہلت کس کو؟
دیکھتا کون کسی کو مڑ کر؟

اِس طرح خواب کی تعبیر نہ ڈھونڈ
دیکھ! لمحوں کے بدلتے تیور

انقلاب اور کوئی کیا ہوگا
ناز اندھیروں کے اٹھاتی ہے سحر

قافلے ڈھونڈ رہے ہیں کس کو؟
جا کے ٹھہری ہے ستاروں پہ نظر

دشتِ وحشت میں بھی اڑنے لگی گرد
کون ہو کس کے لئے خاک بسر؟

ہم خدا کہہ کے جسے پوج سکیں
اے چٹانو! کوئی ایسا پتھر؟

ایک اک کر کے بجھے سارے چراغ
روشنی دیتے ہیں جلتے ہوئے گھر

میرا غم اتنا تنگ ظرف نہیں
مجھ کو دکھلاؤ نہ شبنم کے گہر

تازہ کرتے چلو احساسِ حیات
بھر لو زہراب سے حرمت ساغر



اقبال صدیقی

آخری دھماکہ

آج سویرے پہاڑ پر چہل قدمی کرنے بیٹھی ہوں۔ [illegible]
پہاڑی وادی ہے جو اب تک [illegible] کی دھوپ میں نہائی ہوئی
ہے۔ میرے ذہن میں تخیلات کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ میرے اندر
ایک عالم برپا ہے۔ اور میں سوچ رہی ہوں کہ ازل سے بکھرے ہوئے خیالوں
کو اپنے خیالات کی زنجیروں میں آزاد کروں۔ آسمان میں سیاہ بادلوں کا
گھنگھور ہوتا جا رہا ہے اور اس پر سفید بگلوں کی قطاریں آڑی اڑی جا رہی
ہیں۔ اور میں اس منظر کو اپنے ذہن پر اتارنے بیٹھی ہوں۔ کتنی عجیب
مشابہت ہے۔ بادلوں کی یہ سیاہی جنگ اور موت کی سیاہی جیسی ہی
ہے۔ اور سفید بگلوں کی پرواز میں زندگی کی پرواز ہے۔ [illegible]
ہے۔ [illegible] تخیلات کا اسیر ہے۔ [illegible] ذہن انسانی [illegible]
[illegible] ایک نئی منزل کی طرف [illegible]
[illegible] قوس قزح کے رنگ [illegible]
[illegible] ہے! [illegible]
کے اندر [illegible] رہتی ہے اپنے اندر۔

اور میں انسان کی اس [illegible] کو [illegible]
کرنا چاہتی ہوں [illegible] کا اخبار پڑھ کر [illegible]
[illegible] اپنے اجداد کی سرزمین
[illegible] آج [illegible] ہو رہا ہے۔
[illegible] آج [illegible] ہے۔ [illegible] چائے پیتے وقت
[illegible] اس نے اخبار میرے سامنے پھیلا دیا تھا اور [illegible]
[illegible] اس نے کہا تھا۔

[illegible] کتنا کامیاب [illegible] ہمارے عظیم اجداد
[illegible] ایک عظیم قوم کی اولاد ہیں [illegible]

ہم کسی سے پیچھے نہیں رہ سکتے۔ کسی سے بھی پیچھے نہیں رہ سکتے۔ آخر
ہمارے ملک میں ہی تو [illegible] ہے جو دنیا کی قدیم ترین
تہذیب بتلاتی ہے۔

اور ستارہ کا ایک گہرا دھواں منتشر کرکے وہ اپنے اجداد کی
دنیا کے تصور میں کھو گیا۔ حالانکہ وہ چین کبھی نہیں گیا۔ اسے معلوم ہی
نہیں کہ چین کی شکل کیسی ہے۔ وہاں کے پانی کا مزہ کیسا ہے۔ وہاں کی
ہوا کی خوشبو کیسی ہے۔ پرانی کتب کے حوالوں سے اس نے چین کے لوگوں اور
ان کی زندگی کا ایک خاکہ اپنے ذہن میں تیار کر رکھا تھا۔ چین ایک
بہت بڑا ملک ہے۔ وہ دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ لیکن وہاں
افلاس ہے۔ [illegible] ہے۔ اس کے
علاوہ اپنے دادا سے وہ زمینداروں کی [illegible] کے قصے بھی
سن چکا ہے۔ اور ان کے ہاتھوں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

میں بارہ سال سے سرسالفہ نیز اس کے ماحول میں پلا بڑھا ۔ ہم کی [illegible] مرکزے تھے۔ وہ کلکتہ میں کلم [illegible] بہت بیک پہنچے تھے۔ انہیں اس ملک کا باسی ہونا بہت مرغوب تھا اور لنکا کے پانی تو ان کی انجمن محبت کی کایا پلٹ کر دی ۔ وہ اسی دلیش کے رسیا ہو گئے۔ اور انہوں نے وہیں [illegible] اختیار کر لی۔ ان کے بعد وانگ کے باپ نے سنہرا بازار میں جوتوں کی ایک عمدہ دکان کھول لی۔ وہیں میرے باپ کی عمدہ سنہری دکان تھی۔ وہ ایک ماہر دندان ساز تھے۔ انہیں سے وانگ نے دندان سازی سیکھی۔ اور میرے دانت سے بھی سخت ہے۔ وانگ کے ہاتھ میں بڑی صفائی ہے۔ دانتوں پر اس کا ہاتھ ایسا ہے کہ وہ یوں نکل آتے ہیں جیسے [illegible] میں سے بچے کے منہ سے ماں کی پستان نکل آتی ہو اور پھر وہ مصنوعی دانت اصل سے بھی زیادہ خوبصورت دانت جڑ دیتا ہے۔ اور لوگ اس کے ہنر کے قائل ہو جاتے ہیں۔ ایک بار اس نے میرے بیٹے کے دو دانتوں کو نکال کر ان کے دو والے جڑ دیے۔ اور جب میں نے اپنے مصنوعی دانتوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے مسکرا کر دیکھا تو جانے کیسے وہ میرا [illegible] پر فریفتہ ہو گیا۔

اور پھر ہم دونوں کی شادی ہو گئی۔

دوسرے کمرے سے مجھ کی آواز سنائی دیتی ہے۔

"بابا ماں خاندان کی حکومت کہاں تک پھیلی ہوئی تھی؟"

اور مجھ [illegible] کرتا ہے۔

"ساری دنیا میں۔"

"پھر اس خاندان کے لوگ بہت بڑے بادشاہ تھے۔"

مجھ کہتا ہے۔

"بہت بڑے بیٹے۔ ہم بہت بڑے لوگوں کی اولاد ہیں بیٹے۔"

وانگ نے فخر سے جیسے کہا۔

آہا ہمیشہ ہم چینیوں کی روایت رہی ہے۔ ہم اپنا باپ دادا کی تاریخ ان کی تہذیب ان کی معاشرت کے بچاری ہوتے ہیں۔ میں ان کی باتوں سے کان سنا نہیں چاہتی ہوں۔ مگر ان کے الفاظ میرے کانوں میں پڑتے ہیں تو میں [illegible] سی جاتی ہوں۔ میرے خیال کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔

"میں تمہیں ایک عظیم سائنسداں بنانا چاہتا ہوں بیٹے پھر تم، جناکیالی بم بناؤ گے۔"

"وہ کیا ہوتے ہیں بابا۔"

"یہ بڑے کارگر ہتھیار ہوتے ہیں بیٹے۔ جن سے ہم ساری دنیا کو نیست و نابود کر سکتے ہیں۔"

"پھر ہم کہاں رہیں گے بابا؟"

میرے کانوں میں اس کے پہلو کے الفاظ میں میرا احساس ہے۔ کتنی بنیادی بات کہی ہے اس نے۔ کیا اب ان کا یہ وقت ہو چکا ہے کہ آج اس کے سامنے یہ آخری سوال منہ کھولے کھڑا ہے۔

"بہت ..." وانگ کی آواز آتی ہے۔

"ہم تو صرف اس دنیا کو مٹانا چاہتے ہیں بیٹے۔ جہاں ہمارا مقام نہیں ہے۔ بالکل ایسے ہی احساس ہے۔"

مجھ خاموش ہے۔ پتہ نہیں وہ شاید وانگ کی بات کا کیا مطلب لے رہا ہے۔ وانگ جاری رہتا ہے۔

"یہ دنیا میں ایک عظیم انقلاب لانا چاہتے ہیں بیٹے۔ ایک ایسا انقلاب جس کے بعد یہ پرانی دنیا ختم ہو جائے گی اور اس کا نظام بدل جائے گا۔ بلکہ ایک نئی دنیا پیدا ہو گی جس میں کوئی طبقہ نہیں ہو گا۔ جس میں انسان اور انسان کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہ ہو گی۔ جس میں ماؤ کی قاسم انسان ہو گی۔"

مجھ خاموش ہو گیا۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے بابا کی باتیں کچھ مبہم سی معلوم ہو رہی ہوں گی۔ مختصر توقف کے بعد وانگ اور مجھ کی گفتگو پھر شروع ہو جاتی ہے۔

"بولو میں سائنسداں بنوں گا۔"

"میں سائنسداں بنوں گا۔"

"میں ہیڈروجن بم بناؤں گا۔"

"میں بڑے بڑے بم بناؤں گا۔"

"میں انقلابی بنوں گا۔"

"میں انقلابی بنوں گا۔"

"شاباش۔ آج کا سبق ختم۔"

میرا دل ڈوب گیا۔ برش میرے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔ میری [illegible] کے رنگ گڈمڈ ہو گئے۔ پھولوں کی [illegible] کہیں دور نکل گئی تھی صرف سیاہ بادل کی چھتری اب بھی کھلی ہوئی تھی۔ جیسے ایٹم بم کے دھماکے سے سیاہ بادل کا چھاتا آسمان کی طرف اڑنے لگتا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ وانگ نے تاریخ کو ایک

بہت پیچھے دھکیل دیا تھا۔ میری نظریں مقابل کی جگہ پر جمی تھیں اور
میں دور رفتہ ایک گہری سوچ میں مبتلا ہو گئی۔ مجھے دیا ہے کہ یاد
ایک عجیب [illegible] کر دری و دسیلی باتوں کا سلسلہ سے کہ خود کو [illegible]
پاتے ہی و دسیلی خلاؤں میں گرفتار کر لیتے ہیں۔ اصلی انقلاب کی
خیالات کے ایوانوں میں تو نہیں پاتی۔ جنگ و جدل کا تصور ماں کی
لوریوں میں تو نہیں ابھرتا۔

وانگ میرے کمرے میں داخل ہوا۔ مجھے اس کا احساس تب
ہوا جب سگار کی تیز بو میری سانسوں میں داخل ہونے لگی۔ مجھے [illegible]
دیکھ کر وانگ اچھل پڑا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

اور جھٹ سے اس نے سگار کا دھواں نکال دیا۔

"سوچ رہی ہوں تاریخ قلم سے لکھی جاتی ہے یا تلوار سے۔"

"اوہ۔" وانگ ذرا اکھڑا اٹھا۔

"اور سوچ رہی ہوں زندگی رنگوں سے کھیلی جاتی ہے یا [illegible] سے۔"

"تاریخ تلوار سے بنتی اور قلم سے لکھی جاتی ہے سوسن۔"

وانگ نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور پھر اس نے سگار کا ایک طویل کش لیا۔

"مثالی تصور ہے جو تم نے کہا ہے وانگ۔ [illegible] بکھر چکے ہیں اور [illegible] حالات میں یہ بات کتنی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ تم [illegible] تہذیب کی شمع روشن کر سکتے ہو۔ [illegible] لاشوں کے ڈھیر سے بھلا ایک نئی دنیا کس طرح آباد ہو سکتی ہے؟"

"ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ لڑی جائے گی سوسن۔ جنگوں کو ختم کرنے کیلئے عوام کی یہ جنگ ناگزیر ہے۔ یہ تو تہذیب کے ارتقاء کا ایک لازمی پہلو ہے۔"

"لیکن اس مہلک جنگ کا نتیجہ معلوم ہے۔ اس کے بعد دنیا ایک عظیم انسانی قبرستان میں منتقل ہو جائیگی۔"

"گھبراؤ نہیں سوسن ہم اسے [illegible] قبرستان کو [illegible] کر کے نئی تہذیب [illegible] ہوں گے اور ایک بار پھر ساری دنیا کو علم و حکمت کا [illegible] تقسیم کرنے کا [illegible] حاصل ہوگا [illegible] اقتدار [illegible] ہماری [illegible] پھر ایک بار پھر دنیا [illegible] جائیگی۔"

وانگ جذبات سے لبریز ہو رہا تھا۔ وہ بڑے فخر [illegible]

بول رہا تھا۔ اس کا لہجہ گرم [illegible] میں [illegible] اور [illegible]
تھا۔ [illegible] کے مطالعے نے اس کے ذہن کو ایک مخصوص سانچے میں
ڈھال دیا تھا اور اس کی شخصیت میں کچھ ایسی باتیں [illegible]
کرتے اپنے مخصوص کتابوں کی باتوں کے علاوہ دوسری کوئی بات
مجھ [illegible] اس کی [illegible]
[illegible] عوامی انقلاب [illegible]
اور وہ ایسی باتوں سے بالکل [illegible] خاموش [illegible]
[illegible]
[illegible]
میں [illegible] کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"جس انقلاب کی باتیں تم سوچتے ہو وانگ، اس کا تصور [illegible] انسان کے ہاتھوں میں [illegible] انقلاب کے عالمی تصور کے مقابلے میں مقامی تصور [illegible] معلوم ہوتا ہے۔ [illegible] کی روایتوں کے [illegible] انقلاب [illegible] انسانی ذہنوں ہی میں [illegible] انقلاب کی جنگ انسانی ذہنوں میں لڑی جا رہی ہے۔ اور ہتھیاروں کی جنگ تو [illegible] ختم ہو چکی ہے۔ دوسری جنگ عظیم [illegible] آخری [illegible] وانگ [illegible] کے لئے [illegible] کر دیا جائے گا۔"

وانگ نے میری باتوں کو کسی قدر غور سے سنا۔ [illegible] میری باتوں میں اصلاح پسندی کی بو آتی تھی۔

خاموشی سے [illegible] اور پھر اپنے [illegible] کی طرف متوجہ ہوئی [illegible] مجھے پیش کرتے ہوئے [illegible] خوشی سے [illegible]

"واہ واہ [illegible] کتنی خوبصورت تقریر [illegible]!"

میں [illegible] ہوں۔

"[illegible] رنگ کہیں سے [illegible]؟"

"آدمی نے۔"

"[illegible] پیلا لال۔"

"[illegible] دنیا اور زندگی [illegible] بہت [illegible]"

"ہاں امی، سچ ہوتا ہے آسمان چمکتا ہے جو شفق نکلتا ہے آسمان کتنا حسین لگ رہا ہے۔"

میں سمجھا۔ تم ہو اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوں۔

"امی، ایسا لگتا ہے جیسے زمین پر درست، وہ کانٹا کتنا خوبصورت پھول بنا ہے۔"

"اچھا"

"ہاں امی، لال لال پیلے پیلے، ہرے ہرے نیلے نیلے، سب سارے، تتلیاں بھی پھول بنا لاتی ہیں، چمکیلے خوشنما رنگ والے۔"

"شاباش میرے لال، تم قوم کی اولاد ہو جنہوں نے کاغذ بنایا، جن پر کتابیں لکھی جاتی ہیں، جو تہذیب کی نفیس نشانیاں ہیں، جن کے بغیر انسان وحشی تک ہوتا ہے، وہ مجھے میرے نہ گزرنے ۔ وہ ایسی باتیں کہنے لگا، وہ وانگ سے مخاطب ہوا۔

"موٹو ڈیڈی، میں آپ کے لفظوں کا ایک حسین گلدستہ بناؤں گا"

"اور سبق یاد ہے؟" وانگ نے اپنی آنکھیں سکیڑ کر کہا۔

"ہاں ڈیڈی، میں بڑے بڑے بم بناؤں گا۔"

"ہاں" وانگ خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے جلدی کر کے گود میں اٹھا لیا اور خوشی سے ناچ کر بولا۔

"میرا بیٹا انقلابی ہو گا۔"

ایک سوال میرے ذہن میں رینگ رہا تھا اور میں بول پڑی۔

وانگ، ہر تہذیب میں کوئی نہ کوئی انداز ڈال دیا جاتا ہے، باقی رہتی ہے۔ مثلاً چین کی دیوار، مصر کے اہرام، اجنتا کی تصویریں، ہماری بیسویں صدی کی تہذیب یادگار کیا ہو گی، جانتے ہو؟

وانگ خاموش رہا۔

ہماری بیسویں صدی کی یادگار ہے سانپ کی طرح چڑیاں نکالیں گے۔ ٹوٹے ہوئے ہاتھ پیر کھائیں گے، لا انتہا تاج محل نکالیں گے۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟ یہ ہے تمہاری جنگ کی ... کی ... کتنی شاندار کتنی دلچسپ ہے ہے؟

وانگ ہکا بکا رہا۔ اس نے دانت کر کہنا شروع کیا۔

"یہ سب بکواس ہے سوزن، فضول بکواس۔ تم بھی دوسرے ... باتیں ہو اور اصلاح پسندوں کی طرح سوچتی ہو۔ جنگ انسان کی ... کے لئے ... جنگ ناگزیر ہے۔ تم کے ... کتنی ...

ہے۔ تم یہ نہیں سمجھ سکتیں۔ میں کہنا چاہتا ہوں کہ ... جنگ کو روکو۔ جنگ انقلاب کا سہرا اس کے سر ہے۔ میں ... پیدا کرو ... انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے ایک انقلابی ماحول کی ضرورت ہے۔ تم ایسے شاعرانہ اور تجربات والی باتیں کیوں سناتی ہو؟"

اور کچھ خاموش رہ کر اُس نے شروع کیا۔

"میں سوچ رہا ہوں نیا ماحول اس کے لئے ... ایسے ماحول سے دور لے جانا چاہتا ہوں ... میرے بچے کی ... اس ماحول میں نہیں ہو سکتی۔"

وہ مسکرا کر ... سلسلے کی ... مجھے ایسے ... کیفیت ہوتی ہے۔ مجھے تو ... لگتا ہے ... میرا خواب خراب ہو گیا۔ ... کی ... باہر بارش ہونے لگی تھی ... بادلوں کو دیکھنے لگی۔ وانگ بڑے جوش میں کہہ رہا تھا۔

"ہمیں ایسے ماحول پیدا کرنے ہیں سوزن جیسے ... کے لوگ تھے۔ جانتی ہو کتنے عظیم لوگ تھے وہ ... اور نصف یورپ ... انہیں ایسے ہی لوگوں کی ضرورت ہے سوزن۔"

میں خاموش رہی۔ وانگ پھر کش لینے لگا اور پھر ... اگر نہایت ... کہنے لگا۔

"سوزن ہم لوگ پیکنگ جا رہے ہیں۔"

میں دھک سے رہ گئی۔ مجھے کچھ یقین نہیں آ رہا تھا جیسے وانگ نے کوئی غلط بات کہی ہو۔ کہیں میں نے غلط تو نہیں سنا تھا ... نے میری غلط فہمی دور کر دی۔

"ہمیں خوش ہونا چاہیے سوزن، ہم تو اپنے عظیم ... کو واپس جا رہے ہیں یہاں سے انقلاب کے جھنڈے لہرا کر ہم ساری دنیا میں پھیل جائیں گے۔ کلکتے سے ہم کینٹن جائیں گے اور پھر کینٹن سے پیکنگ۔"

میں سکتے میں آ گئی۔ راستے خود کو کیسے ... کی حالت ... میں؟ کبھی ... کینٹن سے کلکتہ آیا تھا، اس میں چینی ریشم کی ... آتی تھیں۔ باہر ... سے آتے تھے۔ ... کے بازار ... اور ... پیکنگ ... ملا ... تھے۔ مگر یہ وانگ کیا کہنا چاہتا ہے آج؟

وانگ جا چکا تھا۔ کمرے میں سگار کا دھواں، اپنی ٹی کے ساتھ پھیلا ہوا اور دھوئیں کا پیچ و خم میری آنکھوں میں سوالیہ نشان بن کر ناچ رہا تھا

وانگ پیکنگ جا رہا ہے

جسے اس نے کبھی نہیں دیکھا!

جس کی ہوا اس نے کبھی نہیں سونگھی!

جس کا پانی اس نے کبھی نہیں چکھا!

وانگ پیکنگ جا رہا ہے!

"وانگ"

"ہوں"

"میں پیکنگ نہیں جا رہی"

"کیا بکتی ہو؟"

"مجھو مت۔ میں پیکنگ نہیں جا رہی۔ میرے بھائی بھی نہیں جا رہے۔ میرے چچا بھی نہیں۔ خود تمہارے بڑے بھائی بھی نہیں جا رہے جو ماؤزے تنگ کے پیرو … ہیں۔ میں پیکنگ نہیں جا رہی وانگ۔ اگر تم چلے گئے تو میں تنہا رہ جاؤں گی اور وہیں … اور وہیں اپنے دوسرے بچے کو جنم دوں گی۔ جو تم میرے شکم میں چھوڑے جا رہے ہو۔ مجھے شک ہے کہ تم میرے لخت جگر کو مجھ سے چھین لے جاؤ گے میرا کلیجہ پھٹا جا رہا ہے۔ اس لئے میں ان اطفال کو پھر کبھی نہ دیکھ سکوں گی۔ میں اسے پھر کبھی نہ چوم سکوں گی۔ میں تم سے آخری بھیک مانگنا چاہتی ہوں۔ وہ کہ … اپنی آنکھوں میں … کی چنگاریاں بھر لو۔ لیکن میری جھولی میں میری کوکھ کا پھول رہنے دو۔ تم چاہے تو تنہا پیکنگ چلے جاؤ لیکن میرے بچے کو چھوڑتے جاؤ۔

میں اسے ایک ماہر فنکار بنانا چاہتی ہوں جو حسن و رعنائی کے لازوال شاہکار تخلیق کرے گا۔ تم نفرت سے منہ کیوں بناتے ہو!! اس لئے کہ تم اسے کچھ اور بنانا چاہتے ہو۔ میں تمہیں یاد دلانا چاہتی ہوں کہ … ایک … ایک مرد … تھا لیکن اس مرد … نے کیا کیا؟ … برتری کے … الاپ الاپ کر سارے یورپ میں … پھیلا دی۔ اس لئے میں … اطفال کو … قبرستان کا … نہیں بنانا چاہتی ہوں۔ … خوف … ہے … ایک دن انسانی کھوپڑیوں کے … یہ کہتا پھرے گا۔

میں جنگ … کے … لایا ہوں۔ میں نے طبقات کی کشمکش ختم کر دی ہے۔ میں … دنیا کا … اعظم ہوں جس میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

میں جانتی ہوں تم میرے بچے ہوئے ہاتھوں کو جھٹک دو گے۔ میں جانتی ہوں تم میری ایک نہ سنو گے۔ میں جانتی ہوں تم میرے کلیجے کے ٹکڑے کو مجھ سے چھین کر لے جاؤ گے۔ میں تمہیں روک بھی نہیں سکتی۔ اپنی بے بسی پر چند آنسو بہا سکتی ہوں۔ میں ماں ہوں وانگ، پر … بے بس نہیں۔ میں عورت ہوں عورت، تخلیق کا سرچشمہ۔ ——

میں تخریب کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ جاتے ہو تو جاؤ۔ مگر میری آخری بات سنتے جاؤ۔ تمہارا نیا انسان کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ زندگی کا انسان نہیں۔ جانے ہو تو جاؤ، لیکن میری باتیں یاد رکھنا۔ میں پھر دوبارہ … کر لوں گی اپنے دوسرے بچے کو جنم دوں گی اور اس کے ہاتھ میں برش تھماؤں گی جس سے وہ تاریخ کے کینوس پر حسین شاہکار بنائے گا اور بدھ کے مقدس سائے میں بیٹھ کر ہم وہ لازوال منظر دیکھیں گے۔

جیو اور جینے دو۔

اور تب ہی زندگی ہزار … پھولوں کی بہارستان بن سکتی ہے ■■

تیاگ کے بعد

شہاب جعفری

"یہ درد جو زندگی کی صورت
صدیوں سے یونہی رواں دواں ہے
صدیوں سے جو روشنی کی صورت
دھرتی پہ جمال رائگاں ہے
اس درد کی انتہا کہاں ہے؟
یہ درد جو زندگی بنا ہے!"

بے کار سا یہ سوال — لیکن
اک فکر میں کائنات ڈوبی
ہر شے نے ہر ایک شے سے پوچھا
ہر اک کا جواب تھا خموشی
ہر جسم نے روح کو پکارا
ہر روح پکارنے کے چپ تھی
دریاؤں کے شور منکسل کو
ساحل کی سماعتیں ہی کم تھیں
پتھر کے سکوت مضمحل کو
صحراؤں کی وسعتیں ہی کم تھیں
اک دل کی صدائے منفعل کو
افلاک کی رفعتیں ہی کم تھیں
البتہ صدا و سمت و آفاق
سب درد ہی درد ہو گئے تھے
ہر درد میں ایک "میں" چھپا تھا
"میں" جس کی کچھ انتہا نہیں ہے

اعجاز صدیقی

گجرات میں اردو

(خطبۂ صدارت)

(مشاعرہ "جشنِ حزیں"۔ احمد آباد (گجرات) منعقدہ ۲۹ مئی ۱۹۶۶ء)

خواتین و حضرات!

"جشنِ حزیں" کے اس مشاعرہ کی صدارت جو مجھے سونپی گئی ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کا شکریہ ادا کروں یا شکایت، کیونکہ وقت مجھے اس کی اطلاع دی گئی [illegible] کے لئے کوئی موقع ہی نہیں رہا تھا، بلکہ [illegible] کی ان تمام انجمنوں کو [illegible] یہاں تک کہ [illegible] اصول پرست کو اپنے [illegible] سے بھی [illegible] پڑا۔ لوگ مجھ سے پوچھا کرتے ہیں کہ کیوں شاعروں کی صدارت سے [illegible] محسوسات شامل [illegible] پڑتی ہے۔ اس موقع پر میں اس امر کی صراحت کر دوں تو بے محل نہ ہوگا۔ اس کا ایک نفسی سبب میری صحت کی خرابی ہے کہ میں کسی اجتماع میں زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتا، اور صدر کو تو جم کر بیٹھنا چاہیے، چاہے [illegible] ہو یا نہ ہو۔ مشاعرہ میں تو ایک [illegible] شاعروں کے ساتھ تنہا [illegible] صدر کو جب [illegible] حضرات

بار بار کہنا پڑتا ہے، اور اکثر [illegible] کلام بھی صدر [illegible] کو سنانا ہوتا ہے، [illegible] مشاعروں میں سامعین کی طرف [illegible] کی فرمائش [illegible] ہیں، اس کا نقصان صدر شعراء میں [illegible] [illegible] کی نوبت سے [illegible] شعراء [illegible] کی [illegible] بھی [illegible] کی [illegible] سے [illegible] بزرگی [illegible] کی بابت [illegible] مشاعرہ کی [illegible] ہے [illegible] شعراء کو [illegible] نہیں [illegible] سے [illegible] کوئی شاعر [illegible] بھی [illegible] کرنے [illegible] مشاعرہ تو [illegible] جاتے [illegible] صدر کی حیثیت [illegible] ہے کہ صدر کے اختیارات سامعین [illegible] لیتے ہیں۔ صدارتی [illegible] کے متعلق یہاں تک عرض کروں۔ مختصر یہ کہ مشاعرہ کا صدر [illegible] ہوتا ہے — کہ حضرات [illegible] [illegible] آج کل کے مشاعرے [illegible] انجام تک پہنچ جائیں [illegible] [illegible] یہ صورتِ حال زیادہ تر مشاعروں کی صدارت میں پیش آتی ہے۔ علمی و ادبی اجتماع کی صدارتیں اس سے مختلف [illegible] کسی کو ہچکچاہٹ نہیں ہوتی —

[illegible] صدارت سے گریز کا [illegible] دوسرا پہلو خاص علمی ہے۔ ادب و شعر کی [illegible] میں [illegible] [illegible] مشاعروں میں [illegible] خطبہ خوانی کی روایت [illegible] سے چلی [illegible] ایک [illegible] اختیار کر گئے عام ہو گئی۔ مشاعروں کے ساتھ تحریری یا تقریری خطبۂ صدارت لازم و ملزوم ہو گیا۔ [illegible] آج کل کے عام طور پر منعقد ہونے والے مشاعروں کی علمی و ادبی [illegible] [illegible] کا [illegible] ہو چکی ہے، اس لئے اکثر [illegible] سے [illegible] بھی [illegible] جاتے ہیں۔

سامعین شعر سننے کے شوق میں [illegible] سننا پسند نہیں کرتے۔ اگر میں [illegible] [illegible] اس سے میری [illegible] ہوتی ہیں۔ اس لئے میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ مشاعرہ کی صدارت [illegible] بڑے مشاعرہ کی صدارت کسی نہ کسی بڑے ادیب، شاعر یا سیاستدان یا [illegible] کر دی جاتی ہے۔ اگر مشاعروں کے سامعین [illegible] تقریر یا تقریری خطبہ [illegible] توجہ اور [illegible] سے [illegible]

لسانی مسائل کے سلسلے کا ایک مکمل مقالہ لکھ رہا ہوں بہر حال میں نے جیسا کہ عرض کیا تعلق سے اپنے دل کی بات آپ تک پہنچا دی ہے اور ایک تنگ نقطۂ نظر سے اس پہلو کا جائزہ لیجیے گا اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ اس کا اثر کم ہوتی ہے۔

کم و بیش دو تین سال سے شاعروں کے رنگ دیکھ رہا ہوں کتنے رنگ بدلے ہیں ہمارے شاعروں نے اب تو جو بھی لکھا کا شاعرہ کے نام ہی سے رنگ اڑ جاتا ہے۔ اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ مشاعرہ ہماری تہذیبی زندگی کا جزو رہا ہے بلکہ یہ بہت اہمیت اور افادیت رکھتا ہے۔ مشاعرہ کی حیثیت بزم ادب ہی کی طرح ہے۔ لیکن جب شاعر محض تفریح کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اور شعر سامعین کے لئے تفریح ـــــ تو سمجھ لیا کہ بگڑ جاتا ہے۔ جیسا کہ اچھے شعر سے ہم لطف اندوز ہوتے ہیں۔ شعر ہماری کا شعور کے تاروں کو چھیڑتا ہے شاعر اپنے پیغام مشاہدے تجربے اور شدت احساس سے سخن کے دریچے کھولتا ہے۔ دل و دماغ کو ایسی کیفیات عطا کرتا ہے جو دنیا کی کسی بھی ترشے سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ لیکن جب سامعین اس کا اثر لیں، محض تکلف کے زیر اثر بے تحاشا داد برساتے ہیں، علمی اور عملی شاعری میں کوئی فرق محسوس نہ کر سکیں۔ بلند شعر کی روح تک پہنچ نہیں پاتے معیاری کلام کی طرف کیا کر داد دیں... اعلیٰ خیالات سے بھی ادب میرے ساتھ دوسرے شاعروں کو بھی ہو جانا چاہیے۔ شاعری چاہے گجراتی زبان کی ہو یا اردو ہندی، بنگالی، تلگو، ملیالم، مراٹھی یا کسی بھی زبان کی ہو — یہ سب اپنی اپنی ادبی روایات و خصوصیات کی حامل ہوتی ہے۔ اس کا تعلق ہماری ملکی تہذیبی اور ثقافتی تصورات سے ہوتا ہے۔ اس کا احترام کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اپنی قومی اور تہذیبی روایتوں اور قدروں کا احترام نہیں کر رہے ہیں۔ ایک حقیقی شاعر اسی شاعری کا اور جمالیات کی ہر چیز سے افضل و برتر ہے۔ اگر شاعر نہ ہوتا تو کائنات کی تخلیق اور شعری ہوتی نیا شعور آواز کا عمل بے روح ہوتا نغمے ہوتے مگر بے کیف۔ تاثرات سے محروم۔ شاعر محسوسات کی بولتی ہوئی تصویریں اپنے شعروں میں پیش کرتا ہے دنیا کی تہذیب تعمیر و ترقی کا ہر زمانہ شاعر کی فکر سے چلتا ہے اور آئندہ بھی چلے گا۔ دنیا کے ہر انقلاب میں شاعر کا ہاتھ رہا ہے آج ہمارے اس عظیم ملک کی تمام تحریکوں کا ساتھ ہمارے مختلف زبانوں کے شعراء نے دیا ہے اور اس میں خصوصیت کے ساتھ اردو شعراء کا زبردست حصہ ہے۔ اردو شعر و ادب نے ہر دور کی ترجمانی کی ہے۔ بہت مشہور نہ جانے کتنے شعراء نے "قدم" کا نعرہ لے کے پھر انگریزی سامراج کے خلاف نعرے لگائے۔ اس کے بعد آزادی کی جنگ اور نئے کی ہلا... حصول آزادی سے اب تک کی تمام اہم تحریکیں اور ان سے پیدا شدہ مسئلوں کا شعوری ادراک و احساس آپ کو اردو شاعری میں ملے گا۔ اردو شاعری میں بڑی خوبصورت جاندار حقیقت پسندانہ، دنیا کی بڑی زبانوں کے شعری ادب کے مقابلے میں تمام اردو شاعری کو انتخابی صورت میں پیش کریں تو پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اسے عالمگیر شہرت و مقبولیت مل سکتی ہے اور اب بھی کسی نہ کسی حد تک مل رہی ہے۔

میں خالص اردو زبان کا آدمی ہوں اور جب میں اپنی طرف دیکھتا ہوں تو مجھے ایک طرح کی شرمندگی سی ہوتی ہے کیونکہ کئی دیسی بھاشاؤں میں سے کوئی بھاشا نہیں جانتا۔ اس میں کچھ تو میری عمر کا قصور ہے کہ وہ دوسری زبانوں میں دسترس حاصل کرنے کی منزل سے آگے نکل چکی ہے اور کچھ میری شدید مصروفیات بھی مانع رہیں۔ قابل مبارکباد ہیں صوبہ گجرات کے وہ عوام و خواص جن کی مادری زبان گجراتی ہے لیکن وہ اردو بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ انہیں اردو زبان اور اس کے ادب و شعر سے پیار ہے، دراصل یہی پیار ہمارے ملک کی یکجہتی کی بنیاد اور نشانی ہے۔ میں نے شاہان گجرات کی پرانی تاریخیں دیکھی ہیں گجرات کے تہذیب و تمدن کا تھوڑا بہت مطالعہ بھی کیا ہے احمد آباد کی ایک چوتھائی صدی سے زیادہ دیکھ کر گجرات کے مختلف شہروں کی قومی، تہذیبی اور لسانی زندگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے مجھے تو کوئی ایسا فرق نظر نہیں آیا جو گجراتی اور اردو بولنے والوں کو ایک دوسرے سے دور کرتا ہو۔ بیشتر مجھے مختلف زبانوں کے جاننے والے ملے خاص طور پر گجراتی بولنے والوں کا اردو لہجہ بھی مجھے بہت اچھا لگا۔ گجراتی زبان کی حرکت و حرمت... اور کبھی میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اس زبان نے اردو زبان ہی کی طرح بخشش و داد و دہش سے کام لیا۔ رواداری سے میرا مقصد یہ ہے کہ کئی سو سال سے گجراتی زبان اپنے اندر عربی، فارسی، سنسکرت، مراٹھی اور برج بھاشا کے الفاظ جذب کرتی رہی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح اردو زبان نے دوسری زبانوں کے الفاظ کے لئے اپنے دروازے کبھی بند نہیں کئے اور یہ سوچے بغیر کہ کون سا لفظ کس زبان کا ہے، اگر وہ کام کا تھا تو اسے لے لیا

یہاں گجراتی زبان کے جاننے والے بے شمار دوستوں میں سے شاید بہت کم ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ اُن کی زبان میں دوسری زبانوں کے کتنے الفاظ ہیں۔ ان سب کی ایک مکمل فہرست بنانا تو بہت بڑا کام ہے۔ میں سرسری طور پر صرف چند الفاظ پیش کرتا ہوں۔ ذیل کے منتخب کردہ عربی و فارسی الفاظ بھی جس طرح اردو زبان کا اپنا سرمایہ سمجھے جاتے ہیں بالکل اسی طرح گجراتی زبان میں بھی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک گجراتی دوست کے بقول اگر یہ الفاظ گجراتی زبان سے نکال دیئے جائیں تو گجراتی زبان کا کام تمام ہو جائے۔ اس کا حسن جاتا رہے۔

۱۔ دل
۲۔ عقل
۳۔ مست ۴۔ رنگ ۵۔ استر : اس کے لئے گجراتی میں دوسرا لفظ نہیں ہے
۶۔ جنت : سُورگ بھی کہتے ہیں
۷۔ برخاست : وسرجن بھی کہتے ہیں
۸۔ برکت ۹۔ برف ۱۰۔ دیوان : گجراتی میں کوئی دوسرا لفظ نہیں ہے
۱۱۔ چمن ۱۲۔ گلشن : اُدیان بھی کہتے ہیں
۱۳۔ برابر : گجراتی میں دوسرا لفظ نہیں ہے
۱۴۔ خبر : بگڑ کر ۔ خبر
۱۵۔ کمال : مونث بولا جاتا ہے۔ اور کوئی دوسرا لفظ نہیں ہے۔
۱۶۔ عقد : بگڑ کر عقد بروزن سفر
۱۷۔ قتل : بگڑ کر قتل بروزن سنبل
۱۸۔ ترہ ۱۹۔ قافلہ ۲۰۔ قبضہ ۲۱۔ اصل ۲۲۔ کمزور : گجراتی میں ان کے لئے دوسرا لفظ نہیں ہے
۲۳۔ کمر : بگڑ کر کمر بروزن نشتر
۲۴۔ فرصت : بگڑ کر فرسد
۲۵۔ کتاب : بگڑ کر کتاب
۲۶۔ کمین ۲۷۔ خصلت : گجراتی میں ان کے لئے دوسرا لفظ نہیں ہے

۲۸۔ خمیر ۲۹۔ گرم ۳۰۔ غرض : گجراتی میں ان کے لئے دوسرا لفظ نہیں ہے
۳۱۔ دبدبہ : بگڑ کر دبدبو
۳۲۔ محبت : پریم بھی بولتے ہیں
۳۳۔ ظاہر ۳۴۔ غزل ۳۵۔ یاد ۳۶۔ خدا ۳۷۔ ساقی : گجراتی میں ان کے لئے دوسرا لفظ نہیں ہے
۳۸۔ درد : بروزن مرد بولتے ہیں
۳۹۔ نصیب : بھاگیہ بھی بولا جاتا ہے
۴۰۔ زہر : بگڑ کر زہیر بروزن پھیر
۴۱۔ اثر : مونث بولتے ہیں دوسرا لفظ نہیں
۴۲۔ جوان : یوان اور جوان دونوں رائج ہیں
۴۳۔ زندگی : زندگی اور بگاڑ کر جندگی دونوں طرح بولتے ہیں
۴۴۔ مجبور : مجبور اور لاچار دونوں بولے جاتے ہیں۔
۴۵۔ جام ۴۶۔ نشتر ۴۷۔ سلامت ۴۸۔ مصیبت : ان کے لئے گجراتی میں دوسرا لفظ نہیں ہے
۴۹۔ شانتی ۔ رائج ہے۔ اور شانتی بھی بولتے ہیں۔ مگر ہ
۵۰۔ خوشبو : دوسرا لفظ نہیں ہے۔ اکثر بولتے ہیں مگر ہم

۵۱۔ باغ : باغ اور بگیچو دونوں بولتے ہیں
۵۲۔ آباد ۵۳۔ بخشش ۵۴۔ خبر ۵۵۔ شہید : گجراتی میں ان کے لئے دوسرا لفظ نہیں ہے
۵۶۔ زخم : بگڑ کر جکھم بروزن رقم
۵۷۔ مسجد : بگڑ کر مسید
۵۸۔ نظر : بگڑ کر ۔ نجر
۵۹۔ دیوار : بگڑ کر ۔ دیوال
۶۰۔ ملاقات ۶۱۔ منزل ۶۲۔ سفر ۶۳۔ محنت ۶۴۔ نادان : ان سب کے لئے گجراتی میں کوئی دوسرا لفظ نہیں ہے
۶۵۔ رضا : بگڑ کر رجا
۶۶۔ مسافر : اتارو بھی بولتے ہیں مگر کم
۶۷۔ حسد ۶۸۔ حریف ۶۹۔ گناہ ۷۰۔ دنیا ۷۱۔ معافی ۷۲۔ عالم ۷۳۔ آبرو : ان کے لئے گجراتی زبان میں کوئی دوسرا لفظ نہیں ہے۔
۷۴۔ جواب : اُتر بھی بولتے ہیں
۷۵۔ جاہل ۷۶۔ شیطان ۷۷۔ دعا : ان کے لئے گجراتی میں دوسرا لفظ نہیں ہے۔

۷۸۔ دلیل } گجراتی میں مؤنث   ۸۰۔ جلدی۔ گجراتی میں مؤنث ہیں   ۸۱۔ نمونہ۔ گجراتی میں مؤنث
۷۹۔ صلح } نہیں ہے   ہے   ۸۲۔ نصیحت۔ گجراتی میں مؤنث
۸۳۔ مزا۔ گجراتی میں مجا   ۸۴۔ مذاق۔ گجراتی میں مؤنث بولتے ہیں

گجراتی اور اردو زبانوں کی قربت و محبت کا بنیادی سبب یہی ہے کہ دونوں زبانوں میں بیشتر الفاظ مشترک ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ یہ لسانی اشتراک دونوں زبانوں کی شاعری کو بھی ایک دوسرے سے قریب لانے کا سبب بنا۔ گجراتی زبان میں غزل، رباعی، قطعہ، بالکل اسی طرح ہے جس طرح اردو زبان میں۔ دونوں زبانوں کے شعراء اپنے افکار و خیالات میں بھی ہم آہنگی رکھتے ہیں اور سب سے اچھی بات تو یہ ہے کہ دونوں زبانوں میں کوئی تنازعہ نہیں ہے اور نہ ان کے ادیب و شاعر ایک دوسرے سے کھنچتے ہیں۔ نئے ترقی یافتہ گجرات کے لئے بڑی فخر کی بات ہے۔ گجرات کی حکومت بھی اتر پردیش اور مہاراشٹر کی حکومتوں ہی کی طرح اردو زبان کو پھلنے پھولنے کے مواقع دے رہی ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ یہ لسانی یکجہتی (LANGUAGES INTERGRATION) اور بڑھے۔ گجراتی اور اردو دونوں زبانیں اس یکجہتی کی انتہائی منزلوں تک پہنچیں۔ ہم اردو والے ہندوستان کی ہر زبان کا احترام کرتے ہیں اور پورے ہندوستان میں ہر جگہ بولی، سمجھی اور پڑھی جانے والی اردو زبان کو اپنے ملک کی سالمیت کے لئے بہت بڑا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

حضرات!

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں یہ خطبہ مشاعرہ میں پڑھ رہا ہوں اور مشاعرہ بھی جشنِ حزیں کا۔ لیکن گجرات کی اردو شاعری کے متعلق میں نے کچھ بھی نہیں کہا اور زبانوں کی بات چھیڑ دی۔ تو میں اختصار کی طرف آتے ہوئے عرض کروں گا کہ ذاتی طور پر شاعری کے ذکر سے زیادہ مجھے بعض کے میل جول کی باتوں میں دلچسپی ہے اس لئے بھی کہ چند سال سے ملک میں بھاشاؤں کے جو جھگڑے کھڑے کر دیئے گئے ہیں وہ بہت اہم ہیں۔ اگر یہ جھگڑے ختم نہ ہوئے تو ملک کی سالمیت کو زبردست نقصان پہنچ جائے گا۔ ہم اس سے بھی زیادہ پریشانیوں میں گھر جائیں گے جتنے آج گھرے ہوئے ہیں۔

گجرات میں شعر و سخن کی بات آپ ولی گجراتی (میرے خیال میں دکنی ہیں) سے چلائیں یا اس سے پہلے یا بعد کے دور سے، ہر دور میں یہاں صاحبِ کمال شعراء ہوئے ہیں۔ گجرات کے شاہ مسکین کا "جنگ نامہ"، امین کی "یوسف زلیخا"، شاہ خوب محمد چشتی کی "خوب ترنگ" اور میر محمد شاہ کا مجموعۂ کلام اور یہاں کے شعری ادب کے دوسرے ذخیرے کو بھلایا نہیں جا سکتا، ان کا ذکر کئے بغیر شاعری ادھوری ہوگی۔ افسوس کہ گجرات کے قدیم اردو شعراء کے کارنامے ابھی پردۂ خفا میں ہیں۔ آج تک میری نظر سے کوئی ایسی کتاب نہیں گزری جس میں گجرات کے تمام شعراء کا تذکرہ مع ان کے عہد کی تحریکات کے ہو۔ یہ کام ارباب گجرات کو کرنا چاہئے۔ گجرات میں ایسے اہل قلم موجود ہیں جو تحقیق و تدوین کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ گجرات میں اردو شاعری اور نثر نگاری کی ابتداء سے موجودہ دور تک کی ادبی و شعری تاریخ ضرور مرتب ہونی چاہئے۔ اس اہم کام کے لئے حکومتِ گجرات سے مدد لی جا سکتی ہے۔ مشورہ یہی ہے کہ آپ دوسروں سے حسن کی چنگاریاں پھونکیں، آپ اس ضرورت کو شدت سے محسوس کریں اور گجرات کی اس شاندار ادبی تاریخ کو کھنگالیں۔

ادھر میں نے گجرات کے صرف پچھلے ۳۰ سال کے شعری ادب کا مطالعہ ضرور کیا ہے، شعراء ہی نہیں بلکہ بہت سے شعراء کو قریب سے دیکھا ہے۔ احمد آباد، بڑودہ، سورت، بھڑوچ، پالن پور، مانگرول وغیرہ نے بہت سے شعراء کو اپنے ماہنامہ "شاعر" کے ذریعے متعارف کرایا ہے۔ اس سے تیس پینتیس سال پہلے کے "شاعر" کے فائل آپ اٹھا کر دیکھیں تو آپ کو حیرت و مسرت ہوگی کہ رسالہ "شاعر" نے کتنا بڑا کام انجام دیا ہے۔ اس وقت جبکہ گجرات کے شعراء کو نہ ادبی دنیا جانتی تھی اور نہ ان کے کلام کو ہمارے رسائل شائع کرتے تھے میں نے ان شعراء کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا، ان کے معیاری کلام کو اس زمانہ کے معیار کے مطابق "شاعر" کے صفحات میں جگہ دی۔ "شاعر" کے اجراء ۱۹۳۰ء کے بعد گجرات میں جو شعراء ابھرے ان کو پختہ شاعر بنانے اور آگے بڑھانے میں میری خدمات کو بڑا دخل رہا ہے جن میں سے کئی خود میری دریافت ہیں۔ خوشی کی بات [illegible] اس خدمت کا عام طور پر گجرات کے اہلِ قلم کو اعتراف ہے۔

میں بحث میں، شاعر بمبئی کے فائل کھنگالے، یہ سلسلہ صرف ۱۹۳۶ء کا ایک فائل ملا، جس کے کچھ سلسلے اسی میں سے محض احمد آباد کے چند شاعروں کے
کچھ اشعار نوٹ کر کے لایا ہوں اور وہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

مایوس نہ ہو ذوقِ نظر عدل منتظر — اک لمحہ فقط جلوۂ گر ناز نہیں ہے
اے شوقِ رہائی تجھے مائلِ رسوائی — سب مجھ کو تعلق پر پرواز نہیں ہے
اے طیرانِ قفس [illegible] — [illegible] تقدیرِ بہار آئی ہے
[illegible] بادِ مسرت سے بھی — ابھی کس طرح [illegible] کہ بہار آئی ہے
ہر صبح جلوہ [illegible] بے نقاب تو — لے آئی مجھ کو [illegible] کہاں
ہر اشکِ خون کو [illegible] تو کیا — ہر منزل کے واسطے دار و رسن کہاں
اے پرسشِ خموشی [illegible] نہ چھیڑ — تصویرِ یاس ہوں مجھے تابِ سخن کہاں

احمد حسین قتیل احمد آبادی ۱۹۳۶ء

دل ڈوب سا چلا ہے [illegible] سنبھل — غربت میں آ گیا یہ خیالِ وطن کہاں
اے دل ہمارا [illegible] میں ہے [illegible] — لیکن وہ میرے واسطے دار و رسن کہاں
کیا تعلق ان کی بزم [illegible] آخر — وہ دل اٹھا تو محفل سے مجھے لے گیا
آفریں صد آفریں [illegible] — صورتِ نقشِ قدم بیٹھا تو پھر [illegible]

جانے کس روزِ ازل کی آرزو ہے حزیں
کس کے استقبال کو ساقی لیے ساغر اٹھا

(حزیں قریشی احمد آبادی ۱۹۳۶ء)

یہ تھوڑا خیال ہے کہ میرے پیش کردہ اشعار اب سے تیس سال پہلے کے ہیں اور اس وقت کے سنجیدہ معیارِ غزل پر پورے اترتے ہیں۔ ایک خوش آئند بات آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ جب احمد آباد کے ان شعراء کا کلام میرے رسالہ شاعر میں شائع ہوتا تھا تو بہت سے لوگوں کو یہ گمان ہوتا کہ یہ شعراء [illegible] کا حلقہ ہے۔ [illegible] گجرات کے بزرگ ترین شاعر حضرت علیم احمد آبادی کا مجموعۂ کلام "متاعِ کلیم"، [illegible] کے مجموعۂ نظم "خالی مکان"، [illegible] "غزل"، [illegible] "شیشہ"، جمال قریشی کا [illegible] کرانے یہ ثابت کر دیا ہے کہ گجرات کے شعراء اپنا ایک معیار اور مقام رکھتے ہیں، یہ وقت کے تقاضوں کو سمجھتے ہیں، آپ دیکھئے گا عنقریب گجرات کے چند شعراء کے مجموعے دیر تک جا پہنچیں گے۔

مجھے یقین ہے کہ گجرات کے [illegible] شعراء وقت [illegible] اور شعر کے تقاضوں کو پورا کر سکیں گے، زندگی کی وہ دھڑکنیں جو [illegible] کے ادب کا خاصہ ہیں ان کے یہاں ابھریں گی اور یہ اپنی اہمیت منوا کر رہیں گے۔ شاعری محض [illegible] کا نام نہیں ہے بلکہ شعر زندگی کی تفسیر ہے جس میں کائنات کا [illegible] چھپا ہوا ہوتا ہے۔ شاعری وہی ہے جو مسائلِ حیات کا احاطہ کرے [illegible] محسوسات کو خارجی پیکروں میں ڈھال دے۔ وہی شاعری بڑی شاعری ہوتی ہے جو داخلی اور خارجی دونوں کیفیات میں خوبصورت فنی [illegible] کے ساتھ [illegible] شعراء ہیں [illegible] خصوصیت کے ساتھ [illegible] ہندوستان میں پہلے [illegible] شعراء کا ایک نمائندہ [illegible]۔ ان کے [illegible] خالی ہیں وہ آگے بڑھیں [illegible] اور یہ بتا دیں کہ صوبۂ گجرات تخلیقی عمل میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔

آج کا یہ [illegible] گجرات کے [illegible] مشق و ممتاز شاعر جناب حضرت حزیں قریشی کی طویل شعری خدمات کا اعتراف [illegible]۔ حزیں صاحب کا [illegible] شاعرانہ سفر [illegible] ان کی شاعری کی [illegible] غزل [illegible]۔ انہوں نے صرف اپنے [illegible] بلکہ اپنے [illegible] شعراء کو بھی متاثر کیا۔ مجھے حزیں صاحب کی [illegible]

نازش پرتابگڈھی



غزل

کُو بہ کُو پھرتے ہیں اس دور میں ہم آوارہ
تھے تو پہلے بھی مگر آج سے کم آوارہ

جانے کب ہم سے ہوا جرمِ تبسم سرزد
آج تک پھرتے ہیں با دیدۂ نم آوارہ

ہم سفر ہو تو گئی ہے مگر اے گردشِ وقت
یہ نہ پوچھا کہ کدھر جاتے ہیں ہم آوارہ

اے جنوں خیر ہو تیری کہ پھر اک مدت سے
نہ ہوا کوئی بھی پروردۂ غم آوارہ

یہ الگ بات کہ دنیا اُسے در در لے جائے
فطرتاً ہو نہیں سکتا ترا غم آوارہ

لذتِ درد کے جھونکوں نے ٹھہرنے نہ دیا
مطلعِ غم پہ رہا ابرِ کرم آوارہ

زندگی تیری مروت میں ٹکے ہیں کچھ دیر
ورنہ ہم لوگ نہیں وقت سے کم آوارہ

شبنم و گل، مہ و انجم کی نقابیں ڈالے
روزِ اوّل ہی سے ہے گریۂ غم آوارہ

بخشش دیں دولتِ اخلاص جو مل جائے کوئی
در بدر پھرتے ہیں ہم اہلِ کرم آوارہ

حادثہ ہے کہ ترے نام پہ اے حسنِ حیات
ہو گئے کتنے ہی اربابِ قلم آوارہ

نازش اس دور نے الفاظ کے معنی بدلے
گھر پہ رہتے ہوئے کہلاتے ہیں ہم آوارہ

ڈاکٹر گیان چند

چند نئی کتابیں نثری ادب میں

آج کی مختصر صحبت میں حسبِ ذیل کتابوں کا تعارف مقصود ہے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ میری دنیا از ڈاکٹر سید اعجاز حسین
۲۔ نذرِ عرشی مرتبہ مالک رام و مختار الدین احمد
۳۔ کشمیر کے نثری ادب [illegible] مرتبہ پروفیسر عبد القادر سروری۔
۴۔ مطالعۂ سودا از ڈاکٹر محمد حسن
اور ۵۔ تذکرۂ گلشنِ سخن، مرتبہ پروفیسر مسعود حسن رضوی۔

میری دنیا الہ آباد یونیورسٹی کے صدرِ شعبۂ اردو استاذی ڈاکٹر اعجاز حسین کی آپ بیتی ہے۔ جو تقریباً پانچ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اعجاز صاحب الہ آباد یونیورسٹی کے چند سال طالب علم رہے۔ اس کے بعد ۱۹۲۸ء سے ۱۹۶۱ء تک شعبۂ اردو میں پروفیسر رہے۔ اس طویل عرصہ میں آپ نے اپنے شاگردوں کے ذہنوں کو علم کے نور سے منور کیا۔ آپ مجلسی آدمی ہیں اور بڑی شوخ باتیں کرتے ہیں۔ آپ کی سوانح شروع سے آخر تک [illegible] کتاب کے تین حصے کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا حصہ آپ بیتی کی صورت پر مشتمل ہے "آپ بیتی لکھنے میں بڑے کٹھن مقامات آتے ہیں" اعجاز صاحب ان کٹھن گھاٹیوں کو بڑی خوبی سے پار کر گئے ہیں۔ ان میں اتنی جرأت ہے کہ اپنی طالب علمی کے زمانے کی [illegible] کے سامنے [illegible] کے امتحانوں میں فیل ہونا [illegible] کوئی تفصیل چھپا نہیں رکھی۔ زمانے نے انھیں کیا کیا چرکے نہ دیئے۔ کتنے دوستوں کا قرض ان کے سر آ پڑا۔ چنانچہ کسی کے فریب نے انھیں سالہا سال زیرِ بار رکھا۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے پر پراویڈنٹ فنڈ کا ایک خاصا حصہ [illegible] کو اس پیرِ تسمہ پا سے نجات ملی۔

کتاب کا دوسرا حصہ الہ آباد یونیورسٹی اور وہاں کے رفقاء کے بارے میں ہے۔ رشید احمد صدیقی نے "آشفتہ بیانی میری" میں مسلم یونیورسٹی سے اپنی والہانہ عقیدت کا سمندر سمو دیا ہے۔ اس حصے کو [illegible] اعجاز صاحب کی زندگی میں الہ آباد یونیورسٹی کو دخل ہے۔ اعجاز صاحب کی آپ بیتی شعبۂ اردو الہ آباد یونیورسٹی کے اس دور کی سرگزشت ہے لیکن مسلم یونیورسٹی اور الہ آباد یونیورسٹی میں ایک بنیادی فرق ہے۔ مسلم یونیورسٹی ایک [illegible] ادارہ ہی نہیں ایک تحریک، ایک تہذیب ہے۔ اس کا اپنا ذہن اور اپنی روایت ہے۔ الہ آباد یونیورسٹی محض علمی درسگاہ ہے۔ اس لئے یہاں کے طلبہ میں یونیورسٹی کے لئے "من تو شدم تو من شدی" والی کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ ان کے دل و دماغ پر سوار نہیں ہو سکتی، ان کے خون میں جذب نہیں ہو سکتی۔

آپ بیتی کا تیسرا اور سب سے بڑا حصہ شاگردوں کا تذکرہ ہے۔ اہم اور غیر اہم، قابلِ ذکر و ناقابلِ ذکر اتنے زیادہ شاگردوں کا ذکر ہے کہ آپ بیتی شاگردوں کا تذکرہ بن گئی ہے۔ اس حصے میں [illegible] باز نہیں رہتا لیکن خوبی یہ ہے کہ کسی شاگرد کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس سے ان کے آبگینوں کو ٹھیس لگ جائے۔

زندگی کی مختلف منزلوں میں اعجاز صاحب متعدد لوگوں کے قریب آئے۔ ان میں ایک طرف [illegible] تھے تو دوسری طرف [illegible] ان سب کی دلچسپ تفصیل اس کتاب کے [illegible] آپ بیتی [illegible] جن کی کہانیاں اعجاز صاحب نے اپنی دلکشی کے ساتھ [illegible] پیش کر دی ہیں [illegible] اس کتاب میں اعجاز صاحب کے [illegible] لطیفے اور دلچسپ مشاہدات [illegible]

ایسی حالت میں کہ اس کا صرف یہی ایک کلیات کی صورت میں موجود ہو غنیمت ہو سکتا ہے۔

منتخب عرشی ـ اُردو کے مشہور محقق مولانا امتیاز علی خاں عرشی کی ستر ویں سالگرہ پر پیش کیا گیا۔ جس میں ڈاکٹر ذاکر حسین کا پیش لفظ ہے اس کے بعد ۱۲ اُردو اور ۸ انگریزی مقالے ہیں۔ اُردو میں چند مقالات عرشی صاحب کی شخصیت پر ہیں اور بقیہ سب مختلف علمی موضوعات پر ہیں۔ لکھنے والوں میں مالک رام۔ قاضی عبدالودود۔ محمود الرحمٰن صدیقی۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اور مسعود حسن رضوی جیسے صاحبانِ علم و فضل ہیں۔ انگریزی حصے میں گجنوری، کمبوج، آذر اور BRUSSELS اور برطانوی و فرانسیسی مستشرقین شامل ہیں۔ اُردو میں بھی ان کے مقالے کی ترجمانی ہے لیکن بزرگ علما کی یادگاری کتب میں ان کے موضوعات ہیں جس مصنف نے جو ہاتھ لگا چھپوا دیا تھا ان میں نثر کے کچھ مضامین کے وزن کے اعتبار سے بھی عرشی کے کم ہیں۔ لیکن عرشی کے احترام میں ہر مقالہ کا خیال ضرور رکھا گیا ہے اور نہایت دیدہ زیب طباعت نستعلیق پر کرتا ہے۔ غرض جس اہتمام سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے وہ اُردو کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے۔ اس نقش اول میں نقش ثانی کا شان ہے اور یہ سب ایک فرد واحد جناب مالک رام کا کارنامہ ہے جنھوں نے اُردو کے تمام بوجھ کو اپنے کاندھوں پر لیا اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ کتاب کی ظاہری و معنوی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے اس کی قیمت چالیس روپے زیادہ نہیں۔ عرشی صاحب کی نہیں ـ مالک رام صاحب کی بھی دستار میں ایک تازہ طرہ ہے۔

کشمیر کے دو ادیب، دو بھائی۔ پروفیسر عبدالقادر سروری کی صدر شعبہ اُردو کشمیر یونیورسٹی سری نگر کی تازہ ترین تصنیف ہے۔ یہ تعارف ہے پنڈت ہرگوپال کول خستہ اور ان کے چھوٹے بھائی پنڈت سالک رام کول سالک کا جو انیسویں صدی کی آخری چوتھائی اور بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں ممتاز کشمیری ادیب تھے۔ انھوں نے کشمیر کے مہاراجاؤں کا زمانہ دیکھا۔ ان کی زندگی بڑی پُرآشوب تھی۔ یہ مہاراجہ کے دربار میں بھی رہے۔ ریاست بدر ہو کر جانا پڑا۔ درباریوں کے خلاف اخبار نکالتے رہے۔ غرض ان کی زندگی کا تانا بانا داروگیر، عتاب و خوشنودی کی دھوپ چھاؤں سے بنا ہے۔ یہ کشمیری پنڈتوں اور ہندوستانی دھرموں کے لیڈر بھی تھے۔ اور صحافی بھی۔ انھوں نے کئی اخبار نکالے۔ کئی تعلیمی اداروں سے متعلق تھے۔ کشمیر کی لیجسلیٹو کونسل کے موجودہ صدر پنڈت شیوناتھ کول، دتہ رام اور سالک رام سالک کے پوتے ہیں۔

سروری صاحب نے بڑی تفصیل سے ان حضرات کی سوانح لکھی ہے اور ان کے ادبی کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔ خستہ کی تصانیف میں کشمیر کی تاریخ "گلدستۂ کشمیر" اور مثنوی "گوپال نامہ" قابلِ ذکر ہیں۔ سالک کی تصانیف ان سے زیادہ ہیں۔ یہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں کشمیری زبان کی قواعد، مثنوی "مستی جوش" اور "مثنوی شمس برنی" اہم ہیں۔ یہ سب کتابیں غیر مطبوعہ ہیں اور بعض مسودوں میں غیر موجود بھی ہو چکی ہیں ان کی کبھی اشاعت کی امید نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ادیب کی حیثیت سے ان حضرات کا یہ مقام نہیں ہے کہ اُردو ادب کی تاریخ میں ان کا نام بار پاسکے۔ ہاں ادب کے علاقائی جائزے میں ان کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

مطالعہ سودا: ۲۶۰ صفحات پر ڈاکٹر محمد حسن کی تصنیف ہے۔ جسے ادارہ فروغِ اُردو لکھنؤ نے شائع کیا ہے۔ بڑی یونیورسٹی کا شعبۂ اُردو آجکل سودائی ہو گیا ہے۔ معلوم نہیں سودا کے بعد ڈاکٹر خلیق انجم نے سودا پر ایک ضخیم کتاب شائع کی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ "کلیاتِ سودا" مرتب کر رہے ہیں۔ "مطالعۂ سودا" تحقیقی کتاب نہیں۔ اس میں سودا کے حالاتِ زندگی ۲۴ صفحات میں ہیں۔ اس کے بعد کی فصل محض ایک تبصرہ ہے۔ اور اس کے بعد کلام سودا پر تنقید۔ کتاب کا یہی پہلو ہے جس کی وجہ سے کوئی تبصرہ نگار نظر انداز کر کے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ڈاکٹر محمد حسن اُردو کے اُن نقادوں میں سے ہیں جو جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اسے سرسبز کر دیتے ہیں۔ "مطالعۂ سودا" بھی اسی طرح بلحاظ کیفیت و کمیت بہترین کام کا نمونہ ہے۔

سودا کے کلام میں چونکہ اس کے قصیدے سب سے برتر ہیں ان کے رنگ و روپ کے آگے اس کے دوسرے نقش و نگار ماند ہو کر رہ جاتے ہیں ڈاکٹر محمد حسن نے قصیدوں کے علاوہ سودا کی غزلوں اور مرثیوں پر خصوصی توجہ کی ہے۔ غزلوں میں سودا کے چند نہایت عمدہ مطالب دریافت کئے ہیں، اور مرثیوں کے سماجی پہلو کا جائزہ لیا ہے۔ لیکن فاضل مصنف کا یہ قول شاید مبالغہ ہے۔

"سودا اپنے وقت کے سب سے بڑے مرثیہ نگار تھے اور مرثیہ ان کے ہاتھوں سے ...۔"

انیس سے پہلے بہرحال ضمیر اور دبیر مرثیہ کو موجودہ شکل دے چکے تھے۔ سودا کے سارے مرثیہ کا جو رثائی سودا کی نسبت تھی کے رنگ سے نیا ہم آہنگ ہے۔

مصنف نے صفحہ ۱۸ پر شیخ چاند کی تنقید میں اس قصیدے کو سودا کے شاگرد حکیم ثناء الدین سے منسوب کیا ہے۔ حالانکہ یہ مولانا آزاد کی تحقیق ہے کہ وہ بند ابن آتم کا ہے ۔ مگر خلط ہوا اور وہ اب بعض نسخوں میں ان کا مخلوط سودا کا ایک قصیدہ۔

تذکرۂ گلشن سخن۔ سالم ہندوستان کی انجمن ترقی اردو نے قدیم اردو کی متعدد غیر مطبوعہ تصانیف کو شائع کر کے اردو کی عمر میں صدیوں کا اضافہ کیا تھا۔ اب معلوم ہوتا تھا کہ نئے ہندوستان کی انجمن ترقی اردو نے قسم کھا لی ہے کہ ادب کے ایک بھی مخطوطے کو منظر عام پر نہ لائے گی۔ مردان علی خاں مبتلا لکھنوی کے "تذکرۂ گلشن سخن" کی اشاعت سے یہ خاموشی کا جمود ٹوٹا ہے۔ تذکرہ پرانا ہے یعنی ۱۱۹۲ھ کی تصنیف ہے۔ اسے اردو کے عظیم محقق پروفیسر مسعود حسن رضوی نے مرتب کیا ہے اس کا پہلا تعارف مسعود صاحب نے رسالہ "ہماری زبان" بابت دسمبر ۱۹۲۳ء میں پیش کیا تھا۔ کام کی دشواری کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس تذکرے کے صرف دو ناقص نسخے ہیں۔ ایک رضا لائبریری رامپور میں دوسرا جناب مسعود حسن رضوی کے کتب خانے میں۔ ظاہر ہے جس کتاب کے نسخے بہت کم ہوں اس کو درستی سے پڑھنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ تذکرے کی ابتدا میں مرتب نے ۸۰ صفحات کا دیباچہ لکھا ہے جس میں مبتلا اور اس کے تذکرے کے بارے میں جو ضروری معلومات فراہم ہو سکیں جمع کر دی گئی ہیں اور ان کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

"گلشن سخن" میں حالات بہت کم ہیں انتخاب کلام زیادہ ہے۔ مصنف نے بڑے شعراء کی مقدار میں کلام درج کرنے پر خصوصی توجہ کی ہے تذکرے میں غالب کا احوال دیکھ کر مجھے حیرانی ہوئی۔ تاہم یہی نواب اسد اللہ خاں دیا ہے تذکرہ ۱۱۹۲ھ کی تصنیف ہے اور غالب دہلوی اس وقت تک عالم وجود میں بھی نہ آئے تھے۔

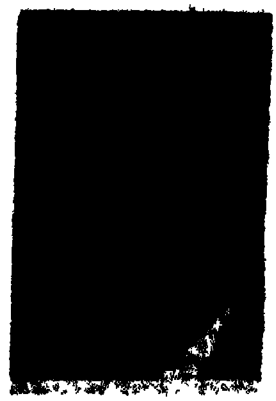
مزید پڑھنے سے معلوم ہوا کہ یہ اسد اللہ خاں غالب مرشد آبادی ہیں مصنف نے حالات میں اس کے باپ کے ہاتھوں قتل ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ تذکرہ گلزار ابراہیم میں صفحۂ اشعار کا دخل کر دیا گیا ہے۔ (بشکریہ ریڈیو جموں و کشمیر)

———— (بقیہ خطبۂ صدارت۔ صفحہ ۲۲) ————

وہ ان کا شعری خلوص ہے، اور ظاہر ہے، جہاں کسی فن سے خلوص ہوگا وہاں کبھی نہ کبھی وقت منزل آ ہی جاتی ہے جب لوگ اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوتے ہیں مقام شکر قریشی صاحب کو وہ منزل مل گئی اور انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنی شعری خدمات کا صلہ پا لیا امید ہے کہ اب گجرات اپنے فنکاروں کے کمالات کا اعتراف اسی طرح کرتے رہیں گے۔

مجھے علم نہیں کہ گجرات میں ساہتیہ اکیڈمی قائم ہے یا نہیں ۔ اگر نہیں ہے تو گجراتی اور اردو زبان کے قلم کاروں کو مل کر حکومت گجرات کے تعاون سے ساہتیہ اکیڈمی بنانی چاہئے اور اگر اکیڈمی قائم ہے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ اس میں اردو کا حق کتنا ہے حکومت گجرات کو دوسرے صوبوں کی طرح اپنے صوبے کے اردو کے ممتاز اہل قلم کی تصانیف اور ان کی شخصیتوں کو پوری طرح نوازنا چاہئے۔

آخر میں میرا یہ اخلاقی فرض مجھ کو یاد دلا رہا ہے کہ میں محترم "جشن سنہری کمیٹی" کا شکریہ ادا کروں۔ یہ جشن کمیٹی کے پرخلوص اراکین کا معجزہ ہے کہ انہوں نے اپنے اصرار سے آج احمد آباد میں مجھ سے یہ صدارتی تقریر کہلوائی اور اس جھلسا دینے والی گرمی میں تمام دن "سیزم تفریح" کی بالائی منزل میں "خس خانہ" نہ سہی تو کم از کم "برف آب" اور تمام دوسری آسائشوں کے ساتھ مجھے قید رکھا۔



راج نرائن راز

خلوص و ریا

پیپل کی ڈال پہ بیٹھی کوئل
گیت سہانے گیا کرتی تھی
جھوم، جھوم، لہراتا تھا من

میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا
پیار سے اس کو پاس بلایا
ٹھٹکی — جھجکی، پھر سے اُڑ کر
اونچی ڈال پہ جا بیٹھی وہ

اتنے میں اک نٹ کھٹ بالک
ہاتھ میں جال لیے ننھا سا
آ نکلا اِس سمت، اِدھر سے

کوئل کی آواز پہ ٹھٹکا!
ننھا سا وہ نٹ کھٹ لڑکا
جھوما سن کر تان کو اُس کی
جانے پھر کس سوچ میں ڈوبا
جانے سوچ کے کیا مسکایا!

پھر ننھا سا جال لگا کر!
چپکے سے دانہ پھیلا کر!
ایک طرف کو وہ ہو بیٹھا

کوئل پھدکی، چہکی، ناچی
اور بڑی مسرور ہوئی وہ
سبھی گیتوں کے رسیا نے
فرمائی ہے یوں قدر اُس کی

کوئل پھدکی، پھر سے اُڑ کر
دانے کے اُوپر آ بیٹھی

سُوکھ گیا گیتوں کا چشمہ!

جال میں اک جنبش سی ہوئی پھر
کوئل کس کے قابو میں تھی
کون ہوا گیتوں کا رسیا

منظر کاظمی

جامن کے گیت

پچھلی رات ہوا کچھ تیز ہی چلی تھی۔

دوسری صبح جب گاؤں کے تمام بچے ہرن کی طرح بھاگتے پہنچے تو کچھ زیادہ ہی خوش ہو گئے۔ ہر سے گھاس میں بہت زیادہ جامن [illegible] تھا اور [illegible] سب نے اپنی [illegible] جھولیاں [illegible] جامن کی [illegible] نہیں ہو سکتا [illegible] کسی [illegible] ایک دم [illegible] رنگ میں تبدیل ہو جائے۔ سب نے ایک دوسرے کو بڑی خاموشی سے دیکھنا شروع کیا تو جمیل اور عابدہ آگے بڑھ گئے۔

سارے بچے اس گر سے واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اب [illegible] کیا ہونے والا ہے۔ انہوں نے فوراً جمیل اور عابدہ کا گھیراؤ کرتے ہوئے [illegible] اور اپنی [illegible]۔

جمیل اور عابدہ نے شروع کیا۔

"جامن کا پیڑ جیسے پارے، ذرا گو جامن گرا دے"

سب لڑکوں نے مل کر ایسے دہرایا۔

"کچا کیسے دو مولا سے، ذرا گو پکا گرا دے۔"

[illegible]

جمیل اور عابدہ گیت کا ایک بول گاتے اور تمام بچے اپنے [illegible] [illegible] جیسے [illegible] [illegible] ایک [illegible] [illegible] رہے۔

پھر بہت دیر ہو گئی۔ رنگ ہی اتر گیا ہو گئی۔

تمام لڑکے [illegible] گئے۔ [illegible] [illegible] [illegible] ایک [illegible] بالکل [illegible] سب سے [illegible] [illegible] لیکن [illegible] کی نگاہ جامن پر جا لگی۔ وہ بجلی کی طرح جھپٹا۔ دوسرے ہی لمحہ عابدہ نے اپنی ہتھیلی [illegible] [illegible] ہاتھ کھول دیا۔

"پہلے میں نے دیکھا تھا۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ پہلے میں نے دیکھا تھا۔"

"لیکن یہاں پہلے میں پہنچا۔"

"[illegible] کیا ہوتا ہے۔ جامن میرے ہاتھ کے نیچے ہے۔"

"[illegible] بات ہے۔"

"ہاں۔"

[illegible] جمیل نے اپنا ہاتھ [illegible] [illegible] عابدہ کے ہاتھ پر [illegible] جامن کا [illegible] [illegible] جمیل نے جب اپنی [illegible] [illegible] [illegible] ہاتھ [illegible] کے [illegible] دانت [illegible]۔

اور پھر وہ لڑکی روتے ہوئے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

"[illegible]...... [illegible] آ گیا ہوں [illegible] کی اولاد سے [illegible] [illegible] [illegible] بتا دیتا۔" [illegible] [illegible] [illegible]۔

عابدہ کا [illegible] [illegible] تھا۔

"قسم خدا کی، میری شرافت سمجھ کر بہت برداشت ہو
چکا ہے یہ ابھی اور اُس شرافت کے بدلے کو ایک ساتھ میں آگ
کا پُل دکھا دیتا۔"

بات یہیں تک آئی تھی، تو گاؤں کی بات تھی، لیکن
یہ بات گھر سے نکل کر باہر گاؤں میں آئی اور پھر گاؤں کی گھر گھر ہوتی ہوئی پورے
گاؤں میں پھیل گئی۔

سکونت بیگم نے اپنی کے گھر نے کو بچا کر رکھا۔ نے ہر ایک ساتھ
کی ماں کو دلاسہ دیا۔

"کیا کروگی دلہن۔ صبر سے کام لو۔ تو گھر کی یہی حالت ہے جب
ہم کو بھی تو ایک برس سے اُن کے میاں پانی نہیں بھرنے دیتے ہیں بلکہ ایک
روپیہ مہینہ دیتے ہیں اس کا کیا ہوتا ہے۔ کہا جائے تو گھر کی عادت کیسے
نکلے گا۔ پورا گھر خراب ہوتا ہے۔ جمیلہ کا باپ ہی کوئی ڈھنگ
کا نہیں۔ سب کا بگڑا کر بھرے مرحوم سے کیسی یاری تھی۔ دونوں ہی ایک
رات میں ایک ساتھ نہ چھپتے دونوں میں سے کسی کو نیند نہ آتی۔ مگر مرحوم
کے گزرنے کے بعد ایسے آنکھ پھیر لی کہ اب تک کے یہاں پانی نہیں بھرنے دیتے۔ اور
ایک روپیہ مہینے میں کیا ہوتا ہے۔ اور جمیلہ کو تو ایسا سمجھا
کا نام ہوتا ہے سب۔ اسکول میں کیا پڑھتا ہے کہ لائق صاحب
ہو گیا۔ جیسا بھی ہے اسکول میں پڑھتا ہے۔ اور کون بات میں
کم ہے۔"

اور یہی سکونت بیگم جب جمیلہ کے گھر گئیں تو شرافت میاں کا لحاظ
پر جیت لینے ہوئے بچے کا کسی سے ہے اُن کے نزدیک بیچ کر لیا۔

"کیا بھلے ہیں شرافت بھائی۔ اپنے جمیل بیٹے کو ابھی جو دیکھا تو
بہنوں کی طرف ... چلے آتے ہیں ہے ہیں۔"

"اور ... رحمت میاں کے لڑکے نے اس کو مارا تھا ایک
بالشت کا ہے ... جیسے ... پھرتا ہے۔"

"توبہ ... توبہ ..." سکونت بیگم نے اپنے دونوں ہاتھوں
سے اپنے دونوں کانوں کو چھو لیا۔

"اب گھر کی عادت بگڑی ہوئی ہے۔ اور یہی وجہ کی تو اصل بات ہے
ہے کہ ... باپ ... مرحوم ہمیشہ کہتے رہے کہ جمیلہ اور رحمت
میاں کے لڑکے ... دیکھو گے تو ... لڑے تھے۔"

"میں اس کو ... اچھا مانتا، اُس نے کیا کیا ہے۔"

شرافت میاں نفرت سے ... سکونت بیگم نے ...

گولا اٹھایا اور کنویں سے پانی لانے چلی گئیں۔

رحمت میاں اور شرافت میاں دونوں کا گھرانا ایک ہی تھا
گھرانا تھا اور اُن کے دونوں کے ساتھ ساتھ دونوں ... ہی
تھے۔ دونوں نے ساتھ ہی ہوش سنبھالا تھا۔ ایک ساتھ ہی آنکھیں کھولی تھیں
اور ایک ساتھ ندی پر نہانے جاتے۔ اور ایک ہی ساتھ مدرسے
میں داخل کرائے گئے تھے۔ اور کم و بیش دونوں نے ایک ہی ساتھ مدرسہ
چھوڑا تھا اور اپنی کاشتکاری سنبھالی تھی۔ حتیٰ کہ لڑکپن کی اٹھان کا
عشق بھی دونوں نے ساتھ ہی کیا تھا۔ اور کچھ ہی دنوں بعد شادی بھی
کی۔ دونوں کا ساتھ ہی اتحاد ایک تھا۔

مدرسہ کی تعلیم نے اُن دونوں کو اس لائق بنا دیا تھا کہ وہ اپنے
اپنے کھیتوں کا تبادلہ کاشتکاروں کے ساتھ بہتر طریقے سے کر سکیں۔ اور ... کا
... کرنے والے پنڈتوں کا جب اُن سے رشوت مانگنا ہوتا تو بڑا احساس ...
کرتے اور پھر تھوڑی انہیں زیادہ ... نہیں دیتے ... احساس ... اُن
کے پڑھے لکھے لوگوں میں ان دونوں کا بھی شمار کیا جاتا۔

دونوں کے درمیان کبھی کسی بات پر معمولی سا اختلاف بھی نہ ہوتا۔
لیکن جب اُن کی شادی ہوئی اور بچے ہوئے اور یہ بچے جب بڑے
ہوئے تو کبھی کبھی کسی بات پر اکثر و بیشتر معمولی کچھ نہ کچھ ہو جایا کرتا۔ یہ سلسلہ
اور یہ ... برس سے چلا آ رہا تھا کہ ... کی ابتداء لڑائی
سے شروع ہوتی اور کھیتوں کی منڈیر پر ... اور بڑھ جاتی۔ لیکن
معاملہ بہرحال اس سے آگے نہیں بڑھتا۔ اور پھر دونوں ایک ساتھ
ہنستے ہوئے نظر آتے۔

مگر شرافت میاں کا کہنا تھا کہ وہ اب مزید برداشت نہیں کر سکتے
اور رحمت میاں بھی اپنے اندر برداشت کرنے کی صلاحیت کے ختم ہونے
کا اعلان کر رہے تھے۔

اتنا ہونے کے باوجود بھی یہ بات شاید ختم ہو جاتی۔

لیکن رام دھنی لوہار کے بیٹے نے اپنے کھیت میں ایک بکری کو
گھس کر فصل برباد کرتے ہوئے دیکھا تو اپنے ہاتھ کا ڈنڈا کھینچ کر دے مارا۔
اور جب اس نے یہ دیکھا کہ وہ بکری صرف تین ٹانگوں پر ممیاتی ہوئی
بھاگ رہی ہے تو مارے خوف کے ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔

اور یہ بکری شرافت میاں کی تھی۔

جمیل کی ماں نے اپنے سینے پر دو ہتڑ مار کر خفگی کا اظہار کیا۔

"ہو نہ ہو ... ایسی ٹانگ اسی گھروالے نے توڑی ہے۔"

غضب خدا کا۔ اس بانس پر اتر آیا وہ۔ اللہ جانے کہ اب اس کی جان پر کیا گزرے گی۔

حشمت میاں اپنی کرسی پر بیٹھے ہونٹ پر رکھ سوچ رہے تھے کہ وہ کون سا طریقہ اپنایا جائے کہ رحمت کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔ اسی دوران اُن کے ملازم نے آ کر پوچھا۔

"مالک نئے بھی بانس کاٹ لیتا۔ باڑی گھیرنے کے لئے ہے۔"

"ابھی مت کاٹو گے بعد میں۔" حشمت میاں پہلے ہی سے بھاگے چھوٹے تھے۔

"رحمت بابو کاٹ رہے ہیں۔ ابھی جا سے پول ہی کے ساتھ ہم بھی کاٹ لیں گے۔"

کیا کہا؟ جیسے حشمت میاں کو اندھیرے میں روشنی کی ایک لکیر دکھائی دی۔

"رحمت بانس کاٹ رہا ہے۔؟"

"ہاں مالک۔"

"ہوں۔" وہ بستر سے اُٹھے۔ "پھر چلو میرے ساتھ۔" انھوں نے ملازم کو ساتھ لیا اور اُس طرف چل دئے جہاں بانس کا گڑھا تھا۔

یہ بانس کا گڑھا وہاں کب سے تھا۔ نہ تو رحمت میاں کو یاد تھا اور نہ حشمت میاں کو۔ انھیں صرف اتنا معلوم تھا کہ دونوں کے باپ کی دوستی کی نشانی تھی کہ دونوں نے اپنے ہاتھوں سے وہاں یہ بانس لگائے تھے تاکہ آگے چل کر اُن کے لڑکے اور پوتوں سے دوسرے لوگ اُن کی دوستی کو یاد کریں۔ اور یہ طے پایا تھا کہ دونوں کو جب بھی جتنے بانسوں کی ضرورت ہوگی بغیر کسی جھجک کے وہ کاٹ لیا کریں گے۔

اب تک ایسا ہی ہوتا چلا آیا تھا۔

رحمت میاں نے پچھلے سال اپنا گھر بنوایا تھا تو سیکڑوں بانس کٹ گئے مگر حشمت میاں کی پیشانی پر بل نہیں پڑے اور حشمت میاں نے جب اپنی بیٹھک بنوائی تو گھر ہی میں لائے ہی بانس پر کوئی کٹ رحمت میاں کو کچھ بھی نہیں لگے کہ بانس کا گڑھا سب کا ہی ہو گیا۔

لیکن آج حشمت میاں غصے میں ہیں۔

"خبردار ایک بانس بھی کٹے گا تو گردن کاٹ دوں گا۔"

"دیکھیں حشمت میاں باتیں کیجئے میاں صاحب۔ یہ آپ کے اور ہمارے بزرگوں کی امانت ہے۔"

"یہ باتیں حشمت میاں کی ہی ہیں جو میرے اور آپ کے مابین چھپے ہوئے کالے سائے کو بغیر ایک پائی بھی بانس نہیں کٹنے دوں گا۔"

"اور میں یہ بانس آپ کی اولاد کے لئے بغیر اجازت لئے کاٹ سکتا ہوں کہ آپ یہ جان لیں کہ آپ کا اس پر کوئی حق نہیں۔"

"میرا کوئی حق نہیں۔"

"نہیں۔"

"تو پھر کاٹ کر دکھو۔"

"یہ لو۔۔۔ کاٹتا ہوں۔" رحمت میاں نے جھک کر کلہاڑی اٹھائی اور ایک بھرپور وار بانس کی جڑ پر مارا تو حشمت میاں نے اچھل کر اپنے ملازم کے ہاتھ سے ڈنڈا چھین لیا۔

وہ تو شکر ہو کہ اسی بیچ ملازم اور گاؤں کے کچھ لوگ جو کام کرنے والے تھے وہاں جمع ہو گئے تھے۔ انھوں نے دونوں کو پکڑ لیا اور الگ کر کے ایک دوسرے سے الگ کیا اور پھر انھیں کھینچ کر ان کے گھروں تک پہنچا آئے۔

اور یہ بات جب گاؤں کے گھر گھر تک پہنچی کہ بانس کے گڑھے پر رحمت میاں اور حشمت میاں کے درمیان سر پھٹول ہوتے ہوتے رہ گئی تو گاؤں کے لوگوں نے اپنے اپنے خیالات کے مطابق دونوں کے بیان خیر خیریت لینے کے لئے پہنچنا شروع کر دیا۔

اور شام ہوتے ہوتے دونوں کی بیٹھک پر چوپال جمنے لگی اور چکر لگانے والوں کے بیچ بات تک پہنچ گئی۔

اور حشمت میاں کو لوگوں نے یقین دلایا۔

"یہ بانس وہ اصل میں آپ کے باپ نے لگایا تھا لیکن حشمت میاں کے باپ نے صرف دوستی کی آن میں لگائے تھے کچھ دیر کی دوستی کی۔ گر اس سے کیا ہوتا ہے۔ یہ زمین پر مالک آپ کی ہے۔ اور حشمت میاں کو یہ ایمان ہے کہ وہ اس کو اپنی ملکیت بتاتے ہیں۔ تب اس کا فیصلہ کرائیے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ ضلع کچہری سے فیصلہ کرائیے۔ وہاں سمجھ لیں۔ ہم لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔"

ادھر حشمت میاں کو اُن کے لوگ کہہ رہے تھے۔

"وہ تو پاگل ہے ایسا ہے۔ اُن کی کیا حیثیت کہ بیچ کا بانس کہ جیسے کہ اب اُن کے ہاتھ تک ہی بیچ سے مالک نے خود ہی کہا کہ بانس کا گڑھا آپ کا ہے۔ آپ کسی اور کو کہہ کر یہ کام کیجئے۔ ہم لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔"

[illegible] میاں [illegible] بات میں [illegible] گے دلیل. عدالت فیصلہ کردے گی۔

[illegible] ختم ہو گا [illegible] میاں [illegible] میاں [illegible] کے خلاف [illegible] کے [illegible] رہے. تمام [illegible] نے [illegible] ایک فیصلہ پر پہنچ چکے تھے۔ [illegible] بات [illegible] کہ [illegible] نے [illegible] کیا تھا۔

[illegible] کے [illegible] کے [illegible] کے [illegible] کی [illegible] کے دس بج گئے۔

[illegible] کچہری میں [illegible] کرنے کیلئے۔ [illegible] دونوں [illegible] کے [illegible] سے سب دونوں کے [illegible] کرتے [illegible] کے [illegible] کے [illegible] بات نہیں [illegible] اور [illegible] کرتے [illegible]

[illegible] کوئی [illegible] نظر نہیں [illegible] تھا. [illegible] کے [illegible] دونوں کی [illegible] کے [illegible] گئے [illegible] بیٹھے [illegible] کے [illegible] سے [illegible] تھا۔

[illegible] ۔ [illegible] :
[illegible] میاں اور [illegible] میاں [illegible] کے [illegible] سب کے [illegible] ایک [illegible]
[illegible] ۔ [illegible] :
[illegible]
[illegible] ۔ [illegible]

[illegible] میاں [illegible] ایک [illegible] ہے۔

[illegible] گردن جھکائے زمانے کی سوچتے ہوئے [illegible] ہوئے ۔

۲۲

ارشد صدیقی

غزل

دل اب ہلاکِ جلوۂ دیر و حرم کہاں
تم جب سے مل گئے ہو زمانے کے غم کہاں

تم میرے ساتھ چلو، ورنہ کیا خبر
لے جائیں زندگی کے مجھے پیچ و خم کہاں

دل خون ہو چکا ہے مگر سوچتے ہیں یہ
اُٹھ کر اب اُن کی بزم سے جائیں بھی ہم کہاں

میرے جنوں پہ ڈال دیے ہیں وہ خود نقاب
اُن کی نظر کا جا کے کھلا ہے بھرم کہاں

یہ بزمِ زندگی ہے شبستانِ دل نہیں
آواز دے رہا ہے مجھے تیرا غم کہاں

ہاں ہم ہی خود نگر تھے، پہ اب دیکھنا یہ ہے
اس زلفِ پُر شکن کے نکلتے ہیں خم کہاں

یہ سوچ کر تو اور بھی تھمتے نہیں ہیں اشک
پھولوں میں جان کہاں، چشمِ نم کہاں

ارشد جو ظلم کر کے مداوا بھی کر سکیں
بس دورِ مصلحت میں وہ اہلِ ستم کہاں

احمد [illegible]

ماضی

جب کبھی رختِ سفر باندھ کے گھر سے نکلا
اس ارادے سے کہ آفاق پہ پرواز کروں
اور میں بڑھ کے کہیں چوم لوں مہ پاروں کی
اور اس وسعتِ کونین کو ان بانہوں کے
نرم گھیرے ہی میں جکڑ لوں،
اسے قید ہی کر لوں
تب اسی موڑ سے چھوڑ کے جانا چاہا
سامنے آتا ہے کہتا ہے کدھر جاتے ہو؟
میرے دامن کو جکڑتے ہوئے مضبوطی سے
پوچھتا ہے کہ چلوں میں بھی، ادھر جاتے ہو؟

شاعر صدیقی

سمرسٹ ماہم
مترجم: ندا فاضلی

ایک ادیب کی ڈائری کا ایک ورق

میں اسّی سال کی عمر کے قریب آگیا ہوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اب میں بالکل اسی طرح محسوس کرتا ہوں جیسا کہ دس سال پہلے... بیشک کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں سب کچھ کر چکا ہوں، بہت سارے ملکوں کو دیکھ چکا ہوں، بہت سی کتابیں پڑھ چکا ہوں، بیشمار تصویریں مجسّمے اور خوبصورت عمارات دیکھ چکا ہوں، کئی بار موسیقی سے لطف اندوز ہو چکا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ خدا کا وجود ہے یا نہیں، وہ تمام دلیلیں جو اس کے وجود کے ثبوت میں پیش کی جاتی رہی ہیں، ان میں سے کسی میں بھی جان نظر نہیں آتی، اپی کیورس (EPICURUS) کی طرح ہم ابھی تک اپنی حیثیت کی بنیاد کسی فوری تاثر پر رکھتے ہیں۔ بیشک میں بھی اس تاثر کے ساتھ ہی گزر جاؤں گا۔ اور نہ ہی کوئی منطقی دلائل سے تمام غیر ذمہ داری کے ساتھ شفقت کی موجودگی کو ثابت کر سکا ہے۔

کبھی کبھی میں ہندو فلسفے کے اس بے سہارا اجنبی وجود کے تصور کی طرف راغب ہو جاتا ہوں جو علم، مسرت اور بے انت ہے جس کی نہ کوئی ابتدا ہے نہ انتہا اور میں چاہتا بھی ہوں کہ اس پر دوسرے عقیدوں کے مقابلے میں یقین کروں۔ عہد بہ عہد انسانی ذہن نے جو نہ ختم ہونے والے پیکر بنائے ہیں یعنی خدا پر یقین کرنے لگوں لیکن یہ بھی محض تصور ہی ہو سکتا ہے جو وقت کے بعد گم ہو گئیں۔ تاہم عالم کو کسی واحد جوہری اور روحانی حقیقت سے منسوب کرنا آسان ہے مگر اس کے تجزیے میں منطقی دلائل ڈھونڈنا مشکل ہے۔ جب میں دنیا کی بے پناہ وسعت کا تصور کرتا ہوں، اس کے ان گنت ستارے اور خلائی وسعتیں جو بے شمار سال سے یوں ہی گردش میں ہیں، تب مجھے ایک عجیب سی وحشت محسوس ہونے لگتی ہے لیکن میرا تخیل اس کائنات کے کسی خالق کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔ میں دنیا کو ایک ایسا معمہ سمجھنے کے لیے تیار ہوں جس کا حل ابھی تک فلسفی نہیں ڈھونڈ سکے اور انسان کی دسترس سے باہر ہے۔ جہاں تک انسانی زندگی کا تعلق ہے مجھے اس نقطۂ نظر سے اختلاف نہیں کہ طبیعیاتی قوت ہی تمام زندگی کی محرک ہوتی ہے اور جس کی نفسی حرکت میں ہی ہر تقاضہ مگر وہ کا راز پوشیدہ ہے۔ لیکن اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کا راز کیا ہے؟ یہ ابھی تک میرے ذہن میں صاف نہیں؛ میں تو صرف بتانا چاہتا ہوں کہ اس گتھی کے موضوع پر جو کچھ فلسفیوں، ماہر دینیات اور صوفیوں نے کہا ہے وہ میرے لئے تسلی بخش نہیں... اور اگر خدا کا وجود حقیقی ہے اور اس کا مقصد جیسا کہ کہا جاتا ہے مخلوقات کا سکھ ہے تو اس میں ایک یہ مقصد انسان کی ابتدائی شعوری بوجھ ضرور ہونی چاہیئے کہ وہ عالم انسانی کو دیوں کو جاہلانہ نظروں سے دیکھ سکے۔

اور شعور کا مسئلہ کیا ہے۔ ہندو اس کو آتما کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کے فلسفہ کے مطابق یہ ازل سے کا ابدی کا جزو قائم ہے، ہے اور رہے گی۔ اس نقطۂ نظر کو مان لینا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس دوسرے تصور کے جس کے مطابق شعور کا جز ہی غرور کیا تھا ہی ہوتا ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ انسانی روح حقیقت مطلق سے ہی جدا کی ہوئی کائنات ہے اور جس کا مقصد عشرت، قطرے کی مانند، دریا میں فنا ہو جاتا ہے۔ یہ ایک دلچسپ تخلیق ہے۔ اس کی کسی اور دوسری وضاحت کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم۔ اس کے ساتھ ہی آواگون کا تصور بھی جڑا ہوا ہے۔ جو انسانی نیکی بدی اور سچائی کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے۔ یہاں بھی یہ بات کی غلط کاریوں کی فطری پاداش بھی ملتی ہے لیکن حقیقت کی خالق کائنات ہے اور بدی کے تعلق کو سمجھانے سے قاصر ہے۔

۴۳

شاعر جیبی

حقیقت میں رُوح کیا ہے؟ افلاطون سے آج تک ہزاروں لوگ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس سوال کا جواب دیتے رہے ہیں اور شاید [illegible] میں صرف افلاطون کی [illegible] کا حاشیہ [illegible] ہیں [illegible] استعمال کرتے ہیں [illegible] کوئی نقصان نہیں کہ ہم کچھ [illegible] کے معنی نکالتے رہیں [illegible] ماہیت پر [illegible] ہوتی ہے [illegible] لیکن رُوح ایک [illegible] مسئلہ ہے۔ میں خود سے جب رُوح کے معنی پوچھتا ہوں تو رسالہ "شعورِ ذات" کے [illegible] یعنی شعورِ ذات ... میرے [illegible] ... وہ شخصیت جو میں خود ہوں اور ... اور جو ان تمام حادثات، واقعات، واردات اور [illegible] سے میں دو چار ہو چکا ہوں ان سے ترتیب پاتی ہے۔

شاید کچھ احباب کو اعتراض ہو کہ خارجی حالات رُوحانی [illegible] کیسے اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ مگر اپنے تئیں میں اسے زیادہ قرینِ قیاس سمجھتا ہوں۔ [illegible] کا شکار نہیں ہوتا یا میرا قد [illegible] اور میرے [illegible] جو [illegible] کی [illegible] کی وجہ سے میرا چہرہ زیادہ جاذبِ نظر ہوتا [illegible] کہ رَدِّ عمل میں خود [illegible] ہوتی اور میرا [illegible] مزاج سوچ بھی کچھ مختلف ہوتا۔ تو کیسی رُوح؟ کیا جس میں حالات کے بدلنے [illegible] سے تبدیلی پیدا ہو جائے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اتفاقی حادثات ہماری زندگی پر [illegible] رُوحانی [illegible] کی نوعیت کچھ سے کچھ ہو جائے۔ [illegible] ...

یہ سب ہماری رُوحانی تنظیم میں [illegible] رُوح ہماری خصوصیات [illegible] اور بے ترتیبیوں کا [illegible] اظہار ہے یا کوئی [illegible] طاقت [illegible] اور اس کی خارجی [illegible] ہے۔ شاید اس سے کوئی انکار نہ کر سکے کہ ہماری تکلیف ذہنی یا جسمانی ہمارے کردار پر اپنا اثر ڈالے بنا نہیں رہتی۔

میں کچھ ایسے اشخاص سے واقف ہوں جو اپنی [illegible] کی زندگی میں نہایت حاسد، سخت اور [illegible] خوش اخلاق اور حلیم نظر آنے لگے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ تھوڑا سا [illegible] اور شہرت کی چمک دمک ہی رُوحانی [illegible] بخش سکتی ہے۔

میں یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ رُوح جس کا [illegible] فکری و جسمانی تعلقات کے سلسلوں پر ترتیب پاتی ہے [illegible] حیثیت رکھتی ہے۔ جب ہم کسی مرے ہوئے آدمی کو دیکھتے ہیں تو کیا وہ وہی ہے جس کی حرکت نظر نہیں آتی۔

مجھ سے اکثر پوچھا گیا ہے "کیا میں پھر سے اپنی پوری زندگی جینا چاہتا ہوں؟" بے شک! میں نے بہت سکھی زندگی جی ہے۔ شاید بہت سوں سے بہتر ہو لیکن دوبارہ اسی سلسلے کو شروع کرنے کی [illegible] [illegible] ... صحیح ہے ... اور [illegible] [illegible] تجربات سے [illegible] اپنے حالات ذہنی و جسمانی [illegible] کے سبب [illegible] [illegible] جاننا چاہتا تھا [illegible] غیر اختیاری حالات کے تحت ممکن نہ ہو سکا لیکن نہیں!! مجھے یہ پسند نہیں ... میں بہت کچھ [illegible] ماہیت پر شناس ہے اس کی خواہش ...... میں مرنے کیلئے بالکل تیار ہوں ... اور مجھے یقین ہے کہ میری جسمانی موت کے ساتھ ہی میری رُوح بھی اپنی تمام کمزوریوں اور اچھائیوں کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے گی۔

اپی کیورس نے ایک بار MENOECEUS کو لکھا تھا

"اس اصول کو ماننے کے [illegible] موت ہمارے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی [illegible] ہماری [illegible] اس احساس سے [illegible] موت اس حیاتی عمل کے خاتمے کا نام ہے [illegible] کی [illegible] خواہش کو [illegible] زندگی کو [illegible] بنا دیتا ہے اس آدمی کے لئے کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔ اگر وہ [illegible] سے زندہ [illegible] خوفناک [illegible] آج کے دن میں [illegible] ختم کرتا ہوں۔"

ساحل مونگیری

تاج محل

اک غزل!
حسنِ تخلیق کی مستیوں نے کہی
اک کنول
صبحدم جھیل میں کھِل گیا
دو دھڑکتے ہوئے دل کی ویرانیاں
خامشی وقت کی، محشر سامانیاں
گیت کے روپ میں، پیار کی دھوپ میں
رقص کرنے لگیں، یوں سنورنے لگیں
جس طرح آئینے کے قریں کوئی عریاں نصیب
دفعتاً اپنے محبوب کی
گرم سانسوں کی حدت کو پانے لگے
فرطِ احساس سے لب چبانے لگے
تھرتھرانے لگے

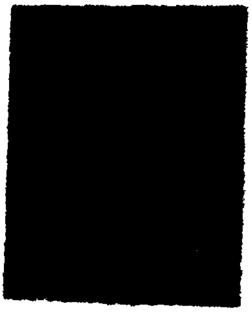
اور پھر سوچ کی گہری پرچھائیاں
آگ کی گود میں سرد تنہائیاں
عشق کی آنکھ سے خون بن کر گریں
اپنے دامن میں غم کی سمیٹے ہوئے
وقت کے گرم رخسار پر
چارہ سازی کے انداز میں
یک بیک تھم گئیں
سرد جھونکوں سے حالات کے جم گئیں
اک کنول کھِل گیا، اک غزل ہو گئی
اک غزل مرمریں تاج پہنے ہوئے
اک کنول تہہ میں جمنا کی بہتا ہوا
داستانِ الم اُن کی کہتا ہوا
جن کے اشکوں کی جلتی چھلا بوند سے
[illegible]

حسن کمال

غزل

کس رہ پہ شبِ غم نے ہمیں گھیر لیا ہے
کیا چیز جلائیں کہ نہ دل ہے نہ دیا ہے
جتنی بھی ہوئیں دل کی تمنا کو شکستیں
اتنا تجھے پانے کا جنوں اور بڑھا ہے
جس یاد کو ڈھالا تھا بہت پیار سے غم میں
آجاؤ کہ سینے میں وہ غم ٹوٹ چلا ہے
ہنستے تو ہیں اک پل کو چکانے میں کئی دن
وہ قرض جو ہستی نے ترے غم سے لیا ہے
سجدوں سے وہ تسخیر ہو ممکن ہے یہ کیوں کر
وہ قامتِ زیبا کہ نہ بُت ہے، نہ خدا ہے
جس بات سے آجاتا ہے جینے کا سلیقہ
اُس بات کو سوچا تو بہت جی بھی کڑھا ہے
کھونے کو ہے کیا چیز حسنؔ اپنی گرہ میں
لے دے کے ہے اک نارد سو وہ دردِ بھی کیا ہے!

مسرور جمال



(طنز و مزاح)

مفت کے مشورے

پہلے کبھی آدمی کسی بیماری یا مصیبت میں مبتلا ہوتا تھا تو مشورہ حاصل کرنے کیلئے مشورہ دینے والوں کو تلاش کرنا پڑتا تھا۔ کسی سے ملنے یا بات کرنے کیلئے مہینوں پہلے وقت مقرر کرنا پڑتا تھا۔ یہ تو جناب ہندوستان ہے جہاں آج کل مشورہ دینے والوں کی تعداد مشورہ لینے والوں سے زیادہ ہے۔ یہ شعبہ اس قدر تیزی سے وبا کی طرح پھیل رہا ہے۔

وقت کا تو زیادہ سے زیادہ لگتا ہے لیکن دوست احباب چند روز میں آپ کے مسئلے کا تجزیہ ہندوستان کی آبادی کی طرح بڑھا دیتے ہیں وہ بھی مشورہ مفت، بالکل مفت، ایک دم مفت اور قطعی مفت۔ مشورے دینے والے ہر قسم اور ہر طرح کے حالات اور واقعات سے واقف ہوتے ہیں ان کو یہ اندازہ نہیں کہ ہم ہر ایک کے مفت والے مشوروں سے ہاں ہو جائیں۔

بہرحال ہمیں تو مشورہ دینے میں بڑے ہی ماہر لوگ ملتے ہیں آپ ہوتے ہیں یا دوست، لیکن یہ ماہر ہوتے ہیں ان کے مفت مشوروں سے فائدہ کم ہی اٹھاتے اور دوسروں کو اپنے تجربوں سے مستفید ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

مشورے دینے والے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو بے وقت ہر موقع پر اپنی قیمتی رائے دینے کو تیار رہتے ہیں۔ دراصل یہ مشورہ ہوتے ہیں لیکن مشورے ان کے بالکل مفت ہوتے ہیں۔ ان کے مفت کے مشورے اگر مان لیا جائے تو ... اپنے سے بچاؤ کرنے کے لیے ... چھوڑ کر ان کے مشورے ... جس نے ہم کو ... ایک مفت مشورہ دینے والے نے دیا۔

پڑھا بھی کرتا تھا ہمیں ایک ایک ریڈیو خرید لے لو۔ ان کے نزدیک تو بہت ہی سستا نسخہ تھا۔ ... ان سے ہی کہا تو ریڈیو خریدنے کے بعد پر غور کرنے کے بعد زیادہ سے زیادہ آٹس باکس خریدنے کی رائے دیتے۔

اب ذرا ریڈیو خریدنے کی تصویر کو ذہن میں لائیے جب کبھی آپ اور بچے ریڈیو پر بیٹھے ہونے کے بجائے دل بہلانے کے لئے ایک آئس کریم کو چاہے گا تو ان کا مشورہ آپ کو یاد آئے گا اور زندگی بھر ریڈیو کا مزہ کی یاد کبھی آپ کو ستاتی رہے گی۔

مشورہ دینے والوں کی دوسری قسم وہ ہے جو فوری طور پر کسی تکلیف سے متاثر ہونے کے بعد آپ کو کسی تکلیف میں مبتلا کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً آپ کا کوئی اچھا لباس آپ کی شاندار یا سج دھج کی ساری تعریف کر کے پھر اس کا پتا دریافت کرتا ہے تو ساری تعریف کی باتیں آپ کو بتانی پڑتی ہیں اور پھر آپ نے کسی ایک کے بارے میں کہا اب آپ کا نشان بن جائیں تو بڑی سادگی سے وہ مشورہ دیں گے:

"آپ اس میں ... کیوں نہیں لگوا لیتے۔"

آپ کے یہاں تو مشورہ دینے والے بہت ملیں گے لیکن دنیا نئے انداز سے ... کے سلسلے میں ... کا مفت کا مشورہ آپ کو ... کرتا ہے اور ... ایک لفظ تک ... سکے۔

ان مشورہ دینے والوں کے ... مشوروں سے ... کی ... گئے ہیں۔

[illegible] ذہنی [illegible] میں ظاہر ہو [illegible]
[illegible] کی [illegible] علمی
[illegible] کے لیے [illegible]
[illegible] کے
مشورے [illegible] سے [illegible]
[illegible] ان [illegible] تاثرات
[illegible] قابلیت کو
[illegible]
[illegible]
مشورہ دے رہے تھے۔

[illegible] بات [illegible] ہیں
پہلے [illegible] ان کا [illegible]
[illegible] اس کے بعد [illegible] سوال کے بارے میں [illegible]
[illegible] کے بارے میں [illegible] واقف ہیں
[illegible] جن کے [illegible]
قابلیت کا [illegible] ہیں۔

گو [illegible] یہ کہنا [illegible]
[illegible] مشورہ [illegible]
[illegible] کے [illegible] کرنے کا
مشورہ [illegible] کریں گے [illegible]
[illegible] اس قسم کے مشورے [illegible]
[illegible] سے [illegible] اس سے انکار
نہیں کیا جا سکتا کہ [illegible] اور کس میں
[illegible] سے [illegible] کے [illegible] سے پوری
پوری واقفیت ہو جاتی ہے۔ اور [illegible]
کی وجہ سے [illegible]
[illegible] کے بارے میں [illegible] رکھتے [illegible] کھانے
[illegible] ہوئے تھے
اور ان [illegible] کس کام میں لے
جائے۔

[illegible] مشورہ دینے میں [illegible]
[illegible]

دور ہو رہے ہیں۔ اور [illegible] کے [illegible] کو اپنا مسئلہ سمجھتے
ہیں مگر گرمیاں گزارنے کیلئے ہم کشمیر جائیں گے بالکل [illegible]
ہیں تو وہ اصرار کریں گے کہ گرمی کشمیر میں کہاں [illegible]۔ نینی تال
یا [illegible] بات [illegible] کہ انھوں نے پہاڑ [illegible]
کیا کوئی [illegible] نہیں دیکھا [illegible] میں [illegible] آئے اور
[illegible] ہیں [illegible] سے
مجبور ہو کر [illegible] اختلاف کی خاطر کشمیر پر [illegible] ترجیح دے
رہے ہیں۔

کچھ بھلے مانس اپنی بات [illegible] رکھنے یا جتانے کی خاطر
مشورے دیا کرتے ہیں کہ اگر آپ نے [illegible] خریدا ہے تو یہ
فوراً آپ کی [illegible] گے کہ [illegible] خریدنا [illegible]
سے [illegible] ہوتی ہے۔ اگر آپ نے [illegible] لائے ہیں تو وہ
آپ [illegible] گے کہ آپ اسے واپس کر کے [illegible]
لے آتا۔

اس قسم کے مشورے دینے والوں کی [illegible] وقت سب سے
زیادہ [illegible] جب [illegible] ان کا کوئی دوست بیمار پڑ
جاتا ہے۔ اس کے بعد ان کے قول [illegible] تپ [illegible]
لگنا شروع ہو جائیں گے [illegible] آپ کو [illegible] ہو گی
[illegible] کسی بھی صورت میں [illegible]
سے کم [illegible] گے۔ [illegible] کی کوشش یہ ہو گی کہ اگر [illegible]
سے [illegible] کم از کم [illegible] سے [illegible] لیں۔ [illegible]
[illegible] برسات میں [illegible] وقت [illegible] بخار میں مبتلا ہو کر [illegible]
پڑے ہوئے تھے جب [illegible] عیادت کرنے والوں کا صبح سے
شام بلکہ رات گئے تک میلا سا لگا رہتا تھا۔

ایک [illegible] آئے تو [illegible] انھوں نے [illegible] ہاتھ رکھا۔
[illegible] ہیں۔ [illegible]
[illegible] کے لیے [illegible] طرف
[illegible] لیکن جب [illegible] پاس
[illegible] نہ ملا تو [illegible]
بولیں ——

آخر کیسے آگیا بخار؟ [illegible] غسل [illegible]
[illegible] برسات

کہاں گئی تھی؟ شبنم میں سوگئی تھیں؟"

ان کی حیرت بجا تھی اور ہم دل ہی دل میں جھینپ کر رہ گئے تو [illegible] کیلئے [illegible] جہاں [illegible] عزیز ہو گئے۔ ایک [illegible] ہمارا [illegible] کی [illegible] جرم کے [illegible] پر سرپا ناز [illegible] اور [illegible] نے [illegible] کہ [illegible] سے ہی [illegible] شروع کردیا۔

" [illegible] کی گرمیوں میں [illegible] بیمار [illegible] دوسرے صاحب کی [illegible] تو [illegible] ہی تو بیجئے۔

"کس کا علاج ہورہا ہے؟"

"ڈاکٹر احمد کا!"

"اور [illegible] کوئی ڈاکٹروں میں ڈاکٹر ہے۔ حکیم [illegible] کو [illegible] حکیم نہیں [illegible] کردیتا ہے۔"

[illegible] صاحب [illegible] صاحب [illegible] سے [illegible] کسی [illegible] ایک [illegible] ضرور [illegible] زبان سے زیادہ دو تین دن میں [illegible] ہوجاتا۔

ایک صاحب [illegible] وغیرہ کی تفصیل معلوم کرنے کے بعد [illegible] معمولی [illegible] مجھے [illegible] بالکل [illegible] اس صورت میں

"بس بس [illegible] باتیں [illegible] ریا کی [illegible] کہ [illegible] ڈاکٹری [illegible] سے بچنے کے لئے [illegible] تھوڑا سا ہے۔"

دوسری نے مشورہ دیا۔

"کہیں [illegible] ایکسرے کرایا ایکسرے؟"

[illegible] کوشش کی [illegible] صاحب [illegible] کا ایک [illegible] ہے۔ [illegible] اپنی [illegible]

کبھی [illegible] دینی اور ذہنی پر [illegible] کر [illegible] ہم اس کشمکش میں مبتلا [illegible] بھی [illegible] اس وقت تک [illegible] ہم اب تک [illegible] اپنی ایک آسیبی کے [illegible] چلے گئے اور صحت کے مشورے دینے والوں سے محفوظ ہو گئے۔ [illegible] ہم اچھے ہو گئے بلکہ ہمیشہ کے لئے بیمار پڑنے سے توبہ کرلی۔

مرض کا [illegible] سے تو ہم [illegible] بیٹھتے [illegible] کے مشوروں سے نجات پانا ابھی باقی ہے۔ ■■

ظفر حمیدی

خمیر سے ضمیر تک

(۱)

اے رفیقو، غمگسارو، دوستو
تم کسی جراح سے اتنا کہو
ہاتھ میرا کاٹ ڈالے، ورنہ یہ
کینسر کا زہر سارے جسم میں
پھیل جائے گا بسرعت، ایک دن
اور مرض ہو جائے گا یہ لاعلاج
صحت کیلیے ہاتھ اگر جاتا رہے
آج تک جو کچھ بھی ہاتھوں نے لکھا
بیشتر وہ کذب اس سے کوئی ہو سکا
کاغذی تخلیق کا تودہ بنا
داستاں، در داستاں، در داستاں!

(۲)

ہمدمو، لاؤ کسی جراح کو
پاؤں میرا قطع کرنے کے لیے
کینسر کا زہر ورنہ جسم میں
کچھ دنوں میں منتشر ہو جائے گا
فرق کیا پڑتا ہے اگر کٹ جائے پاؤں
چلتے چلتے تھک چکا ہے یوں بھی یہ
ایسی راہوں میں جہاں منزل نہیں
صرف کچھ نقشِ قدم بکھرے ہوئے
یا غبارِ رہگذر اڑتا ہوا
آسماں، در آسماں، در آسماں!

(۳)

ساتھیو، جراح کو دو مشورہ
وہ تراشے جلد یہ میری زباں
کینسر کا زہر ورنہ پھیل کر
میرے ہر اک عضو میں بس جائے گا
کیا ہوا کٹ جائے گر میری زباں
تملق کے مجاز کا ٹوٹے گا طلسم
لحنِ داؤدی خلا میں گم ہوا
طور پر موسیٰ کو غش آ ہی گیا
طائرِ سدرہ کی الہامی ندا
گنبدِ افلاک میں گونجی مگر
تھی مری آواز ہی کی بازگشت
چیستاں، در چیستاں، در چیستاں.

(۴)

محسنو، جراح سے کہہ دو ذرا
میری آنکھوں کو نکالے آ کے وہ
کینسر کا زہر ورنہ پھیل کر
مار ڈالے گا مجھے اب جلد ہی
میری آنکھوں کی بصارت ہے فضول
جب بصیرت کا مستعمل نہیں
دوربیں سے دیکھنے کے بعد بھی
خوردبیں میں دیکھنے کے باوجود
بے حقیقت آنکھ سے اوجھل کہیں
لامکاں، در لامکاں، در لامکاں!

(۵)

ساتھیو، جراح سے جا کر کہو
چھیل کر وہ پھینک دے میرا دماغ
کینسر کا زہر شاید پھیل کر
جان میری لے ہی لے گا ایک دن
کیا ہوا جاتا رہے گر یہ دماغ
کارزارِ خیر و شر ہے جو ہنوز
جس پہ سایہ ہے ابھی اوہام کا
گمشدگی ہے جہاں شمعِ خرد
خواب کا طوفان اٹھتا ہے جہاں
یاد کی پرچھائیاں جس میں مکیں
جس کی تہ میں منجمد بیٹھا ہوا
پر بریدہ طائرِ تحت الشعور
آشیاں، در آشیاں، در آشیاں!

(۶)

مونسو، جراح سے کہہ دو
میرے دل کے پردے چھیڑے نہ وہ
کینسر کا زہر اس دل میں نہیں
ظلمتِ سکرات اس دل میں نہیں
موجزن ہے اس میں خونِ حیات
بج رہا ہے اس میں سازِ ممکنات
ضو فگن ہے اس میں قندیلِ ضمیر
ضو کشِ پروردگارِ کائنات
کہکشاں، در کہکشاں، در کہکشاں!

مشتاق علی شاہد

درد بھری چیخ

"تم پردیسی ہو۔"

"تو کیا ہوا؟"

"پردیسیوں سے پیار کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔"

"میں ویسا نہیں!"

"سب یہی کہتے ہوں گے!"

"تو پھر تم مجھ سے اب نہیں ملو گی؟"

"تم نے یہ کب کہا؟!"

[illegible] پہاڑی کی طرح کی پیچدار اور گہری کسی ندی کی بہنے کا منظر ہے کہیں کہیں پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑوں سے ٹکرا ٹکرا کر پانی کے چھینٹے اڑاتا ہوا بڑی تیز رفتار سے بہہ رہا تھا۔ برسات کے موسم میں اس طغیانی دیکھنے کے لائق ہوتی ہے۔ برسات کے علاوہ عام دنوں میں اس کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔ ندی کا پاٹ کچھ زیادہ چوڑا نہیں تھا لیکن اتنا بھی نہیں کہ دوسرے کنارے کی چیزیں صاف دکھائی نہ دیں اس ندی کو اس بستی نے [illegible] رنگ کا [illegible] جو مختلف [illegible] استعمال کرتے [illegible] پھیلا دیا تھا۔ ایک [illegible] اس عورت کا گھر کے گرد بنا ہوا تھا اور اب وہ اپنے [illegible] بچے کو نہلانے میں مصروف تھی۔ ہم دونوں [illegible] پل کے نیچے آ بیٹھے تھے جس کے نیچے سے ہو کر [illegible] گزرتا تھا۔

"تم بزدل ہو!"

"کیوں؟"

"تم کمزور ہو!"

"نہیں ۔۔۔ اب نہیں!"

"کیوں؟"

"اب ۔۔۔ تم جو ساتھ ہو!"

(وہ ماں کی آنکھوں میں یقین کی شمعیں جل اٹھیں)

سفید فام عورت نے بچے کو نہلا کر دوبارہ ریت پر کھیلنے کو چھوڑ دیا تھا۔

اب وہ خود نہا رہی تھی۔ پانی اس کی کمر تک تھا اور وہ اپنے لمبے لمبے بال [illegible] کر [illegible] رہی تھی۔ گرمی کا موسم [illegible] برسا کر اب ڈوب چکا تھا لیکن مغرب میں اب بھی سرخی [illegible] باقی تھی [illegible] ایک بھاری [illegible] پل کے اوپر سے گزر [illegible] گیا۔

"تم نے نرس کی ٹریننگ کہاں لی تھی؟"

"وہاں نہیں ۔۔۔ کیوں؟"

"یونہی پوچھ لیا تھا ۔۔۔ کوئی خاص وجہ نہیں!"

"مجھے [illegible] بتاؤ تم نے آخر کیا سوچا۔؟"

وقفہ ۔۔۔ ....

"[illegible] کیا سوچا ہے تم نے۔؟"

"کس کے بارے میں؟"

"میرے لئے ۔۔۔ اپنے لئے ۔ اور ...."

(وہ چپ ہو گئی ۔۔۔ اس کا سر جھک گیا۔)

شام کا دھندلکا گہرا ہو چلا تھا۔ پتہ نہیں کیوں، [illegible] کچھ [illegible] شام کے اندھیرے

سائیں ہوگئی تھی ہو —— اس سانے کسی کی بات اور شکل سے بے نیاز
پیتے جاتے تھے۔ رعنا نے اپنا لباس کھول کر اپنے شانوں پر بکھیر
لیں —— سفید لمبی صحت مند بالی کی سی کمر اس کی طرح الجھ کر اور
بالوں میں سمٹ کر ڈھکی جاتی۔

"تم نے جواب نہیں دیا۔"

"میں چار ماہ شہر جاؤں گا۔ پھر میں ایک لمبی چھٹی لوں گا اور تمہیں
اپنے گھر لے جاؤں گا۔ اپنی ماں کے پاس۔ پھر دیکھنا وہ کتنا خوش ہوگی
تب وہ تمہیں نرس کی نوکری بھی نہیں کرنے دے گی۔ بھلا ہم لوگوں کا بیٹا
ڈاکٹر ہو اس کی بیوی کو نوکری کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے!"

(میں نے دیکھا رعنا رو رہی تھی!)

رعنا کے اس پاکستانی صحت مند بدن کے پیچھے کے تب
اپنے بچے کو اکیلا کروا لیں جلد ہی تھی۔ ابھی ان دنوں اپنے شہر کے علاوہ جو پہلا
حال میں نے مشن اسپتال "کی اسٹیشن" وگن کر جو تربیت کیلئے ایمبولنس
اور دوسرے مخصوص کا کام کرتی تھی کچھ دیر کے ایک کمرے سے کروا کر واپس تھا۔
پاس پڑوس کے سارے گاؤں والے جو سب کے سب انجان تھے ہمیں
بہت عزت کرتے تھے۔ اور رعنا کو تو دیوی سمجھتے تھے۔ رعنا نے
میرے ساتھ اپنے تعلقات پر آنکھوں سے کبھی ایسی کوئی بات ظاہر نہیں کی
تھی جس سے شبہ ہو کہ ہم دونوں کے تعلقات پاکیزہ اصولوں پر نہیں
کوئی اعتراض ہو۔ ایک بار جب ہم لوگوں نے "لیصنا" کا ترجمہ پڑھا
تو میں اور رعنا کی خوب موت کی تھی۔ اور کئی روز تک سب لوگ
مسیح کہتے ہیں تحفہ بھیل کے تھے۔

"تم رونے کیوں لگیں۔؟"

(رعنا خاموش ہو گئی —— اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے)

"اچھا سنو —— ایک گیت گاؤ وہی گیت —— ——
جو تم نے پہلی بار گا کر سنایا تھا!"

"اس گیت میں محبت کی موت دی گئی ہے!"

"تو کیا ہوا —— تم وہی گیت گاؤ!"

"نہیں —— اب میں کوئی موت دینا نہیں چاہتی!"

(رعنا کی آواز میں بے پناہ کرب تھا!)

چاند کا ایک ٹکڑا بادل کے آنچل سے شور مچاتا ہوا گزر گیا۔
اندھیرا اسی طرح پھیل چکا تھا ہم دونوں خاموش تھے۔ اپنی اپنی
جگہ ہم دونوں ہی اپنا اپنا کچھ سوچ رہے تھے۔ جانے کیا۔! ——

پھر جانے کیوں اسے کیسے سوال شدت ہو جاتے تھے۔ وہ گیت غزل؟
اس نے مجھے پہلی دفعہ سنایا تھا بلکہ ایک دو مرتبہ گیت سنانے آتا
کہاں سے آتا سوز اس کی آواز میں بہت آ جاتا۔ وہ گا رہی تھی ——
اور میں بالکل جیسے کہ سب کچھ کی ساری کائنات کو سمیٹ کر جا رہا تھا۔ وہ
گا رہی تھی —— اور میں بت بنا اس کی جانب دیکھے جا رہا تھا۔ وہ گا رہی
تھی —— اور ہوا اس میں ایک عجیب سا ارتعاش پیدا ہو رہا تھا
وہ گا رہی تھی۔ تو وادی تارے کے بیچ ہوتے پانی کے تلاطم ——
آج تان پیدا کیے بغیر اس کی آواز ایک نیا جادو جگا رہی تھی ——
جب وہ تان لے رہی تھی تو اس کی آواز کے زیر و بم سے تان لہرا
کے تاروں میں الجھ جاتے تھے۔ آج تان پیدا کیے بغیر اس کی آواز
اداس تھی۔ ایک دم اچانک —— چاند کے اس بادل کی طرح بھاگتا
ہی شور مچاتا ہوا گزر گیا تھا ——

"تم نے گانا کیوں بند کر دیا۔؟"

"گانا ختم ہو گیا۔"

"اور گاؤ!"

"تھک گئی ہوں!"

"چلو پھر واپس چلیں!"

"تم مجھ سے شادی کب کرو گے؟"

(اچانک جیسے مجھے کسی نے آگ کے الاؤ کے جلتے ہوئے
انگاروں کے درمیان میں ڈھکیل دیا)

"ایسی جلدی بھی کیا ہے؟" (میں جھنجھلا گیا تھا)

(رعنا پھر اداس ہو گئی!)

آپریشن روم کا دروازہ بند کیا جا چکا تھا۔ آپریشن ٹیبل پر ایک
مالدار سنتھال عورت لیٹی ہوئی تھی۔ پورے کمرے میں ایمرجنسی کی بجلی
ہو گئی تھی۔ رعنا آپریشن کے لئے اور میز پر کھڑے ہوئے ہاتھ
میں دھو رہی تھی۔ سنتھال پرگنہ کے اس چھوٹے سے گاؤں میں یہ چھوٹا
سا اسپتال غنیمت تھا۔ اور جب سے ان گاؤں میں بجلی آ گئی تھی تب بھی
بڑی سہولت ہو گئی تھی۔ میں نے آپریشن روم میں بجلی کے علاوہ ترجیحاً
اسپتال کے دیگر کمروں میں بھی [illegible]

"بڑی والی قینچی۔"

"یہ لو۔"

"چھوٹی چھری۔"

"مگر تمہارے ہاتھ کا بنا ہوا تو ہے!"

"ہاں!" (ڈاکٹر شیو بہاری کہتا)

"تمہاری شادی کر لینے کے بعد گیتا جس میں کچھ دیر کے لئے رک سکتے ہو؟ مجھے تم سے کچھ بہت ضروری باتیں کرنی ہیں!"

(رتنا کمل نے میرے کان کے پاس دھیرے سے کہا)

"مسز سین ۔۔۔ تم زندگی بھر [illegible]"

(ڈاکٹر بھیج رہا۔)

"جی! ۔۔۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ پھر کہئے!"

(رتنا کا چہرہ تمتما اٹھا تھا۔ ہونٹ کانپ رہے تھے!)

ہوڑا کا پل آج بھی اسی طرح [illegible] سے بہہ رہا تھا۔ نالے کے اس پار آج کوئی نہیں تھا۔ سورج کب کا غروب ہو چکا تھا۔ ہوا میں کافی تیزی تھی۔ رتنا کمل بار بار اپنی زلفوں کو سنبھال رہی تھی، بکھرنے سے روک رہی تھی۔ لیکن زلفوں نے بھی شاید ہواؤں سے سازش کر لی تھی۔ [illegible] کے بعد سے اب تک [illegible] مگر آج کی خاموشی نے عجیب کیفیت پیدا کر رکھا تھا ۔۔۔ میں ہمیشہ ایسی خاموشی سے گھبراتا ہوں۔ آج بھی میرا دل گھبرا رہا تھا۔

"کیا تم اس لئے یہاں لائی ہو کہ مجھے اپنے گھر نہیں لے جاؤ گے؟"

"پہلے مجھے تو منظور کر لو!"

"لیکن تم نے تو ابھی [illegible] کی درخواست بھی نہیں دی ہے؟"

"تو اب دے رہا ہوں ۔۔۔"

"کب ۔۔۔؟"

"آخر اتنی جلدی کیا ہے؟" (میں [illegible] گیا)

"جلدی ہے! ۔۔۔ تمہیں دھوکہ [illegible] ڈر ہے!!"

میں حیرت سے رتنا کمل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور وہ میرے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں سے دبائے عجیب نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

ہوڑا کے نالے کے قریب آج بھی [illegible] کا احساس ہوتا ہے! [illegible] غروب ہو چکا ہے لیکن [illegible] ہے۔ [illegible] مختار

سے کہہ رہا ہے ہمارے [illegible] کی [illegible] ہو گی جو [illegible] لاش کی [illegible] آ جاتی ہے تو [illegible] لگتا ہے۔ [illegible] یہاں سے اٹھنے کو نہیں چاہتا۔ ۔

آج تو میرے قریب رتنا کمل بھی نہیں۔ ورنہ اس کی شیریں رسیلی آواز ۔۔۔ جس کا [illegible] پچھلے سال [illegible] پارسی نالے میں ڈوب کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا ہو چکی ہے۔ وہ برسات کا موسم تھا۔ اور اس نالے میں غضب کا سیلاب تھا۔ برسات کا پانی اتنا بڑھ گیا تھا کہ پل کے پائے بھی ڈوب گئے تھے۔ کہتے ہیں جب برسات کا پانی اس نالے سے ہو کر بہتا ہے تو [illegible] سنائی دیتی تھی۔ میں سوچ رہا تھا [illegible] رتنا کمل نے اس میں [illegible] ہو گی تو اس کی [illegible] کیسی [illegible] ہو گی ۔۔۔؟!

●●

نعیم صدیقی مستی پوری

رات

میں ہوں تاریکیوں کا گہوارہ

اپنے دامن میں ہوں چھپائے ہوئے
کتنے خلوت کدوں کے رازِ نہاں
اپنے سینے میں ہوں دبائے ہوئے
کتنے زخمی دلوں کی آہ و فغاں

کتنی مجبور کی جوانیوں کی پکار
کتنی دوشیزہ آرزوؤں کے غم
کتنے لٹتے ہوئے سہاگوں کا سوز
کتنی مجبور حسرتوں کے چراغ

کتنے بہکے ہوئے نقوشِ قدم
کتنے چھلکے ہوئے لبوں کی شراب
کرب سہمی ہوئی نگاہوں کا
درد کچلی ہوئی امیدوں کا

کتنی ماؤں کی آنکھ کے آنسو
بھائیوں کے ضمیر کی آواز
کتنے باپوں کی چیختی تردیں
کتنی معصوم دھڑکنوں کا راز
اپنے دامن میں ہوں چھپائے ہوئے

میں ہوں تاریکیوں کا گہوارہ

عتیق احمد عتیق

غزل

لازم مجھے ہے سارے زمانے کا پیار بھی
میرے لئے ہی سلسلۂ طوق و دار بھی
جب سے تمہارے غم کو گلے سے لگا لیا
دل پر گراں نہیں ہے غمِ روزگار بھی
اتنی حسین کب تھی رعنائیِ کائنات
ہے اس میں اپنے حسنِ نظر کا وقار بھی
نیرنگیٔ لطافتِ گلزار ہی نہیں
ہے خار و خس سے آتشِ گل کا نکھار بھی
اس دورِ ارتقا میں کچھ ایسے بھی لوگ ہیں
جن پر پڑی نہ فکر و نظر کی پھوار بھی
زیرِ قدم ہوں سارے زمانے کی راحتیں
دل سے کرو تو رشتۂ غم استوار بھی
ہاں ہاں بفیضِ امن ہی بزمِ حیات میں
پھیلی رہی ہے تیرگی انتشار بھی
چھیڑا جو میں نے بربطِ احساس تو عتیق
نغموں کی لے سے ٹوٹ گئے دل کے تار بھی

ضیا حسنی

نیاز فتحپوری ـــ چند یادیں

ضیا صاحب کی توقیع دلنشیں اور جاذب انداز تقریباً نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے شعر و ادب میں گونج رہا ہے۔ اس انداز کی دلکش گونج سے ہماری سماعت اس قدر مانوس ہو چکی ہے کہ اس طرزِ بیان کے ایک جملے کو بھی سنتے ہی ہم اس کے خالق کو پہچان لیتے ہیں۔

دنیائے شعر و ادب میں نیاز فتحپوری کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔ وہ منفرد اسلوبِ نگارش کے مالک، کامیاب ادیب و صحافی، بلند پایہ محقق، اچھے نقاد اور مقبول شاعر و افسانہ نگار تھے۔ آج میں اُن کی ہشت پہلو شخصیت کو موضوع بنانے نہیں جا رہا ہوں، اس لئے کہ ابھی آپ ان کی گوناگوں جہتوں کے تذکرے نیاز نمبر میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس وقت میں اُن چند یادوں کو پیش کرنا چاہتا ہوں جو میرے ذہن کے کسی گوشے میں محفوظ تھیں، اور آج اُن کے سانحۂ ارتحال کو تقریباً ایک [illegible] کی مانند میری نگاہوں کے سامنے تیزی سے چل رہی ہیں۔

پہلی بار میں نے نیاز صاحب کو مقامی مسلم ہائی اسکول کی منعقدہ مشاعرہ کے موقع پر مسندِ صدارت پر بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ میرا زمانۂ طالب علمی تھا۔ اور میں ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ لیکن میں نگار برابر پڑھا کرتا تھا اور کچھ دن پہلے ہی میں نے اُن کی دو طویل کہانیاں 'شہاب کی سرگزشت' اور 'شاعر کا انجام' پڑھی تھیں۔ میں اُن کے منفرد قلم اور دلکش اسلوبِ نگارش سے کافی متاثر تھا اور اسی تاثر نے میرے دل میں یہ خواہش ابھاری تھی کہ میں انہیں قریب سے دیکھوں۔ لیکن اس خواہش کی تکمیل اس محفلِ شعر و سخن میں نہ ہو سکی؛ البتہ دوسرے دن میں اپنے دو دوسرے ساتھیوں کے ساتھ اُن کے قریب پہنچ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ واپس جا رہے تھے۔ اس وقت نیاز صاحب نے ہم لوگوں کو کوئی خاص لفٹ نہیں دی تھی۔ بلکہ جتنی باتیں انہوں نے کی تھیں اُن سے کبر و نخوت کی بُو آتی تھی۔ لہٰذا ہم لوگوں نے اُن کے متعلق یہ رائے قائم کی تھی کہ وہ متکبر اور مغرور ہیں۔ لیکن یہ رائے صحیح نہیں تھی۔ اس سلسلے میں حضرت [illegible] نے اچھی بات کہی ہے کہ 'ناجنسوں کی موجودگی میں اپنے اوپر ایک تکبرانہ انداز طاری کر لیتے ہیں' اور اس بات کا اندازہ مجھے بعد میں ہوا تھا۔

دوسری بار نیاز صاحب فتحپور تشریف لائے تو میرے ماموں (پرنسپل ریاض الدین احمد) کو شرفِ میزبانی حاصل ہوا۔ وہ میری انتہائی خوشیوں کا دن تھا۔ میں اپنے محبوب قلم کار کو قریب سے دیکھ رہا تھا اور اُن کی پُرلطف اور پُرمغز باتیں سن رہا تھا۔ نیاز صاحب ٹیک لگا کر باتیں کر رہے تھے۔ اُن کی کم آمیزی اور کم گوئی نہ جانے کہاں گم ہو گئی تھی۔ [illegible] نکتہ چینی اُن کی گفتگو کا موضوع اور وہ مولوی کی پگڑی برابر اچھالے جا رہے تھے۔ لیکن گفتگو کا موضوع [illegible] بھی تھیں۔ کچھ سفرِ حیدرآباد کا ذکر بھی چل نکلا۔ وہ تازہ تازہ حیدرآباد سے لوٹے تھے۔ انہیں حیدرآباد کے دورانِ قیام میں ایک کوٹھی میں جانے کا بھی موقع ملا تھا۔ وہ تمام حیدرآباد کے کسی لڑکی کی تقریبِ سالگرہ کا آنکھوں دیکھا حال افسانوی انداز میں بیان کر رہے تھے۔ مگر یہ دلچسپ تذکرہ نیاز صاحب کے مخصوص اسلوبِ نگارش میں ڈھل کر منظرِ عام پر آ جاتا تو ایک دلکش رپورتاژ بن جاتا اور قارئینِ نگار کے

اور ان سے محظوظ ہوتا۔ اسی نشست میں اُن کی تجویز پر "اُردو" کے مستقبل کے متعلق بھی سوالات کئے گئے جن کے کامل جواب جو خندہ پیشانی سے
پیدا ہونے والے شک تھے پر نیاز صاحب نے فوراً جواب دیا تھا۔

"اُردو کو کبھی حکومت کی سرپرستی حاصل نہیں ہوئی۔ ہمیں کو اسے پڑھنا لکھنا اور اپنے بچوں کو پڑھانا ہے۔" یہ اُس وقت کی بات ہے جب ملک آزاد نہیں ہوا تھا۔

تیسری بار میں اپنے عزیز دوست اختر سعید زیدی کے ساتھ لکھنؤ میں اُن کے یہاں گیا تھا۔ اُن دنوں میں اور زیدی جوبلی کالج میں ٹیچر ملازم تھے۔ زیدی پرائیویٹ طور پر بی۔ اے کا امتحان دے رہے تھے اور نیاز صاحب سے اُردو پڑھنا چاہتے تھے۔ زیدی نے مختصر گفتگو کی۔

"قبلہ! میں آپ سے اُردو پڑھنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور پڑھو۔"

"کب حاضر ہوں؟"

"سال بھر میں ایک گھنٹہ روز کا بھی مشکل سے ملے گا!"

اس کے آگے بات نہ چل سکی اور ہم دونوں سلام کر کے واپس چلے آئے تھے۔

نیاز صاحب فتح پور کم آتے تھے۔ ۱۹۶۲ء میں وہ لکھنؤ سے پاکستان تشریف لے گئے۔ ادھر آخر عمر کا ایک واقعہ ہے، ان کا قیام اپنے آبائی مکان واقع محلہ خیل دار میں تھا۔ مامون صاحب نے مجھ سے کہا "نیاز صاحب آئے ہوئے ہیں اور رات کا کھانا یہیں کھائیں گے۔" میں سرشام ہی سے اس آراستہ کمرے میں بیٹھا ہوا نیاز صاحب کا منتظر تھا جہاں انہیں کھانا کھانا تھا۔ وہ وقت مقررہ پر تشریف لے آئے۔ مامون صاحب نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ وہ مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے اور ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ میں نے انہیں سات آٹھ سال کے بعد دیکھا تھا۔ جاڑے کا زمانہ تھا۔ وہ اچکن اور دیوانگی رومال اور سیاہ ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں چھڑی بھی تھی۔ کُرتے اور اونی بنڈی پر کوٹ زیب تن کئے ہوئے تھے۔ آنکھوں پر موٹے سیاہ کمانی کا چشمہ لگا ہوا تھا۔ پندرہ سال پہلے ان کا چہرہ بھرا بھرا تھا اور اب پیرانہ سالی چہرے سے نمایاں تھی ویسے تندرستی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ دسترخوان پر مجھے بھی انہیں کے کباب یاد آگئے جو انہیں بہت مرغوب تھے۔ کہنے لگے: "ریحان صاحب! بھی کے کباب منگوائیے۔ کیا بتاؤں یہ لکھنؤ چھوڑنے کے بعد نہیں ملتا ورنہ تو مٹنے سے زیادہ اس کے کباب مشہور ہوتے۔"

نیاز صاحب نے اپنی طویل زندگی کا بیشتر زمانہ فتح پور سے باہر گزارا تھا لیکن وطن سے دلچسپی ہمیشہ باقی رہی۔ جب کبھی تشریف لاتے تو نہ جانے کتنی یادیں اُن کے ذہن میں اُبھر آتی تھیں اور وہ مزے لے لے کر بیان کرتے تھے۔ کھانے میں ایک مقامی وکیل بھی شامل تھے۔ اُن سے لڑکیوں کی تعلیم کے متعلق بھی باتیں ہوتی رہیں۔ نیاز صاحب نے فرمایا:

"یہاں لڑکیوں کے انٹر کالج کی بڑی ضرورت ہے۔ اگر آپ میرے ہم خیال ہوں تو میں اپنی ادبی اور مدیرانہ مصروفیت کے باوجود مالی اعانت کے سلسلہ میں لکھنؤ اور بمبئی بھی جا سکتا ہوں اور اپنے متمول دوستوں کو اس کارِ خیر کی طرف متوجہ کر سکتا ہوں۔"

"لڑکیوں کے کالج کی اشد ضرورت ہے۔ اگر آپ بھرپور توجہ کریں تو اچھے نتائج مرتب ہو سکتے ہیں۔" اُن وکیل نے جواب دیا تھا۔

اسی نشست میں نیاز صاحب نے مسلم کالج کی لائبریری کو کتابیں دینے کا وعدہ فرمایا اور پھر جلد ہی پہنچایا۔ اس کے بعد وہ تشریف لائے تھے اور لائبریری بھی دیکھی تھی۔ شاید یہ کتابیں اس وقت تک کیٹلاگ (CATALOGUE) میں درج نہیں ہو سکی تھیں۔ اس بات سے نیاز صاحب کو تکلیف پہنچی تھی اور پھر یہ سلسلہ انھوں نے بند کر دیا۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہتا تو کالج لائبریری قیمتی کتابوں سے مالا مال ہو جاتی۔ اس وقت بھی یہ لائبریری متعدد اچھی کتابوں سے بھری ہوئی ہے اور ضلع کی بہترین لائبریری کہی جا سکتی ہے۔

اسی دوران میں فہرست سے پہلے نیاز ایک [illegible] ادبی شخصیت کا تذکرہ نکل آیا۔ ابرار حسین [illegible] مرحوم اچھے مترجم اور افسانہ نویس تھے لیکن نیاز صاحب کے قریبی دوست ہونے کے [illegible] انہیں ایک وکیل کے محرر کی حیثیت سے جانا جاتا تھا۔ لیکن

[illegible] فروش [illegible] کہلاتے تھے [illegible] لکھنؤ کا کباب فروش۔

نگار و مفتی سلیم کے حال ہی میں۔ نیاز صاحب نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"میں ابرار ہاشمی سے ملنا چاہتا ہوں"

"یہیں اُن کو بلوا لیا جائے گا۔ مومن صاحب نے جواب دیا۔

"میں اپنی وضع کے مطابق اُن کے یہاں خود جاؤں گا۔

نیاز صاحب ابرار ہاشمی کے یہاں چلے گئے تھے، اور میں اُس ملاقات کا عجیب و غریب تاثر اپنے ذہن میں لئے ہوئے گھر چلا آیا تھا۔ یہ بات موضوع سے ذرا ہٹ کر ہے لیکن اس کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ میں دسویں جماعت کا امتحان دے چکا تھا اور چھٹیوں میں میں نے مولوی کی کتابیں گلستان اور بوستان بھی پڑھ لی تھیں۔ اور اس عرصہ میں نگار کے جو پرچے نہیں پڑھ سکا تھا، انہیں بھی پڑھ رہا تھا۔ میرے ایک بزرگ عزیز مطالعہ نیاز سے مجھے دور رکھنا چاہتے تھے۔ اور مجھے نگار کو رغبت سے پڑھتے دیکھ کر سختی سے منع بھی کرتے تھے۔ وہ نیاز صاحب کے خاص نکتہ چیں تھے۔ انہیں لامذہب کہتے تھے۔ لیکن خود انہیں بھی نگار کا بے چینی سے انتظار کرتے اور اسے بشوق پڑھتے دیکھا ہے۔ ایک دن وہ نگار کے تازہ شمارے کے پڑھنے میں مستغرق تھے مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے کہہ دیا۔

"بھلا! اس بگڑے ہوئے پرچے کو آپ خود پڑھتے ہیں اور مجھے منع کرتے ہیں۔

"بیٹا! تم میں ابھی پختگی نہیں آئی، میں تمہیں اس کی مضرتوں سے بچانا چاہتا ہوں، اس لئے منع کرتا ہوں۔ نیاز لکھتا خوب ہے، اس پرانے سال میں بھی وہ مجھے متوجہ کر لیتا ہے۔

نگار کی بات چلی تو ایک بات اور یاد آ گئی۔ نیاز صاحب کو نگار بے حد عزیز تھا، وہ اعلیٰ معیار کے ساتھ اس پرچے کو اب تک چلاتے رہے اور اب کہ ادارت فرمان فتحپوری کے ہاتھوں میں آ گئی ہے، اس کی زندگی کی امید باقی ہے۔ وہ جب تک جیتے رہے اپنے پرچے کے بلند معیار کو قائم رکھا۔ اس سلسلے میں وہ صرف کلام دیکھتے تھے، نہ کسی کی سفارش سنتے اور نہ ہی کسی کے دباؤ میں آتے تھے۔ میرے ایک نیک دل اور مخلص دوست کے کئی مقالے نگار میں چھپ چکے تھے اور وہ مضامین معیاری ہی تھے۔ میں نے ان مضامین کو بڑی اہمیت سے بشوق پڑھا تھا۔ اور جب میں ان کا ذکر تعارف نویس سے ملاقات اُن کی اس کامیابی پر تہنیت پیش کی، وہ صاف گو اور اچھے ادیب بھی تھے۔

"نیاز صاحب کے التفات کو دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ نگار کی ترسیع اشاعت میں اُن کا ہاتھ بٹاؤں، اس سلسلے میں مجھے کامیابی بھی ہوئی۔ اور میں نے نگار کے دس خریدار بنا کے لیکن نیاز صاحب اس بات سے خوش ہونے کے بجائے کبیدہ خاطر ہوئے اور اب ان کا پہلا سا التفات باقی نہیں رہا۔

نیاز صاحب کی کسی ادیب کی طرف سے بے نیازی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی۔ اور میں اُن کی شعری اور نثری تخلیقات نگار میں دیکھتا۔ چند ادب ہم پاشماروں میں زندگی سے تو ہم جگہ لیتے ہیں۔

اب میں جو واقعہ لکھنے جا رہا ہوں اُسے میں نے نیاز صاحب کے ایک قریبی دوست سے سنا تھا اور کافی متاثر ہوا تھا، اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو اپنے کلام سے کتنی دلچسپی تھی۔ نیاز صاحب کو اپنی محبوب بیٹی شوکت کے عین عالم شباب میں دنیا سے اٹھ جانے سے کافی تکلیف پہنچی تھی۔ اور اس اندوہناک حادثے سے متاثر ہو کر انہوں نے ایک نوحہ مضمون بھی سپرد قلم کیا تھا۔ جس کی یاد قارئین نگار کے اذہان سے محو نہیں ہوئی ہوگی۔ یہ المناک واقعہ کافی دنوں تک نیاز صاحب کے دل و دماغ پر چھایا رہا۔ لیکن جیسے ہی انہیں خیال آیا کہ اب یا کم اُن کی ادبی سرگرمیاں ہی اُن کو تسکین دے سکتی ہیں تو وہ اسے بھول جانے کی کوشش کرنے لگے۔ اور اپنے مشغلۂ نوشت و خواند میں اُسی ذوق و شوق سے لگ گئے۔ اُن کے یہاں جو تہواری آتی تھی اسے نیاز صاحب کی بیٹی کا علم نہیں تھا، اس نے آتے ہی بے ساختہ طور پر شوکت کا تذکرہ شروع کیا تو نیاز صاحب نے اسے بات کرنا موقوف کر دیا۔

"کب تک چلے گی یہ بات ختم کرو اس تذکرے کو۔

نومبر ۱۹۶۰ء میں مومن صاحب کان پور منتقل ہو گئے تھے۔ وہاں نیاز صاحب کئی بار تشریف لے گئے اور کسی نہ کسی کام سے آتے تھے انہیں

(بقیہ صفحہ ۳۹۵ پر دیکھئے)

بدیع الزماں خاور

ستم

مری تمنا ہے مدتوں سے
کہ موسم گل کے چند لمحے
گزاروں لاہور کے چمن میں

مری تمنا ہے مدتوں سے
کہ محفل میر کے ترانے
سناؤں وارث کی انجمن میں

مری تمنا ہے مدتوں سے
کہ اک مسافر کی حیثیت سے
میں جاؤں اقبال کے وطن میں

مگر یہ میری حسیں تمنا
جو میرے سینے میں پل رہی ہے
جو میرے دل میں مچل رہی ہے
نہیں ہے محفوظ اس ستم سے
جو سرحدیں مجھ پہ ڈھا رہی ہیں

شاہین الہ آبادی

غزل

ایسے بھی ہوئی رات بسر وقت سے پہلے
خم جیسے ہو مفلس کی کمر وقت سے پہلے

اس صبح کے بھولے کا بھی کچھ نام تو رکھ دو
آجاتا ہے جو لوٹ کے گھر وقت سے پہلے

کرتی ہے ہمیں مصلحتاً آج فروزاں
قندیل سر راہگزر وقت سے پہلے

کیا بات ہے، کیوں اہل نظر اب نہیں دیتے
داد نگہ آئینہ گر وقت سے پہلے

وہ خواب جو ہیں ضامن بیداری انساں
ڈر ہے نہ کہیں جائیں بکھر وقت سے پہلے

اے رخت سفر باندھنے والو یہ ضروری
لو جائزہ عزم سفر وقت سے پہلے

حالات ہوں کیسے بھی منائیں گے نہ ہم لوگ
اے باد سحر، جشن سحر وقت سے پہلے

جز مرگ بھی شاہین ہے علاج غم ہستی
کھل جائیں جو اسرار نظر وقت سے پہلے

عظیم اقبال

نظر نظر کی بات

اور میاں فخر الدین مولوی بن گئے۔
ان کو مولوی بننے [illegible] کچھ زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ عالم فاضل کی سند [illegible] گرلز اسکول میں انھیں ملازمت مل گئی [illegible] طالبات کی تربیت میں [illegible] اسکول کی لیڈی [illegible] برس [illegible]۔ [illegible] مولوی فخر الدین [illegible] محنت اور [illegible] کی تربیت [illegible] جاتی ہے۔

مولوی فخر الدین [illegible] سال [illegible] کہ [illegible] مولوی صاحب [illegible] زندگی [illegible] کے وقت [illegible] مولوی صاحب [illegible]۔

[illegible] مولوی صاحب [illegible] دلچسپ واقعات [illegible]

دیکھتے دیکھتے آہستہ آہستہ [illegible] لیکن ایک بات [illegible] میاں فخر الدین اب ڈیڑھ سال کے تھے [illegible] گرم گرم سی کوئی [illegible] ان کے چہرے پر [illegible] میاں فخر الدین بڑے خوش تھے [illegible] اور وہ ..... مولوی صاحب [illegible] اور بہت سی باتیں [illegible] جب وہ آگے [illegible] ملاقات کا سارا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے اب بھی [illegible]۔

مولوی فخر الدین اس وقت [illegible] کی بات ہے [illegible] میاں فخر الدین [illegible] زندگی [illegible] میاں فخر الدین [illegible] مال و دولت [illegible] کے بعد [illegible] میاں فخر الدین نے [illegible]۔ [illegible]

[illegible] ہو گئے [illegible]!!

شادی کے [illegible] سال کے بعد [illegible]

[illegible] فخر الدین [illegible] میاں

نور الدین [illegible]

[illegible] فخر الدین [illegible]

[illegible] فخر الدین [illegible] نور الدین [illegible]

[illegible] فخر الدین [illegible]

[illegible] فخر الدین [illegible] —

[illegible] فخر الدین [illegible]

[illegible] نور الدین [illegible]

[illegible] فخر الدین [illegible] کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

میاں فخر الدین [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] نور الدین [illegible]

[illegible] فخر الدین [illegible] کے

[illegible] اسکول کے مدرس تھے۔

[illegible]

[illegible] فخر الدین [illegible]

[illegible] مولوی صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible] فخر الدین [illegible]

[illegible]

[illegible] کیا گیا۔

[illegible] مولوی صاحب [illegible] کہ [illegible] ...

مولوی صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] فخر الدین [illegible]

ان کا —

مولوی صاحب کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

مولوی صاحب کے ایک شاگرد [illegible]

[illegible]

[illegible] عبداللہ [illegible] فخر الدین [illegible]

[illegible]

[illegible] مولوی صاحب [illegible]

[illegible] لگا۔

پہلے [illegible] مولوی صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible] انسپکٹر عبداللہ [illegible] فخر الدین [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] مولوی صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible] انسپکٹر عبداللہ [illegible] مولوی صاحب [illegible]

[illegible] مولوی صاحب [illegible]

[illegible] ہے۔

انسپکٹر عبداللہ [illegible] فخر الدین [illegible]

اور انہوں نے اس صورت کے زخموں سے خلیم کھولا۔ مولوی صاحب نے سب کو سمجھا دی۔ چلتے چلاتے رات کا وقت ہو گیا۔ مغرب کی نماز انہوں نے انسپکٹر عبداللہ ہی کے یہاں ادا کی۔ رات کا کھانا بھی بیگم صاحبہ [illegible] ہی اچھا بنا چکی تھی۔

"مولوی صاحب کبھی کبھی آیا کیجئے۔ یہ سب آپ ہی کے بچے ہیں۔ ذرا بچوں کی پڑھائی کا خیال رکھئے۔" انسپکٹر عبداللہ نے کہا۔ پھر انہیں کچھ یاد آیا [illegible] اور مولوی فخرالدین کے جسم پر [illegible] انسپکٹر عبداللہ [illegible] طرف کھینچ چکے تھے۔ اس نے اپنے نوکر کو آواز دی۔

"بھولا [illegible] سکن سے [illegible] برس پہلے سبز رنگ کے [illegible] کوٹ کے [illegible] نکال دیا۔"

بھولا کوٹ لے آیا۔

انسپکٹر عبداللہ نے مولوی فخرالدین کو دیتے ہوئے کہا۔

"مولوی صاحب یہ میں نے صرف تین سال استعمال کیا ہے۔ ذرا سا [illegible] کرا لیجئے گا تو کم سے کم سات آٹھ برس تک آپ کے کام آئے گا۔"

مولوی فخرالدین نے ساری زندگی میں اتنی شرمندگی اور بیچارگی کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ [illegible] آخر اس عبداللہ کے بچے نے کہا ہے۔ [illegible] —— یہ اترن کا کوٹ مجھے دیا ہے کیوں۔ کیوں۔۔! مولوی فخرالدین چلے [illegible] کوٹ [illegible] اترن کا کوٹ۔ یہ عبداللہ [illegible] کا [illegible] نکلا —— بدتمیز کہیں کا۔

مشکل سے وہ خود کو بچا سکے۔

[illegible] کوٹ سے [illegible] مولوی صاحب [illegible] وہ [illegible] کہہ سکے۔

پھر وہ چلے [illegible] جلد قدم اٹھاتے ہوئے [illegible] کی طرف بڑھنے لگے۔

انسپکٹر عبداللہ نے کوٹ اپنے [illegible] رکھا [illegible] چند کہے۔ ۔۔ What a fool

Ill educated, Ill mannered

[illegible]

[illegible]

- انسپکٹر عبداللہ کا جواب سن کر [illegible] کے تمام [illegible] سے باہر نکالا۔

"اوہ تم ہو —— تمہیں سردی نہیں لگتی کیا ——"

"مگر ہم لوگوں کے لئے سردی گرمی سب برابر ہے سرکار —— یہ چادر کافی ہے حضور ——"

"نہیں نہیں۔ سردی بڑی زوروں کی ہے۔ کہیں بات [illegible] تو پھر [illegible] لگ جائے گی۔ لو یہ کوٹ پہن لو۔"

"مہربانی سرکار۔ بھگوان آپ کو اور [illegible]۔ آپ بڑا صاحب سے بھی بڑا صاحب بن جائیں۔ انسپکٹر صاحب کی جے۔"

انسپکٹر عبداللہ کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ رینگ گئی۔ پچھلی قدموں سے [illegible] کر [illegible] سیڑھی چڑھنے لگے۔ [illegible] کا ذہن ہلکا ہو چکا تھا۔

نثار پرویز

"مجھے پہچانتے ہو؟"

مجھے پہچانتے ہو؟ کون ہوں کیا نام ہے میرا
میں پھولوں کی ہنسی ہوں نرم کلیوں کا تبسم ہوں
میں کوئل کی صداؤں اور پپیہے کے ترانوں میں
کنھیا کی مدھر مرلی سے میرا پیار جھلکا ہے
میں رادھا کا تقدس اور سیتا کی نشانی ہوں
میں مریم کی مقدس آنکھ سے ٹپکا ہوا آنسو
میں گوتم کے مہکتے خواب کی تعبیر ہوں جیسے
بھجن میرا کا، تلسی کی کتھا، نانک کا نغمہ ہوں
میں مندر اور مسجد میں، کلیسا، گوردواروں میں
سمندر کے کنارے، بھور کی شیتل ہواؤں میں
یہ محنت کش مچھیرے بھی تو میرے گیت گاتے ہیں
لپٹ جاتے ہیں ننھی کشتیوں کے بادبانوں سے
میں راتوں کی سجاوٹ اور صبحوں کے نظاروں میں
مہکتی، جگمگاتی راکھیوں کی مسکراہٹ میں
میں ہوں گڑیوں کے کھیلوں اور بچوں کے کھلونوں میں
میں بہنوں کا غرور و ناز اور ماں کی دعائیں ہوں
مری تصویر روشن ہے عرق آگیں جبینوں سے
مہکتی ندیوں، کھیتوں نے کھویا نور ہے، یا خون ہے
یہ میں نے مخملیں تاج و اجنتا کی سجائی ہیں
مجازؔ و جعفریؔ، اعجازؔ و اخترؔ کا ترانہ ہوں
سمن، بچن، نرالا اور کرشن کی میں کویتا ہوں
میں بہزاد کی امانت اور باپو کی نشانی ہوں

محبت میرا مذہب، زندگی پیغام ہے میرا
بہاروں کا فسانہ، چاند تاروں کا ترنم ہوں
مرا ہی ذکر ہے حسن و وفا کی داستانوں میں
میری آواز جب گونجی بنی غزل رادھا کا دھڑکا ہے
میں لچھمن کی محبت رام کی زندہ کہانی ہوں۔
میں صبح کی ہوائے دامنِ تقدیس کی خوشبو
عرب کے کملی والے کی حسیں تنویر ہوں جیسے
کبیر و سور داس و چشتی و خسرو کا دوہا ہوں
گرنتھ و بائبل میں، وید میں قرآں کے پاروں میں
سنہری دھوپ میں اور شام کی ٹھنڈی فضاؤں میں
مری آواز کی لہروں پہ یہ کشتی چلاتے ہیں
مری آواز ٹکراتی ہے نیلے آسمانوں سے
میں دیوالی کے دیپوں اور ہولی کی بہاروں میں
جھنکتی پائلوں میں، چوڑیوں کی کھنکھناہٹ میں
میں سو جاتا ہوں اکثر ریت کے سندر گھروندوں میں
چمکتی مانگ کا سیندور ہوں ٹیکے کا نگیں ہوں
مری آواز نغمہ بن کے آتی ہے مشینوں سے
گھنے کنجوں سے اور کٹتی ہوئی فصلوں کے گیتوں سے
ادب کی، علم کی، تہذیب کی شمعیں جلائی ہیں
فراق و فیض اور مخدوم و ساحر کا فسانہ ہوں
فضا میں گونجتا ٹیگور کا شاداب نغمہ ہوں
تلک اور گوکھلے کی جانفشانی کی کہانی ہوں

مجھے یہ وقت کے شعلے بھلا کیسے جلائیں گے
یہ اپنی آگ میں اک روز خود ہی ڈوب جائیں گے

زبان اور ادب کے مسائل ۔

آل احمد سرور

نظم کی زبان

زبان کا تصور سماج کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔ فرد کی اپنی کوئی زبان نہیں ہوتی۔ وہ سماج سے ایک زبان سیکھتا ہے، تحریک کی ہیئت کے بعد مجموعی زبان کی بنیاد بول چال پر ہو۔ زبان سیکھ لی جائے تو یہ ایک عادت بن جاتی ہے۔ زبان میں طبقوں کا فرق بھی جھلکتا ہے، اس میں برابر تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ بقول ماریو پائی کے جس میں زبان کی تبدیلی نہیں ہوتی وہ مردہ ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی صوت میں بھی ہوتی ہے، صرف میں بھی، نحو میں بھی، معنی کے رشتوں میں بھی۔

ہم زبان کے اس تصور کو ذہن میں رکھیں تو ادبی زبان کو اتنا مقدس نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس کی بعض خوبیوں کی خاطر بول چال کی زبان سے اس کی بہت زیادہ دوری گوارا کی جاسکے گی۔ ظاہر ہے کہ ادبی زبان معیاری زبان ہے یہ الفاظ کی بہترین ترتیب کا دوسرا نام ہے یہاں لفظ سائنسی زبان کی طرح صرف علامات کی حیثیت نہیں، بول چال کی [illegible]

کا اظہار تخلیقی ہے، یہ محض نوید تاثر دیتے ہیں، یہ رنگ کے دریچے کھولتے ہیں، فضا کے بے نام پہلو منظر میں احساس و ملال کا اسیر کرتے ہیں۔ مگر رفتہ رفتہ ان میں وہ کہی بات آجاتی ہے جو ان صاف شفاف چاولوں میں ہوتی ہے جن کا حیات بخش جوہر کھینچ لیا گیا ہو۔ مگر ادبی زبان بول چال کی زبان سے منہ موڑتی ہے تو وہ کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ دکھائی دے اس کی مثال ان کاغذی پھولوں کی سی ہے جو دیکھنے کو تو بھلے معلوم ہوتے ہیں، مگر خوشبو نہیں دیتے۔ زندگی کے گرد تاثر کی کھیل بھی بنتی ہیں۔

ایلیٹ نے شاعری کی تین آوازوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلی شاعر کی وہ آواز ہے جب وہ اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے۔ دوسری جب وہ ایک مجمع کو خطاب کرتا ہے۔ اور تیسری جب وہ کسی فرضی یا اصلی کردار کی زبان میں بولتا ہے۔ شاعر جب اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے تو اگرچہ اس وقت بھی وہ سماجی زبان استعمال کرتا ہے مگر ایک طرح سے اس وقت وہ دنیا سے کچھ بے تعلق سا ہو جاتا ہے۔ میرے نزدیک غزل کی زبان اس پہلی آواز کی نمائندگی کرتی ہے۔ ہماری غزل چونکہ صرف دل کی واردات نہیں رہی، اس لیے اس کی زبان بھی صرف شاعر کی خود کلامی تک محدود نہیں رہی بلکہ اس میں دوسری دونوں آوازوں کی لے بھی شامل ہو گئی ہے۔ یا کچھ بھی ہو، مگر غزل میں اصل پہلی آواز کی ترجمانی ہے۔ میں نے دوسری اور تیسری آوازوں کی جھلک ہی نمایاں نہیں کی۔ نظم کی زبان غزل کی زبان سے اس لیے مختلف ہونی چاہیے کہ نظم کا میدان بہت وسیع ہے اس میں نثر کی تعمیری صلاحیت سے کہیں کام لیا جاسکتا ہے، اس میں شاعر کے یہاں صراحت کی ضرورت ہوتی ہے۔

> ہمارے زمانے میں جو زبان کی تو وہ ہیئت موجود ہے کہ وہ ہماری تہذیب بساط کے آئینہ دار ہو سکے۔
>
> ہمارے اس دور کا تقاضا ہے شاعر کو شاعر کی ثقافت، تخیلات اور عظمت ہی میں یقین اور اعتماد پیدا کرنا ہوگا۔

اس میں شاعر کی دوسری اور تیسری آوازوں کی بھی گنجائش ہے اور پہلی آواز میں بھی، اس طرح یہ تینوں مختلف آوازیں مل کر ایک نغمگیت بن جاتی ہیں جو مسرت اور بصیرت کا [illegible] ہے۔

ایلیٹ ہی نے ایک جگہ کہا ہے کہ جس شاعری میں شاعری ہوتی ہے وہ براہ راست زندگی کی طرف جاتا ہے جو شاعر تقلیدی اور خوش بیانی کے شعر کا ہوتا ہے وہ ادب کی طرف۔ [illegible] سکتا ہے

کر سکتا ہے کہ اس کا شاعر روزمرہ زبان استعمال کرتا ہے اور دوسری قسم کا تقابل اُردو شاعری کی زبان پر یہ ہے کہ کتابی ہے اور اس کا بڑی حد تک حصہ غزل پر مشتمل ہے۔

کتابی زبان کی ایک مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ ورڈس ورتھ نے اٹھارہویں صدی کی انگریزی شاعری کی زبان کو مصنوعی کہا اس نے [illegible] دیہاتی زندگی کی بول چال [illegible] کی زبان کو بول چال کی زبان سے قریب لانا چاہا۔ خود اپنی نظموں میں اس نے تجربے بھی کئے جن میں سے کچھ کامیاب ہیں۔ کچھ ناکام [illegible] اصلاح کی مگر اس میں شک نہیں کہ ورڈس ورتھ نے رنگ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اور اس کے اثر سے انگریزی شاعری کو نہ صرف نئی توانائی نئی زندگی ملی بلکہ نیا اسلوب ملا۔

غزل کی زبان کا اثر ایک اور وجہ سے بھی گہرا ہے۔ اُردو کے ہر شاعر کا احساس چند بندھے ٹکے موضوعات ہی کا اظہار کر سکتا ہے۔ رومانی عشق، ہجر، [illegible] دوستی، رسمی اخلاق، محدود تصوف، [illegible] کی عقل پر فوقیت، [illegible] احساس، شہری مزاج، مخصوص مذہبی رنگ۔ یہاں میں صرف فن [illegible] گفتگو نہیں کر رہا ہوں جن معنوں میں [illegible] اُردو شاعری کی زبان پر تنقید کی تھی۔ اور [illegible] شاعری کی کمی کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ میں تو یہ [illegible] کے محدود ہونے کی بات کر رہا ہوں [illegible] احساس نہیں ہے۔ اور جو تبدیلی [illegible] زیادہ کرتا ہے [illegible] تک محدود [illegible] اور اس کے محدود ہو جانے [illegible] غزل کی زبان [illegible] خیالات، اس کی سماجی اور اخلاقی [illegible] انکار نہیں، مگر [illegible] صرف نشتر [illegible] صرف نشتر پر زیادہ فخر کرنے سے کام نہیں چلے گا۔

نظم کی زبان کی بنیاد بے شک بول چال کی زبان پر ہونی چاہیئے۔ [illegible] کی ایک شاخ ہے اس لئے بول چال کی زبان کی بے پروائی اور نظمی اسکے نشیب و فراز [illegible] کی بھی [illegible] ہے [illegible] ترتیب یا حیدر کی [illegible] اس طرح [illegible] جذبے سے بھرپور [illegible] سب [illegible] اس کی مخصوص اصطلاحیں [illegible] اس کا سوتا [illegible] اس کی [illegible] نکل جائے۔ یہ بھی ایک نہیں ہونی چاہیئے کہ اس میں صرف [illegible] ہی ہو سکے [illegible] بلکہ [illegible] نکل آئے اور اس طرح [illegible] کا اہتمام ہو سکے۔ اس زبان کو فارسی، عربی یا سنسکرت کی قواعد سے بھی تمام تر آزاد ہونا پڑے گا۔

شاعروں کو اپنی بات کہنے اور منوانے کے لئے اشاروں، کنایوں، [illegible] حیرت ناک جلووں کے بجائے مسلسل اظہار، تیری [illegible] انجام کو [illegible] کے ملک [illegible] مقصد کو اپنانا پڑے گا۔ اور اس نے نظم کو ایک [illegible] مثنوی، مسدس [illegible] پابندیوں ہی سے مربوط بندوں سے آگے بڑھ کر بے قافیہ یا آزاد نظم کا راستہ بھی دینا پڑے گا۔

یہاں ردیف اور قافیہ کو ترک کر دینے کا سوال نہیں ہے نہ پابند شاعری کو ادب بدر کرنے کی تجویز ہے میں تو سلطنت الشعراء کی طرح یہ بھی کہنا کہ ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ غزل کی گردن بے تکلف مار دینا چاہیئے۔ یہاں صرف زبان اور فن کے تقاضوں کا سوال ہے اگر ہمارے اصناف سخن سے قافیے، ردیف اور بحر وغیرہ کی یہ آمریت کم ہو جائے جس کے شکنجے میں [illegible] نکل جاتا ہے۔ اور جہاں کی ہر چیزوں کی [illegible] رہتے ہیں [illegible] ہو کر نہ پڑے [illegible] خیالات پر [illegible] باندھے پڑیں گے نہ اس کو [illegible] قافیہ [illegible] کی [illegible] وجہ سے کچھ سے کچھ ہو جائے گا۔ بلکہ اسے اپنی پوری تاثیر اور تیزی سے ادا کرنے کا [illegible] بے قافیہ اور آزاد نظم ہی کی کوشش اور کامیاب ہوتی اگر اس کی بنیاد بول چال کی زبان پر قائم ہوتی مگر نہ صرف اس کی بنیاد بول چال کی زبان پر نہیں رکھی گئی بلکہ اس کے موضوعات بھی اکثر ایسے چنے گئے جو عام زندگی کے موضوعات نہیں تھے۔ یہ کچھ مریض اور [illegible] ذہنوں کی بے راہ روی کا مجموعہ بن کے رہ گئے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ اُردو شاعری کی زبان بدیسی ہے لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ اُردو شاعری کی زبان مجموعی طور پر ہمارے دیس کی [illegible] یعنی شمالی ہند کے شہروں کے متوسط طبقے کے فکر و ذہن کی نمائندگی کرتی ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جس طرح [illegible]

شاعری محض ہونے کی وجہ سے کہ عام فہم ہے ہماری طرح سے ہماری شاعری نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ماننا ہوگا کہ ہماری زبان میں اس کی ہندی کی اہمیت اور جگہ ہے کہ وہ ہماری تہذیبی لباس کی آئینہ داری کر سکے۔ ہاں اس کے لئے ہمارے شاعروں کو شاعری کی لطافت نظافت وہ عظمت میں یقین اور اعتماد پیدا کرنا ہوگا۔ ہمیں الفاظ کی صحت اور غلطی کے معیار کو بدلنا ہوگا اگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ہمارے معیار کی پیروی ہی نہ ہو۔ ہاں ہمیں خالص اردو ہونگی ———— ہمیں فارسی تراکیب کی بیساکھی کا اتنا سہارا لینے کی ضرورت نہ ہوگی ———— کیونکہ بیساکھیاں ایک حد تک اپنے پیروں میں طاقت کی کمی کا بھی ثبوت ہیں۔ ہمیں بحروں قافیوں ردیفوں تو تمام اصناف سخن کی تنگ بندی وغیرہ سے بھی خاص طور پر واقف ہونا پڑے گا۔ ہمیں نظم کو اس قابل بنانا پڑے گا کہ وہ ایک طرف دھرتی پر چل پانے ہونے کسان کے ذہن کی ترجمانی کر سکے۔ اور دوسری طرف ان خلاؤں [illegible] کے ذہن کی عکاسی بھی، جو زمین کے حسن کشش [illegible] سے آزاد ہو کر [illegible] ہیں۔ اس کے لئے ہمارا [illegible] زبان کا محدود سرمایہ کافی نہ ہوگا بلکہ بول چال کی زبان کی بنیاد کے ساتھ جدید علمی زبان سے کہیں کہیں مدد لینی پڑے گی خوبصورت بندشوں کی [illegible] کے گورکھ دھندے سے اور زیادہ [illegible] اٹھانا پڑے گا۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جدید نظم اگر ہم زیادہ [illegible] کی عکاسی کرنے لگے تو یہ اور بھی مشکل ہو جائے گی، وہ غلطی پر ہیں۔ یہ مشکل ہماری [illegible] کے لئے ہے۔ اس ذہن کے لئے نہیں جو ایک طرف اپنے تہذیبی سرمایہ سے واقف ہے دوسری طرف جدید علمی دنیا کے کارناموں سے بھی۔ جو [illegible] شکل اور شعور [illegible] ہے تو وہ ایک [illegible] کی تفریح یا اس کی الجھنوں اور خیالی لہروں کی قسم بندی بن کر رہ جاتی ہے۔ یہ وہ منزل ہے جہاں شاعر [illegible] کا حصہ توڑ دیتا ہے اور اپنی ذات کو کائنات سمجھنے لگتا ہے۔ اردو شاعری کو نئے بھرے کائنات کے اس حصے میں داخل ہونا ہے جس میں سات [illegible] شامل ہیں اور جس میں انسان آج [illegible] ابدی کے [illegible] زبان میں ایک نیا جوش پیدا کرتا ہے تاکہ [illegible] سرزمین پر اپنی جگہ بناتی ہے اور اسی اپنی [illegible] تیرے ذہن کی تشکیل [illegible] ہے بلکہ تیرے کو بھی [illegible] دے سیاست، مذہب، جنس کی [illegible] تک پہنچتا ہے۔ اور انسانیت پر وہ اعتقاد اور اپنے فن پر وہ اعتماد پیدا کرنا ہے جو [illegible] بھی نجات بھی۔ غالب اور اقبال سے ہم بہت آگے نکل چکے۔ میر، نظیر، حالی سے ابھی بہت آگے نکلے ہیں [illegible] ہماری شاعری کے اس حصے میں جو کے اور ہماری تہذیب اور تاریخ کے کتنے ہی [illegible] ہیں۔ اس خوبصورت احساس تو ہے مگر یہ بھی عام نہیں ہوا۔ اس لئے ہمیں اپنے گزشتہ [illegible] کو اب میدان میں [illegible] چاہیے۔ کیونکہ ہمیں کچھ چراغ تو جلانے ہیں ———— مگر [illegible] کے چلتے بھی ہیں [illegible] آتی جا رہی ہے [illegible] جس طرح [illegible] کی ترجمانی کرتی رہی ہے [illegible] تہذیب کے ہر قسم کی بھی ترجمانی کر سکے گی۔ اس [illegible] کی طرف میلان شروع ہو گیا ہے، اب ہمارا فرض یہ ہے کہ اسے اور آگے بڑھائیں، حتیٰ کہ یہ ہمارا نمائندہ انداز بن جائے

(ہماری زبان)

(بقیہ نیاز فتحپوری چند یادیں صفحہ ۴۶)

کا [illegible] میں آرام وہ جگہ بھی [illegible] کے لئے مل سکتی تھی لیکن وہ ہمیشہ ماموں صاحب کے یہاں قیام کرتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ تنگ زینے سے چڑھ کر اوپر جانے میں تکلیف اٹھاتے ہیں، لیکن وہیں جا کر دونوں وقت کھانا کھاتے تھے۔ وہ بچوں سے زیادہ [illegible] دلچسپی لیتے تھے۔ اور مجھ پر شفقت فرماتے تھے۔ وہ میرے ماموں زاد بھائی ظفر [illegible] صدیقی سے کافی خوش رہتے تھے۔ وہ جب تک لندن نہیں چلے گئے بہار شریف [illegible] حاصل رہا، اس کے نام انہوں نے اکثر اپنے مخصوص انداز میں خط لکھے ہیں جو قابل ذکر ہیں۔ پھر وہ اچانک پاکستان چلے گئے، ان کا [illegible] کا خطاب [illegible] خاموشی سے پاکستان چلے جانا ایک ایسی بات نہیں تھی جسے ہر شخص نے محسوس کیا اور خود نیاز صاحب کو بھی اعتراف کرنا پڑا۔ حکومت ہند نے میری جتنی قدر افزائی کی اس کا [illegible] جان [illegible]" بہر حال نیاز صاحب [illegible] کر کے ایک تلخ یاد بھی چھوڑ گئے۔ لیکن ان کی ادبی [illegible] ہیں۔

[illegible]

غزل

پردۂ شعر میں ہم سوزِ نہاں کہتے ہیں
بات جو بھی ہو بعنوانِ بیاں کہتے ہیں

خیر نغموں کا تو کیا ذکر کہ اب اہلِ چمن
میری خاموشیِ لب کو بھی فغاں کہتے ہیں

تشنگی عام ہوئی جاتی ہے جس کے باعث
لوگ آخر اُسے کیوں پیرِ مغاں کہتے ہیں

اپنے حالات بھی ہیں قابلِ اظہار مگر
ہم جو کہتے ہیں تو روداد جہاں کہتے ہیں

اہلِ گلشن کو کسی سے نہیں شکوہ، لیکن
اُن سے نالاں ہیں خزاں کو جو خزاں کہتے ہیں

وقفِ پیکار ہے حالات سے انسان مگر
ہم سے عاجز ہیں اسے امن و اماں کہتے ہیں

وہ جو چلتے ہیں تو کیا کچھ نہیں کہتے، لیکن
جس کا امکان ہے وہ بات کہاں کہتے ہیں

آدمی ڈوب گیا اپنے لہو میں رازی
اور ہم قصۂ رخسارِ بتاں کہتے ہیں

امیر چند بہار

غزل

بدلیں گے رُخ اپنا کب یہ ماہ یہ سال آخر
کب تک ہمیں ہنسائے یوں غم سے نڈھال آخر

کیا حد سے گزرنا ہے اے مستِ کمال آخر
ہر چیز کو دنیا میں لازم ہے زوال آخر

وہ سطوتِ قیصر ہو یا حشمتِ اسکندر
مل جاتا ہے مٹی میں سب جاہ و جلال آخر

میں تجھکو بتاتا ہوں کیا عشق میں ہوتا ہے
ارمانِ طلب اوّل، اندوہ و ملال آخر

محرومی و ناکامی، دل سوزی و جاں کاہی
ہوتا ہے محبت کا اکثر یہ مآل آخر

موہوم سا اک جذبہ دل میں جو رہا پنہاں
آتا ہے مرے لب پر بن کر وہ سوال آخر

زیبِ ورقِ دل ہے یہ قولِ بہار اپنا
تکمیلِ ریاض اوّل، تحصیلِ کمال آخر

تحریر:- ہمایوں کبیر

ترجمہ:- مبین قادری

انسان اور روٹی

چھ ماہ پہلے ایک شب مساعی نہر ال گئی اور سورج کی تمازت
بادلوں کی تاب نہ لا کر نہ جانے کہاں غائب ہو گئی۔ جیسے تیل کے
ختم ہونے پر چراغ کی جوت گم ہو جاتی ہے۔ یا پھر جیسے کوئی ظالم اپ
لہلہاتے پودے بیچ کر غضبناک سرخ آنکھوں سے دیکھے اور جسم
کرجیسے ہو جائے، رو نا ہنکار سے اور آنسو پی جائے۔

ہمارے خشک کنارے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کی گرد
سے اٹی ہوئی گلیوں میں کالے گورے بھورے ننگ دھڑنگ بچے
کھیل رہے ہیں۔ یہ بچے کھیل رہے ہیں اس سے کم ہی نا مٹے پر
پلے ہیں کہ اصغر میاں بھی بٹ رہے ہیں جن کی امنگ کوشش ہے
کہ وہ جلد سے جلد تیار ہو جائیں تاکہ شہر جا کر نوکری اور کسی نہ کسی
طرح ایک سے شمال ہی جا کے کھانے پینے کا کچھ بندوبست کریں
جلدی ہی جو کھیلے ہیں اور دنیا سے دور پر لیٹا کرتے ہیں اور ابھی
انہی سموسوں کی کوئی مثال ابھی نہیں ہے۔ مثل اگر ان کی بھوک کا ہے۔
روٹی کا اس کا خواہش کا جو صدا جلے کر ماں باپ سے شکایت کرنا ہے میں
اور کھوکھلا ہے اور اس سے جسم کو اس کی اصلی طرح دکھا دیتی ہے۔

ہمارے مشرقی ساحل پر واقع اس گاؤں میں کسی کو بھی کوئی مشکل
آسان نہیں ہے۔ سب کے سب ایک حالت زمین کے بیٹے جو سالہا
سال سے کھیتی باڑی کرتے چلے آ رہے ہیں پیٹ کم پالتے تھے اور شہر کے
بیوپاری ان کی محنت کا پھل یہاں زیادہ لے رہے ہیں۔ کس قدر برے
دن ہیں لوگ کچھ سمجھ نہیں سکتے کہ پھر بھی ان کے ہوتے ہیں جو ان میں نہیں
آتا۔ مگر ان لوگوں کو کھو دیا گیا ہے۔ بھوک اور فاقے دیا گیا ہے
مطلب یہ کہ ان لوگوں کو بھی پیٹ بھر ملتا رہا ہے تو وہ بارش کے بادلوں
کو دیکھتے ہیں۔ بیمار ادھر کا ادھر ہے لیکن ابھی تک آسمان سے

بلند بھی نہیں ہوئی۔ کھیتوں کے موٹے پر پڑی سی جم گئی تھی کہ ان
کے حلق سوکھنے لگے تھے۔ بیلوں کی تو حالت کھٹ کر رہ گئی تھی۔ کبھی
جہاں ہریالی تھی سبزہ تھا، ٹہرا ہوا پانی تھا، اب وہاں ریت اور بھورے میل تھے۔ اب
وہاں دھول اڑتی تھی۔ اصغر میاں جب اپنے بچوں میں گھر کے
بھرے ہوئے دیکھتے تو ایک لمحے کے لئے ان کے دل کی دھڑکن
بند سی ہو جاتی۔ لیکن وہ خود کو تسلیاں دے لیتے تھے وہ امید بھرے
دل سے سوچنے لگتے تھے۔ بارش ضرور ہو گی۔ کالے کالے بادل ضرور
چھائیں گے۔ پورے گاؤں میں اصغر میاں ہی ایسے آدمی تھے جو کسی حد
تک معقول، صابر، نیک اور رحم دل تھے اور ان کی اسی قناعت پسندی
اور رحم دلی کی وجہ سے گاؤں کے بوڑھے جوان اور بچے سب ہی
ان کا احترام کرتے تھے۔

خشک سالی کا پہلا سال تو کسی نہ کسی طرح گزر ہی گیا۔ اصغر میاں
کی یہ خوش نصیبی ہی تو تھی کہ ان کا کھیت دریا کے ساحل سے ملا ہوا
تھا۔ لیکن اب دریا بھی خشک ہو چکا تھا۔ اصغر میاں نے متفکر نگاہوں سے
آسمان کی طرف دیکھا۔ جہاں کالے کالے بادل تو کجا سفید روئی کے
گالے بھی نہ تھے جو کبھی کبھی آسمان پر نظر آیا کرتے تھے۔ اس وقت تو جہاں تک
جہاں تک نگاہوں کی پہنچ تھی نیلا ہی نیلا آسمان تھا۔ معلوم ہوتا تھا آسمان
کورا ہو گیا ہے۔ یہ پانی کیوں نہیں برساتا؟ اصغر میاں نے دل ہی دل
میں سوچا۔ گویا ان کی یہ آواز آسمان کی لامحدود وسعتوں میں گم ہو کر رہ گئی۔
اصغر میاں نے اپنا کھیتی اٹھائی اور کھیت کو پُرغم نگاہوں سے دیکھا۔ لیکن
وہاں سوکھے کالے مٹی کے ڈھیلوں اور تھوڑے سے خشک مینڈھوں کے سوا
کچھ نہ تھا۔ ان کی آنکھیں بے اختیار رو دینا چاہتی تھیں۔ جگر کے ٹکڑوں جیسے آنسو
کہاں تھے؟ وہ تو ان کالے کالے کھیتوں نے اپنے اندر جذب کر لئے تھے۔

ہمزبانوں کی اس حالت کو کچھ شبہ کی نظر سے [illegible] دیکھ رہے
لوگوں کے۔ کل کی بات ہے جب ہمزبان [illegible] گھر کے سامنے
سے گذر رہے تھے تو انہیں اس کے بچوں کے رونے کی آواز آئی۔ ایک
بچہ رو رو کر کہہ رہا تھا ... مجھے بھوک لگی ہے روٹی دو ... ماں مجھے
روٹی دو۔ لیکن ماں نے روٹی دینے کے بجائے غصے میں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] جیسے زہروں سے بھرے
ہیں۔ جیسے [illegible] سے ہماری [illegible] ہیں۔
لیکن [illegible] جب دوسرے سال [illegible] برسیں
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] بد جلد سے
[illegible] لیکن جب [illegible]
[illegible] اگر [illegible]
[illegible] سے ہی چیا جائے۔

ہمزبان [illegible] کے صفت تھے
[illegible] کی وجہ سے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اور ... پھر انسان ہی
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہمزبانوں سے
[illegible]
[illegible]
[illegible]

کہہ کر [illegible] لیکن ہمزبان نے [illegible]
سے [illegible] کر دیا۔ جب [illegible]
[illegible]
سب [illegible] ہمزبان نے [illegible]
[illegible] سے [illegible] تھے۔

(اناطولی [illegible] انگریزی سے) ○○

آئندہ شمارہ اگست ۶۶ء

چند لکھنے والے ●

کرشن موہن	ڈاکٹر [illegible]	مہندر ناتھ	سلام مچھلی شہری
یوسف ناظم	احمد جمال پاشا	اظہر افسر	مظفر حنفی
متین سروش	اکرام جاوید	ناز [illegible]	آغا وحید مرزا
[illegible]	ندا فاضلی	محسن زیدی	[illegible]

اور بہت سے دوسرے قلم کار

بقیہ صفحہ ۶۱ — اگر [illegible] صرف تین دن [illegible]
[illegible]
[illegible] اور اسی طرح [illegible]
[illegible]
[illegible] ہو۔
[illegible]
[illegible]
[illegible]
یعنی آپ کا [illegible] ثابت ہو گی۔

غزلیں

شاہد کبیر

ہم کہاں جُبّہ و دستار سے پہچانتے ہیں
آدمی کو کسی معیار سے پہچانتے ہیں
کیا عجب جو انھیں میرا ٹھکانہ نہ ملا
لوگ گھر کو در و دیوار سے پہچانتے ہیں
مرکزِ علم و تجارت ہو کہ گہوارۂ فن
شہر کو کوچہ و بازار سے پہچانتے ہیں
کسی کوچے میں ملے یا کسی میخانے میں
زندگی ہم تجھے کس پیار سے پہچانتے ہیں
مجھ کو شاہد وہی اک شوخ نہ پہچان سکا
لوگ جس کو مرے اشعار سے پہچانتے ہیں

نعیم صدیقی چنوری

مسیح سے نہ کسی چارہ گر سے ملتا ہے
سکونِ قلب تمہاری نظر سے ملتا ہے
حیات کیا ہے گھڑی دو گھڑی کا وقفہ ہے
سبق حیات کا رقصِ شرر سے ملتا ہے
خدا دراز نسیمِ سحر کی عمر کرے
پتا تمہارا نسیمِ سحر سے ملتا ہے
تمہاری بزم میں چرچے ہیں خیر کے لیکن
تمہاری بزم کا دستور شر سے ملتا ہے
نعیم واقعہ یہ ہے کہ امن دنیا کو
انھیں کے سایۂ دیوار و در سے ملتا ہے

قیس رامپوری

کبھی جفا ہے، کبھی پیکرِ وفا ہے کوئی
مری حیات بھی شاید تری ادا ہے کوئی
ترا ہر ایک ستم ابتدا سہی، لیکن
اِس ابتدا کی بھی اے دوست انتہا ہے کوئی
تری تلاش، تری جستجو میں یہ تو ہوا!
ہمیں ہمی کے فسانے سنا رہا ہے کوئی
نہ ہو سکے تو نہ ہو تم سے درد کا درماں
خوشی تو یہ ہے کہ ہاں درد آشنا ہے کوئی
تمہارے عشق میں دیر و حرم سے بچا کر
فرازِ دار سے آگے نکل گیا ہے کوئی
دیارِ وصل میں آکر پتہ چلا اے قیس
غریبِ شہر کو ہنس کر نہ دیکھتا ہے کوئی

مس ہیلن کیلر

اگر مجھے صرف تین دن کیلئے آنکھیں مل جائیں

مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہوتی اگر ہر انسان کسی بلوغت کو پہنچنے کے بعد صرف چند دن کیلئے اندھا اور بہرا ہو جایا کرتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اندھیرے اور تاریکی کے بعد اسے روشنی کا صحیح ادراک ہو سکتا اور بہرے رہنے کے بعد اسے آوازوں کے ارتعاش اور زیر و بم کا صحیح لطف حاصل ہو سکتا۔

میں اکثر دیکھنے والوں کی قوتِ مشاہدہ کی جانچ کرتی رہتی ہوں۔ حال ہی میں میں نے اپنی ایک سہیلی سے پوچھا۔

"تم نے جنگل سے گزرتے وقت کیا کیا دیکھا؟"

اور میری سہیلی نے مسکرا کر کہا

"کوئی خاص چیز نہیں۔"

میں سوچتی ہوں بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان ایک گھنٹہ تک کسی جنگل میں گھومے اور کوئی قابل ذکر چیز نہ دیکھے؟ — میں — جو کہ مکمل اندھی ہوں صرف چھونے سے ہی سینکڑوں دلچسپ چیزوں کا احساس کر سکتی ہوں۔ درختوں کی نازک نازک پتیاں اور ان کا حسن محسوس کر سکتی ہوں، کھلنے والی کلیوں کا جذبۂ نمو جب قدرت انگڑائی لے کر بیدار ہو رہی ہو۔

کبھی کبھی میں کسی ننھے سے پودے کی شاخوں سے لپٹے ہوئے پتوں کو مس کرتی ہوں اور میرے اندر زندگی کے پھلنے پھولنے اور آگے بڑھنے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ بعض اوقات ان چیزوں کو چھونے میں میں کیا محسوس کرتی ہوں۔ دیکھنے کا خیال ہی بڑی فرحت کا باعث ہوتا ہے۔ جو چیزیں صرف مس سے ایسی مسرت بخشتی ہیں اگر انہیں میں دیکھ سکوں تو ——— میں نے تصور کیا

تصور میں اکثر سوچا ہے کہ اگر مجھے صرف تین دن کیلئے آنکھیں مل جائیں تو میں وہ تین دن کیا کچھ دیکھنے میں گزاروں۔

میں ان تین دنوں کو تین حصوں میں تقسیم کروں۔ پہلا دن میں انسانوں کو دیکھنے میں گزاروں۔ وہ انسان جو میرے ارد گرد بستے ہیں اور جن کی محبت میں رہ کر زندگی کتنی پیاری اور کتنی حسین معلوم ہوتی ہے۔ میرے تصور میں یہ نہیں آ سکتا کہ صرف آنکھوں کے پیالوں میں جھانک کر کسی دوست کی روح میں جھانکا جائے تو کیا محسوس ہوتا ہے۔ تین دن اگر میں صرف تین دن کے لئے بینائی حاصل کر سکتی۔

میرا پہلا دن بہت مصروف دن ہوگا میں اپنے تمام دوستوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کے چہروں کو غور سے دیکھتی۔ ان کے خدوخال میں جھانکنے کی کوشش کرتی اور ان کے چھپے ہوئے احساسات کو سمجھنے کی کوشش کرتی۔ میں کسی ننھے معصوم بچے کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر دیتی اور دیکھتی کہ معصومیت، تجسس اور زندگی کے اولین مراحل نے اسے کتنا حسین بنا دیا ہے۔ میں ان کتابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کتنی خوش ہوتی جن کا تذکرہ ابھی تک صرف دوسرے مجھے پڑھ کر سناتے رہے تھے اور جنہوں نے مجھے انسانیت کے گہرے درد سے آشنا کیا ہے۔

اس سہ پہر میں بڑے بڑے کھیتوں اور جنگلوں میں نکل جاتی اور جی بھر کر قدرت کے لامتناہی حسن کا نظارہ کرتی اور پھر غروبِ آفتاب کے پر عظمت منظر کا انتظار کرتی۔ شاید اس پہلی رات مجھے بے تابی کی وجہ سے نیند نہ آتی۔

دوسرے دن طلوعِ فجر کے ساتھ میں اٹھ جاتی اور اپنی

آنکھوں سے معذوری کی تلافی میں عظیم ہستیوں بھی مصنفات کی
ساری تصویروں کی کتابیں کے طالب کا مشاہدہ کرتی اور پھر جا کر
سڑک سے ہوتے ہوئے گھر لوٹ آتی ... دلکش منظر ...
... زمین کا ... میں زندگی کی ہر
... دیتی ہیں۔

دوسرا دن میں دنیا اور کائنات کے اسرار جاننے میں گزارتی
دنیا جو گذر چکی ہے اور دنیا جو موجود ہے۔ اس لئے میں سیدھی گھر
عجائب گھر جاتی۔ عجائب گھر میں مجھے صدیوں پرانے انسانوں کے
ڈھانچے، ان کے مکانات، ان کے کھانے پینے کے برتن دکھائی دیتے
اور میں انسان کی عظمت کا اندازہ لگاتی۔

میری دوسری منزل فنون لطیفہ کا عجائب گھر ہوتا جہاں تک
میں صرف ہاتھوں کے لمس سے تصویروں کا حسن اور مجسموں کا حسن
محسوس کر پاتی ہوں۔ اب مجھے کاش کہ انہیں دیکھنے کی مہلت ملتی۔
میں خواتین مصر کو دیکھتی اہرام کی عظمتوں کو محسوس کرتی۔
مصوری ایک ایسا فن ہے جو مجھے بہت پسند ہے۔ ... سے مجھے بہت
لگاؤ ہے ... نا بینا ہونے
کے ... میرے سامنے مصوروں کے شاہکار ہوتے اور
میں ... عجیب بالیدگی محسوس کرتی۔ اس
... کو سمجھنے کیلئے نگاہوں
کی تربیت اور تہذیب بہت ضروری ہے۔

دوسرے دن کی شام میں کسی تھیٹر یا فلم دیکھنے میں گزار دیتی۔
کتنا لطف آتا جب میں خود اپنی آنکھوں سے ... دیکھتی۔
ہاں موسیقی کو میں اب بھی کچھ زیادہ نہیں کھو پاتی ہوں۔ صرف
ہاتھوں سے چھو کر سازوں کے ارتعاش کے احساس میں مجھے
کچھ لطف آتا ہے۔ یا موسیقی کی لہریں جب زمین سے گزرتی ہیں
تو میں ایک عالم کی کیفیت محسوس کرتی ہوں۔

تیسرے دن بھی میں طلوع صبح کا استقبال کرتی اور ایک بار
پھر مجھے ... کا سا لطف حاصل ہوتا۔ اس تیسرے دن میں پھر
زندگی کے ہنگاموں ... بسر کرتی۔

... شہر کے ... کے ... آتے
جاتے ہوئے انسانوں کو قریب سے دیکھتی ... زندگی کی ... و
... مجھے ایک نیا سبق بخشتیں۔

موسم بہار ... سے ظاہر ہو ... مجھ میں خود اعتمادی پیدا کرتیں۔
اور مجھے فخر محسوس ہوتا۔ افسردہ چہروں کو دیکھ کر میرا دل تڑپ
اٹھتا۔ شاید عورتوں کے رنگ برنگ ریشمیں لباسوں کو دیکھ کر
میری نگاہیں کبھی نہ تھکتیں اور کون جانے خود میں بھی انتخاب کرنے
کے بعد کوئی رنگین اور شوخ رنگ کا لباس پہنتی۔ اس کے بعد میں
شہر کے مختلف حصوں میں جاتی۔ جہاں کہیں بنگلے ہیں کہیں
ہیں خوبصورت لان ہیں صاف ستھرے کھیلتے ہوئے بچے ہیں اور کہیں
گلیاں گندی پڑی ہیں۔ گندگی ہے افلاس ہے حسرت ... کی بیٹھکیں
میرے مشاہدے کو وسیع اور مجھے انسانی زندگی سے اور قریب کرتیں۔

اب میرے تیسرے دن کا اختتام قریب ہوتا۔ شاید میں جاگ
کر ... داخل ہو جاتی اور کوئی کامیڈی فلم دیکھتی اور سوچتی
کہ زندگی بھی ایک ایسی ہی فلم ہے۔

پھر نصف رات کو ایک لمبی اندھیرے کی رات مجھ پر مسلط ہو جاتی۔
اور میں ... سے اندھیروں کی گود میں آ گرتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان
چند دنوں میں وہ سب کچھ جو دیکھنا چاہتی تھی نہ دیکھ سکی اور اس کا
شدید احساس مجھے اس وقت ہوتا جب میرے چاروں طرف پھر اندھیرے
کی دنیا ہوتی۔

شاید یہ تین دن کا پروگرام جو میں نے اپنے لئے سوچا ہے
آپ کے لئے موزوں نہ ہو اگر آپ تین دن کیلئے اندھے ہو جائیں۔
بہرحال یہ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ کو ایسا حادثہ پیش آ جائے یعنی آپ
صرف تین دن کیلئے اندھے رہنے کے بعد اپنی بینائی حاصل کریں
تو ہر ہر اس کائنات کی شے میں آپ کی دلچسپی کہیں زیادہ بڑھ جائیگی۔
آپ کی نگاہیں ایک ایک شے کو ... زندگی سے آپ کی محبت
بڑھ جائے گی اور آپ کے ذہنی افق پر ایک نئی صبح طلوع ہوگی۔

میں جو کہ اندھی ہوں آپ جیسے آنکھوں والوں سے یہ
کہنا چاہتی ہوں کہ خدارا اپنی آنکھوں سے کائنات کی ایک ایک چیز
کو دیکھئے۔ جیسے خدا نہ کرے کل ہی آپ اندھے ہونے والے ہوں۔
اور یہی بات دوسرے حواس خمسہ کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے
پرندوں کی چہچہاہٹ، سازوں کی نغمگی، آواز کا ترنم، جھینگروں کا ترنم
... ہواؤں کی سنسناہٹ کو اس طرح غور سے سنئے جیسے
آپ کل ہی بہرے ہونے والے ہوں۔ ہر شے کو اس طرح والہانہ طور
پر چھو کر لمس لطیف حاصل کیجئے جیسے یہ لمس کی قوت کل ... ہے

(بقیہ صفحہ ۸۸ پر دیکھئے)

قطعہ
تحریر از عشرتؔ قدوسی کاظمی
۱۹۶۶ء

تاریخ ہائے الم انگیز

بروفات حسرت آیات مولانا نیاز
۱۹۶۶

نقادِ عظیم اردو
۱۳۸۶

آج بے شک رہنمائے معتبر جاتا رہا (۱۹۶۶)	یہ قلق ہے جانِ اربابِ ہنر جاتا رہا (۱۳۸۶)
آہ! یارو! کس قدر مغموم ہے اردو ادب (۱۹۶۶)	رو رہا ہے دل ادیبِ نامور جاتا رہا (۱۳۸۶)
آہ! سچے دل سے تھا جو آج شیدائے غزل (۱۹۶۶)	ہائے صادق گیسو آرائے ہنر جاتا رہا (۱۳۸۶)
دیکھئے تو رو رہا ہے خون کے آنسو نگار (۱۹۶۶)	باکمالِ فن مدیرِ نامور جاتا رہا (۱۳۸۶)
ہے کہاں نقادِ فن؟ ہائے وہ بنائے سخن (۱۹۶۶)	ہے الم! اردو کا وہ بھی چارہ گر جاتا رہا (۱۳۸۶)
آہ! تھا ادیب جو عقدہ کشائے مشکلات (۱۹۶۶)	رو رہے ہیں آج ہم! وہ دیدہ ور جاتا رہا (۱۳۸۶)
وا دریغا! کون ہے جو آج ہے گوہر شناس (۱۹۶۶)	صد الم! اب ماہرِ لعل و گہر جاتا رہا (۱۳۸۶)
یہ بھی سچ ہے ایسا اِک تھا نہیں منزل شناس (۱۹۶۶)	حیف و حسرت! آج حق بیں راہبر جاتا رہا (۱۳۸۶)
اہلِ باطن مردِ میداں جو کہ تھا یاروں کا یار (۱۳۸۶)	کیا بتائیں ہائے اب وہ نکتہ گر جاتا رہا (۱۹۶۶)
آہ! وہ کہ دور میں دلدادۂ تحقیق تھا (۱۳۹۶)	آہ! صادق آہ! مخلص حق نگر جاتا رہا (۱۹۶۶)
جس کی ہستی پر تھے نازاں آج ہم اہلِ ادب (۱۳۸۶)	آہ! وہ بھی اہلِ دل صاحب نظر جاتا رہا (۱۹۶۶)
آہ! بے شک نازشِ فن بھی وہی اک تھا عزیز (۱۳۸۶)	حیف! صد افسوس! ہمدرد معتبر جاتا رہا (۱۹۶۶)

ہائے ہائے ہوش جاتے ہیں قسمت کو عشرتؔ (۱۳۸۶)
آج صد افسوس مردِ باخبر جاتا رہا (۱۹۶۶ء)

مکتوبات

ل۔ احمد —— ۲۷، کوٹو لین اسٹریٹ کلکتہ ۱

شاعر کا پرچہ موصول ہوا۔
نیاز صاحب پر پہلا مضمون پڑھا اور محظوظ ہوا۔ آپ نے نیاز فتح پوری کے متعلق بہت کچھ کہہ دیا۔ نیاز صاحب کی شخصیت پر ایک جامع تبصرہ کر دیا —— مرحبا!
خدا کرے شاعر کی صحت ترقی پذیر ہو۔

علی عباس عابدی ایم۔ اے —— کیمبرج کالج۔ بھوپال (ایم پی)

پروفیسر [illegible] کا شاعر ملا۔ شمارہ کافی پسند آیا۔ اداریہ [illegible] ایک الگ اہمیت یا دوسرے لفظوں میں انفرادیت رکھتا ہے۔ نیاز مرحوم کے متعلق آپ کے [illegible] مضمون نے بہت سا [illegible] کا استعمال [illegible] کے انتقال کے بعد ہندوستان [illegible] میں شائع ہوئے۔ لیکن [illegible] شخصیت کے کسی خاص پہلو کو مد نظر رکھ کر لکھے گئے تھے۔ لیکن آپ نے تو [illegible] آپ کے لطیف اشارے [illegible] کے ان اشاروں نے [illegible] کی شخصیت کا بھرپور عکس اس مضمون میں ملتا ہے۔
[illegible] کے علاوہ [illegible] کی غزلیں بھی پسند آئیں۔ [illegible] ایک [illegible] کی کہانی [illegible]
[illegible] اچھا ہے۔ [illegible]
[illegible] کہ آپ ہر شمارے میں شاعر [illegible] سے درخواست کر [illegible]۔ لیکن کم [illegible] ذکر [illegible] صاحب [illegible] سے زیادہ مشہور ہیں۔ شاعر [illegible] اپنے معیار کے مطابق [illegible] کے شاعر [illegible] ہوں۔ [illegible] کرتا ہوں [illegible] کہ [illegible] کے لئے [illegible] کرتے ہیں۔ [illegible] شاعر [illegible]
[illegible] ہے۔ اس لئے [illegible] آپ [illegible]
[illegible] نہیں۔

رفعت نواز —— گلی نمبر ۳۔ اورنگ آباد (مہاراشٹر)

"شاعر" [illegible] کے فنی نظریات' پر ڈاکٹر اکرم [illegible] کا مضمون لکھا ہے۔ [illegible]
[illegible] ثابت ہو سکتا ہے۔ [illegible] ایک اچھا مضمون ہے۔ [illegible]
[illegible] ہے۔ [illegible] مکمل مضمون [illegible] مطمئن ہو گئے۔ اس مضمون
[illegible] (شبابؔ)

شاعر ممبئی

جوش و بہشت منظر کا مرثیہ)۔ اس کے علاوہ ان تاثرات میں ادب کی [illegible] شخصیتوں کی یاد کو اس طرح [illegible] ہے کہ ایک مستند متن کی صورت ہے۔

شکیب جلالی کی غزل اور آغا بابر کے افسانے بھی پسند آئے۔ یوسف ناظم کا طنزیہ دلچسپ ہے۔

ہر بار وہ اقبال مجید پوری شمارے کے افسانوں پر اپنا [illegible] کا اظہار کیا ہے۔ میں ان کا مشکور ہوں۔ مگر وہ مضمون [illegible] صاحب کا تھا
مضمون مقصد جیسا کہ اقبال صاحب نے اپنے خط میں لکھا ہے) براہ کرم آئندہ شمارے میں اس کی تصحیح کر دیجئے۔

نثار پرویز۔ لیکچرر ——— ایچ ایل او۔ ایم۔ بی بنیڈر۔ جیما کمی مادگر۔ کیمپس دولت نگر گلبرگہ

جون کے شمارے میں آپ کا اداریہ بہت غور طلب ہے۔ [illegible] کے بارے میں آپ کا اندازہ نہایت معقول و منصفانہ ہے۔ اس ادارے کو کیا نام دیا جائے۔ عظیم ادیب، نقاد اور افسانہ نگار حضرت نیاز فتح پوری کے انتقال سے اردو ادب کو کتنا صدمہ پہنچا ہے۔ آپ نے اپنے [illegible] بہت پُر اثر انداز میں تحریر کیا ہے۔ پڑھنے کے بعد ایک عجیب تاثر دل و دماغ پر یک چھایا رہا۔ ایسی کتنی ہی خوبیوں کا حامل شخصیت بہت ہی نایاب ہوتا ہے۔ ہم بہت سے نظریاتی اختلافات کے باوجود ان کی ہستیوں کو فراموش نہیں کر سکتے۔ بہرحال مولانا نیاز اب ہم میں نہیں رہے۔ انھوں نے اردو ادب کی نشوونما میں جو نمایاں حصہ لیا ہمیشہ یاد گار رہے گا۔ اب جیسا کہ خود انھوں نے آپ سے دورانِ ملاقات میں اعتراف کیا تھا کہ "آپ ہندوستان میں بہت ہی [illegible] سے اردو کیلئے کام کر رہے ہیں" اس سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ ہندوستان میں جس لگن سے اردو کی خدمت کرتے آ رہے ہیں وہ سب کے بس کی بات نہیں۔

مولانا نیاز کا آخری شعر جس پر آپ کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں

"وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد ہزار بار برو صد ہزار بار بیا"

انتہائی دردناک ہے۔ وداع و وصل کی اس الگ منزل سے گزرنے والا ہی محسوس کر سکتا کہ ان چند الفاظ میں کتنا درد اور کتنی حسرت چھپی ہوئی ہیں۔ بہرحال مقالوں میں ڈاکٹر اسلم فرخی اور محمود واجد کا مقالہ قابلِ تعریف ہے۔ یوسف ناظم نے "عاشقی صبر طلب ..." کو کافی دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ ضیا احسن کا انٹرویو بھی پسند آیا۔ میری ناچیز رائے میں اگر آپ کبھی کبھی ایسے انٹرویو شائع کرتے رہیں تو ہمیں اہل شخصیتوں کے بارے میں مختلف نظریاتی معلومات حاصل ہو سکتی ہے۔ شکیب نے اپنے افسانے "ایک شام" میں آج کی مجبور طبقوں اور ان کی [illegible] کو بہت کامیابی سے پیش کیا ہے۔ مرزا کی کہانی "سنگیتا" نے بھی [illegible] کے اعتبار سے ایک نہایت مؤثر کہانی ہے جو دل کو بہت کچھ کہتی ہے۔

حصۂ غزل میں آپ کی غزل نیز حلیم، حزیں، منظور، مظہر اور تبسم، نشتر نیاز، شاہد صدیقی اور اقبال مجید پوری کی غزلیں بہت پسند آئیں۔ ہر غزل میں چند اشعار تو بہت اچھے ہیں۔ نظموں میں اسد اکبر آبادی کی نظم "مزم" نزدیک ایک عجیب سی محسوس ہوتی ہے۔ ظہیر صدیقی کی نظم "شے بہ سلسلہ ماں سال" بھی قابلِ تعریف ہے۔ [illegible] اور مبارک ہو آپ کو ان کی نظمیں بتاتی ہیں کہ [illegible] قسم کی شگفتگی ہوتی ہے۔ حنیف کیفی کا سانیٹ ایک خوبصورت اور پُرشکوہ تخلیق ہے۔ مجموعی طور سے آپ کا یہ شمارہ مختلف رنگوں کی ایک حسین و جمیل امتزاج [illegible]

انجمن آرا انجم ——— امیر نشان۔ علیگڑھ

شعر کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا۔ آپ نے نیری کہانی شائع کر کے جو شکرگزار ہونے کا موقع دیا ہے۔ شاعر کا حصۂ نظم و غزل خوب ہے۔ [illegible] کی غزل کا یہ شعر کافی پسند آیا۔

رکھ دی ہیں کس نے پہنا کر [illegible]   ملتے ہی پھول بن گئے ہیں

مگر اس شعر کے متعلق کیا خیال ہے

وہ مٹی چپکے ہوں کہ جن بینے سے   کہ شوق وصل بن گئے ہیں
میں خیال میں پہلا مصرعہ شاید غلط شائع ہوا ہے۔ اس غزل کی بحر ہے: مفعول مفاعلن فعولن۔ یا مفعولن فاعلن فعولن۔ مگر موجودہ صورت میں مصرعے کسی بحر میں نہیں آتا۔

انوار انصاری ایم اے — کاشانۂ ادب بک سیلرز بہاری باغ روڈ مرزاپور (بہار)

جو کوئی شاعر اپنا انداز بیان اس طرح کہ دل کو ایک گونہ تسکین ہوئی کہ آپ نے نئے زمانے کے ساتھ چلنے کی ٹھان لی۔ مجھے سخت تعجب ہوا کہ ایک شاعر کی محبت جو ابھی کر چکا ہے جو ہو سکتا۔ ان پڑھنے پڑھانے والوں کی گرانی میں جب جیسا مشکل ہوتا ہے شاعر کے لئے نہ رہا ایک نظریہ مسکن تھا جس کے کوالی سے وہ نصف صدی تک منسلک رہا۔ شاعر کی محبت میں اعتماد اور مجبوری تھا۔ وہ خود داری قائم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا۔
ویسے تو آپ کے ہر لفظ سے میں تو یہی بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے مگر اس بار آپ نے ہندی اور انگریزی میں اردو کا کیس پیش کرنے کے لئے ایک اچھا مشورہ دیا ہے۔ مولانا نیاز فتحپوری کی موت سے ادب میں ایک خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ نیاز صاحب کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہوئیں مگر آپ نے بھی مقالے اشارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔
ڈاکٹر اکرم مرزا اور یعقوب راہی کے مقالے پسند آئے۔ بلکہ یہ مقالے بہت اچھا معلوم ہوا۔ علیم اختر اور آپ کی غزلیں لاجواب ہیں۔ یہ سب چھپنے اور لکھوائے۔

اظہر افسر ———— آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد (آندھرا پردیش)

تازہ شمارہ ملا اور بڑے دنوں کے بعد آپ کا عنایت نامہ بھی۔ کتاب پر مبارکباد کا دلی شکریہ۔ آپ کے یہ شعر گنگنا رہا ہوں اور خوشی میں بیٹھا آپ کو خط لکھ رہا ہوں

لیسے بھی ہیں کچھ حسین وعدے   جو یاد کی بھول بن گئے ہیں
کیا کیجئے بے اصولیوں سے   پہلے سے اصول بن گئے ہیں
اعجاز کے نامقبول بھور ——   معراج قبول بن گئے ہیں

چھوٹی بحر میں غضب غزل کہی ہے آپ نے۔ "بھول" کا استعمال بھی لاجواب ہے۔ مولانا نیاز فتحپوری کے انتقال کے بعد اب تو بیشتر اخبارات اور رسالوں نے تعزیتی نمبر شائع کئے ہیں۔ لیکن آپ نے مولانا نیاز کے تعلق سے جو کچھ لکھا ہے وہ بے حد متاثر کن ہے اور یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔
اس بار مقالات میں کتاب اکبر آبادی کے "فنی نظریات" "بچپن، اور ادب کا مرثیہ کا تدریجی ارتقاء" خوب ہیں۔ آپ کی نظم کرب خود کلامی کے تعلق سے آئینہ یعقوب راہی نے میرے دل کی بات کہہ دی۔
مکتوبات کے تحت نامہ نگاروں کے عتیق صاحب کو جو آپ نے جواب دیا ہے اس سے آپ کے کردار کی عظمت کا پتہ چلتا ہے، ورنہ آج کل تو......
...... گلی گلی کا مسئلہ صدارت اور اپنے نام کی کسی بزم کی تشکیل کرتے ہیں!!

تمنا مظفر پوری — معرفت جبر و ظفر اسٹورس گورا روبا بازار ڈاکخانہ گورا روبا ضلع گیا

اس ایک مدت میں کیا کیا کہوں کہ ادبیات کی کتنی ترتیب گزری، ایک سیمینار کی ایسی رنگا رنگی میں رہتی ہیں۔ ان کے شمارے مل سکا۔ اب جب تو رنجم کر کے تا دم آخر کے سلسلہ کے دور کی شمارے سے گئے۔ مجموعات سے ادبی رنگ کی جلد جلد ختم کر ڈالنا چاہا۔ اور قریب قریب ایسا کر بھی ڈالا۔
شاید آپ تمنا مظفر پوری نے کیا اردو کے لئے آج تک اتنا ادب لکھا ہے اتنا آپ لکھ چکے ہیں اور لکھ رہے ہیں۔ ابھی حال میں آپ نے نئے شاعر کا نفرنس کا جو نسخہ اشاعت شدہ کر رہا ہوں تاکہ یہاں کو جگہ دی جائے۔ کہ حضرت مبارک ہے ان کی تقدیر ہی لفظ نظر سے

بیک وقت [illegible] آپ جیسے کہنہ مشق [illegible]
اشعار پاک [illegible] کر رہے گی۔

شاعر مئی کے شمارے میں رسول احمد کا ڈرامہ بہت پسند آیا۔ ڈرامہ اور طنزیہ و مزاحیہ ہر شمارے کے لئے [illegible] اہمیت رکھتا ہے۔ [illegible] افسانے [illegible] فیروز کی نظم [illegible] بہتر [illegible] ہے۔ [illegible] کے طالب علم ہیں [illegible] ایسی نظم کہتے ہیں۔

جون کے شمارے میں شکیب کا افسانہ "ایک خاموش لمحہ" بہت پسند آیا۔ [illegible] لفظوں میں [illegible] نظم [illegible] آپ کے یہ اشعار

لاؤ ایمان ہم پہ لوگو! — ہم نئی کے رسول بن گئے ہیں
رکھ دو جس پر نشان ہم نے — کانٹے وہی پھول بن گئے ہیں

احمد فراز [illegible] قریشی کا یہ شعر
زمیں [illegible] — [illegible] انقلاب آیا

میرے پسندیدہ اشعار ہیں۔

ضیاء حسنی ———— کاشانۂ سبزی، جھجھری بازار۔ فتح پور (یو۔پی)

[illegible] شاعر [illegible] غزل [illegible] علامہ نیاز مرحوم کی وفات [illegible]
[illegible]

اویس احمد دوراں ———— سی۔ ڈی اے ایل بی ڈی ایم جی بلڈنگ [illegible] کلکتہ

شاعر [illegible] آپ کی غزل [illegible] کی پیروی کرتا ہوں۔

سید احمد شمیم ———— بی اے [illegible] ایم اے [illegible]

[illegible]

سامنے آیا۔ جس میں کی حیات شعری کے مختلف ادوار ... لیکن پھر بھی یہ کوشش جیسی بھی ہے شاعر کے لئے اپنے اندر بڑا مواد ... آپ اسی طرح کی تحقیق ارسال کرتے رہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی کاوش اس خلا کو پُر کرنے میں ممکن نہیں ہے۔

آپ کی نظموں کی اشاعت ... مگر میرا گزارش ہے کہ ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں اور آپ کے ... زندگی کے عنوان کے تحت میرا خیال ہے کہ ... بے پناہ موضوعات کی وجہ سے آپ نے میری نظروں کو ایک نظر دیکھ کر بتا دیا۔

بہرحال حسبِ حکم ایک نظم اور صرف پانچ اشعار کی ایک غزل دو غزلیں ... اشعار تک ارسال کر رہا ہوں۔ اگر یہ چیزیں آپ کو پسند آئیں گی تو ہم کرم نت وصول ہو گی۔

پروفیسر اے۔ بی اشرف ——— شعبۂ انگریزی گورنمنٹ کالج، جہلم (پنجاب)

میری غزل سے متعلق آپ کی رائے قابلِ قدر ... رائے کا پورا پورا احترام کرتا ہوں۔ بیشک یہ ... میں نے بہت جلدی میں لکھی تھی۔ دراصل میں ... کا شاعر ہوں نہ کہ ... نہیں ہوں۔ میری ... غزل ایک لطیف صنفِ سخن ہے جو حسن و عشق ... اور ... نظم کے علاوہ زندگی کے دوسرے گہرے مسائل اور پیچیدہ خیالات کے بار کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ قافیہ اور ردیف کی پابندی شاعر کے جذبات ... طرح خود زندگی کی صحیح معنوں میں تفسیر بننے سے قاصر ہے۔ بہرکیف یہ میرا ذاتی نظریہ ہے جس کی بنا پر غزل کہنا ضروری ہو جاتا ہے۔

مسعود قمر تاباں ایم اے ——— مرکزِ ادب۔ بدھوارہ، بھوپال (ایم۔ پی)

... شاعر کے معیار اور ترتیبی حسن میں اضافے کا اعلان ... سال سے تمام چھوٹے بڑے علمی و ادبی ... ادبی حلقوں میں ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ آپ کے اعلان سے شیدائیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔

مکتوبات کے باب میں ... شمیم احمد ... نے اپنے خط میں ... کے بارے میں جو تاثر دیا اور جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان کی ... کی جائے کم ہے۔ ادبی امکان ممکن ہیں ہے لیکن ... کے اظہار کا بھی ایک طریقہ ہوا کرتا ہے۔ ڈاکٹر ... وزیر ... حمید ... ایک ہی ... حقیقت و واقعیت ... کے سلسلے میں ... کے ... خیال ہیں۔ ان کے ثبوت میں شمیم صاحب سے درخواست ہے کہ وہ ماہ جون ۲۹ کا ماہنامہ ساقی ... مطالعہ فرمائیں جس کے صفحہ ... پر تبصرہ شائع ہوا ہے۔ میں وہ مختصر تبصرہ قارئینِ شاعر کے لئے ذیل میں درج کر رہا ہوں۔

"پروفیسر کلیم الدین احمد ہمارے ادب کے ... نقادوں میں۔ ان کی تحریریں ... سے بھرتے ہیں۔ ان کی سب سے پہلی تنقیدی کتاب اردو شاعری پر ایک نظر ... پہلے شائع ہوئی تھی جس میں انھوں نے تقریباً سب ہی شاعروں کو ... کر دیا تھا۔ ... کلیم الدین احمد ... کلیم الدین احمد کے والد ... حال ہی میں کلیم صاحب کا ... مجموعہ شائع ہوا ہے۔ ... کتاب کا آغاز ایک لمبا مقدمہ ... نظموں کی اہمیت ... کو واضح کیا ہے ... مگر ان کی نظم کا کوئی عنوان نہیں ہے۔ ... نظم ... معرضِ ساحت ہے۔

آکاش سے آتی ہے یہ صدا
اٹھ باندھ کمر کے زادِ سفر
چل دیکھ خدا کیا کرتا ہے

آنکھ باندھ کر کیوں ڈرتا ہے — پھر یہ مذاق کیا کرتا ہے

کلیم صاحب کی عمر کی ۲۴ نظمیں کلیم صاحب کی سالگرہ پر شعرا نے پیش کی ہیں گی اور ان کی نقادوں کی دعا کو اس سے ملا ہے گا۔ یہ نظموں میں [illegible] ہے۔

اب اگر شمیم صاحب ہمارا بدلہ ہوں جیسی رنگ شخصیت پر بھی نظم رنگ رہیں اور خصوصیت کا التزام رکھا ہے تو یہ ان کا حق ہے۔ بہرحال ۲۴ نظمیں پر مبارکباد شمیم صاحب کیلئے باعث مسرت ہونا چاہیے۔ شمیم صاحب کی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ جناب کلیم الدین احمد کی عمر کے مجموعے کا نام ۲۴ [illegible] ۲۴ نظمیں ہے۔

آغا رشید مرزا دہلوی —— ۱۲/۱ کانگریس اگزیبیشن روڈ۔ کلکتہ ۱۷

• شاعر کا تازہ شمارہ ملا۔ یہ تو زبان خلق ہے کہ شاعر روز بروز نکھرتا جا رہا ہے۔ یہ شمارہ بھی اپنی گزشتہ روایات سے کہیں آگے جا رہا ہے۔ اس بار چند غیر معمولی [illegible] منتخب ہیں۔

مولانا بیتاب مرحوم کے بارے میں آپ کی یادداشت قابل تعریف ہے۔ آپ نے ان کی خوبیوں اور خامیوں پر مختصر لیکن جامع نظر ڈالی ہے۔ اور ان کی شخصیت ہر پہلو کو مختصراً میں خوب نمایاں کیا ہے۔ آپ کا تجزیہ صحیح ہے کہ مرحوم نے جس کو چاہا آسمان پر بٹھا دیا اور جس کو گرا دیا اسے [illegible] [illegible] نہ ہو سکا۔ اپنا پرایا کوئی ان کے قلم سے نہ بچا۔ اب کے اور وجود ان کے قلم میں [illegible] کا اثر تھا ہے سب سے کا ہو گیا۔ کم تر یا کمتر آج بھی اردو میں [illegible] کم ہی نما ادب میں ایسا جملہ کہ بنا ہو ہندو خاص و عام ہو گیا۔

جناب بکر ارسلانی کے نئی نظریات شاعر کے سلسلے میں ڈاکٹر قمر رئیس نے جگہ جگہ ڈاکٹر کے لیے چند شاعرات و بیانات کا حوالہ دے کر نفسیاتی مضمون میں جا بجا ڈالا ہے۔

آپ کی غزل میں محاورہ بندی کے علاوہ پرانے اساتذہ کا رنگ ہے اور طنز و کنایہ کے لحاظ سے ایک نیا رنگ۔ اس نے پرانے رنگ کے امتزاج نے [illegible] نیا رنگ دے دیا ہے اور بہت پر لطف بنا رہا ہے۔ آپ کے یہ اشعار قابل تعریف ہیں اور مجھے بطور خاص پسند ہیں۔

بیٹھے دبا نے سے جو اب تک — ایسی ہم چوڑل بن گئے ہیں
کیا کیجئے بے اصولیوں کے — پہلے سے اصول بن گئے ہیں

یہ مقطع تو غزل کی معراج ہے ؎

اعجاز کے نا قبول تیور — معراج قبول بن گئے ہیں

اس مرتبہ دلچسپ افسانہ و طنزیہ اور ترجمہ کے علاوہ غزل اور نظم کا حصہ بھی زیادہ وزنی ہے۔ نظموں میں "موڑ" اور "معراج" کا سلسلہ خوب ہے۔ [illegible] کا انتخاب بھی قابل تعریف ہے۔

مکتوبات میں بعض صاحب نے مجلہ سے آخری ملاقات کو سراہا ہے۔ میں ان کی ہمت افزائی کا ممنون ہوں۔ اور دلوکرم بزم شاعر کے ان احباب تک شاعر کے صفحات کے ذریعہ میرا شکریہ مزید پہنچا دیجئے۔ اظہار خیال شاعرین، ادیب اور مدیر کے درمیان تعاون و یگانگت اور ایک دوسرے کے خیالات سے واقفیت کا مفید کارآمد ذریعہ ہے۔

کہ یہ پہلے تو بیت کس اپنی کو بہتر ہے کہ مگر میرا ندو تو ادب اور

مرکا طلب بھی ہے ہی کرم کا صدقہ ہے — قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

آپ کا یہ خیال بجا ہے کہ بابائے اردو کا خطاب مولوی عبدالحق ہی کیلئے موزوں ہے لیکن یہ کہیں ہو سکتا ہے کہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اعترافات ان کے ساتھ دفن نہیں ہو جاتے اگر وہ [illegible] [illegible] اعترافات کے لائق ہو تو [illegible] [illegible] مولانا بیتاب مرحوم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

محفلِ اپنی......!

کچھ نئے اقدامات

جون کے "شاعر" میں ہم نے چند مستقل اقدامات کا ذکر کیا تھا، ان میں ایک جو بعض ناگزیر حالات کی بنا پر اس شمارہ میں عمل میں نہ آسکا [illegible] ترقی [illegible] بھی کافی ہیں یہ سب کچھ [illegible] ایک عرصہ سے "شاعر" [illegible] خاص طور پر [illegible] کی انجمن کر رہا ہے [illegible] صرف [illegible] کی ہو سکے۔ ایک مثال [illegible] جو ہر ماہ [illegible] آج اس دور میں بھی نہیں بن رہا ہے [illegible] سخت [illegible] کی وجہ سے حکومت نے [illegible] اخبارات کا کاغذ [illegible] قیمت کے سلسلے میں [illegible] نہیں ہے۔

"شاعر" نے اپنے صفحات میں ہر طرف [illegible] کی جگہ [illegible] "شاعر" میں ہر رنگ [illegible] بہت سے [illegible] ادب [illegible] بہت سی [illegible] ہیں۔ اب ہم [illegible] صفحات [illegible] صرف "شاعر" [illegible] کام چلایا جا سکے گا۔

اسی شمارہ سے "ردِّ عمل" کا ایک نیا باب شروع کیا جا رہا ہے۔ [illegible] کا شمارہ [illegible] جولائی کے اس شمارہ سے بھی زیادہ ترقی یافتہ [illegible] چند شماروں تک "شاعر" اپنی نئی تبدیلیوں کو [illegible] تبدیلیاں لانی چاہئیں۔ اس میں کیا کمی ہے؟ [illegible] کے طور پر جانے سے اس بار "محفل اپنی" میں جولائی کے [illegible] تخلیقات [illegible] کوئی اظہار خیال نہیں کیا جا رہا ہے۔ [illegible] ہے کہ [illegible] تخلیق پسند کی جائیگی۔ "شاعر" [illegible] تخلیقات [illegible] "شاعر" کی یہ عام پالیسی رہی ہے کہ وہ اچھی تخلیقات کی اشاعت سے گریز نہیں کرتا خواہ وہ کتنی ہی بڑی تعداد میں کیوں نہ ہوں۔ [illegible] تخلیقات کو [illegible] نظر انداز کر دیتا ہے۔ خواہ تخلیق نگار کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ اچھے نئے لکھنے والوں کو [illegible] تخلیقات کو رد کر دیا جاتا ہے، اُن کے لکھنے والے بغیر کسی ملال اور بدظنی کے اپنے فکر و فن کی طرف دیکھیں اور [illegible] کا احترام کریں۔

آئندہ شمارۂ اگست

"شاعر" کی یہ ایک دیرینہ روایت ہے کہ ہر سال جنوری میں اس کا سالنامہ اور اگست میں خاص نمبر ضرور نکلتا۔ لیکن اس سال موجودہ سخت حالات کی بنا پر شاید آئندہ ماہ اگست میں زیادہ ضخامت کا خاص نمبر نہ نکل سکے۔ ویسے اس وقت نہایت اچھی نظم و نثر تخلیقات آئی ہوئی ہیں۔ اگر اگست کے شمارہ میں صفحات کا مزید اضافہ کیا گیا اور فی کاپی کچھ قیمت بڑھانی گئی تو "شاعر" کے تمام ایجنٹ حضرات کو خط کے ذریعہ اطلاع دے دی جائے گی ہو سکتا ہے کہ اگست کا شمارہ نوّے صفحات کا نکلے۔

"شاعر" کی خریداری ترک نہ کیجئے

ہر مہینے کچھ نہ کچھ سالانہ خریداروں کی مدتِ خریداری ختم ہوتی ہے۔ تمام خریداروں سے یہ درخواست ہے کہ مدتِ خریداری ختم ہو جانے کی صورت میں کسی طرح "شاعر" کی خریداری ترک نہ کریں۔ اور تجدیدِ خریداری کر کے "شاعر" سے اپنی وابستگی قائم رکھیں۔ "شاعر" عام ادبی پرچہ نہیں ہے بلکہ اردو تحریک کا ایک اہم نمائندہ ہے۔ جولائی کے اس شمارہ کے ساتھ جن حضرات کے چندے ختم ہو رہے ہیں، اُن سب سے یہی درخواست ہے کہ وہ سلسلۂ خریداری جاری رکھیں، آٹھ روپے سالانہ چندہ یا تو منی آرڈر سے روانہ فرمادیں یا اگست کے شمارے کا وی پی وصول فرمائیں۔

نقد و نظر

(— تبصرے کیلئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

نارسیدہ

شاعر ——— واقف کرمانی

وہ کون ہے جو مجسم ہو یا گرفت ان دیکھی وقت۔ زندگی ہر عہد میں کسی نہ کسی لمحے کی گرفت میں رہتے وقت کی نا ہمواریوں کو بھگتتی رہی ہے۔ انسان کے اندر کے خلا نے ہر قدم پر انسان کے ساتھ ہم کلام رہا ہے۔ انسانی تہذیب کی مختلف سمتیں اسی خلا کو پُر کرنے کی کامیاب ناکامیاب کوششوں کی تاریخ ہوتی ہیں۔ انسان کا اضطراب کل آج ہی کا المیہ [illegible] ہے یہ تو ازل سے انسان کا مقدر ہے۔ [illegible] ساری ہے یہ وحشت پیدا ہو گئی ہے۔

ہر فضا پا ILLUSION شعور پیدا کرتا ہے۔ سائنسی و صنعتی انقلابات نے انسان سے اپنا پہلا کچھ چھین لیا۔ انسان نے اپنی [illegible] سے اپنا [illegible] کیا ہے [illegible] کرب ہے۔ تاریخ۔ خود فریبی سے خود آگاہی تک کی ایک منظوم روداد ہے۔ [illegible] شکست اور محرومیت کے باوجود آج کے عہد کا اجتماعی کرب [illegible] آہنگ بخشنے میں شاعر کامیاب ہے۔ واقف کرمانی کے [illegible] ابتدا عہدِ جوانی کی مبارک باد سے شروع ہوتی ہے [illegible] میں خاصا جذباتی رومانیت کی ہے۔ اس میں کوہ قاف کی پریوں کا عالم اور نے فطرت حسین غزالوں سے ہندوستان کے [illegible] کے [illegible] سے پہلے کی [illegible] زیادہ سمیت [illegible] بنا دیتے ہیں۔ یہاں شاعر جنون شوق کی تکمیل کے لئے [illegible] ہوا آتا ہے۔ اس مجموعہ کی نظمیں ہیئت کی تبدیلی کے ساتھ [illegible] لائق ہیں [illegible] نظر آتی ہیں۔ ان میں [illegible] سے [illegible] ہے [illegible]

ہونی ہر چاہیئے یہ شدّت کرب اتنی دھوپ کہاں آنکھوں کے لئے کہاں۔

واقف صاحب کی ان ابتدائی نظموں میں الفت کا ترانہ، وحدت، شباب، تاج محل وغیرہ حسین تخلیقات ہیں۔ ان میں محبوب کے جذبات بھی ہیں اور پاک سچائیاں بھی۔ ان میں جسمانی تقاضے بھی ہیں اور نفسانی سرشاریاں بھی۔ مگر ہر جگہ ایک شگفتہ مزاجی اور تہذیب کے ساتھ۔

چلتی ہوئی سانس پہ بکھرے جذبات
آزلیت کو حشم گماں ہو جائیں
پھر چمن کے اس طرح کسی شاخ کے نیچے
ہم کہیں آ کے تری بانہوں کو سنا ئیں

تیرا وعدہ کے قاتل کی شکایت کرنا
میرا جنس جنس کے وہ تسکین روزانہ تجھ کو

اس مجموعے کی دوسری نظمیں اور غزلیں شاعر کی خود آگہی کے عہد کا آئینہ ہیں۔ نئے عہد کی برقی شاعری ہیں سانس لیتی ہوئی قدروں کا المیہ۔ سماج اور فرد کے نئے رشتے کی نئی نوعیت کا المیہ۔ آبادیوں میں تنہائی کا المیہ۔ شخصیت کے بکھراؤ اور انتشار کا المیہ۔ واقف صاحب تخلیق کے نئے تجربات کی بجلی سے یہ سلسلہ اپنی ذات پر بڑی [illegible] کرتے ہیں۔ [illegible] جبکہ ان کی شاعری [illegible] آتی ہے جو پڑھنے والوں کو [illegible] ہے۔ خاموش آگ، تکا ہوا پھول، خراب آباد، گلشن ہجر وغیرہ۔

اکثر [illegible] دوسری نظمیں اور غزلیں [illegible] کی [illegible] سوچ کی تیزی کے [illegible]

نظم شہر زندگی [illegible] قابل ہے۔ اس میں شاعر نے [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

سوا [illegible] نے اس عہد [illegible] کر ہے ... آتے ہیں [illegible]
ہے۔ انسان کی [illegible] ہیں ... کی گل افشانی
ہے کئی اشعار ... ہوتے ہیں آنجہانی [illegible] کر کے بھی احساس
ہوا ... بیدی کے لئے مناسب شعر ہیں۔

ٹوٹ جاتا ہوا دنیا ہو جائے گا
بیسویں صدی کے [illegible]
بعد [illegible] رکھ ... بید
[illegible] بند [illegible]

سرد ہوتے ہوئے جگنو کی راکھ
تہہ بہ تہہ جم گئی ہے شاخوں پر

[illegible] گرد [illegible] آ رہی
تم [illegible] کی [illegible] پر

ناشر: مصنف۔ پتہ: لیکچرار شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(ن۔ ف۔)

انشائیہ

از ——— ڈاکٹر آدم شیخ

"انشائیہ" ڈاکٹر آدم شیخ کی لکھی ہوئی ایک اردو ایسز (ESSAYS) کی مختصر سی کتاب ہے۔ اس میں سولہ مضامین شامل ہیں، جن کے انتخاب میں اعلیٰ پرکھ سے زیادہ دلچسپی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے۔ انتخاب میں تنقید کا پہلو روشن ہے۔

"ہر شخص کسی [illegible] تحریر [illegible] زندگی یا فن سے [illegible] اور [illegible] پر مائل ہے" جو حق ناشر میں ناشر نے لکھا ہے۔

"...... زبان ایک [illegible] ادیب [illegible] دونوں [illegible] اور [illegible] کی [illegible] ہے اور [illegible] کر اس زبان کو [illegible] شگفتگی [illegible]" شاید ان کی نظر میں زبان کی [illegible] ایک حقیقت ہے [illegible] سماجی [illegible] ادب کا تصور ہی ممکن نہیں۔

کتاب کے شروع میں شیخ صاحب نے انشائیہ کے تاریخی پس منظر [illegible] ایک [illegible] بحث کی ہے۔ یہ [illegible] اور [illegible] "چراغ" کے نام سے [illegible]

جس میں انھوں نے خود اپنی تنقیدی رائے کے بجائے دوسروں کے اقتباسات سے زیادہ کام لیا ہے۔ اس [illegible] کر [illegible] میں تو آسانی ہوتی ہے مگر قاری [illegible] سے ذہن [illegible] پھر بھی کچھ الجھا جاتا ہے۔ کچھ جملے دیکھئے۔

• انشائیہ نگار کے پیش نظر کوئی مقصد نہیں ہوتا... نثر کی دوسری شاخوں کے لکھنے والے کے مقاصد میں بکھر جاتے ہیں، انشائیہ کا ترنم اور شگفتگی یا مادی [illegible] زیادہ نمایاں رہتا ہے۔
مقصدیت تخلیقی حسن کو مجروح کر دیتی ہے۔

دنیا میں ہر شے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ انشائیہ میں مقصدیت سے انکار ممکن نہیں، ہاں اس کے اظہار کے طریقوں پر اختلاف ہو سکتا ہے۔ بیدی کی کہانیاں اور فیض کی نظمیں ہمارے عہد کی مثالیں ہیں۔

"انشائیہ" کو ایڈٹ کر کے شیخ صاحب نے ایک اہم ضرورت کا اظہار کیا ہے۔ اردو میں اس صنف پر بہت کم کام ہونے کے برابر ہوا ہے۔ انھوں نے اس کتاب کے ذریعہ اس صنف کو متوجہ کیا ہے۔ ممکن ہے ڈاکٹر آدم شیخ کی یہ کوشش اردو میں کسی اور بہتر کتاب کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ بہرحال ان کی یہ کوشش سراہے جانے کے قابل ہے۔ اس کتاب سے یونیورسٹیوں کے طلباء کو بطور خاص فائدہ پہنچے گا۔

ڈاکٹر صاحب کی اس کتاب کے اشتہار کے مطابق ان کی دو کتابیں اور زیر طبع ہیں۔ امید ہے کہ ان میں چھپائی اور کتابت کا مزید خیال رکھا جائے گا۔

قیمت: دو روپے پچاس پیسے۔ ناشر: نذر پرنٹرس اینڈ پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ۔ خورشید بلڈنگ سر فیروز شاہ مہتہ روڈ، بمبئی ۱

(ن۔ ف)

خط لکھتے وقت

۱۔ خریدار حضرات اپنے نمبر خریداری کا حوالہ دیں
۲۔ ایجنٹ اپنا ایجنسی نمبر ضرور لکھیں
۳۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی خط یا لفافہ بھیجا جائے۔
منیجر

علمی — ادبی — اور تہذیبی خبریں

نذر الاسلام اکیڈمی کا افتتاح

[illegible]

قاہرہ میں ہند و پاک مشاعرہ

سردار جعفری اور فیض احمد فیض کی شرکت

[illegible]

[illegible]

انجمن کا مقصد [illegible]

مخدوم محی الدین زخمی ہو گئے

[illegible]

۱۷ جولائی سے اردو کیلئے جامع مسجد دہلی کے سامنے ڈاکٹر عباس ملک کی بھوک ہڑتال

[illegible]

طلباء کیلئے انگلو اردو اور ہندی کے امتحانات

[illegible]

انجمن اساتذہ [illegible] کی تشکیل

[illegible]

کرشن چندر کے فن پر بہترین خطوط لکھنے کیلئے

طلباء اور طالبات کو انعامات

ماہنامہ [illegible] کا [illegible] نمبر بعنوان کرشن چندر نمبر شائع ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں [illegible] یہ اعلان کرتا ہے کہ کالجوں اور ہائی اسکولوں کے جو طلباء اور طالبات اس نمبر کے شائع ہونے کے بعد کرشن چندر کے فن اور شخصیت پر خطوط لکھ کر [illegible] ارسال کریں گے ان میں سے بہترین خطوط پر حسب ذیل انعامات دیے جائیں گے۔

انعامات کی تفصیل اور قواعد:۔

(۱) سب سے اچھے خط پر پہلا انعام پچاس روپے نقد اور ایک کاپی کرشن چندر نمبر۔

(۲) دوسرا انعام تیس روپے نقد اور ایک کاپی کرشن چندر نمبر۔

(۳) تیسرا انعام بیس روپے نقد اور ایک کاپی کرشن چندر نمبر۔

(۴) دس بہترین خطوط پر دس انعامات۔ ایک ایک کاپی کرشن چندر نمبر [illegible] کرشن چندر کے دستخطوں کے۔

۵۔ خط بھیجنے کی آخری تاریخ [illegible] ستمبر [illegible] ہے۔

۶۔ خط فل اسکیپ سائز پر پندرہ سطروں سے زیادہ کا نہ ہو۔ اردو، ہندی اور انگریزی تینوں زبانوں میں سے کسی میں لکھا جا سکتا ہے۔

۷۔ خط کے ساتھ پرنسپل یا ہیڈ ماسٹر یا ہیڈ مسٹریس کے [illegible] کی تصدیق ضروری ہے۔

۸۔ طلباء اور طالبات اپنے کالج اور اسکول کے نام اور اپنے پتے صاف تحریر کریں۔

۹۔ خط کے ساتھ [illegible] پیسے کا ٹکٹ [illegible] ضروری ہے۔

۱۰۔ بہترین خطوط کا انتخاب [illegible] کی ایک کمیٹی کرے گی۔ [illegible] فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا۔

۱۱۔ انعامات [illegible] طلباء اور طالبات کے خطوط [illegible] شائع ہوں گے۔ خطوط [illegible]

[illegible]

جوہر لودھی کا انتقال

دہلی [illegible] کے مشہور شاعر [illegible] جوہر [illegible] کو [illegible] حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔

جوہر مرحوم نظم اور نثر [illegible] نظم و نثر اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے تھے۔ [illegible] بہت شوقین تھے۔ مرحوم نے [illegible] کا ایک [illegible] ذخیرہ جمع کر لیا تھا۔

کہانیوں کا مقابلہ ۲۱۰۰ روپیہ کا انعام

بی بی سی لندن کا اعلان

بی بی سی نے مختصر افسانے کے ایک مقابلہ کا اعلان کیا ہے جس میں [illegible] سے باہر رہنے والے افسانہ نگار حصہ لے سکیں گے۔ پہلا انعام [illegible] (۲۱۰۰ روپیہ) کا ہے۔ [illegible] کہانیاں [illegible] نشر ہونے کیلئے منتخب ہوں گی ان میں سے ہر ایک کو [illegible] روپے دیے جائیں گے۔ کہانی غیر شائع شدہ انگریزی زبان میں [illegible] ۲۰۰۰ الفاظ [illegible] کہانی انسانی تجربہ کے کسی گوشہ پر ایسے ڈھنگ سے روشنی ڈالتی ہو کہ [illegible] میں ہر جگہ [illegible] کہانیاں مندرجہ ذیل پتہ پر بھیجی جائیں۔

شارٹ اسٹوری کمپٹیشن بی بی سی [illegible] بش ہاؤس لندن ڈبلیو سی ٹو

امراؤ جان ادا ۔ ادبی عدالت میں

کراچی کی ادبی عدالت عالیہ میں ایک [illegible] مقدمہ پیش ہونے والا ہے جس میں [illegible] امراؤ جان ادا [illegible] مرزا [illegible] رسوا [illegible] [illegible]

[illegible] ادارہ جات میں [illegible] سے وابستگی رہی [illegible] [illegible] کے ساتھ [illegible] [illegible] ہوں گے۔ [illegible] جسٹس [illegible] [illegible] [illegible] اس پروگرام میں حصہ لیں گے۔

آل احمد سرور اور مالک رام کابل میں

امریکہ میں ایک ادارہ ہے جو [illegible] پروگرام [illegible] [illegible] افغانستان [illegible] ہیں۔ یہ ادارہ [illegible] [illegible] [illegible] خصوصاً ترجموں کی اشاعت میں مدد دیتا ہے۔ ایران اور افغانستان میں [illegible] مطبوعات کا ایک [illegible] سلسلہ شروع کیا ہے۔ کابل میں [illegible] [illegible] یونیورسٹی کے [illegible] سے ایک سمینار ۲۰ جون سے [illegible] جون تک منعقد ہوا۔

اس سمینار میں ہندستان کو بھی [illegible] کی دعوت دی گئی تھی۔ چنانچہ حکومت ہند نے یہاں سے پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) اور [illegible] مالک رام کو بھیجا تھا۔ [illegible]

سلطان سبحانی کے افسانوں کا مجموعہ شائع ہو گیا

[illegible] ابھرنے ہوئے افسانہ نگار سلطان سبحانی کے افسانوں کا مجموعہ [illegible] شائع ہو گیا ہے۔ [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔

[illegible] ہفت روزہ "تاج" کا اجراء

[illegible]

التماس

میں حضرت [illegible] مرحوم پر ایک کتاب [illegible] اور شخصیت مرتب [illegible] [illegible] صاحب کے فن اور شخصیت پر [illegible] احباب و دوست حضرات و [illegible] مختلف رسائل میں شائع شدہ مضامین تراشے [illegible] [illegible] صاحب کے پاس [illegible] خطوط ہوں [illegible] ذیل پتے پر ارسال کریں۔ نقل حاصل کرنے کے بعد بحفاظت واپس بھیج دئے جائیں گے۔

کتاب [illegible] [illegible] [illegible]
مظفر حنفی — [illegible] [illegible]

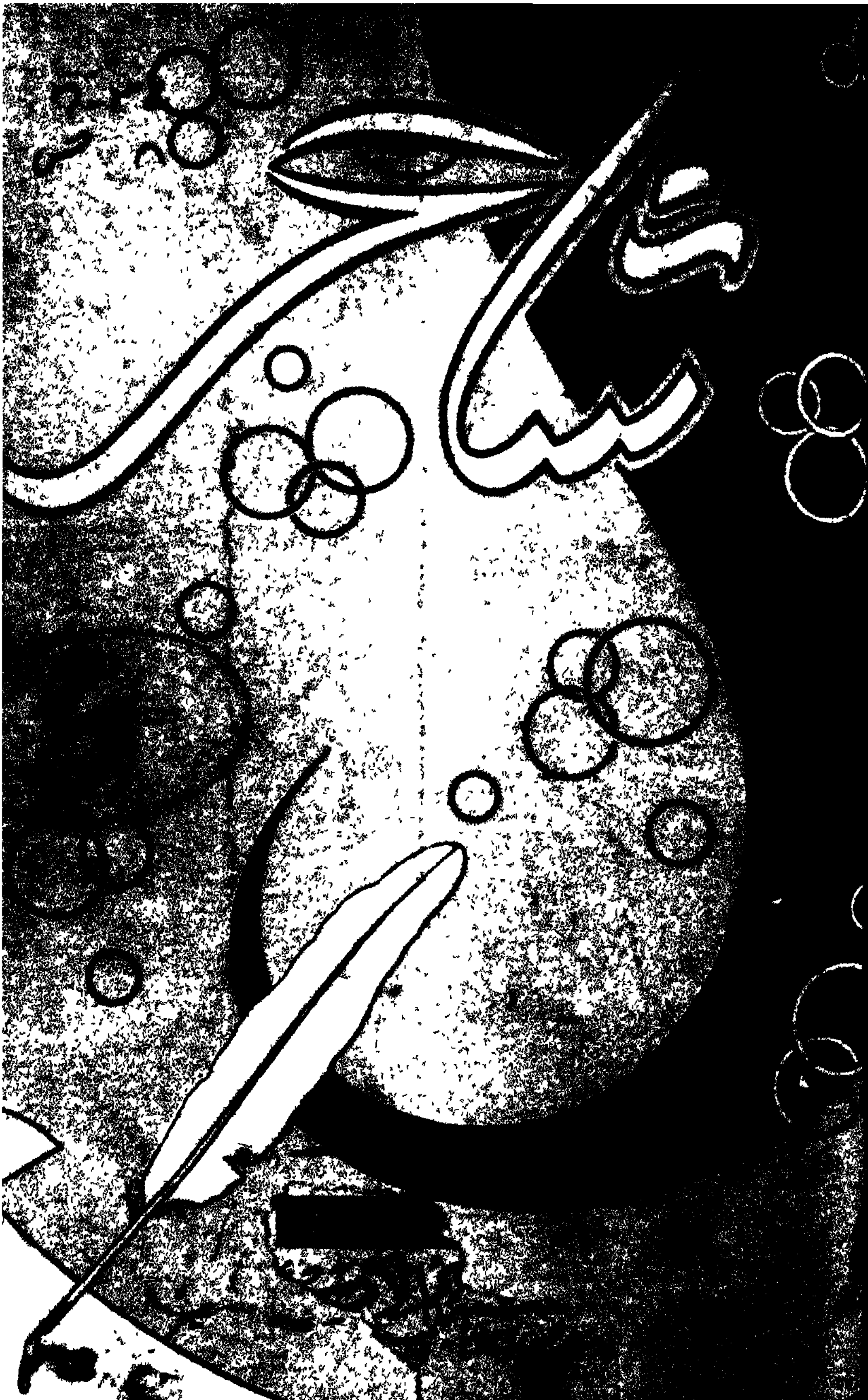
ناگپور یونیورسٹی کے خلاف صدائے احتجاج

[illegible] [illegible] [illegible] اور دیگر جماعتوں نے [illegible] ناگپور یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل [illegible] فیصلے کے خلاف صدائے احتجاج بلند [illegible] [illegible] [illegible] ختم کر دیا ہے۔

بقیہ: مکتوبات ..... صفحہ ۸۴ سے آگے

[illegible] فرض ہے کہ وہ [illegible] زندگی [illegible] یہ ایک بڑا المیہ ہے کہ شاعر و ادیب اپنی زندگی [illegible] اور وہ اپنی زندگی [illegible] محروم رہے۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جائے ہیں۔

"[illegible]" [illegible]



بانی علامہ سیماب اکبرآبادی مرحوم

اردو کا پینتیس سالہ علمی ادبی اور تہذیبی ماہنامہ

شاعر

شمارہ - ۸
۱۹۶۶ء

بمبئی

ادارہ
اعجاز صدیقی
مہندر ناتھ

فی پرچہ	ممالک غیر سے	تاعمر خریداری	ملکوں سے	زر سالانہ
۱۲ آنے (۷۵ پیسے)	۲۵ شلنگ	۱۲۵ روپے	پچیس روپے	آٹھ روپے

[illegible]

ماہنامہ شاعر ... بمبئی

[illegible]

۱۴ کالج اسکوائر ... کلکتہ

۱۲۱۱ - ... دہلی

مکتبہ قصر الادب

دی بمبئی مرکنٹائل کوآپریٹو بنک لمیٹڈ

۷۸۔ محمد علی روڈ۔ بمبئی ۳

منظور شدہ سرمایہ	۳۰,۰۰,۰۰۰	روپے
جاری کردہ اور ادا شدہ سرمایہ	۱۹,۳۰,۸۰۰	〃
محفوظات اور دیگر فنڈ	۹,۵۱,۷۰۰	〃
ڈپازٹس	۳,۲۲,۳۳,۸۰۰	〃
نقد رقم اور سرکاری تمسکات میں سرمایہ کاری	۳,۲۶,۲۱,۹۰۰	〃
ایڈوانسز	۱,۰۸,۲۰,۵۰۰	〃
کاروباری سرمایہ	۳,۸۴,۹۳,۰۰۰	〃
سالانہ کاروباری اندازہ	۷,۴۰,۰۰,۰۰۰	〃

آخری منافع جو ادا کیا گیا (ٹیکس سے مستثنیٰ اور خاص بونس کے ساتھ) ۱۱ فیصد

سرکاری آڈٹ کی درجہ بندی "اے"

ہماری خصوصی خدمات

ہوم سیونگ سیف — ہوم سیونگ سیف اکاؤنٹ میں اپنی روزمرہ کی بچت کر کے، نکالنے کے لئے کتابی شکل میں جمع کیا جاتا ہے۔ اس پر ۴ فی صد سود دیا جاتا ہے۔

نائٹ سیف — یہ ایک ایسی خدمت ہے جو ہندوستان میں اپنی طرز کی پہلی ہے۔ بنک کے بیوپاری اور ملازمین بنک کے اوقات کے بعد بھی اپنی رات بھر کی کمائی بنک کے نائٹ سیف میں رکھ سکتے ہیں اور اس طرح رات کے وقت چوری کے خطرے سے بے فکر ہو سکتے ہیں۔

ہر ضرورت کے انتظامات — نہایت مناسب شرح پر بنک سے قرض لے کر سلائی کی مشین، کپڑے دھونے کی مشین، ریفریجریٹر، گھریلو استعمال کی اشیاء، بجلی کے پنکھے، ریڈیو وغیرہ کی ضرورت پوری کی جا سکتی ہے۔

بینکنگ سے متعلق ہر طرح کے کاموں کو انجام دینے کے لئے حاضر ہیں

شاخیں بمبئی: [illegible]

احمد آباد: [illegible]

زین جی۔ رنگون والا
[illegible]

ترتیب

شاعر بمبئی

اگست ۱۹۶۶ء

مکتوبات

[illegible]	اظہر افسر	زبیر رضوی
مظہر امام	اکرام جاوید	ظہیر صدیقی
[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	محسن زیدی	[illegible]
ڈاکٹر [illegible]	[illegible]	[illegible]

[illegible]

نام بنام

جولائی کے اداریے میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ اُردو تحریک کی ناکامی کے [illegible] ایک سبب یہ بھی ہے کہ اُردو کی مشہور و ممتاز شخصیتیں [illegible] سامنے نہیں آتیں۔ [illegible] اُردو تحریک نے [illegible] [illegible] اُردو کی باقاعدہ تعلیم ہو [illegible] [illegible] اگر اُردو تحریک کی [illegible] [illegible] ذکر ہے [illegible] تیسرے۔

اُردو تحریک کی مسلسل ناکامی کا ایک سبب [illegible] کی طرف گزشتہ شمارے کے اداریے میں اشارہ کیا گیا تھا۔ [illegible] یو۔ پی کے اخبارات میں یہ اچھا خاصہ موضوع بحث بن گئی ہے۔ [illegible] اس بحث [illegible] بحث کا [illegible] کوئی مثبت نتیجہ تو نکلنے سے رہا۔ [illegible] ہندوستان کے ہر شہر اور قصبے کے ہر [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] تحریک [illegible] [illegible]

نازک اندامانِ اُردو

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

سوال اس وقت کا ہے۔ اس سے پہلے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

فراق گورکھپوری

گھونگھٹ

دو صفحوں میں نے کچھ اپنے اشعار اور بہت سے فارسی اساتذہ اور اردو شعرا کے اشعار پر [illegible]
کا نام گھونگھٹ دے رکھا ہے۔ یعنی اصل شعر ایک خوبصورت چہرہ ہے اور اس پر [illegible]
[illegible] گھونگھٹ کا کام دے رہے ہیں۔ [illegible] پانچ تضمینیں پیش [illegible]۔

اس عالمِ بے کسی میں زندگی کی بو نہ باس
کچھ نہیں کہتی خوشی کیا گماں ہو کیا قیاس
کوئی آگے ہے نہ پیچھے، وہ ہے کوئی نہ پاس
پھول [illegible] سبزہ شمع چپ بالیں اداس
ملا ... سامانِ گورِ غریباں دیکھ کر

تسلیم لکھنوی

خود نقابِ رُخ ہے روئے آتشیں کی آب و تاب
یوں تو پیچھے آفتاب آمد دلیلِ آفتاب
پردے آنکھوں کے جلا دے شعلہ سامانیِ شباب
آفتاب از پرتوِ خویش است دائم در حجاب
آشکارا کردہ خود را در نہانی ہنوز

ناصر علی

کل ایک بپا تھی نشیمن تھا میانِ گلشن
دل کے گاتے تھے تو تو دیتے تھے مینا سر دہن
شعلۂ نغمہ سرِ لالۂ و گل عکس فگن
خبرم برسانید بہ مرغانِ چمن
کہ ہم آوازِ شما در قفسے افتاد است

شیخ سعدی

کس نشے کی فضاؤں میں تاثیر نظر آئی
کس خوابِ اسیری کی تعبیر نظر آئی
کس چاکِ گریباں کی تصویر نظر آئی
کچھ موجِ ہوا پیچاں اے میر نظر آئی
شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی

میر

اس شہر کے سب خطے بت خانۂ آذر تھے
سب پیکرِ رعنائی رشکِ مہ و خاور تھے
ایمان کو غش آئے یہ وہ بت کافر تھے
دل کے نہ تھے گوشے اوراقِ مصور تھے
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

میر



نئی شاعری — نیا زاویہ

[illegible]

[illegible]

[illegible] سے [illegible] ملاحظہ ہو۔

اپنے سامنے دو رنگی گلوب سا
میز کا سگریٹ کا [illegible] آواز میں
ٹوٹا ٹوٹ رہے [illegible] رنگین القلابی
شور کر رہی ہیں کئی دروازے
شاید اب [illegible] سر جوڑ کر
وقت کی رات کو وقت سے [illegible]
[illegible] کی [illegible] گی [illegible]
گر [illegible] کے اشاروں کو پہچان لیں

[illegible] ایک [illegible] کے لیے [illegible] کہ [illegible]
[illegible]
[illegible] ایک [illegible] ہے۔ [illegible] کی چند سطریں ملاحظہ ہوں۔

[illegible] گھروں [illegible] سے
[illegible] کے پر دل [illegible]
[illegible] ہی ایسی سو رہی ہیں
پر زمیں دوزخ ہی [illegible] پائے گی!
[illegible] بکھر جائے گا!
[illegible] بہہ جائے گا!

[illegible] ایک مختصر نظم اور غزل
[illegible] ملاحظہ ہو:-

سر [illegible] کے قطرے
[illegible] اور سورج
[illegible] اپنے [illegible] ہے

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible] زمیں کو
[illegible]
[illegible]

یوں لٹک کر رہ گیا ہے
جیسے کوئی لاش لٹکنے سے بچا ہو
جلتا ہے آگ میں دھرتی کا سینہ
بجھتا ہے چمک کر اک ستارہ
اپنا ہے شہر سارا

اس مختصر سے مضمون میں [illegible] شاعری کا [illegible] کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی [illegible] سے مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مضمون ختم کرنے سے پہلے [illegible] کے [illegible] گذر رہے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر تجربہ کامیاب ہی ہو اور [illegible] کے تجربات کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ ان کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ آئندہ نسلیں ہی اس کا [illegible] [illegible] تجربات [illegible] اور ایمانداری [illegible] یقین رکھنا چاہئے کہ یہ تجربات [illegible] کامیاب ہوں گے۔ لیکن اگر [illegible] تجربات [illegible] اور ایمانداری [illegible] شہرت [illegible] کی کوشش [illegible] تجربات [illegible] عوام سے بے نیاز ہو کر کوئی ادب [illegible] نہیں [illegible] کا عوام سے کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ [illegible] کامیاب ہو سکے تو [illegible] [illegible] جدید شاعری [illegible] کہ [illegible] سکے گا۔

آہ ——— راجہ مہدی علیخاں

[illegible] زندگی کیا ہے، بس پانی کا ایک بلبلا ہے۔ کون جانے کب پھوٹ جائے [illegible] ۔ " بے ثباتی سی بے ثباتی ہے "

کل تک [illegible] راجہ مہدی علیخاں [illegible] آج ان کا [illegible] جسم جو ان کے لئے تکلیف دہ اور [illegible] ہے۔

[illegible]

[illegible] صاحبہ بھی [illegible]

[illegible] شعر و ادب [illegible]

[illegible]

[illegible] گیت لکھے۔

[illegible] رسائل و اخبارات [illegible] نظمیں اور ان کے مضامین شائع [illegible] اور خوش [illegible]

[illegible] ادب [illegible] اردو [illegible] مغفرت کرے۔

[illegible] راجہ مہدی علیخاں

— ادارہ —

متین سروش

اعلان

سنگِ آزادیِ جمہور نہ جلنے دیں گے
ساحرِ ظلم کو جادو نہ جگانے دیں گے

ہم ہیں اک جلوۂ بیداریِ انسان و حیات
وقت کو شرم سے گردن نہ جھکانے دیں گے

ہم ہوا خواہِ بہاراں ہیں نگہدارِ چمن
آشیاں لوٹنے گلچیں کو نہ جانے دیں گے

ہم ہیں صدقۂ الفت ہیں ادادانِ کرم
نفرت و جور کا سکہ نہ چلانے دیں گے

جن کا ہر گل ہے شہیدوں کے لہو سے رنگیں
بجلیوں کو وہ گلستاں نہ جلانے دیں گے

جن کے انوار سے روشن ہے دیارِ ہستی
اس سحر پر کبھی ظلمت کو نہ چھانے دیں گے

خونِ ارماں جسے دے دے کے نکھارا ہم نے
رنگ اس گلشنِ جاں کا نہ اڑانے دیں گے

تحفۂ عہدِ ستمگر ساتھ جو اپنے لائے
ابر وہ باغِ تمنا پہ نہ چھانے دیں گے

جبر وہ ناز کریں لاکھ بہانے ایجاد
خرمنِ امن پہ بجلی نہ گرانے دیں گے

قہرِ انساں پہ ستم لاکھ گرائیں برسے
جلوۂ رخ سے حقیقت نہ چھپانے دیں گے

حوصلہ ہار کے منزل پہ نہ بیٹھیں گے کبھی
کون بھی جوشِ طلب کی نہ اڑانے دیں گے

دل نے کھائیں ستمگروں سے شرارے برسیں
جوشِ پیمانِ وفا کو نہ مٹانے دیں گے

ہم فدا کیش ہیں جاں باز ہیں بیدار بھی ہیں
فتنۂ تازۂ حسد کو نہ اٹھانے دیں گے

جاں سے پیارے شہیدانِ وطن کی سوگند
بھاگ کے میدان سے دشمن کو نہ جانے دیں گے

عہدِ تجدید تری پاکیٔ داماں کے نثار
تیری عزت پہ کوئی حرف نہ آنے دیں گے

اے ہمہ ہمت تری عظمت و رفعت کو سلام
سر کسی دشمنِ جاں کو نہ اٹھانے دیں گے

صبحِ آزادیِ افکار کی روشن ہے سروش
جس میں شمعِ شعور کو نہ بجھانے دیں گے



کوثر چاندپوری
دہلی

محبت کے سوا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] خوبصورت ہونٹ [illegible] ایک دوسرے سے [illegible]

[illegible]

[illegible] ہوتے ہیں۔

یہ تنقید سونو کا حال

[illegible]

[illegible] کیا ہو گا! ؟

میں نے فون کیا ہے۔

بیکن — بیکن

بچا نے دے میں دیکھ کا اس کی [illegible]

[illegible] کوئی پیچھا نہیں ملے گا۔

بل فیل ہو گا۔

بنت بگڑ گا۔

[illegible]

اب کیا ہو گا!

[illegible] میں خود ہی کوشش کرتا ہوں۔

[illegible]

اور ہم تم یہ زمانہ میں .....

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ! — ہاتھ ملا دو! [illegible] کیا کرتی!

محسن زیدی

غزل

سوالِ تشنہ لبی کا جواب چاہتے ہیں
ہم اپنے جامِ تہی میں شراب چاہتے ہیں

سحر کو دیکھ لیا تیرگیٔ شب نہ مٹی
ہم اب افق میں نیا آفتاب چاہتے ہیں

گراں ہیں اپنے حقائق کہ سانس گھٹتی ہے
حقیقتوں کے عوض ہم سراب چاہتے ہیں

کسے دماغ ہے اختر شماریوں کا مگر
ہم اپنے داغِ جگر کا حساب چاہتے ہیں

نہ جانے کون سی منزل پہ عقل بہکائے
جنوں کو ہم قدم و ہم رکاب چاہتے ہیں

اسی لئے تو لہو کر رہے ہیں دل کو ہم
کہ آنسوؤں میں بھی رنگِ شراب چاہتے ہیں

بہل سکیں گے کسی خواب سے وہ کیا محسن
جو خواب دیکھ کے تعبیرِ خواب چاہتے ہیں

ضیا فتح آبادی

غزل

لہر سی دل میں اٹھی موجۂ طوفاں ہو کر
رگِ جاں ڈوب گئی سازِ غزل خواں ہو کر

دزدِ شب کچھ بھی بجز ضرر کرنے کے سوا کام نہیں
یہ صلہ خوب ملا دل کو نمایاں ہو کر

مجھ سے کیا پوچھتے ہو دیکھئے کیوں مجھ کو نہیں
کیا ملا دشت میں مجنوں کو پریشاں ہو کر

کر چکا ترکِ تعلق تو کبھی کا لیکن
ذہن میں یاد ابھرتی ہے غزل خواں ہو کر

دل شکستہ ہوں، کہیں ٹوٹ نہ جائے ڈر ہے
یہ مرا عہدِ وفا بھی ترا پیماں ہو کر

اجنبی اپنے وطن میں کوئی دشمن بھی نہ ہو
آئینہ دیکھ رہا ہے مجھے حیراں ہو کر

جام ٹوٹے ہوئے، اترا ہوا مے کا چہرہ
شامِ غم آئی ہے کیا صبحِ درخشاں ہو کر

اے ضیاؔ بحرِ محبت کا کنارا معلوم
دل میں آیا غمِ انساں غمِ جاناں ہو کر

یوسف ناظم

(طنز و مزاح)

ایک خط

[illegible]

پیارے مجتبیٰ!

جیتے رہو

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کے لیے بہت پیار ۔ [illegible] ۔ فقط

تمہارا ۔ شبیر

آئندہ شمارہ ستمبر ۶۶ء

چند خاص خاص مضامین

ایک شاعر ایک انجمن	سید احتشام [illegible]	اندھیرا اور اندھیرا (کہانی)	نور شاہ
دلی کو مرا سلام اور دلی کے گلکدے	آغا [illegible]	حافظ کا اثر شعرائے اردو پر	سید نقی احمد ارشاد
[illegible] (ڈرامہ)	اکبر افسر	لیلیٰ کے خطوط اور لیلیٰ	انوار [illegible] ایم اے
آگ (ڈرامہ [illegible])	ترجمہ ۔ [illegible]	تلاش (کہانی)	کلیم ماہی

یہ اور دوسرے گراں قدر مضامین

منظومات

[illegible] — [illegible] — [illegible] قریشی — ندا فاضلی — جمیل [illegible] — اختر [illegible]

[illegible] — [illegible] — [illegible] — [illegible] — اسرار اکبر آبادی — جمال [illegible]

[illegible]

مناظر عاشق ہرگانوی

فکر تونسوی کی طنز و ظرافت

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کہ [illegible] ہے۔ اس اعتبار سے ان کا نام [illegible] ہوتا ہے۔

اور ٹیلیفون کا کام [illegible] بہت [illegible]۔

"ہمارے ایک دوست جو ایک مشہور افسانہ نگار [illegible] ہیں [illegible] صاحب [illegible] میں پہلے [illegible] ہوئے تھے [illegible] ٹیلیفون کی گھنٹی [illegible] جب [illegible] "ہیلو السلام علیکم فرمائیے آپ کون صاحب ہیں؟"

ادھر سے جواب آیا: "میں [illegible] بول رہا ہوں۔"

[illegible] صاحب کہتے ہیں [illegible] سنتے ہی [illegible] سب سے [illegible] ان کے سامنے [illegible] ، [illegible] ٹیلیفون [illegible] سلام کیا اور [illegible] "حکم فرمائیے، حکم کیجیے ...."



کیا ٹیلیفون [illegible] ہے۔

شاذ تمکنت

خواب زار

چاند جگمگاتا ہے
تھال جیسے کندن کا
ہر کرن کے سینے میں
پھوٹتی ہیں جھنکاریں
یہ پھوار سی خنکی
یہ کٹار سی دھاریں

○

رات سے گریزاں تھا
رات پھر چلی آئی
بھولی بسری باتیں کیوں
کہہ رہی ہے تنہائی

○

تو اگر مری ہوتی
رنگ ہی دگر ہوتا
اس خرابۂ دل کا
خلوتوں کا محفل کا
اب جو حسرتیں ٹھہریں
کل وہ آرزوئیں تھیں
اب جو آہ کہلائی
وہ دعا تھی ہونٹوں پر
کل جو شبنم اتری تھی
اب وہ بن گئی پتھر
اب جو اشک بہتے ہیں
کل وہ سب ستارے تھے
ریت جیسے چشمہ تھی
تیشے سب بہانے تھے
اب جو [illegible] ہنستا ہوں
[illegible]

دور تک ہے سناٹا
دور تک بیاباں ہے
اب جو میری صورت ہے
آئینہ کی حیرت ہے

○

میرے بخت میں آئی
سانس کی گنہ گاری
نان و آب کی تہمت
دل کی کاسہ برداری
ہوشمندیوں کا غم
غفلتوں کی بیداری
اک ترے نہ ہونے سے
آپ اپنا دشمن ہوں
اپنے ہی تعاقب میں
پاشکستہ رہزن ہوں
سب گلے تجھی سے تھے
کس سے کیا گلہ کیجے
مانگنا تجھی کو تھا
کیوں کوئی دعا کیجے

○

تو اگر مری ہوتی
رنگ ہی دگر ہوتا
رنج و شادمانی کا
میری زندگانی کا
روز و شب کی رنگت کا
عیش کا اذیت کا
اور ایک دنیا کا
غیر کا، شناسا کا

دوستوں کی باتوں کا
دشمنوں کی گھاتوں کا
قہقہوں کی گونجوں کا
جشنِ نے کی دھوموں کا
صبح و شام ہونے کا
میٹھی نیند سونے کا

○

ڈالیوں کے جھکنے کا
برگِ گل پہ شبنم کے
قطرہ قطرہ رکنے کا
رقص رات بھر ہوتا
رنگ ہی دِگر ہوتا
تو اگر مری ہوتی

○

طائروں کے اڑنے کا
ٹھنڈی ٹھنڈی جھیلوں کے
کونے کونے مڑنے کا
راستہ جدھر ہوتا
رنگ ہی دِگر ہوتا
تو اگر مری ہوتی

شام ہلکی ہلکی سی
اگر بتی • مالگیری
چاند کا شہابی پن
چاندنی کا چنچل پن
کیفِ خود فراموشی
نیم شب کی خاموشی
بستر بسر مری ہوتی
تو اگر مری ہوتی
رنگ ہی دگر ہوتا

○

طبع کی روانی میں
اس بھری جوانی میں
کتنے کام ادھورے ہیں
کوئی کام کر لیتا
آئینے مقابل تھے
میں بھی کچھ سنور لیتا
پتھروں کے سینے میں
مورتیں مچلتی ہیں
آئینوں میں نادیدہ
صورتیں مچلتی ہیں
پر سفالِ نم خوردہ
کوزہ گر کی دھن میں ہے
آب و گِل کا شیرازہ
بال و پر کی دھن میں ہے
برگِ گل کے صفحوں پر
ہیں نمو کی تحریریں
انتظارِ فردا میں
مہر و مہ کی تقدیریں

○

کاروانِ روز و شب
یوں نہ بے خبر ہوتا
میں بھی ساتھ ہو لیتا
کیوں نہ دربدر ہوتا
شدتِ زندگی ہوتی
موت کا بھی ڈر ہوتا
ہائے اک رفاقت سے
جشن عمر بھر ہوتا
تو اگر مری ہوتی
رنگ ہی دگر ہوتا

○

چابیاں

ظفر چودھری کی شخصیت [illegible] میں نے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ایک بار [illegible] حضور۔

کیا بات ہے؟

آپ کا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] صاحب۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] حضور [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

"جلتے ہیں صاحب [illegible] حضور۔"

"شرم کیجئے بابا کہ۔"

"ہر کام ہو جاتا ہے سرکار۔"

آپ نے کیا ہو سکتا ہے [illegible] بھلا کہا۔

"حضور [illegible] ہو جاتا ہے [illegible] کے [illegible] میں [illegible]"

اور جب تم [illegible] ختم کر دیا۔

"ہر کام پورا [illegible] ظفر۔ یہ سوچا

سپنا بڑے گا۔"

"سرکار اگر [illegible]"

مگر وہ تو [illegible] منظور ہے

بہ شرط۔

"سرکار قسمت حضور۔"

[illegible]

[illegible]

ظفر [illegible]

"اسے [illegible] سلام جی۔"

"پہلے [illegible] کر کے [illegible]۔"

"ظفر۔"

"— [illegible]"

ظفر [illegible] اندر آیا۔

"منشی صاحب کو [illegible] دیا۔ [illegible] ہو گئے ہو۔"

"جی۔ بڑی غلطی ہو گئی سرکار۔"

[illegible] اسی وقت دفتر سے صاحب [illegible] کے چلے جانے میں [illegible] کی صورت [illegible] آج سے تمہیں بحال کیا جاتا ہے بھی۔"

ظفر [illegible] سب کچھ [illegible] خیال تھا [illegible] دے گا۔ [illegible] لیکن وہ بالکل خاموش رہا اور چپکے سے کمرے سے نکل گیا۔

شام کو جب گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آنگن میں [illegible] سے [illegible] کی [illegible] میں [illegible] واقعہ [illegible] جب [illegible] نے دیکھا کہ ظفر [illegible] کے پاؤں داب رہا ہے۔

"بیٹے ذرا اندر آؤ۔" چچا جی نے مجھ [illegible] کہا۔

"کیا بات ہے چچا جی؟"

"بیٹا بیٹھو۔"

[illegible] صاحب نے ظفر کو [illegible] کے لئے [illegible] ظفر [illegible]۔

"ظفر کو تم نے دفتر سے نکال دیا ہے۔"

"ہاں چچا جی۔"

"کیوں؟"

"میں دفتر کے کام کاج میں کسی قسم کی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔"

"ایک معمولی [illegible] کو [illegible] کے [illegible] کام کیا ہے تم نے۔"

بچارا غریب ہے۔ بال بچوں والا ہے۔ اس وقت کہاں جائے؟"

— [illegible] سے [illegible] جائے۔ کیا [illegible] سے [illegible] ہے چچا جی؟"

[illegible] دفتر [illegible] پہلے ظفر [illegible] آیا [illegible] کر دیا [illegible] کام [illegible] جاتا تھا۔ [illegible] اس



یہ لاکھوں روپے کا مالک تھا اس کے بغیر [illegible] بیکار ہے اس کی
حماقت کی [illegible]۔ اسلم نے اسے سینے سے لگا لیا۔ [illegible]
کا پیغام [illegible] دے سکتے۔ یہ [illegible] انسان ہے۔ یقیناً وہ ایسا
ہی ہوگا۔

جو کچھ صاحب نے کہا تھا۔ سب [illegible] سے [illegible]
کا [illegible] تھا [illegible] سے پہلے [illegible]
[illegible] ہوئے [illegible] نے اپنے [illegible] طرف [illegible]
[illegible] نے [illegible] کی [illegible] وہ [illegible] بیچ
[illegible] رہے تھے [illegible] بہت [illegible]
لیا۔

"میں [illegible] کو [illegible] کر [illegible] ہوں۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"
میرا آخری فیصلہ [illegible] اگر تم [illegible] کو [illegible] کرو گے۔ تو [illegible]
[illegible] میں جاتا ہوں۔ [illegible] گئے۔
"[illegible]۔"
[illegible] کر [illegible] پہلے کر [illegible] بات [illegible]
[illegible] کیا۔ "اچھا [illegible] ہی [illegible] کرتا ہوں۔"
[illegible] نہیں کریں گے۔ [illegible]
"[illegible] جی۔ [illegible] ہوگا [illegible]
[illegible] کی طرف چلا گیا۔

[illegible] اپنی [illegible] پر۔ [illegible] گئے۔ پھر
[illegible] ایک [illegible] ایک [illegible]
[illegible] میں [illegible] لیکن [illegible] کرتا رہا۔ جب [illegible]
[illegible] لیکن [illegible]
[illegible] کر دیا تھا۔
[illegible] میں [illegible] تھی۔
"ہاں [illegible]۔"
[illegible] میں [illegible]
[illegible] ہوا تھا۔ [illegible]
[illegible] سے [illegible] ہو [illegible]
[illegible] کی طرف [illegible]۔

ندا فاضلی

سندھیا دربار کی ہولی

[illegible]

[illegible]

ہیں۔ فرش اور گاؤ تکیوں سے لے کر ساری چاندنی تک کا ایک ایک چپہ جگمگا رہا ہے، کیا مجال جو کہیں بھی کوئی شکن نظر آئے۔ ہر طرف سے سہانی گر
چوڑی دار پاجامے، کالے جوتے اور کالے شملے، رنگین ساڑھے ہر طرف اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ کہیں کہیں کالی فرکی ٹوپیاں بھی جھلک رہی ہیں
چپ چاپ بیٹھے ہیں بچے اور بڑے، چھوٹے بڑے جاگیردار، اسٹیٹ کے جانے پہچانے وزیر، سرکاری افسران، دکھائی دے رہے ہیں۔ گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھے
ہیں۔ ہر چہرے پر خوشی کی چمک، ہر ہونٹ پر مسکراہٹ۔۔۔ پٹھان، سید، امیر، شیخ، مختلف رنگوں کے پھولوں کی طرح ایک ہار میں
گندھے ہوئے۔ چاندی سونے کی بڑی بڑی گنگا جمنی کشتیوں میں میوے، گلاب اور مٹھائیاں رکھی ہوئی ہیں۔ چاندی کی چوکی نما مندوں پر خوبصورت رنگ برنگی
کمار ہے۔ بھینی بھینی خوشبو سے بسی ہوائیں۔ ہر طرف رنگ ہی رنگ، پھول ہی پھول، کہیں پاس سرخ گلابی پان اور چنبیلی کے بیلے باندھے
ہوئے اہل کار چوکس کھڑے ہیں۔ یہاں کی آرائش یہاں کی ستھرا سا صاف، ایسا اور چمکیلا ہوا نظر آ رہا ہے جیسے پیلے کرتے پہنے مسند پہ گول گاؤ
تکیوں سے پیر ٹکائے بیٹھے ہیں۔ سورج اپنے پر سمیٹے اگلے سورج کی طرف تک رہا ہے۔ شام کی ڈال پر ڈھلتے سورج کا جوڑا چپکا سا چپکا ڈھلے چپ چاپ
بیٹھا ہے۔

سب بے چینی سے مہاراج کا انتظار کر رہے ہیں۔۔۔ اور وہ سامنے۔۔۔ وہ بڑی بڑی آنکھیں جھکیں۔ ہونٹوں سے ایک ہلکی سی مسکراہٹ
پھوٹی اور نشہ فضا میں چاندی سی بکھر گئی۔ سفید شیروانی کسا ہوا چوڑی دار پاجامہ اور طرے دار دو کونی پگڑی پہنے مہاراج میر اکبر علی ماؤ
مسند کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ایک ایک کر کے باری باری مجرے پیش کر رہے ہیں۔ تمام اہل کار سر جھکائے کھڑے ہیں اور راجہ اپنی اونچی مسند پر بیٹھے
مسکراتے ہوئے چاندنی کے شب میں۔ کبھی پچکاری کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔
لمبی لمبی کالی کالی پلکوں کی سی آنکھوں میں ہیرے کے نگ والی انگوٹھیاں جھلمل کر رہی ہیں۔ بڑی بڑی نشیلی آنکھیں جیسے گھٹاؤں بھرا
آسمان۔ کتنی جھیلی کتنی نرم، کتنا رس کتنا جادو، جدھر اٹھ جاتی ہیں بڑی بڑی شربتی نگاہیں تک جھکنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ سندھیا گھرانے
کی آنکھیں اور حولی خاص طور سے مشہور ہیں۔ جیسا کہ مادھو کا بت کھیلا "قد درمیانہ رنگ گیہواں، چہرا چوڑا، ملیح اور خوبصورت تھا ان
پریوں تو ہر پوشاک ہی خوب بجتی تھی مگر شیروانی، تنگ پاجامہ اور بڑی باڑھ والی کالی فرکی ٹوپی میں تو نظر لگ جانے کا ڈر ہوتا تھا"

اللہ رے جامہ زیب تری حسا مہ زیب یاں
جو رنگ تُم نے پہنا وہی رنگ کھل گیا!

اُستاد حافظ علی خاں سرود پر کوئی مدھم دُھن چھیڑے ہوئے ہیں۔ سنگیت کے محفل۔ آگ موسموں اور وقت کی فراخی مناسبت سے
ترتیب دیئے گئے ہیں۔ کبھی چند دن وقت پکڑ کر دھن بجلی کی طرح روح کی طرح گہرائیوں میں اُترتی چلی جاتی ہے۔ چمن سے ایک
آواز ابھری سب لوگ جیسے کسی گہری نیند سے چونک پڑے ہوں۔ مہاراج کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ حافظ علی خاں بجاتے
ہوئے تھے کہ ایک جادو کا طلسم پیدا کر جاتے، بوجھ کر تار توڑ دیتے ہیں یا وہ خود سنگیت کی جھنکار وں میں ایسے کھو جاتے ہیں کہ
تار نغمے کی شدت کے بوجھ سے خود ٹوٹ جاتا ہے۔۔۔ یہ راز آج تک کسی کو معلوم نہیں۔۔۔ زیب النساء اور شیریں محل کی شبیہ
کا نکالیں، معشوق جہاں آبادی کی بھی ہوئی ایک پیاری سی ہونی کو اپنی آوازوں کے تار پر حاوی کئے ہوئے ہیں۔ "اڑتے
ہوئے نشے میں ڈوبی آنکھیں، یہ چھپا ہوا آئین کی طرح کوئی چمکیلا جھرپڑ بت، اکا نہ موں پر اڑتے ہوئے اتم کے لچھے پیشانی پر جھلمل کرتے
تارے، آنکھوں میں اُلجھے ہوئے چاند سورج، پھوٹتی ہوئی خوشبو میں سانسوں میں بجتے ہوئے گھنگرو اور شاہی محل کی طرح لہراتا ابھرتا
سڈول بدن۔۔۔۔ ابھر گیا رنگوں سے سارا بدن"
گلال کے بادل اڑنے لگے ہیں، رنگ سے دلوں کی گرہیں کھلتی جا رہی ہیں۔ آج ہولی کا دربار ہے۔ آج رنج کا نہیں، دیا، پیار، اور مستی
کا راج ہے۔ مہاراج بیٹھے ہوئے چاندی کی پچکاری میں رنگ بھر بھر کر درباریوں پر پھینک رہے ہیں۔ گلال اور گلاب کی پنکھڑیوں کا ہر طرف
سے مینہ برس رہا ہے۔ [illegible] ہے اور وہ سرور کی کیفیت میں سر اونچا کر رہا ہے۔
[illegible] پر شہنائی بجنے لگی اور مجرئیاں ناچنے لگیں۔ سیراتی لوگ جیسے ہاتھوں سے گرے ہوئے

...اور جھولیاں پھیلا کر بیٹھے تھے..... یہ ایک قیمتی مسلسل عمل ہے، لڑکیوں کے ہونٹوں، بچوں کی مسکراہٹوں، پھولوں کے رنگ اور خوشبو کی بہار کی صورت میں تبدیل ہو جاتی تھی.... سرسبز ملک ہے.... جہاں کا اپنا لباس.... کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

کتنا پیار، کتنی خوشی، کتنی سرشاری.... ہر شے کے نغمے، نئے گیت، نئے ڈھنگ..... ہر ایک کے ڈھنگ کی طرح، ہر ایک کی خوشی میں ساتھ۔

ادھر مہاراج نے ایک بدبخت کے مشہور ڈاکو کو گرفتار کر کے جنگل سے بھرے دربار میں حاضر کر دیا تھا اور وہ جمعیت واپس لے گئے تھے، بڑے مجرموں کو سزا دینے کی بجائے جاگیر اور انعام سے سرفراز کیا گیا تھا۔

آج بھی وہی مجمع تھا... مہاراج کے ... کے لئے جمع ہوئے ہیں، دور دور سے آشنائی ... پر ڈھلی ہیں۔

سونے چاندی کے زیورات سے لدے ہوئے ہاتھی کے ہودے پر مہاراج کنول اور سنگ میں ڈوبی طرح سجے بیٹھے ہیں، ہونٹوں کی مسکراہٹ چندر کے پتوں سے چھنتی ہوئی کرن کی طرح پھیل رہی ہے، ہر چہرے پر چاندنی ہی چاندنی.... ہر گلی میں پھول ہی پھول، ہوا میں مست رنگینی بکھری، یہاں ہر ... سرکاری بینڈ باجے ... من سے ... کا خیر مقدم کر رہا ہے۔

چھتوں، کھڑکیوں، بالکنیوں سے رنگوں کی بوچھاریں برس رہی ہیں... جیسے آج مہاراج کی ہے.... سندھیا مہاراج کی جے سے پورا شہر گونج رہا ہے.... ہاتھی جھوم جھوم کر آگے بڑھ رہا ہے.... مہاراج کے دونوں ہاتھ کنول کی کلی کی مانند جڑے ہوئے ہیں۔

گشت کی سواری کی سب سے اونچی منزل پر ایک بوڑھا کھڑا ہو کر ... سے چوک ہے.... موتی ... ہے.... مہاراج کی نظر ایک ساتھ اوپر اٹھتی ہے، ہاتھ جڑتے ہیں اور ایک دیا کی چمک چہرے پر چمک اٹھتی ہے.... اور سب دیکھتے ہیں کہ وہ پاس بیٹھے اس ڈاکو سے کچھ کہہ رہے ہیں۔

شاید اس بوڑھے کو لڑکی کی شادی کے لئے پیسوں کی ضرورت ہوگی، یا رہنے کے لئے مکان کی خواہش ہوگی... یا اپنے کسی بچے کے لئے روزگار کی تلاش۔

ہاتھی آگے بڑھ گیا.... دل کے پیار بھرے شہر میں کسی دلہن کی طرح جھومتا جاتا.... جگہ جگہ اسی طرح رکتا.... نئی نئی کہانیاں سنتا.... مرادیں بانٹتا گزرتا.... خود بھی رنگ میں ڈوبا.... دوسروں کو بھی بھگوتا.... گڑھی کے پھاٹک کی طرف بڑھتا جا رہا ہے ـــــ اور وہ بوڑھا پورے یقین اور اطمینان کے ساتھ آنے والے کل کا انتظار کرنے لگتا ہے... اس کی آنکھیں عقیدت، تشکر، پیار کے جلے جلے احساس سے چھلک رہی ہیں.... اس کے گھر کے غم میں آپ ہی آپ کچھ سکون سا پیدا ہوتا جا رہا ہے۔

(ہندی سے ترجمہ)

(بقیہ رام جی صفحہ ـــ ۱۶۴)

[illegible]

مظہر امام

غزل

ایک مدت سے مرے گھر میں کوئی آیا نہیں
ان شناساؤں میں کوئی آشنا چہرہ نہیں
بل رہی گی اشک بن کر عشق ہے بے امتحاں
آج رستے میں کوئی دریا نہیں، صحرا نہیں
آسماں بھی سر پہ ہے تارے بھی، مہر و ماہ بھی
اپنے پیروں کے تلے لیکن کوئی دُنیا نہیں
خود غرض ہیں انجمن آرائیاں، تنہائیاں
آدمی کا آدمی سے اب کوئی رشتا نہیں
آج کے بو سفار اُڑاتے ہیں ہنر کا مذاق
ہاتھ میں پتھر بہت ہیں، سر کوئی اُونچا نہیں
آگیا ہے پاس کیا تیرے یہ تازہ آفتاب
آج تو دالان میں قیامت کا سماں دیکھا نہیں
جس میں لکھے درج ہوں ہم سارے انساں کے لیے
وہ صحیفہ آسماں سے آج تک اُترا نہیں
میرے حصے میں فقط بربادیاں، ویرانیاں
یہ جہاں سب کا جہاں، میرا نہیں، میرا نہیں

زبیر رضوی

غزل

شوق عریاں ہے بہت جن کے شبستانوں میں
وہ ملے ہم کو مچانوں کے صنم خانوں میں
دھج ارباب جنوں کھینچ کے ملے ہے ہم سے
پھول ٹانکے ہیں نئے ہم نے گریبانوں میں
کھڑکیاں کھولو کہ در آئے کوئی موجِ ہوا
راکھ کا ڈھیر ہیں کچھ لوگ طرب خانوں میں
شہرِ خورشید کے لوگوں کو خبر دو کوئی
دن کے غم ڈوب گئے رات کے پیمانوں میں
جب کوئی ساعتِ شاداب ملی جام بکف
جان سی پڑ گئی بجھتے ہوئے ارمانوں میں
اے صبا لے کے چلی آ کسی بادل کی پھوار
خاک اُڑتی ہے بہت دل کے بیابانوں میں
اے غزالانِ وطن ناز کرو ہم پہ کہ ہم
آخری کشت ہیں خوباں کے شناساؤں میں



اکرام جاوید
کہانی

خواب ڈھونڈوں کہاں

بہت عرصہ ہوئے میں نے ایک خواب دیکھا تھا [illegible]

[illegible]

آزادی، اختیار اور لذتِ تسخیر کے نشاط بے پایاں عالم میں اچانک میری آنکھ کھل گئی

اور پھر میں [illegible] خاک کا ایک ذرہ تھا جسے [illegible]

[illegible]

میرے خواب کی تعبیر [illegible]

[illegible]

چھوٹے سے بھائی بہنوں کے ساتھ مستقبل کے بارے میں سوچا کرتا۔ اس وقت سوچتا تھا مجھے دنیا میں سب سے بڑا آدمی بننا تھا۔ پڑھ لکھ کر کارہائے نمایاں انجام دینے تھے۔ بچپن تھا خواب کا نام روشن کرنا تھا لیکن میں اعلیٰ تعلیم نہ پا سکا کوئی بڑا آدمی نہ بن سکا۔ بدحواسی اور بوکھلاہٹ کے عالم میں دفتر کی چھوٹی سی ملازمت اور حقیر تنخواہ ہی کو میں نے زندگی کا مقصد سمجھ لیا۔ غیر شاعرانہ، بے کیف اور غیر معمولی خشک کام نے میری روح کی تازگی کا خاتمہ کر دیا۔ زندگی کا ذوق [illegible] اجڑ کر بیاباں اور دل کا ناسور بن گئی۔ گھٹن اور حبس کے شدید احساس سے میرا دم گھٹنے لگا ـــ ایسے میں چپکے سے ایک ہوا کا جھونکا زلفِ معطر کا ایک حسین خواب بن کر بہت قریب آنکھوں تک آ پہنچا ـــ میں نے سائے کو اپنی بے قرار بانہوں کی گرفت میں لینا چاہا تو وہ سایہ غائب ہو گیا۔ ایک حسینہ نے مجھے محبت کا پہلا سبق پڑھایا۔ دو قدم ساتھ چل کر گم ہو گئی اور خواب بن گئی ـــ

ہوا کے جھونکے وقفے وقفے سے چلتے رہے اور [illegible] ریت کے ذرے اٹھتے رہے سوکھی آنکھوں کے ساغر اور محبوب کی بکھری زلفوں کی طرح نازک لبوں کی پنکھڑیاں اور مسکراہٹ کے اجالے میرے ذہن میں رہ گئے۔ خوابوں کی دھند سی چھا گئی ـ کچھ کامیاب اور ناکام عشق کئے۔ اور تنگ آ کر ایک سیدھی سادی معمولی صورت شکل کی بے خبر اور ان پڑھ لڑکی سے شادی کر لی۔ [illegible] ہونے والا لڑکا اس کے سوا اور کیا کر سکتا تھا۔ شادی ہوئی تو بچے بھی ہو گئے۔ بیوی بیچاری ہر طرح سے خیال رکھتی تھی۔ وہ میری پرستش کرتی تھی مجھے یا مجازی خدا سمجھتی تھی مجھے اس کی پرستش کی ضرورت نہیں تھی۔ میں خدا بننا نہیں چاہتا تھا۔ میں تو رفاقت کے لئے ترس رہا تھا۔ [illegible] کسی کو بہت زیادہ قریب محسوس کرنا چاہتا تھا کسی کو۔ مگر کوئی بھی میرے اس قدر قریب نہ آ سکا کوئی شریکِ رفاقت کو اپنی نہ کر سکا۔ میں ایک بند کتاب ہی رہا۔ کوئی مجھے نہ سمجھ سکا۔ [illegible] کو پوچھنے والے محسوس تک نہ کر سکے [illegible] کا حال کیا ہے۔ میں جوانی کے درمیان ان ہی کی طرح زندہ ہوں ماضی پرست زمانہ مجھے پہچان نہ سکا۔

وقت کے ہر بڑے تغیر کی طرح مجھے بھی دنیا میں ابھی زندگی کے لئے ترسنا پڑا۔ دانے پانی کے جھگڑوں پر اپنی عمر کے قیمتی ماہ و سال برباد کرنا پڑے، قدم قدم پر ٹھوکر اور قتل ہونا پڑا۔ آسمانی رنگ افلاس کے چار سرکش گھوڑوں پر قابو پانے کی تعبیر کتنی بھیانک تھی مجھے میرے خوابوں کی جنت نہ مل سکی۔ میری آنکھوں میں گرم دہکتی ہوئی سلاخیں [illegible] تصور تھا تو یہی کہ میں نے خواب دیکھے تھے، تسخیرِ کائنات کے خواب، موت اور فنا پر قابو پانے کے خواب، ماضی اور مستقبل کے خواب جن کے درمیان حال کا سیلابی خون آشام دریا بہہ رہا ہے۔

برسات کی وہ اندھیری رات جب موت نے سفاکی کی صورت میں میری پیاری بہن پر ٹوٹ پڑی۔ میری بہن جو میری ہم شکل تھی اور میں اپنے مرحوم باپ کا ہم شکل ہوں۔ تو اس طرح میرے باپ کی ایک اور شکل مٹ گئی۔ اور میری ایک اور صورت فنا ہو گئی۔ میں اسے بچا نہ سکا میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ زر، نہ زمین اور نہ ہی زندگی ـــ پھر تم کیسے بچ سکتی تھی۔ تم سخت بخار کے عالم میں دوا خانہ لے جانے والا اور سرکاری دوا خانے میں کسمپرسی کے عالم میں کڑا اسے دم توڑتے دیکھنے والا میں ہی تو تھا اور میں ہی تھا جو اس کی لاش لے کر گھر آیا تھا۔ وہ کالی ڈراؤنی رات جب جاننے پہچاننے والوں میں میری تنگدستی اور مجبوری کی تشہیر ہو گئی تم کے پاس کپڑوں کا صرف ایک جوڑا تھا جسے پہن کر وہ اسکول بھی جاتی تھی اور گھر میں بھی رہتی تھی۔ لیکن جب وہ مر گئی اور دوا خانے سے اس کی لاش گھر آئی تو لوگوں نے کہا کہ میت کے کپڑے بدل دو ـــ اور میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ تم کے مستقبل کے بارے میں کیا کیا نہ سوچا تھا۔ کتنے سہانے خواب دیکھے تھے کہ اسے اعلیٰ تعلیم دلاؤں گا۔ قیمتی ملبوسات اور زیورات سے سجا کر دلہن بنا کر دھوم دھام سے رخصت کروں گا [illegible] اور میرے لئے اس کے آخری کفن کا خرچ بھی ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ بڑی مشکل سے اسے اس کی قبر تک پہنچایا گیا۔ وہ بھی حقیقت سے افسانہ بن گئی ـــ ایک خواب کی طرح غیر مرئی اور غیر حقیقی!

وقت کا سیلابی دریا پوری قوت سے بہہ رہا ہے۔ حقیقتیں خواب اور خواب حقیقت بنا ہوا ـــ اور میری جوانی نذرِ سیلاب ہو گئی ـــ میرا جوان جسم مر گیا اور اس جسم سے ایک بوڑھے نے جنم لیا ہے ـــ!

برسات اور [illegible] بہت اندھیری اور دہشتناک ہے زمانہ اب بدلا ہے [illegible] ہے۔ اب میں [illegible] زندگی [illegible] نہیں کرتے کہ ان کا [illegible] زمانہ [illegible]

دنیا کا عکس ہے جس کا کوئی وجود نہیں۔ مجھے اس کی بدولت آسودگی بھری زندگی عطا ہوئی ہے۔ میں اپنے ماضی کا ایک شگفتہ باب [illegible] گویا
ماضی میرے سے بری طرح چھٹا ہوا ہے کہ اپنے ماضی کو بھول سکوں جو اپنی جوانی تک کو فراموش کر سکتا ہے۔

وہ بھی ایک رات تھی [illegible] جب میرے خواب یاسمین کی شکل میں میرے سامنے آئے۔ ایک بھولی بھالی معصوم
پُرخلوص لڑکی جس کی پیاری پیاری چھوٹی سی مسکراہٹ نے مجھے بیدار اور پاگل کر دیا۔ محبت کا تیر [illegible] نکال لیا ہو کر
میرے جذبات [illegible] میں جو کچھ [illegible] قدم قدم پر [illegible] تھا ایک بد اور مقتل میں پہنچ گیا۔ میری جوانی
اپنے [illegible] ایک سیدھا سادا [illegible] اور [illegible] کا شوہر تھا اور تین پیارے بچوں کا باپ تھا۔ مجھے اپنی بیوی
سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ مجھے اپنے بچوں سے بے پناہ محبت تھی لیکن یاسمین نے میرے ہوش و حواس [illegible] میں اپنی بیوی اور
بچوں کو بھول گیا۔ [illegible] اپنے حالات کا مجھے کچھ خیال نہیں رہا۔ اور یاسمین کی جوان محبت کے [illegible] کھو گیا۔ میں اپنا ماضی اور اپنا
[illegible] سب کچھ بھول بیٹھا۔ اتنی شدت [illegible] خود فراموش اور اس طرح [illegible] زندگی میں کسی کو نہیں چاہا تھا۔ یاسمین نے
مجھے [illegible] محبت کا احساس دلایا۔ وہ محبت جس کا مجھے خود علم نہ تھا اور جو دل کی تہہ در تہہ گہرائیوں میں کہیں پوشیدہ تھی۔ محبت کا [illegible]
گہرائی [illegible] اور [illegible] کا طوفان میرے لئے [illegible] میری زندگی بدل گئی۔ ایک نشہ سا مجھ پر طاری ہو گیا۔

میں نے [illegible] کر لیا کہ یاسمین میری آرزو [illegible] خوابوں کی تعبیر ہے۔ اب اس کے بعد میری زندگی میں کوئی خلا نہیں رہے گا۔
میں نے [illegible] کے سمندر میں [illegible] اور [illegible] یاسمین کو پانے کے بعد سوچا
تھا کہ اب کوئی خواب نہیں دیکھوں گا۔ اب کسی خواب کی تلاش نہیں کروں گا۔ میں نے یاسمین کو دل میں [illegible] کر لیا اور [illegible] بند کر لیا
آنکھوں کے [illegible] بند کر لئے۔

وقت کے ساتھ ساتھ [illegible] بھی بدل گیا۔ یاسمین [illegible] مجھے اس کا [illegible] ہے اور اس کا دل [illegible] نہیں ہے
[illegible] کے درمیان حائل ہو گئی۔ وہ یاسمین جو حقیقت تھی، پھر خواب بن گئی۔

وقت [illegible] گزر رہا ہے۔ وہ وقت بھی گزر گیا۔ وہ وقت جو آنے والا ہے [illegible]
[illegible] یادوں کی گہری دھند میں [illegible] یادیں ماضی اور حال کی یادیں، گزشتہ تجربات، حادثات
اور [illegible] کے چاند ستارے، ستاروں کی طرح چمکتی آنکھیں اور پھول کی طرح تر و تازہ خوبصورت ہونٹ
سب [illegible] یاد آتے ہیں۔ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں۔ میری سماعت اور بصارت میں فرق آ چکا ہے۔ پھر بھی میں
[illegible] میری نگاہوں کے آگے کتنے [illegible] چہرے [illegible] جو ویران ہو گئے [illegible] حرف غلط
کی طرح مٹ گئے۔ موت اور زندگی کی کشمکش [illegible] قفس [illegible] بادشا
[illegible] سلطنت [illegible] شہر [illegible]

[illegible] کتنے [illegible] کے [illegible]
[illegible] اور خاک [illegible] سلطنت سے
[illegible] خواب دیکھنے والے
[illegible] خوشبو
کی شکل میں۔ چاند ستاروں [illegible]

وہ [illegible] خواب دیکھتے تھے [illegible] خواب [illegible]
[illegible]
[illegible]

شعور پیدا کرو زمین اور آسمان کے درمیان کھیل جاؤں گا اور لوگ مجھے دیکھ نہ سکیں گے محسوس نہ کر سکیں گے میری آواز تک نہ سن سکیں گے اگر کسی کو دکھائی دے بھی سکتا ہے تو کوئی شک ہے تو پھینک دیا جاتا ہے اور پھر اس زمانے میں جب کہیں دکھائی دیتا ہوں محسوس کیا جا سکتا ہوں سنا اور کہا جا سکتا ہوں حالانکہ مجھ کو کوئی دیکھتا نہیں ہے ۔ اور جب میں اس ہیولے کی طرح پھیل جاؤں گا ذرّوں کے خاک کے ذرّات میں تلاش کرنے کی زحمت گوارا کرے گا ۔ کون زمین پر قدم رکھتے ہوئے سوچے گا کہ زیرِ قدم کسی کا دل پڑا ہے کسی کی آنکھیں بھی ہیں کیسا کیسا بکھرا ہوا ہے جسے روندتے ہوئے وہ چلنے پر مجبور ہے کون آکر مجھے آوارہ بادلوں کے ساتھ آسمان کی نیلگوں پرائیوں میں بھاگتے ہوئے جھونکوں دن کے اُجالے چاند تاروں کی روشنی اور پھولوں کی خوشبوؤں میں دیکھ اور محسوس کر سکے گا ۔ میری صورت سے کون آشنا ہے خوشبو کا چہرہ کس نے دیکھا ہے بہتے ہوئے دریا کے پانی میں کون کسی قطرے کو ڈھونڈ سکتا ہے ۔ وہ مکان جو کبھی محسوس ہوتا تھا جس دماغ کے دائرے سے نکلتے ہی وسعت میں سمٹ جاتا ہے موت یہی ہے اور یہی زندگی ہے قطرہ جب تک قطرہ ہے یا پھر اپنا انجام ہے وہ دریا میں مل جاتا ہے دریا جو ازلی اور ابدی حقیقت ہے اور حقیقتوں کا خواب ہے زندگی ۔

جانے والو !

میرے پیارو ۔ میری زندگی ۔ میرے دوستو اور دلدارو کیا جانے سے پہلے تم نے بھی کچھ سوچا تھا جو میں سوچ رہا ہوں ۔ میری یہ سوچ نئی اور انوکھی تو نہیں ہے ؟

”میں کون ہوں ۔ کہاں سے آیا اور کدھر جاؤں گا ۔“

”ہم کون تھے ۔ ؟ ہم کہاں تھے ؟ ہم کہاں آ گئے ہیں ۔ ؟“

یہ کیسی آوازیں ہیں جو زمین و آسمان کے درمیان گونج رہی ہیں ۔

یہ کون قطرے ہیں جو دریا میں ملتے ہوئے سسک رہے ہیں ؟ خاک کے اندر سے دم بہ دم صدائیں بلند ہیں ۔ بادلوں بھرے سیاہ آسمان پر اداس دھوئیں کا عالم چھایا ہوا ہے روحیں آنکھوں میں قطروں کو دریا اپنی طرف کھینچ رہا ہے دریا سے قطرے جدا ہو رہے ہیں اور جدا ہو کر پھر دریا ہی کی گود میں ایک کشمکش سی جاری ہے ۔ اور میں سوچتا ہوں کہ یہ کشمکش کیسی عجیب کشمکش ہے ۔ کیا یہ کشمکش ہی زندگی ہے ؟ کیا اس کشمکش پر قابو پانا ممکن ہے ؟ کیا جسم کے فنا ہونے کے بعد وجودِ انسان زندہ رہ سکتا ہے بے روح اور بے جسم ۔

میرا دل اس احساس سے ڈوبنے لگتا ہے کہ جب مرنے کے بعد میرے ساتھ میرا ”میں“ بھی مر جائے گا میرا سوچنے والا وجود ختم ہو جائے گا تو پھر موت کے بعد کی زندگی کیا زندگی ہو گی ہوش و حواس ہی نہ رہیں تو پھر ابدی زندگی سے کیا حاصل ہو گا ؟ ابدی مسرت اور دائمی آسودگی کیا مفہوم رکھتی ہے چشمِ تماشائی کے بغیر تماشہ کیا تماشہ ہو گا ۔؟

موت آہستہ آہستہ میری طرف بڑھ رہی ہے جانے وہ مجھ سے کتنی دور ہے ۔ کس قدر قریب پہنچ چکی ہے موت تو یقینی ہے موت کے بعد کیا ہو گا ؟ میرے خوابوں کا کیا ہو گا جن کا سلسلہ میرے جسم کی علمداری کی سرحد سے آگے بھی دراز ہے وہ خواب جو ابھی میری آنکھوں میں ہیں آخر کس کے پاس جائیں گے کس قدر تشنگی باقی ہے کون ملے گی مسرت کو پا سکتا ہے یہاں ۔ عمر کی ہر منزل پر تجربات ہوش و حواس نے لذتِ تشنگی اور بھی بڑھا دی ۔ ہر بار جام ہونٹوں تک پہنچ کر ہاتھ سے چھوٹ گیا ۔ کامیاب اور ناکام صد ہزار سی شعلوں کی طرح میرے دل کا طواف کرتے ہیں وہی پیاسا تشنگی ہے صدیوں پرانی آگ اب بھی روشن ہے سوچتا ہوں کیا دل کا یہ آتشکدہ کبھی سرد بھی پڑ سکتا ہے ۔ موت کی برف کیا اس آگ کو بجھا سکتی ہے ؟

سوچتے سوچتے سویرا ہو گیا ۔ اندھیری رات ختم ہو گئی ۔ موت اور زندگی کے درمیان ایک اور رات کا فاصلہ کم ہو گیا ۔ ہمارے دریا کے کناروں پر زندگی کی بیری کا پھول کھل گیا ہے نسیمِ سحر چلنے لگی ہے نسیم سحر کے مست متوالے جھونکو ۔ ذرا آہستہ چلو ۔ تم بھی سے پھر یہاں اپنے خوابوں کا شیش محل بنائے بیٹھا ہوں محبت کے تاج محل بنائے بیٹھا ہوں یہاں میرا دل ہے آہستہ چلو ۔ آہستہ ہو ۔

وقت گزرتا ہے، کیا ایک گردش ہی ہے زندگی کا دائرہ یا سب ہے [illegible] گزرے ہوئے لمحات کا جائزہ لیتے ہوئے خوشبو ملتی ہے نسیم سحر ـ شگفتہ پھول ــ ہنسنے اور کی خوشبو ــ دلیلی نئی زیست سوگلی خوشبو ــ میرا دل دھڑکتا ہے ہر چہرہ جیسے پہچانا ہوا ہے سانس تھم لیتا ہوں ہر لمحہ گرتا رہا ہے یہ محبت کی کرن روشنی دے رہی ہے، آنکھوں کے آگے قطرہ قطرہ منظر کی کیفیت چھانے لگی ہے ۔ ایک بحر ایک خیال ایک ہیولا سا ابھر رہا ہے کانوں میں جلترنگ بجاتی آواز کا ترنم تک گھونٹ لگا ہے میرا دل دور دور سے دھڑکنے لگا ہے۔ وہ جو خواب کی کسک ہے ... میرے خیال کو تو ٹ کر پیاس لگی ہے میرے دل کی محبت ایک نئے روپ میں سامنے آتی ہے۔

زندگی جیسے کہ خوشبو ہو کہ محسوس کی جاتی ہے۔ اور محبت جیسے کہ اگر کھلتی ہے حقیقت کے چہرے سے نقاب ہٹاتی ہے اور خواب دکھاتی ہے زندگی کے ــ زندگی جو صفات اشیاء اور اجسام میں منقسم ایک دائرہ اور مطلق اکائی ہے خوشبو پھولوں میں بٹ کر بھی اپنا وجود رکھتی ہے قطرہ دریا کی ہے قطرے کا وجود اس میں ہے دریا کا وجود ہے قطرے کی انفرادیت دریا کی انفرادیت ہے اور محبت قطرہ اور دریا کے فرق کو مٹاتی ہے۔

سحر ہوتی ہے، ایک لمبی اندھیری رات ختم ہو چکی ہے۔ وقت کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا ـ لمحات برق رفتاری سے گزرتے جا رہے ہیں، میں اب بھی خواب دیکھ رہا ہوں قطرہ کی طرح نہیں بلکہ دریا کی طرح۔ کل عالم انسانی کی حیثیت میں میں خواب دیکھ رہا ہوں اندھیرے میں اجالے کے خواب، یہ خواب جو محبت کی وادیوں سے میری طرف آتے رہے ہیں۔

میری محبت ــ میری محبت ــ تم جہاں کھڑی ہو وہاں اجالے کی سرحد ختم ہوتی ہے، آگے پھیلا ہوا سیاہ دھند، مہیب اندھیرا ہے اور تم ان اندھیروں میں بھی میرے ساتھ ہو، میں تمہارے ہاتھ کے لمس کو محسوس کر رہا ہوں، یہ ہاتھ جو زمانہ ہوا کبھی میرے ہاتھوں میں آنے لگے ـ اب بھی یہ ہاتھ میرے ہاتھوں میں ہیں۔ اب مجھے کوئی غم نہیں ہے، زندگی کے رائیگاں جانے کا احساس ہے اور نہ زندگی اور ناآسودگی کا غم ـ تمہارے معصوم حسن کی قسم ــ میرے دل میں محبت کا چراغ اب بھی روشن ہے، اب بھی روشن ہے۔

بہت دن ہوئے میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ اب اس خواب [illegible] کے آسمانی رتھ پر سوار [illegible] اور وہ چاندنی روپہلی سنہرا سرکش گھوڑے میرے تعاقب میں ہیں۔

بقیہ صفحہ ۱۰ ۔ آدھ گھنٹہ پروفیسر کلیم الدین کے ساتھ

ڈرائنگ روم میں پروفیسر کلیم الدین احمد کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور میرے بعد پروفیسر سید حسن صاحب تشریف فرما تھے، پروفیسر کلیم الدین احمد نے بیٹھنے کے بعد ہی میرے حالات دریافت کئے۔ کچھ شعر و شاعری کے بارے میں معلومات حاصل کیں، پھر شعبۂ اردو کے بارے میں پوچھا۔ کتنے اساتذہ ہیں، کتنے طالب علم، تعلیم کا معیار کیا ہے؟ اسی قسم کے دیگر سوالات کئے۔ اس کے بعد آپ کی خدمت میں اپنی ایک حقیر تصنیف "ادب کا تنقیدی مطالعہ" پیش کی، جس کو موصوف نے بخوشی قبول فرمایا اور شکریہ ادا کیا۔ میں دوران گفتگو میں بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا کہ کہیں گفتگو ان پر بار خاطر ثابت نہ ہو جائے۔ اس لئے میں نے پروفیسر سید حسن سے کہا کہ اب چلنا چاہئے۔ مگر پروفیسر کلیم الدین احمد نے فرمایا "اتنی جلدی کیا ہے؟" یہ جملہ بہت محبت آمیز تھا۔ میں نے میز کی طرف دیکھا اور پھر گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔ اردو کے مختلف ادیبوں کا ذکر آیا۔ [illegible] سے پروفیسر آل احمد سرور، پروفیسر سید احتشام حسین اور پروفیسر مجنوں گورکھپوری کے بارے میں [illegible] اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اس گفتگو کے ختم ہونے کے بعد میں پھر چلنے کے لئے تیار ہوا [illegible] میں نے پروفیسر سید حسن سے [illegible] پروفیسر کلیم الدین احمد نے روک لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد چائے آگئی۔ چائے کا سیٹ نہایت خوبصورت اور کافی نہایت عمدہ تھی [illegible] بج گئے۔ میں نے رخصت ہونے کے لئے آمادگی ظاہر کی [illegible] پروفیسر سید حسن [illegible] پروفیسر کلیم الدین احمد صاحب [illegible] کی اجازت [illegible] مسکراتے ہوئے پروفیسر [illegible] پروفیسر کلیم الدین احمد سے یہ آدھ گھنٹے کی ملاقات [illegible] ایک حقیقت ہے۔

مرتبہ
ادریس احمد ثاقب

حسرتِ بسترِ گل



بتا اے مرے دل!
مرے مضطرب دل بتا
زندگی سبزہ و شبنم و گل کی دامن میں
بیاباں کے کانٹوں پہ کب تک چلے گی؟
لہو بہہ رہا ہے!!
مرے خون شدہ دل بتا
زندگی مجھ سے اب اور کیا چاہتی ہے
وہ محفل جہاں آبگینوں کی شب ہے گلابی
جہاں کی فضا پیار کی اک دھنک ہے
جہاں غم بہ غم گیسوؤں کی مہک ہے
ابھی منزلوں دور ہے
اے مرے غمزدہ دل بتا کیا کروں میں؟
بہت تھک گیا ہوں
مگر پھر بھی وہ بے شمار آرزوئیں
وہ ہر بزم میں سربلندی کی خواہش
نگوں سرمدی کی
وہ مرمر کے اونچے شبستاں کے ارماں
وہ اک بسترِ گل پہ سونے کی حسرت
وہ بادِ مخالف سے لڑنے کی قدرت
وہ جوشِ طلب وہ ثنا و تمنا
مجھے اب بھی ہیں
مگر کس زندگی کو
بیاباں بیاباں پھرا رہے ہیں

متاعِ توکل لٹی جا رہی ہے
سکوں چھن گیا، نیند اچٹ سی گئی
روح گھبرا رہی ہے
مگر زندگی ہے کہ اپنے لہو میں
نہائی ہوئی راہ طے کر رہی ہے
سفر بیکراں ہے
بتا اے مرے دل
میں تکمیلِ خواہش کی دُھن میں
کہاں تک یونہی پا بجولاں رہوں گا

بیاباں کے کانٹے بہت تیز ہیں
روح میں چبھ رہے ہیں
لہو بہہ رہا ہے!!

احمد جمال پاشا
(طنز و مزاح)

سروری منزل

[illegible]

"ننگے ہو چلیں گے وہ سر کر"

[illegible]

ہمارا شہر ... ہمیشہ

[illegible]

"سروری منزل" :

[illegible]

رہنے والے [illegible] پر احسان کرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے قیمتی وقت کو برباد کرتے ہیں۔ ہم اب درمیان میں کبھی نہیں سوچ پاتے کہ ہمارے [illegible]
پیسے پیسے۔ کیونکہ [illegible]۔ یہاں آنے جانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ریڈیو [illegible] کے علاوہ ہمارے گھر کی ایک اور حیثیت بھی ہے جس کو ہم [illegible] [illegible]
[illegible]

ہمارے گھر کا [illegible]

[illegible]
"[illegible] کا حال کیسا ہے آپ کا؟"
اور وہ [illegible]
[illegible] خیال کرتا رہا تھا۔

ہمارے پڑوسیوں کو حیرت ہے کہ ہم کبھی سینما نہیں دیکھتے۔ لیکن انہیں یہ علم نہیں کہ ہمارے پڑوسی ہونے کے بعد سینما دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہ [illegible]
[illegible] بے ذوق ہو کر رہ گیا ہے۔

لیکن پڑوسیوں اور [illegible] جبکہ باہر والے گھر کے اندر [illegible]
[illegible]
ہماری بلا سے [illegible]

مدتِ خریداری ختم ہونے کی اطلاع

اس سیاہ حلقے [illegible] کے معنی یہ ہیں کہ آپ کا سالانہ چندہ [illegible]
[illegible] ختم ہو گیا ہے۔ اب [illegible]
[illegible] روپے [illegible] روانہ کر دیجئے۔ اگر تجدید خریداری
منظور نہ ہو تو [illegible] اطلاع دے دیجئے [illegible] بھیجا جائے۔ (مینیجر)

آغا رشید مرزا دہلوی
(کہانی)

مسیحا

ممکن ہے وہ خود بھی طبیعت سے کوئی بات
کہتے ہوں لیکن مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ
اظہر کرتے ہیں جیسے معلوم ہے یعنی ان کا دل
سمجھا جاتا ہے اور وہ یہی جانتا ہے کہ جیسے
دل ہی دل میں کچھ طلب کیا جا رہا ہے۔ مجھے محسوس ہوتا
ہے کہ وہ کسی سے مری محبت پر وہ اندر
ہی اندر سلگ رہا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ
مجھے ان کی ہر بات بگڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔
اور پھر ان کی بات چیت میں کوئی تعلق
کوئی توازن اور اعتدال بھی تو نہیں ہے جب دیکھو
دنیا جہان کے دکھ درد کی باتیں، جیسے
سارے جہاں کا درد انھی کے جگر میں ہے۔
انسانیت کے ساتھ ہمدردی خدمت خلق کی
جا سکتی ہے لیکن ایسا لگتا ہے جیسے کوئی مسیحا
اس زمانے میں پیدا ہوا ہے۔
وہ یہ ہے کہ جب احباب انگریزی
میں پی ایچ ڈی کرنا چاہتے ہیں تو مگر
نے کہا کہ مروت کے بعد کسی سے نفرت
کرنا تھے یہ کہا تھا یہ میں سمجھتا ہوں
کہ مجھے ان سے تعلیم مکمل کرنے کا شوق
بہت تھی اور ان کی بڑی اہمیت
[illegible]

پی ایچ ڈی کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے امید ہے آپ ہر طرح ان کی مدد کریں گے
اس روز کے بعد سے وہ ڈیڈی کی محفل میں برابر آتے رہے ہیں، ویسے بھی آپ ہر طرح
ان کی مدد کرتے ہیں اور دلچسپی لیتے ہیں کیونکہ ریسرچ اسکالر ہی اعلیٰ تعلیم تک پہنچ پاتے ہیں۔
وہ جب بھی آتے ہیں اپنے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ وہ میری طرف کبھی نہیں دیکھتے، کبھی نہ ہنسنا
ہو گی جاتی ہے تو وہ مسکرا کر "ہیلو" کہتے ہیں اور پھر اپنے کام میں لگ جاتے ہیں۔ لیکن اس
کی آنکھیں خاموش رہتی ہیں کہ وہ مجھے دیکھ کر بھی نہیں دیکھتے۔ نہ جانے کب
نہیں جاتا، شاید وہ جانتے ہیں کہ ان کی خبر ہو گی وہ دوستی کا اعلان کر چکا ہے، اس نے
مجھے بار بار دوستی کے ساتھ ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر دیکھا ہے میں سوچتی ہوں معلوم نہیں کیوں
یہ جانتے ہوئے کہ وہ میرے طلب گار ہیں لیکن خواب دیکھنے میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔
دیکھنے والا ان کی کوشش کرتی ہوں کہ ڈیڈی ان سے بے تکلف نہیں، انھوں نے مجھے بڑے
لاڈ پیار سے پالا ہے کبھی میری کسی بات کو ٹالا نہیں ہے۔ سب کچھ انھوں نے دیا کسی چیز کی
کمی نہیں اور مجھ کو اپنا کیا ہے دولت مند ہیں اور وہ دولت مند ہونا پسند کرتے ہیں کہ
ان کی وجہ سے ان کا خاندان مشہور ہے جو اپنے علم کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے ان کی عزت
ہے۔ جو ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تمام اہل علم ان کی عزت کرتے ہیں [illegible] کے خلاف
کبھی کچھ نہیں کرتے، سب ان کی بات ہی کو درست تسلیم کرتے ہیں اور مشورہ لیتے ہیں۔ لیکن ایک اور
سوال میرے دل میں اٹھتا ہے جو ڈیڈی کے بعد مرد ہیں ان میں سب سے زیادہ انھوں نے تحصیل
علم کی ہے سوال کیا ہے کہ [illegible] ڈگری حاصل کرنے کے بعد ان کا مستقبل روشن
ہے اور وہ نہیں ہوگا کام کرنا چاہتے ہیں [illegible]
ہے اور [illegible] ان کی مدد کر رہے ہیں
[illegible]
[illegible]
[illegible]

سوال ذکر چھیڑیں اس سے پہلے کہ کوئی بات ہو میں روشی سے بات کر لینا چاہتی ہوں اور ڈیڈی کی دلچسپی پر انہیں بتا دینا چاہتی ہوں۔
ڈیڈی کو جا چکے تھے۔ میں سوچتی ہوں روشی میرے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے وہ کتنا عجیب ہے کتنا خوش مکھ ہے اتنا دولت مند ہونے پر بھی
بے حد منکسر ہے۔ میں نے تفصیل سے اسے سب کچھ بتا دیا ہے اس نے دوسرے روز سنگ ابی پہاڑی والی کوٹھی پر مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا ہے
میں کئی مرتبہ پہلے بھی اس کے ساتھ اس کوٹھی پر جا چکی ہوں۔ بہت خوبصورت اور پر فضا جگہ ہے مجھے بے حد پسند ہے

موسم سرما کی دوپہر گذر چکی ہے میں نے آسمانی رنگ کی سلیکس اور ہلکے زرد رنگ کا سوئٹر پہنا ہے اور اپنی عنابی رنگ کی چھوٹی موریس مائنر کو کی پہاڑی والی روشی سے ملنے جا رہی ہوں۔ مجھے یاد آ رہا ہے۔ ایک مرتبہ اسی لباس میں دیکھ کر اس نے کہا تھا "اف آشی اس لباس میں تم ایسی معلوم ہوتی ہو جیسے نیلے آسمان پر سر شام کوئی ستارہ نکل آیا ہو۔" اس کی کوٹھی بے حد بلندی پر درختوں، پھولوں اور بیلوں سے ڈھکی ہوئی ایک خوبصورت [illegible] کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ میں جب وہاں پہنچی ہوں تو روشی موجود نہ تھا صرف مالی اپنے کام میں مصروف ہے نقرئی دھوپ پھیلی ہوئی ہے۔ لان پر ہموار سبز گھاس مخمل کی طرح بچھی معلوم ہو رہی ہے جس پر کہیں کہیں شبنم کے قطرے موتیوں کی طرح چمکتے نظر آ رہے ہیں۔ دائیں بائیں کونے میں یوکلپٹس کے درختوں کا سایہ لان پر پڑ رہا ہے۔ مجھے ماضی کے وہ دلفریب لمحات یاد آ رہے ہیں جب انہی یوکلپٹس کے نیچے روشی نے وفا و محبت کی قسمیں کھائی تھیں، وعدے کئے تھے۔ آج اس کے پرانے وعدے مجھے یاد دلانے ہیں لیکن وہ ابھی تک نہیں آیا ہے۔ میں نے تھک کر مالی سے باتوں کا سلسلہ شروع کر دیا ہے میں نے باغ کی تعریف کرتے ہوئے اس سے کہا "بہت خوبصورت باغ لگایا ہے تم نے ...؟"

مالی نے بڑے رکھے جواب دیا۔ "بی بی جی، میں مالی ہوں اور نہ یہ باغ میں نے لگایا ہے۔" میں نے حیرت اور تعجب سے پوچھا "پھر کس نے اتنا اچھا باغ لگایا ہے ...؟"

وہ پھر کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا اور کسی قدر افسوس کے ساتھ بولا۔ "آپ سے پہلے جو لڑکی بڑے بابو کے ساتھ آیا کرتی تھی۔ پہلے کبھی کبھی آپ کی طرح آیا کرتی تھی پھر تین چار مہینے یہاں رہی۔ اسی نے یہ باغ لگایا ہے۔ انگریزی کتابیں پڑھ پڑھ کر اس نے مجھے بھی سکھایا اور خود بھی میرے ساتھ مل کر بڑی محنت اس کے سجانے میں کی۔ وہ نہ میں کیا جانوں مجھے تو یہاں صرف باغ کے کام کے لئے رکھا گیا ہے اس لڑکی کے چلے جانے کا مجھے بھی دکھ ہے۔ اس نے پوچھنے پر بھی نہیں بتایا کہ وہ یہاں کیوں ٹھہری تھی۔ اور کیوں جا رہی ہے۔" میں ہمہ تن مالی کی باتوں میں کھو گئی۔ میں نے خوشامدانہ اور ملتجیانہ انداز میں کہا "مالی سچ سچ بتاؤ اس لڑکی کا بڑے بابو سے کیا تعلق تھا۔"
مالی نے کسی قدر تلخی سے جواب دیا۔ "کس بابو کا کس لڑکی سے کیا تعلق ہے یہ میں کیا جانوں اور کیا بتاؤں یہاں تو چھوٹے بابو بڑے بابو خود بڑے صاحب اور ان کے دوست بڑے بڑے افسر اور صاحب لوگ ... سب ہی تو نئی نئی لڑکیاں لے کر آتے ہیں۔ بی بی جی یہ چڑیا گھر ہے چڑیا گھر۔ آپ ان لوگوں کی سنگت چھوڑ دیجئے ...۔" اور پھر وہ مرجھائے ہوئے پھولوں، زرد پتوں اور سوکھی ہوئی شاخوں کو قینچی سے کاٹنے چھانٹنے میں مصروف ہو گیا۔

میرے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں، جیسے میں ایک لق و دق صحرا میں کھڑی ہوں۔ طوفانی ہوائیں چل رہی ہیں اور کوئی چلا چلا کر کہہ رہا ہے "چڑیا گھر ... چڑیا گھر ..." مجھے خوف معلوم ہو رہا ہے۔ اور ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں بھی ایک چڑیا ہوں اور اس کوٹھی کے کسی کمرے میں بند ہوں باہر نکلنے کے لئے در و دیوار سے اپنا سر پھوڑ رہی ہوں۔

معلوم نہیں روشی کب آیا اس نے پیچھے سے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔ میں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا ہے۔ غم و غصہ سے میرا چہرہ سرخ ہو گیا [illegible] اس کے دیر سے آنے کی وجہ سے بگڑ رہی ہوں وہ میری خوشامد کرنا چاہتا ہے۔ لیکن میں نے اسے موقع نہیں دیا۔ [illegible] دریافت کیا۔ "میں نے جو کچھ تم سے کہا تھا اس کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔" میں اور استفسار نہ کر سکی [illegible] اس نے کبھی مجھے اتنے غصہ میں نہیں دیکھا وہ گھبرا کر ہکلاتے ہوئے بولا۔ "آشی آخر اتنی جلدی [illegible] ... اور پھر کیا ہم ایک دوست کی حیثیت سے نہیں رہ سکتے اور یہ بھی کیا ضروری ہے کہ

محبت کا نتیجہ شادی ہوتا ہے

انہیں کا مطلب سمجھ کر میرے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اور کیا محبت کا نتیجہ خودکشی ہونا چاہیے۔ لو چپ رہو۔ آوارہ۔ بدمعاش۔ مجھے تمہارے سب کرتوت معلوم ہو چکے ہیں۔"

اور پھر تڑاتڑ میں نے اس کے منہ پر تھپڑ مارنا شروع کر دئیے۔ وہ خاموش کھڑا رہا جیسے کوئی بات نہ ہوئی ہو۔ میں کلاس میں بیٹھ کر آنسو بہاتی رہی لیکن اس نے مجھے واپس نہیں بلایا۔ آواز تک بھی نہیں دی۔ شاید وہ مجھ سے چھٹکارا پانا ہی چاہتا ہے۔ میرا سر درد کی شدت سے پھٹا جا رہا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ گاڑی کسی [illegible] سے وہ کہیں ٹکرا جائے اور اس کے ساتھ میرا دماغ میرا جسم پاش پاش ہو کر فضا میں بکھر جائے۔

گھر آ کر کوشش کے باوجود میں رو نہ سکی۔ سارا دن آپ ہی آپ سوچتے سوچتے اور باتیں کرتے گزر گیا۔ قصہ میرا ہی تھا۔ ڈیڈی سچ کہتے تھے۔ دوستی محبت میں بدل [illegible] کسی چیز کے لئے انسان کے [illegible] نہیں [illegible] کر دیکھنا چاہیے۔ رات آدھی ہو چکی ہے آنکھوں میں نیند کا پتہ نہیں۔ [illegible] غم کو غلط کیا جاتا ہے [illegible] میری نظر ڈیڈی کی الماری پر پڑی۔ ایک خیال بجلی کی طرح میرے ذہن میں [illegible]۔ سنتی آئی ہوں شراب سے بڑے بڑے غم غلط ہو جاتے ہیں۔ کچھ دیر کے لئے ہی سہی۔ میں اس کرب سے نجات پانا چاہتی ہوں۔ میں نے الماری کھولی۔ ہر طرح کی انگریزی شراب سے بھری ہوئی بوتلیں رکھی ہوئی ہیں۔ سب سے نیچے کے خانے میں خوبصورت گلاس اور جام رکھے ہوئے ہیں۔ میں نے پہلے کبھی شراب نہیں پی۔ ڈیڈی بھی کبھی نہیں پیتے۔ مگر رات میں انگریزوں کی نقل کو پسند کرتے ہیں۔ صرف کبھی کبھی کلب والوں اور پارٹیوں کے لئے یہ بوتلیں بہت دنوں سے یوں ہی پڑی ہیں۔ میں نے [illegible] سب بوتلوں میں سے تھوڑی تھوڑی چکھی ہے۔ سب کا مزہ کم و بیش ایک سا ہی معلوم ہوتا ہے۔ تند تیز اور تلخ۔ حلق جل رہا ہے۔ سینے میں آگ سی لگی ہوئی ہے۔ شاید یہ آگ غم کی آگ کو بجھا سکے۔ [illegible] معلوم نہیں کونسی بوتل گلاس میں انڈیل کر پانی ملایا ہے اور آہستہ آہستہ پی رہی ہوں۔

[illegible] سب [illegible] بالکل [illegible] سخت سردی کے باوجود [illegible] سب [illegible] ہیں۔ [illegible] معلوم ہو رہے ہیں۔ اب میں نے پھر گلاس بھر لیا ہے آہستہ آہستہ آدھی بوتل ہو چکی ہے میرے ہوش و حواس معطل ہو چکے ہیں۔ معلوم نہیں کب اور کس وقت میں بالکل بے ہوش ہو گئی۔ [illegible] جب آنکھ کھلی تو [illegible] تھا۔ ہاتھ پاؤں ٹوٹ رہے ہیں اور آنکھیں [illegible] معلوم ہو رہا ہے۔ اپنی حماقت پر افسوس کر رہی ہوں اور سوچ رہی ہوں شراب سے غم غلط ہوتا ہے یہ ایک دھوکہ ہے۔ جو انسان اپنے آپ کو دیتا ہے۔ وہ غم تو دل ہی کا ویں رہتا ہے۔ البتہ ہوش و حواس کچھ دیر کے لئے معطل ضرور ہو جاتے ہیں۔ اب مجھ کو یقین ہو گیا ہے [illegible] غلط [illegible] ایسے ہی [illegible] سکتا ہے۔ یوں [illegible] کیا خیال، غم یہ خیال میرا اپنا خیال ہے۔

سب سے پہلے رات کو جو بوتل خالی ہوئی تھی اس میں پانی ملا کر الماری میں اپنی جگہ رکھ دیا تاکہ ڈیڈی کو معلوم نہ ہو اور پہچان نہ سکیں۔ اس کے بعد میں نے غسل کیا اور برآمدے میں بیٹھی کافی پی رہی ہوں۔ جو زف آ گیا ہے جھاڑو لے کر میرے پاس بیٹھ گیا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ ڈیڈی گئے ہوئے ہیں [illegible] کرنے لگا لیکن میں نے اسے روک لیا۔ میں چاہتی ہوں کہ کچھ دیر باتیں کروں۔ اس نے پھر وہی [illegible] کے [illegible] کی باتیں شروع کر دی ہیں لیکن معلوم نہیں کیوں اب مجھے اس کی باتیں [illegible] معلوم نہیں ہوتیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اس سے باتیں کئے جاؤں۔ اس کے ساتھ ایک غریب جوان سی لڑکی ہے اس کے کپڑے پھٹے ہوئے بوسیدہ اور گندے ہیں۔ بال [illegible] اٹے ہوئے ہیں۔ [illegible] دروازے سے سر لگا کر بیٹھی ہوئی تھی [illegible] جوزف نے اس لڑکی کو اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔

"[illegible] میں اس لڑکی کے لئے [illegible] کہنا چاہتا ہوں۔ اس لڑکی کا [illegible] ہونے کی [illegible] ہے [illegible] کر [illegible] ہے۔ اس لڑکی کے ماں باپ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

اور یہاں کی وسعتیں بھی، یا تھا لیکن اب وہ بھی چلی گئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم یہ ذمہ داری لے لو ورنہ یہ سکول بند ہو جائے گا اور بچے پھر سے بھٹکنے پہنچ جائیں گے اور پھر اس پر اثر پڑنا جانے کہاں تک جائے گا۔" میں نے لڑکی کو سکول لیا ہے اور مجھے محسوس ہوا ہے کہ دنیا میں دوسروں کو دکھ دے کر جو ملتا ہے اس کا بانٹنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

جوزف چلا گیا ہے۔ اور اب اُسے گئے ہوئے دو سال ہو چکے ہیں، میں نے اپنے آپ کو مطالعہ میں غرق کر دیا ہے، اچھی کتابیں سب سے بہترین دوست ہوتی ہیں، اُن سے نقصان نہیں پہنچتا کچھ فائدہ ہی حاصل ہوتا ہے، میرے چاروں طرف کتابوں کا انبار ہے، لیکن سب اتنے بھی میرا دل اُچاٹ ہو جاتا ہے، ڈیڈی بہت ضعیف ہو چکے ہیں، اُن کی صحت روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہے، جوزف بھی دو سال سے غائب ہو گیا ہے وہ اپنا اسکول چلانے میں مصروف ہے۔ میں سن چکی ہوں جس سکول میں اسی فیصد غریب بستی کے لڑکے بغیر فیس کے پڑھتے ہوں وہ کیسے چل سکتا ہے۔ آج کل تو تعلیمی درسگاہیں بھی باقاعدہ ایک ذریعہ تجارت بنی ہوئی ہیں۔ بڑی بڑی درسگاہیں جہاں سے والے پرائیویٹ مارکیٹ اور شہرت سازی کا دور دورہ ہے لیکن جوزف پر تو خدمت خلق کا دورہ پڑا ہوا ہے وہ اگر چاہے تو بہت کچھ کر سکتا ہے لیکن اُسے کون سمجھائے زندگی کی گاڑی صرف جذبات سے نہیں چلتی۔

اچانک جوزف ڈیڈی کا مشورہ واپس کرنے آیا ہے جو اُس نے سکول شروع کرنے کے سلسلہ میں لیا تھا۔ میں اس وقت گھر میں نہیں تھی، جب آئی تو ڈیڈی نے کہا "کتنی دیر سے غریب تمہارا انتظار کر رہا ہے" اور یہ کہہ کر وہ بہانے سے کمرے سے باہر چلے گئے، میں نے جوزف سے معافی مانگتے ہوئے کہا "مجھے افسوس ہے تمہیں اتنی دیر انتظار کرنا پڑا۔"

آج پہلی مرتبہ جوزف نے اپنے جذبات بہتے ہوئے یوں کہا "آشی میں تو کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں، اور نہ معلوم اب کتنا کرنا ہو گی —" اس کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے، میں نے اس کی طرف دیکھا وہ کتنا کمزور ہو گیا تھا، اُس کے سر کے بالوں میں سفیدی جھلکنے لگی تھی، دن رات محنت کی وجہ سے وہ عمر رسیدہ نظر آ رہا تھا۔ میں بھی اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکی میرے آنسو نکل پڑے، اور میں نے اس سے کہا "میں جانتی ہوں، لیکن پہلے کبھی آپ نے اس کا اظہار اس طرح کھل کر نہ کیا، شاید میں اس زہر سے بچ جاتی جو میری زندگی میں گھل گیا ہے۔" جوزف نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "اتنی مہلت ہی نہیں تھی مجھے، جن لوگوں کو اپنی زندگی خود بنانی پڑتی ہے انہیں سوچنے کی فرصت ہی کہاں ملتی ہے، زندگی بنانے میں آدھی زندگی ختم ہو جاتی ہے پھر بھی ضروری نہیں کہ زندگی بن جائے، اور انسان جو چاہتا ہے وہ اُسے مل جائے۔"

میں جوزف کو دھوکہ دینا نہیں چاہتی، لیکن مجھ میں یہ ہمت بھی نہیں کہ اعتراف گناہ کر سکوں اور یہ کہہ سکوں کہ میں اُس کے قابل نہیں، میں جانتی ہوں کہ وہ مجھے معاف کر دے گا اور پھر بھی مجھے قبول کر لے گا لیکن میں شرمندہ ہوں کہ میں اسے بالکل ہی نہ کھو دوں، اور پھر میرا ضمیر اور میری خودی جو ایک بار ٹھوکر کھا چکے ہیں اب کسی کے سامنے سرنگوں نہیں ہونا چاہتے۔ میں نے جوزف سے کہا "بات دراصل یہ ہے میں نے فیصلہ کر لیا ہے میں تنہا ہی ڈیڈی کی خدمت کروں گی ان کی صحت اس قابل نہیں کہ وہ اکیلے رہ سکیں —"

"آشی کیا ہم مل کر ڈیڈی کی خدمت نہیں کر سکتے —"

جوزف نے مجھے لاجواب کر دیا ہے اور میں خاموش ہو گئی ہوں، جوزف سمجھ گیا کہ میں سوچنے کے لیے وقت چاہتی ہوں، اور وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ کر چلا گیا۔ "آشی سوچ لو، میں تمہارا انتظار کروں گا، لیکن اتنی دیر نہ کرنا کہ زندگی میں تھوڑی سی کشش بھی میرے لیے ختم ہو جائے۔"

اس واقعہ کو ایک سال ہو گیا ہے، میرے پرانے زخم بھر چکے ہیں، زندگی میں نئی اُمنگ پیدا ہو گئی ہے، اس عرصہ میں میں نے اپنے آپ کو تیار کر لیا ہے، میں جوزف سے سب کچھ کہہ دوں گی، اور یہ بھی بتا دوں گی کہ میں خود بھی اس کو اپنانے کے لیے تڑپتی رہی ہوں، آشی مگر اس کے بعد سے وہ نہیں آیا ہے، میرے دل میں ایک ہی خیال بیٹھا ہوا ہے، شاید اُس نے میرا خیال چھوڑ دیا ہے یا کسی اور کو چن لیا ہے اور اپنا ساتھی بنا لیا ہے، لیکن میں پھر سوچتی ہوں کہ جوزف ایسا نہیں کر سکتا وہ ضرور مجبور ہوگا اور خاموشی سے اتنا طویل انتظار کر رہا ہے، کیا وہ ایک

سال اُداس انتظار نہیں کر سکتا۔ مجھے وحشت ہو رہی ہے۔ میں اب ایک لمحہ گنا نہیں کر سکتی۔ مجھ کو بھی اب تو جیسے اُس سے ملنا ہی چاہیئے
آج سویرے میں جوزف کے اسکول میں پہنچ گئی۔ اسکول نہر کے ایک حصہ میں رہتا ہے۔ میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا۔ اُس نے بتایا تھا
اسکول بتایا ہے، میرے گمان میں بھی نہ تھا، اسکول کا دروازہ بند ہے۔ میں اُسے کھلوانے کے لئے کافی دیر تک آہنی دروازے کے سامنے
کھڑی رہی۔ دروازے کے بائیں طرف سنگِ مرمر کا کتبہ آویزاں ہے اور اُس پر خوبصورت سیاہ حروف میں لکھا ہے۔

جوزف ہائی اسکول:-

اس اسکول کی بنیاد ریورنڈ فادر جوزف نے رکھی ہے۔ اُنھوں نے اسے اپنی ذاتی محنت اور آمدنی سے قائم کیا، اور اب اسے چرچ سے وابستہ کر کے غریبوں کی تعلیم کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اور اُنھوں نے اپنی تمام زندگی خداوند یسوع مسیح کے نام پر انسانیت کی خدمت کے لئے وقف کر دی ہے۔"

دربان نے دروازہ کھول دیا ہے۔ لیکن میں اندر نہیں جا سکی، میرے لئے یہ دروازہ بند ہو چکا ہے۔ دربان نے مجھے کو پہچانا ہے لیکن میں سن نہیں سکی ہوں، دروازہ پر غریب میت زدہ دُکھی اور بیمار جمع ہو گئے ہیں۔ دربان اُنہیں سمجھا رہا ہے۔ فادر جوزف اعتکاف میں ہیں، وہ کل شام تک کسی سے نہیں مل سکتے —

تم نے سچ کہا تھا، وہ مسیحا جو دوسروں کو شفا بخش سکتا ہے خود اپنے درد کی دوا نہیں کر سکتا۔ میں جانتی ہوں اُس کی روح تا زندگی کسی اذیت میں مبتلا رہے گی اور میری روح اس کرب کے احساس سے ہمیشہ تڑپتی رہے گی۔

فاربیا

فضیل جعفری

غزل

خون پلکوں پہ سرِ شام جمے گا کیسے
درد کا شہر جو اُجڑا تو بسے گا کیسے

روز و شب یادوں کے آسیب بلائیں گے، کوئی
شہر میں اُن سے خفا ہو کے رہے گا کیسے

دل جلا لیتے تھے ہم لوگ اندھیروں میں مگر
دل بھی ان تیز ہواؤں میں جلے گا کیسے

کس مصیبت سے یہاں تک ترے ساتھ آئے تھے
راستہ تجھ سے الگ ہو کے کٹے گا کیسے

آخر اُس کو بھی ہے کچھ جعفری دُنیا کا خیال
دیر تک رات گئے ساتھ رہے گا کیسے

کرشن موہن

غزل

صبحیں ہیں زرد زرد تو شامیں اُداس اُداس
رکھی ہوئی ہے یاس پہ احساس کی اساس

ماحول بن گیا مری فکرِ لطیف کا
مایوسیوں نے جال بُنا ہے جو آس پاس

بڑھتی گئی اُمنگ تجھے پا کے رنگ میں
تیرے مِلن نے اور بڑھائی مِلن کی پیاس

بیکل رہے ہیں یاس میں بھی، آس میں بھی ہم
کوئی بھی رنگ آ نہ سکا عاشقی کو راس

ہم تلخیٔ حیات گوارا نہ کر سکے
اے کاش راس آئے ہمیں موت کی مٹھاس

اک جاں گُسل فریب اک آسیبِ مستقل
یہ آستیں کا سانپ ہے یا برتری کی آس

یوں ہی سمجھ رہا ہے زمانہ مجھے زعیم
میرے مزاج میں ہے کہاں افسری کی باس

ڈاکٹر سلام سندیلوی

آدھ گھنٹہ پروفیسر کلیم الدین احمد کے ساتھ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جب مرزا صاحب بہادر کو معلوم ہوا کہ پروفیسر صاحب تشریف لائے ہیں تو خود ملنے آئے۔ دوران گفتگو پروفیسر کلیم الدین احمد کا بھی ذکر آیا۔ ان کے متعلق قاضی صاحب نے بھی فرمایا کہ وہ بہت کم گو شخص ہیں لیکن اس قدر ذی علم ہیں اور ان سے ملنے کے بعد بہت اثر ہوتا ہے۔ بعد مغرب ہم لوگ قاضی صاحب کے یہاں سے رخصت ہوئے چلتے وقت پروفیسر رشید حسن صاحب نے اپنے دولت کدہ پر ہم لوگوں کو کل شام کے ناشتے پر مدعو کیا۔

ہم لوگ وقت معینہ پر پروفیسر رشید حسن صاحب کے دولت کدہ پر پہنچ گئے۔ وہ نہایت خلوص و محبت سے پیش آئے اور ناشتے کا انتظام بھی نہایت پر تکلف تھا۔ ہم پہلی ہی ملاقات میں ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت قریب ہو گئے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے پروفیسر رشید حسن صاحب سے دیرینہ کرم فرمائی ہو۔ ان کی ہم لوگوں کی بڑی عنایت ہے اس ملاقات میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھے پروفیسر کلیم الدین احمد سے ملا دیں گے۔ یہی نہیں ہمارے سب پروگرام کی ذمہ داری بھی انہوں نے لے لی۔ پروفیسر رشید حسن صاحب نے پروفیسر کلیم الدین احمد کو اطلاع بھی پہونچا دی کہ ہم لوگ بجائے پندرہ کے بیس تاریخ کو ملاقات کریں گے پروفیسر موصوف پٹنہ سے باہر ہیں اور وہ پندرہ کے بعد ہی آئیں گے۔ مجھے امید ہے کہ وہ ملاقات ہو جائے گی جس کا میں مقصد لے کر آیا ہوں۔

پروفیسر کلیم الدین احمد کے علاوہ میں ڈاکٹر اختر اورینوی اور پروفیسر قیام الدین سے بھی ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ یہ دونوں حضرات کئی برسوں سے میرے عزیز دوست ہیں ایک دو دن کے بعد ڈاکٹر اختر اورینوی صاحب تشریف لے آئے اور ایک شام کو پروفیسر رشید حسن صاحب کے ہمراہ ڈاکٹر اختر اورینوی کے مکان پر گیا۔ موصوف بہت اخلاق سے پیش آئے اور بے تکلف باتوں سے ان کا ساتھ رہا۔ پروفیسر کلیم الدین احمد کی شخصیت کا ذکر کیا اور ان کی ملاقات سے بہت خوش ہوئے اور پٹنہ سے میری واپسی کے دن قریب آ رہے تھے۔

پٹنہ کے دوران قیام میں ایک رات مجلس ادب کی نشست ہوئی جس میں مجھے بھی مدعو کیا گیا۔ اسی ادبی محفل میں پروفیسر ملک کلکتوی صاحب، جمیل مظہری، پروفیسر کلیم عاجز صاحب اور دیگر شعراء سے ملاقات ہوئی۔ اس محفل میں پروفیسر جمیل مظہری کی کمی محسوس ہو رہی تھی اور میں ان سے بہت ملنا چاہتا تھا۔ مگر اس وقت تک وہ تشریف نہیں لائے تھے۔ وہ غالباً اس وقت شہر سے باہر تھے چنانچہ یہ ادبی محفل نہایت کامیاب رہی اور اس میں شہر کے بڑے بڑے شعراء شریک تھے۔ یہ نشست بہت کامیاب رہی تھی۔

پٹنہ آنے ہوئے مجھے تقریباً ایک ہفتہ گزر گیا۔ اب میں واپسی کی تیاری کر رہا تھا کہ ۱۰ جنوری کو میں پروفیسر رشید حسن صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کل میں کلکتہ واپس جا رہا ہوں مگر پروفیسر کلیم الدین احمد سے ملاقات کی حسرت دل میں رہ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے معلوم کر لیا ہے کہ پروفیسر موصوف واپس آ گئے ہیں چنانچہ انہوں نے فون کیا۔ فون کرنے پر معلوم ہوا کہ پروفیسر موصوف واپس آ گئے ہیں۔ اب میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میں نے رگوں میں خون دوڑتا محسوس کیا اور دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ پروفیسر رشید حسن نے فون پر پروفیسر کلیم الدین احمد سے کہا کہ ایک صاحب کلکتہ سے آئے ہیں اور کل واپس جا رہے ہیں۔ وہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ معلوم کریں کہ آپ کا اصلی حلیہ اور خواب والی صورت میں کتنا فرق ہے۔ پروفیسر کلیم الدین احمد بہت زور سے ہنسے اور فرمایا کہ وہ میرے یہاں ضرور تشریف لائیں۔ انہوں نے ملاقات کے لئے اسی روز شام کا وقت مقرر کر دیا۔

اس دن کی شام کا مبارک وقت ساڑھے پانچ بجے کے قریب پروفیسر رشید حسن صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں پروفیسر کلیم الدین احمد کی کوٹھی کی طرف چل دئے۔ ٹھیک وقت پر وہاں پہنچ گئے۔ پروفیسر رشید حسن صاحب نے اپنی آمد کی اطلاع کی۔ اس کے بعد ایک ملازم کے ہمراہ ہم لوگ ان کے ڈرائنگ روم کی طرف روانہ ہوئے۔ ہم لوگ ایک برآمدے سے گزرنے کے بعد ایک کمرے میں پہنچے اس کمرے کے بعد ایک دوسرا کمرہ تھا یہی پروفیسر کلیم الدین احمد کا ڈرائنگ روم تھا۔ یہ ڈرائنگ روم نہایت پر تکلف طریقے سے آراستہ تھا۔ اندرونی کمرہ جس میں ہم داخل ہوئے وہاں اس وقت ہلکی تاریکی تھی۔ اس کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک مرتبہ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد پروفیسر کلیم الدین صاحب مسکراتے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ اس وقت مجھے یہ معلوم ہوا کہ خواب کی تصویر اور پروفیسر کلیم الدین احمد کا رنگ سانولا ہونے کے بجائے گندمی تھا۔ چہرہ صاف ہونے کے بجائے ذرا گول چہرے پر داڑھی کی نہ تھی بلکہ کلین شیو تھے۔ آنکھیں بہت چمکدار تھیں اور وہ بہت ہی دبلے پتلے تھے اور آنکھوں پر عینک تھی جس میں سنجیدگی اور متانت تھی بلکہ ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی وہ خالی جیبٹ اور سادہ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ قد بہت طویل نہ تھا بلکہ اوسط درجہ کا تھا۔ پروفیسر کلیم الدین احمد ایک خوفناک شخص کے بجائے ایک نہایت ہی خلیق، متین، شریف اور منکسر المزاج نظر آ رہے تھے۔

(باقی صفحہ ۱۴۰ پر ملاحظہ فرمایئے)


پورا پتہ
لکھنے سے
خط جلدی
پہونچتا ہے
ادھورا پتہ
لکھنے سے
خط دیر سے
پہونچتا ہے
ہمیں بہتر خدمت کا موقع دیجئے
بھارتی ڈاک و تار

ذکا صدیقی

بادل

اُن کی زُلفوں کا لہرایا ہے نقشہ بادل   یہ دُھواں دھار اندھیرا، یہ گھنیرا بادل
مُو قلم کا کسی فنکار کے، ہے "لینڈ اسکیپ"   سُرمئی، فالسئی، سُرخ، سُنہرا بادل
"مونالیزا" کا تبسم رُخِ مہتاب پہ ہے   اور "ڈ۔ وِنشی" کے تصور کا ہے سایہ بادل
نُور چمن چمن کے ٹپکتا ہے نقابِ رُخ سے   چاند کی روشنی کیا روک سکے گا بادل
زاہدو! حُرمتِ مے کا یہ اشارہ سمجھو   جانبِ کعبہ سے اُٹھا ہے سنہرا بادل

ٹین کے چھجے پہ بوندوں نے جو چھیڑی سرگم   جھوم کر لیتا ہے ملہار کا لہرا بادل
اپنی دالان میں سہمے ہوئے بیٹھے تھے اُسے   ہائے، کیوں ایسے میں گھِر آیا خدایا بادل
یاد آنے لگی بیتی ہوئی رُت ساون کی   شبِ تنہائی میں تڑپائے نہ اتنا بادل
جب وہ ہنستے تھے تو بجلی سی چمک جاتی تھی   ایسا منظر نہیں اب تو ہی دکھا جا بادل
تیرِ باراں سے وہ تڑپے نہیں کیوں میری طرح   کہیں "کیوپڈ" کی طرح تو نہیں اندھا بادل
ہُوک سی اُٹھتی ہے صحرا کے سُلگتے دل سے   آج دریاؤں پہ پھر ٹوٹ کے برسا بادل

دیر سے ڈھونڈ رہا تھا نہ جانے کس کو   جانے کیا سوچ کے رونے لگا تنہا بادل
تشنگی صرف لبوں ہی کی نہیں ہوتی ہے   جانے خود کتنے جنگلوں کا ہے پیاسا بادل
اے ذکاؔ اپنی ہی پلکوں پہ بسا لو اِس کو
آسمانوں کے تو دل میں نہ سمایا بادل

ایامی

(ڈپٹی نذیر احمد کے اسی نام کے ایک ناول سے ماخوذ)

افراد

آزادی بیگم
مہتاب
مشتاق
خواجہ آزاد
پھلاوہ
ماما
نوکر اور ندیم

منظر ا: ایک متوسط گھرانے کا ایک کمرہ ہے۔ وسط میں تخت بچھا ہے۔ جس پر اجلی چادر کا فرش ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] ہے۔

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

دیکھتا ہے)

مہتاب: آزادی بیگم [illegible] [illegible]

[illegible]

آزادی بیگم: [illegible]

کہاں ہیں سب کے خلاف کیوں کر کہوں کہ نہ جاؤ۔

مہتاب: آزادی۔

آزادی: [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] کو بھی [illegible]

مہتاب: [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

حاصل کی جائے۔

آزادی: [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کا کام [illegible] کی

تعلیم و تربیت کی۔

مہتاب: اب یہی تو بات [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

آزادی: [illegible] [illegible]

[illegible]

مہتاب: [illegible] [illegible] [illegible]

اُسے کا جو چاہتا ہے۔ آپ اس قدر محبت کیا کر
مجھ کو اس کا مجبور کیا۔ [illegible] اور
اب [illegible] آپ [illegible] کے
میں مشتاق ہے۔

آزادی: کیا کام کرنا ہوگا!

مہتاب: [illegible] کے
ملک سے [illegible] بھی [illegible]
ہیں [illegible] کے [illegible]
ہے۔ [illegible] کے [illegible]
بس [illegible] کے ساتھ
اسلام [illegible] کر لو۔

آزادی: [illegible] کے اسلام [illegible]
ہوگی۔ [illegible] ہے
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] میں [illegible] سے
[illegible] رہا۔

مہتاب: بیگم۔

آزادی: [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] معاف کرنا۔

مہتاب: بیگم [illegible]

آزادی: [illegible] ہے
[illegible]
[illegible] ہی۔

دل سے معاف کیا۔

مہتاب: بیگم [illegible]
[illegible] ہے
[illegible]
[illegible]
[illegible]

آزادی: [illegible] (سسکیاں لیتی ہے)

مہتاب: [illegible]
[illegible]
[illegible] دے
دے (دعا دیتی ہے)

آزادی: [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] دکھائے۔

ماما: (دائیں جانب سے داخل ہوتے ہوئے) میاں [illegible]
[illegible]

مہتاب: [illegible] خدا حافظ۔ (دائیں جانب
[illegible])

آزادی: [illegible] خدا حافظ [illegible]

منظر ۲:۔ [illegible] پہلے منظر [illegible]
آزادی [illegible]
رہی ہے۔ [illegible] میں ایک
گھڑی رکھی ہے۔

ماما:۔ (دائیں جانب سے آتی ہے) [illegible] میاں [illegible]
[illegible] سب خیریت تو ہے نا۔

آزادی: [illegible] سب خیریت ہے [illegible]
[illegible] شام خط آیا ہے۔ [illegible] اجازت
[illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]

ہو اب دل بیٹھا جاتا ہے [illegible]
دیکھو دلیسی کی دلیسی [illegible]
وہ سنگ سنائی دیتی ہے [illegible] آیا ہے۔

آزادی: [illegible]

[illegible]

آزادی: [illegible]
والے سے [illegible] ہیں؟

ماما:۔ [illegible] آپ کے
لال صاحب [illegible]

آزادی: [illegible]

ماما [illegible]

آزادی: [illegible]

ماما: [illegible]

منظر ۳ [illegible]

[illegible]

آزادی: [illegible]

خواجہ آزاد: [illegible]

آزادی: [illegible]

خواجہ آزاد: [illegible]

آزادی: [illegible]
خواجہ آزاد [illegible]

منظر ۴ [illegible]

ماما: [illegible]

شاعرہ بیگم

[illegible] کو [illegible] ایک وقت [illegible]
[illegible]

ماما:۔ [illegible] کے [illegible] ہوتی ہے۔

آزادی: [illegible] کرکے [illegible] اور [illegible] ساری [illegible] لگے [illegible] کبھی [illegible] اٹھا کے [illegible] نہیں۔ [illegible] [illegible] ہوتی تو دُہری مصیبت ہوتی۔

ماما:۔ دُہری مصیبت [illegible]

آزادی:۔ [illegible] کر [illegible] اُس کی [illegible] [illegible] اور [illegible] بڑی [illegible] [illegible] کی حرمت [illegible] [illegible] اُس کی بڑی [illegible] آنے سے بچی رہی۔

ماما: [illegible] اس بات کا [illegible] کرسکتی ہے کہ یہاں سے کوئی نام و نشان نہ رہا۔

آزادی:۔ [illegible] جب [illegible] بات [illegible] تمام [illegible] بلکہ [illegible] خیال ہے [illegible] اور لڑکے [illegible] [illegible] کرتے۔ [illegible] [illegible] کا [illegible] احسان [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible] نام [illegible] ہیں۔

ماما:۔ [illegible] رنگ [illegible]

آزادی:۔ [illegible] [illegible] کہتے ہو اب کہ میں نے کہ [illegible] دیکھنے کا حال [illegible] [illegible] کے بیٹے کی [illegible]

ماما [illegible]

آزادی:۔ [illegible] گھر میں [illegible] کے گھر [illegible] کرو [illegible] [illegible] کتب [illegible] [illegible] کی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

منظر ۵:۔ [illegible] کے مکان کی ایک [illegible]

ایک نوجوان مشتاق [illegible] کر شعر پڑھ رہا ہے۔

مشتاق:۔
ہم تو [illegible] تیری [illegible]
نہیں معلوم کہ کعبہ بھی اُدھر ہے کہ نہیں

فہیم:۔ (دائیں جانب سے داخل ہوتا ہے) میاں اب [illegible] شعر [illegible] [illegible] [illegible] اُس کی [illegible] کچھ خیال ہے۔

مشتاق:۔ آؤ آؤ میاں فہیم بیٹھو۔ یہ وقت تو اُس کے خیال [illegible] کا ہے۔

فہیم:۔ میاں اُس سے [illegible] [illegible] [illegible] ہیں۔ [illegible] تو [illegible] ہے [illegible]

مشتاق [illegible] [illegible] [illegible] وہ کچھ [illegible] ہے۔ بہت [illegible] نہیں دیکھا۔ [illegible] اُس کو اُس [illegible] دیکھا ہے جب اُس کو حسین کے [illegible] تمیز نہ تھی۔

فہیم:۔ پہلے تو [illegible] آزادی بیگم کے والد [illegible] [illegible] [illegible] بیگم کے [illegible] اور بعد میں [illegible] بیگم نے اپنی لڑکی کی شادی مولوی [illegible] سے کردی۔

مشتاق:۔ اب [illegible] آزادی بیگم انکار [illegible] مولوی [illegible] لیکن سب سے اہم سوال خود آزادی بیگم کی مرضی کا ہے۔ [illegible] کیلئے راضی نہ ہوگی۔

فہیم:۔ آزادی بیگم کو [illegible] مشکل کام ہے۔ کسی [illegible] سے کام لو۔ (دائیں جانب دیکھ کر) چھلاوہ واقعی چھلاوہ ہے۔ اے بی چھلاوہ۔

چھلاوہ:۔ [illegible] کون [illegible] رہے ہو میاں۔

فہیم:۔ (دائیں جانب [illegible]) [illegible] پکار رہا ہوں۔ یہاں آؤ۔ اندر آؤ۔

(ادھیڑ عمر ایک عورت (چھلاوہ) [illegible] چادر اوڑھے اندر داخل ہوتی ہے)

چھلاوہ:۔ (سر جھکا کر دونوں کو سلام کرتی ہے) میاں [illegible] [illegible]

نجم :- یہ میرے بچوں کی صحت ہی مشتاق۔

چھلاوہ :- یہ وہی مشتاق ہے جو ہماری خالہ آزادی کا لڑکا ہے جو اس شہر کے رئیس مرزا صاحب [illegible] [illegible] مدت تک غائب رہے [illegible] [illegible] ہو گئے تھے

نجم :- دیکھتے ہی یہ میاں مشتاق ہیں [illegible] [illegible] خبر [illegible] [illegible] کے انتقال کے بعد [illegible] آزادی بیگم کا [illegible] [illegible] [illegible] میاں مشتاق ہے۔

چھلاوہ :- یہ [illegible] [illegible] آزادی بیگم [illegible] [illegible] تو نکاح کی فکر میں ہیں۔ خاطر جمع رکھئے [illegible] کا سلسلہ درست کر لیجئے۔ [illegible] آپ کی اس لڑکی سے [illegible] [illegible] لیا ہے۔

نجم :- دیکھو کی جیب سے روپیہ نکال کر دیتا ہے اور اسے پان [illegible] کے لئے دو کر۔

چھلاوہ :- میاں [illegible] کیا [illegible] [illegible] [illegible] سب کچھ کام ختم کر سکے گی۔

مشتاق :- [illegible] آزادی بیگم کا حال [illegible] ہے۔ کسی وقت وہ [illegible] [illegible] جنس رہی ہو۔

چھلاوہ :- [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بات کی بڑی خوشی ہے [illegible] [illegible] [illegible] معلوم ہو [illegible] اس کی طبیعت [illegible] ہے۔ آزادی [illegible] [illegible] کرے۔

نجم :- بات تو ٹھیک کہتی ہو۔

چھلاوہ :- [illegible] [illegible] خیال کیجئے [illegible] میاں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

نجم :- [illegible] [illegible] [illegible]۔

چھلاوہ :- [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

ساغر جی

(چھلاوا ساتھ ہے)

منظر ۱۶ :- مکان کا وہ حصہ جو منظر ایک [illegible] [illegible] ہے۔ [illegible] [illegible] [illegible] آزادی کی بیٹھک ہے۔ [illegible] [illegible] جاتا ہے۔ [illegible] [illegible] [illegible] ہے اور [illegible] جاتی ہے۔

چھلاوہ : [illegible] [illegible] بیگم صاحب [illegible] [illegible] [illegible]

آزادی : [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

چھلاوہ : [illegible] اللہ جنت نصیب کرے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔

آزادی : [illegible] [illegible] [illegible] آپ کے سامنے۔

چھلاوہ : ہاں ہاں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

آزادی :- [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ذرا دیکھو [illegible] [illegible]

چھلاوہ : میاں [illegible] صاحب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔

آزادی :- آپ کہ [illegible] [illegible] صاحب نے آپ کے سامنے [illegible] کچھ حال تو بیان کیجئے۔

چھلاوہ :- [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کی قسم کھا کر [illegible] کچھ کہوں

آزادی : [illegible] قسم کھاتی ہوں۔

چھلاوہ :- [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] ۔ [illegible] گئے ۔ [illegible] ۔ [illegible] گر پڑے ۔ [illegible] ہے [illegible] نے [illegible] ہے ۔ [illegible] اور [illegible] گئے ۔ [illegible] نے [illegible] کہانی نہیں ہے ۔

آزادی: حکیموں نے کچھ بیماری ہی بتائی۔

مچلاوہ: [illegible] ہے ۔ [illegible] بیماری ہے ۔ [illegible] بیماریاں [illegible] ہے ۔

آزادی: [illegible] کیسے [illegible] کا۔

مچلاوہ: میری [illegible] ہے ۔

آزادی: [illegible] نکل [illegible] دیجئے ۔

مچلاوہ: [illegible] ہوں [illegible] ہوں [illegible] سکتی ہوں ۔

([illegible] رکھتی ہے)

آزادی: [illegible] کوئی نہیں دیکھا [illegible] کیا [illegible] ہے ۔

مچلاوہ: [illegible] کر [illegible]

آزادی: خیر تو۔

مچلاوہ: [illegible] بیگم صاحب [illegible] ہے اب [illegible] کی تلاش تھی۔

آزادی: [illegible] ۔۔۔۔

مچلاوہ: میری [illegible] بات تو سنو ۔ [illegible] بیگم [illegible] تمہارے میاں کو دیکھ لیا۔ [illegible] صاحب مر گئے اور [illegible] ہے ۔ بیگم صاحب [illegible] صاحب کے [illegible] کے سامنے [illegible] سب چپ ہو گئے ۔ [illegible] ایک لڑکا ہے

آزادی: دلّی میں ۔ یہاں

مچلاوہ: ہاں ۔ [illegible] بیگم صاحب [illegible] ہے نہیں پہلے [illegible] لڑکا کیسا ہے؟ [illegible] اور کہاں [illegible] ۔

آزادی: پھر تم نے اس لڑکے کو دیکھا، کیسا پایا؟

مچلاوہ: ([illegible] ہے) [illegible] کی طرح [illegible] سال [illegible] ۔ [illegible] بہتر [illegible] ہے ۔ لیکن اس [illegible] کا [illegible] مشکل معلوم ہوتا ہے ۔

آزادی: ([illegible] ہے) دلّی میں اب [illegible]

مچلاوہ: [illegible] سے [illegible] نکالے ۔

آزادی: [illegible] ہے ۔ [illegible] افسوس [illegible] ہے) [illegible] ساتھ [illegible] ۔ [illegible] بیگم صاحب [illegible] خاطر [illegible] ۔

مچلاوہ: حقیقت تو یہ ہے کہ تم [illegible] نہیں ہے ۔ تمہاری شکل کے آدمی [illegible]

[illegible]

آزادی: [illegible]

[illegible]

آزادی: [illegible]

[illegible]

آزادی: [illegible]

[illegible]

آزادی: [illegible]

[illegible]

آزادی: [illegible]

[illegible]

آزادی: [illegible]

[illegible]

آزادی: [illegible]

[illegible]

آزادی: [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔

ماما:- [illegible]

آزادی: [illegible] کے وقت کو [illegible] [illegible] [illegible] ہی سامنے [illegible] [illegible] آیا۔

ماما: ہے ہے [illegible]۔ [illegible] کرتا ہوں۔

آزادی:- [illegible] ابا جان آئیں گے تو کس کو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اب [illegible] بہت [illegible] ہے۔

ماما: [illegible] آپ کی حالت [illegible] آپ [illegible] [illegible]

آزادی: [illegible] ہے — [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

(خواجہ آزاد داخل ہوتا ہے)

ماما: [illegible] ہائے آپ کے [illegible] [illegible]

خواجہ آزاد: [illegible]

آزادی: [illegible]

[illegible]

پاؤں کس کے پیسے ملتے ہیں نہیں چلے۔ لیکن میں یہ عرض کروں گی کہ میرا دل — آہ۔ ابا جی۔

خواجہ آزاد: میری بچی۔

آزادی: میرا دل ڈوبا جاتا ہے۔ ابا جی مجھے معاف کر دینا

ماما: ابھی تخت سے گر چکی ہیں۔ ان کو سخت تکلیف ہے سرکار

(خواجہ آزاد داخل ہوتا ہے۔)

آزادی: ابا جی بس مت ملئے۔ بیوہ ہو کر پہنے جیسی کی قدر دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں۔ ابا جی، آپ اپنے وعظ میں ہمیشہ تقاضے اور حمد بیچنے والے مجبور و بے کس عورتوں کو اور آپ کے حضور بیٹھنے والے مولوی کو کہا جائے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے نکاح ثانی کے لئے نہیں فرمایا؟ وانکحوا الایامیٰ منکم

خواجہ آزاد: بیٹی اللہ نے فرمایا ہے۔

آزادی: آہ — ابا جی — اللہ

خواجہ آزاد: بیٹی — میری بچی

(آزادی کا سر [illegible] خواجہ آزاد کی گود میں سر رکھ کے دم توڑ دیتی ہے اور پیچھے سے قرآن کی آواز آتی ہے۔) (پردہ گرتا ہے۔) ••

○

(بقیہ — اردو کا پہلا دستیاب شدہ ڈرامہ صفحہ ۱۴)

بہت ترقی یافتہ اور سیلی آواز میں گاتا تھا۔

اصل یہ ہے کہ خورشید نے اردو ڈراما کی دنیا میں ایک نئی راہ پیدا کر دی۔ اس سے قبل پارسی نوجوان اور سیٹھ حضرات تھیٹر دیکھنے نہیں جاتے تھے لیکن خورشید دیکھ کر اسٹیج کے فریفتہ ہو گئے اور جب کبھی خورشید اسٹیج ہوتا وہ ضرور اسے دیکھنے کیلئے جاتے اور بالخصوص دیکھنے والے کمپنی کے ہر دلعزیز اداکاروں اور عورتوں کے پارٹ کرتے تھے اپنے ہمراہ لے جاتے ان کو سیر کراتے ان کو دعوتیں دیتے اور تحفے تحائف پیش کرتے تھے۔

یہاں یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ اردو کے اس اولین ڈرامے نے جو مکمل صورت میں ہم تک پہنچا ہے اردو تھیٹر کی راہ ہموار کی اور اس کا مسلم تماشائی بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ خورشید اردو کا بنیادی ڈراما ہے تو غلط نہ ہو گا۔

(زمانہ، بمبئی۔ جنوری ۱۹۵۲ء)

تہمینہ نشاد

تیز آہٹ

زندگی محوِ سفر ہے نئے انداز کے ساتھ
ہیں لبِ شوق پہ منزل کے ترانے رقصاں
ہم سفیروں کے قدم اتنے ہم آہنگ نہیں
پھر بھی ان قدموں کی آہٹ جو بہت تیز ہے
دُور تک گونج رہی ہے اُسی پیغام کے ساتھ
لوگ کہتے ہیں جسے خواب سے جاگ اُٹھے تھے
تیرہ و تاری کی بستی سے نکل آئے تھے
آج بھی ہم اُسی پیغام کے آئینہ میں
حال و آئندہ کے جلووں کی جھلک پاتے ہیں
آج بھی ہم اُسی پیغام کی کرنیں لے کر
جگمگاتی ہوئی منزل کی طرف جاتے ہیں

اقبال طاہر

غزل

رات گئے روتی ہے شبنم پھولوں کے سرہانے کیوں
دُہراتی ہے بادِ بہاری درد بھرے افسانے کیوں
ہم تو دیوانے ہی ٹھہرے فرزانوں کی بستی سے
لوگ یہاں سے پیار کا لاشہ آتے ہیں منوانے کیوں
شام کبھی کی ہو گئی رخصت صبح کبھی کی آ پہنچی
شمع کو لیکن اب تک گھیرے بیٹھے ہیں پروانے کیوں
مانا دیر و حرم ہیں یارو شیخ و برہمن کی میراث
لیکن ان کے تصرف میں ہیں بیچارے میخانے کیوں
ویسے ساحر کو آنچ نہیں پڑتا ہے یہ دُنیا والے
چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی گھڑتے ہیں افسانے کیوں

منیر احمد
(سائنسی افسانہ)

رم جھم

ف[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہیں۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کی گرمی۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

شہر کے لوگوں کے چہروں سے شگفتگی [illegible] کنارے [illegible]
بادل [illegible] فطرت [illegible] پیغام [illegible] زندگی [illegible]
[illegible] علامت [illegible]
[illegible] حالات سے [illegible] کر دیا۔ [illegible] اس بات کا [illegible]
[illegible] برساتوں کے ساتھ [illegible]
[illegible]
[illegible] گے۔

اس [illegible] میں نے ایک ماہرِ نباتات سے سوال کیا۔
[illegible] برسات [illegible] پوشیدہ ہے جو فطرت [illegible]
[illegible] ہے؟"

[illegible] کے بارے میں [illegible]
[illegible] مشغول رہا۔ [illegible]
[illegible] تک!

برسات [illegible]
[illegible] برسات میں بھیگنے سے بچنے کے لئے [illegible]
ایک ماہرِ نباتات [illegible] بارش کی طرف [illegible] جب اس نے ہاتھ کھینچا تو [illegible] پانی کے
[illegible] رہے تھے۔

[illegible] اس نے میری طرف [illegible]
[illegible] ذرات سے [illegible]
[illegible] گذرنے [illegible]
[illegible] شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ [illegible] قطروں
[illegible] ہتھیلی پر [illegible] قطرات کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔
"لیکن تم ان ذرات کو [illegible] دیکھ سکتے۔"

[illegible]

[illegible]

• [illegible] سے آگے [illegible] اور [illegible]

[illegible] سے پہلے [illegible] ہیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ڈاکٹر عبدالحلیم نامی



اردو کا پہلا دستیاب شدہ ڈراما

یہ ڈراما "خورشید" ہے جو ۱۸۷۱ء میں اسٹیج ہوا۔

بیشتر اس کے کہ اس موضوع پر براہ راست آیا جائے، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ابتدائی خاکہ پیش کیا جائے۔ کیونکہ ابتدائے ڈرامے کے متعلق [illegible] عوام ہی نہیں بلکہ ہمارے ادیب شاعر [illegible] شوق [illegible] [illegible] [illegible]

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابھی تک [illegible] اس کی تاریخ بھی لکھی گئی ہے اور نہ اس کی تحقیق کی طرف توجہ دی گئی۔

ڈرامے کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ امانت نے اندر سبھا لکھی، [illegible] سلطان عالم واجد علی شاہ کے کہنے پر [illegible] ان کے [illegible] کی نگرانی میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

حیثیت حاصل تھی اور شاہ عالم نے ان سے اندر سبھا لکھنے کی فرمائش کی یہ قصہ "نہ کبھی سچ [illegible] نہ اس میں سلطان عالم نے [illegible] کیا۔ سلطان واجد علی شاہ کی متعدد تصانیف ہیں لیکن ان میں سے کسی میں اندر سبھا کا ذکر موجود نہیں ہے۔ ان کے علاوہ دستاویزات "فراہم کی گئی ہیں، لیکن کسی ایک میں بھی ان کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ اس کے باوجود واجد علی شاہ ہی کو [illegible] نہیں جانتے تھے کہ تھیٹر کیا چیز ہے۔ پھر بھی لکھنے والوں نے وہ قیاس دوڑایا کہ [illegible] اور خیال لکھتے ہیں کہ ان کو [illegible] کرتے ہوئے بڑے بڑے صاحب طرز انشا پرداز، ادیب اور محقق خوف کھاتے ہیں۔ مثال کے طور پر مولانا عبدالسلام ندوی کو لیجیے جو "شعر الہند" کے مصنف ہیں اور تحقیق [illegible] رکھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں

"بادشاہ [illegible] کی [illegible] کے اردو شاعری نے اپنے ابتدائی عہد کے [illegible] سے کم فائدہ نہیں اٹھایا۔ ولی سے میر تک فارسی [illegible] کے دیوانوں سے تشبیہ اور استعارہ کا کام لیا گیا۔ پھر اس کے بعد مثنویوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلی مثنوی "سحر البیان" تھی۔ اس میں شہزادہ بے نظیر کی رقیب ایک پری دکھائی گئی۔ اس کے بعد "لذت عشق" ہے اس میں ایک پری کے عشق سے گرمی عشق پیدا کی گئی۔ پھر "گلزار نسیم" کا نمبر آتا ہے اس میں اصلی معشوقہ پری ہی ہے۔ اس کے بعد "طلسم الفت" ہے، اس میں بھی پری نظر آتی ہے۔" (ص ۱۰۵)

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"یہ پریاں کتابوں کے ورقوں اور سخن سنجوں کے دماغوں میں پھر رہی تھیں کہ واجد علی شاہ کا عہد آیا اور شاعری اپنے پرانے حدود پر بہت کچھ ترقی کر گئی۔ واجد علی شاہ کو چند انگریز صاحبوں کے خیال دلانے سے ڈرامے کا شوق پیدا ہوا۔ [illegible] زندگی کے پرانے [illegible] نے ڈراما کا ایک خاکہ ان کی نظر میں پیش کر دیا۔ اور خود جان عالم "پیا" کے نام سے

چھپیاں ہو گئے۔ اب وہ تعمیر ہو گیا اور اس کے آس پاس کے باغوں اور محلوں میں عاشق مزاج حضرات بیٹھ کر پیالے پر پیالہ شوق میں ساری ساری رات گزرتیں۔ کبھی وہ دھوم دھام سے جلسے جمتے، کبھی پریاں شہزادوں کے صندوق میں بند ہو کر کسی کے سر پر اڑا کر لے جنگلوں میں خاک چھانتیں" (ص ۱۰۹)

سندوی صاحب مزید لکھتے ہیں۔

"اسی زمانے میں ایک نامور شاعر امانت نے اردو کا پہلا ڈراما اندر سبھا تصنیف کیا۔ یہ تصنیف کے ساتھ ہی وہ عام طور پر کھیلا جانے لگا۔ ان کا (امانت) سب سے بڑا کمال اس اردو ڈراما میں یہ تھا کہ فارسی پریوں اور دیووں کو ہندو دیوتاؤں کے مذاق کے سانچے میں ڈھال دیا۔ اس مذاق کی اصل ایجاد کا سہرا واجد علی شاہ کے سر ہے جنہوں نے بادشاہت کھو کر گویا ہندو مسلمانوں کو ہم آغوش کر دیا۔ محض امانت نے اندر سبھا میں اس امر کو نمایاں کر دکھایا کہ اب ہندوستان کی دیو پریاں ایک شکل کی ہیں۔" (ص ۱۰۷)

ان سطور کے مطالعے کے بعد ایک سوال اٹھتا ہے کہ "جب تک اس قسم کے پیچ پوچ" اور بے معنی بیانات اردو ادب کی تاریخ میں موجود رہیں گے۔ اردو تھیٹر کی صحیح تاریخ مرتب نہیں ہو سکے گی۔" آئیے اب ہم اپنی توجہ اصل موضوع کی طرف مبذول کریں۔ جس زمانے میں امانت لکھنؤ میں اندر سبھا لکھ رہے تھے اسی وقت بمبئی شہر کی سب سے بڑی تماشہ گاہ میں اردو ڈرامے اپنی پوری شان بان کے ساتھ دکھلائے جا رہے تھے۔ یہ تماشہ گاہ "بمبئی تھیٹر" کے نام سے موسوم تھی اور "گرانٹ روڈ تھیٹر" بھی کہلاتی تھی۔ یہ "رانی کا تھیٹر"، "شاہی تھیٹر"، "جگناتھ شنکر سیٹھ کا تھیٹر"، "ناتا سیٹھ کا تھیٹر"، "بادشاہ کا تھیٹر" بھی کہلاتی تھی۔ اس میں تجربہ کار انگریز جو سو سال سے انگریزی ڈرامے اسٹیج کر رہے تھے، اردو ڈرامے کے مظاہرات بھی کرتے تھے۔ ان ڈراموں کے اعلانات، اشتہارات اور تبصرے اب بھی انگریزی اخبارات میں پڑھے جا سکتے ہیں جو گورنمنٹ آف مہاراشٹر کے محکمہ آثار قدیمہ میں محفوظ ہیں۔

بمبئی تھیٹر میں نہ صرف اردو ڈراموں کا سلسلہ جاری رہا بلکہ اس نے روز افزوں ترقی بھی کی۔ ڈاکٹر دھنجی بھائی پٹیل اپنی تصنیف "گجراتی اسٹیج کی تاریخ" میں لکھتے ہیں۔

"۱۸۶۹ میں بمبئی شہر میں اٹھارہ تھیٹریکل کمپنیاں تھیں۔ ان میں بیشتر وہ تھیں جو اردو ڈرامے دکھاتی تھیں۔

ان میں ایک کمپنی "پارسی وکٹوریہ ناٹک منڈلی" تھی جس کے مالک دادا بھائی نوروز جی پٹیل ایم اے تھے۔ دادا بھائی پٹیل نے یہ دیکھ کر کہ "رستم و سہراب" مالی حیثیت سے غیر مفید ثابت ہوا ہے، ایدلجی کھوری سے ایک گجراتی ڈراما بنام "سونا نا مول نی خورشید" لکھوایا اور سہراب جی فریدوں جی مرزبان سے اس کا ترجمہ اردو میں کروایا۔ یہ ڈراما نثر میں تھا اور دادا بھائی پٹیل نے اس کی تیاری پر کافی محنت کی تھی۔ انہوں نے نئی نئی سین سینریاں اور پوشاکیں تیار کرائی تھیں۔ کمپنی کے دو ممتاز نوجوان خیتوں - خورشید جی مہربان جی بلیموریا اور پیسٹن جی فرام جی بیٹا کو موسیقی کی تعلیم دلائی تھی۔

"۱۸۷۱ء میں جب یہ ڈراما وکٹوریہ تھیٹر میں اسٹیج ہوا تو کافی مقبول عام و خاص ہوا۔ آج بھی یہ ڈراما موضوع ہے۔ اس ڈرامے کے متعلق ایک پارسی مورخ "مسٹر کھباتہ" اپنی تصنیف "میرے پچاس سالہ ناٹکی تجربات" میں لکھتا ہے۔

"اب تک ہندوستان میں انگریزی، مرہٹی، بنگالی اور گجراتی زبانوں میں ناٹک دکھلائے جاتے تھے۔ وہ صرف پارسی، ہندو اور بنگالی دیکھتے تھے۔ مسلمانوں کو ناٹک دیکھنے کا اصل شوق نہ تھا۔ اس وقت وکٹوریہ ناٹک منڈلی کا ڈائرکٹر دادا بھائی سوراب جی پٹیل ایم اے تھا۔ اس نے منتظمین کمپنی کو رائے دی کہ وہ اردو زبان میں ڈرامے دکھلائیں۔ لیکن انہوں نے یہ سوچ کر کہ پارسی لوگ اردو زبان کس طرح بولیں گے، اس تجویز کو مسترد کیا۔ اس کے علاوہ ایک بڑا سوال یہ تھا کہ اردو ڈرامے کون لکھے گا۔ لیکن دادا بھائی نے اس کا حل ڈھونڈ نکالا اور اب وہ کمپنی کے مالک نے تو اس سے نوروز جی مہربان جی کو ... سونا نا مول نی خورشید ڈراما لکھوایا، جو ایک ہندوستانی "لالہ رخ" سے ماخوذ تھا۔ اصل مسودہ بدل کر ... کے بعد ...

اسٹیج کے قابل بنانے کی فکر ہوئی کہ اس کو کھیلا جا سکے۔ اس کے بعد کا ترجمہ یہ کام پیرام جی فریدوں جی مرزبان کے سپرد ہوا جو گجراتی زبان سے کسی حد تک واقف تھے۔ مسٹر مرزبان "راست گفتار" کے مالک و مدیر تھے۔ مرزبان نے صرف اس کا ترجمہ کیا بلکہ پلاٹ میں بہت سی تبدیلیاں کیں۔ تاکہ ہندو، پارسی اور گجراتی اسے محظوظ ہو سکیں۔

اس کے متعلق پیرام جی فریدوں جی مرزبان بحیثیت مترجم اپنے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"قصہ خورشید کا جناب میاں [illegible] کی طرف سے ظاہر کرتے ہیں کہ اول اس کھیل کو گجراتی میں تصنیف کیا تھا۔ اس پر سے اس کمترین نے تھوڑی سی گھٹ اور تبدیلی کے ساتھ ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ اس شہر میں ناٹک یا کھیل بازی کا شوق و خواہش روز بروز افزونی پر ہے اور ہر قسم کے سیکڑوں لوگ شوق سے دیکھنے کو جمع ہوتے ہیں۔ یہاں ہر طرح کی قوم بستی ہے۔ جو تماشہ کیا جاتا ہے وہ فقط پارسی گجراتی زبان میں ہوتا ہے۔ اکثر انگریز، مسلمان و ہندوؤں کو سمجھنا مشکل ہے اس لئے کئی ایک صاحبوں نے اس امر کی کوشش کی کہ اگر کوئی کھیل ہندوستانی زبان میں لکھا جائے تو یہاں کے باشندے ہر قوم کو موافق آوے کیونکہ ہندی زبان سارے ہند میں ہوتی ہے [illegible] سلطنت ہند کو بھی پسند آئی اور یہ کہ زبان ہندوستانی میں آج تک کوئی کھیل یا ناٹک کھیلا دیکھنے میں نہیں آیا بلکہ ہندوستانیوں میں اس کا وجود بھی نہیں ہے۔ تو اس کھیل کو اپنے مقصد کے موافق سلیس اور صاف اردو کی ہندی میں کہ پارسی و ہندوؤں کو آسان ہووے اور سمجھ میں آوے ترجمہ کیا ہے کیونکہ سخت فارسی و عربی آمیز عبارت سمجھنا اکثر انھوں کو مشکل ہے۔

یہی وجہ کہ صاحب جو کہ ہندوستانی اس کمترین کی زبان نہیں ہے بلکہ اردو وغیرہ کی خوب تعلیم بھی نہیں مگر بعض دوستوں کی خوشنودی کے لئے اس کمترین نے موافق طاقت اپنی کے زبان ہندی میں اس کو نقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ زبان ہندی میں اردو [illegible] البتہ فارسی و عربی جو کہ ہر کسی کو آسان ہووے ایسی سلیس عبارت لکھنے کے سبب سے عبارت کی کچھ [illegible] نہیں ہوئی ہوگی پس اس خاطر گو اس قصہ سننے اور پڑھنے والوں کی ذات عالی سے امید رکھتا ہوں کہ کوئی صاحب [illegible] اور قاعدہ کی واقفیتی کا عیب گیر نہ ہووے بلکہ اس سے درگزرے۔

اس ناٹک میں اکثر [illegible] ہندوستانی مشہور قصوں جیسا کہ ہیر رانجھا، بدر منیر، یوسف و زلیخا اور گل بکاؤلی وغیرہ کے موافق — آتے ہوئے فقرے نکتے و شعر کی آمیزش کی ہے اور انکے سوائے تمام غزلوں اور گانے بھی استادوں کی کتابوں سے چن انتخاب کر لئے ہیں۔"

اس دیباچے کے بعد اصل ترجمہ شروع ہوتا ہے۔ قصہ اس طرح بیان کیا گیا ہے شاہ دہلی فتح شاہ ایک حسینہ خورشید کو سر بازار نیلام کرنے کا حکم دیتا، اور اس کی قیمت ایک ہاتھ لمبا، ایک ہاتھ چوڑا اور ایک ہاتھ گہرا سونے سے پُر تھال مقرر کرتا ہے۔ ایک سوداگر جس کی [illegible] تھا اور منہ مانگی قیمت دے کر خورشید کو خرید لیتا ہے۔

اس ڈرامہ میں یہاں جمشید کا پارٹ پیروان جی بالیوالا ادا کرتا تھا اور فرید سوداگر کا پارٹ اس کا بیٹا خورشید جی بالیوالا۔ چونکہ باپ نے غیرت کے [illegible] بیٹے کے حوالے کر دیتا ہے اس لئے تماشائی بہت چڑ کر بیان کرتے ہیں۔

اس میں [illegible] کا پارٹ [illegible] لیکن [illegible] کی زیادتی کے باعث خورشید جی بالیوالا کو دینا پڑا۔ دہلی کے بادشاہ فتح شاہ کا پارٹ [illegible] نے کیا۔ غفور خاں کو قوال کا دو بھی [illegible] والا نے اس وقت کراس والا کو بڑی شہرت حاصل ہوئی کیونکہ [illegible] کے پارٹ میں شہرت حاصل کی تھی۔ غازی خاں کا پارٹ [illegible] سہراب جی اور فیض آباد کے بادشاہ کا پارٹ کاؤس جی پالن جی [illegible] چونکہ دادا بھائی [illegible] ترجمہ اس ڈرامے کی طرف [illegible] کرادی تھی اس لئے صرف منتخب اداکاروں کو پارٹ دیئے گئے اور [illegible] کہ اس [illegible] شہرت حاصل کی۔ [illegible] بہت شہرت کی [illegible] بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر خورشید جی بالیوالا اس ڈرامے میں [illegible] شاہزادہ سلیم [illegible] بھی

مکتوبات

تار شمس پرتابگڑھی ———— بیگم وارثہ، پرتاب گڑھ، یوپی

[illegible] ہندوستان کے [illegible] آپ کے [illegible] دوستوں کیلئے [illegible] [illegible]
[illegible] حل کیا جا سکے۔

[illegible] آپ کے سامنے [illegible] دوستوں کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ [illegible]
[illegible] اس وقت تک [illegible] نہیں تھے۔
[illegible]
[illegible] تھے۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] کی [illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible] اس صورت [illegible]
[illegible] اس سلسلے میں ایک طریقہ میری سمجھ میں [illegible]
[illegible] علی گڑھ، الہ آباد اور بمبئی وغیرہ مقامات
[illegible]
[illegible] کے لئے عملی قدم اٹھانے پر مجبور کر سکیں۔

[illegible] حضرات [illegible] اگر [illegible] تو اقبال آپ کے
[illegible] کے لئے ابھی کچھ مل سکتا ہے۔
[illegible] حضرات کی [illegible] کا سہارا [illegible]
[illegible] کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ [illegible] شعر و ادب کا سہارا لے کر
[illegible] سے کسی ایک بھی شاعر اور ادیب کو توفیق نہ
[illegible] حضرات [illegible] اردو [illegible] کی طرح [illegible]
[illegible] کی ضرورت نہیں [illegible] حیدرآباد میں [illegible]
[illegible] ضرورت ہے جو ہے

ستونِ دار پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ
جہاں تلک یہ ستم کی سیاہ رات چلے

میرے خیال میں [illegible] شخصیتوں [illegible] کے
[illegible] اردو کے عوام [illegible]۔

[illegible]

[illegible] ——— آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد

[illegible]

[illegible] ———— [illegible]

[illegible]

[illegible] ——— [illegible]

[illegible]

[illegible] ——— [illegible]

[illegible]

[illegible] ——— [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نصیر احمد [illegible] ایم اے ——— [illegible] نئی کوتوالی [illegible]

[illegible]

[illegible] ——— [illegible]

[illegible]

[illegible] غزل [illegible]

[illegible] شاید لوگ متوجہ ہوتے مگر آج !!!

— شاید [illegible] اس سال [illegible] کامیاب غزلیں نہیں گزریں۔

[illegible] ——— [illegible] جامعہ ملیہ۔ نئی دہلی ۲۵

[illegible]

[illegible] اپنی نظر سے بھی آنکھیں پنہاں کئے ہوئے

[illegible] اپنی نظر سے بھی تجھے پنہاں کئے ہوئے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بدیع الزماں خاور — ۳۴ اے، فیض بل، داتا گنج [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پروفیسر عبدالقوی دسنوی — شعبۂ اردو سیفیہ ڈگری کالج بھوپال

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ایک وقت، کہا جاتا ہے [illegible] اسکولوں کی [illegible]

[illegible] آپ کے [illegible] کے لئے [illegible]

[illegible] اس سے متعلق تاثرات کیلئے کچھ وقت مزید لگا لیں۔

محسن زیدی ایم اے ———————— دہلی

[illegible] صاحب نے [illegible] تبدیلیاں [illegible] شاعر [illegible] آپ بڑے تیکھے طور سے [illegible]

[illegible] کام ہے۔

راز سنتوکھ سری ایم اے ——— معاون رسالہ پگڈنڈی ۲ ہال بازار امرتسر

[illegible] اردو ادب [illegible] آپ کی [illegible]

[illegible] کے لئے اس کے [illegible] رسالہ [illegible] ہوں۔

[illegible] پیش کیا گیا ہے۔

منظر ہاشمی ——————— ایم اے بلاک، دسکی وہیر، جمشید پور

[illegible] لیکن کیا ہوا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] آخری حصہ اسی بات کا ثبوت ہے۔

ڈاکٹر گیان چند ——— صدر شعبہ اردو جموں و کشمیر یونیورسٹی جموں

[illegible]

[illegible]

محمد عظیم فیروز آبادی ——— [illegible] فیروز آباد ضلع آگرہ

[illegible]

نقد و نظر

تبصرے کیلئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں

ایک خواب اور

از ——— سردار جعفری

"ایک خواب اور" کو ہندوستان بھر میں ترقی کے مقام سے زیادہ اعلیٰ [illegible] ترقی پسندی کی [illegible] مجموعہ [illegible] تک تبصرے کیلئے [illegible] اور اب [illegible] "ایک خواب اور" پر [illegible]

سوالات کی پلکوں سے بنے ہیں جو سوال
ہر گھڑی کی طرح وقت سے گزرے ہیں جواب

سردار جعفری کو نظم تو نئی نہیں ہے۔ [illegible] بہتر کو یاد [illegible] آج کی [illegible] اس کا یہ شعر زندہ حقیقت بنا ہوا ہے [illegible] آنے والے [illegible] ہیں —

اور ہر لمحہ کی طرح [illegible]
کسی کی [illegible] انسان کی رگ رگ سے
رستے ہیں لمحے [illegible]

آستینوں کو [illegible] ہاں کبھی آنسو
ابھی [illegible]

اس نظم [illegible] خوبصورت [illegible] جس میں [illegible] دنیا [illegible] اور [illegible] ہر شخص [illegible] ہے [illegible]

[illegible]

پھر بھی اپنے دور کا سرکش فنکار "شکست خواب" کا قائل نہیں، اپنے [illegible] ہاتھوں میں امید و ارتقا کا پرچم تھامے ہوئے اپنے جذبۂ شباب کی عالم پر کمند پھینکنا چاہتا ہے۔ اور کہتا ہے

"ایک خواب اور بھی اے ہمت دشوار پسند"

اسی ہمت دشوار پسند نے اردو ادب میں روایت شکنی کی بنیاد ڈالی۔ [illegible] کے سماجی شعور کو ابھارا۔ حیات و کائنات میں پھیلے ہوئے سماجی رشتوں کو سمجھنے کا تجسس پیدا کیا؛ انسانی ارتقاء کا تاریخی اور سیاسی جائزہ لینے پر مجبور کیا۔ فن اور فنکار کے [illegible] تصور کو حقیقت پسندانہ [illegible] سمجھنے کی خواہش پیدا کی۔ وہ شعری کیفیات جو صرف [illegible] رہ گئی تھیں، یا جن کا تعلق صرف داخلیت سے تھا، ان کا رشتہ خارجی زندگی اور اس کی حیات سے جوڑا۔ اقبال، سیماب اور جوش سے پہلے اردو نظم کا جو رنگ و آہنگ اور مزاج و معیار تھا، اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں [illegible] عظیم نظم [illegible] اردو نظم میں ایک انقلاب لائے جس نے اس کی کایا پلٹ دی۔ ان کے بعد جو آنے والی نسل دنیا میں رونما ہونے والے سیاسی سماجی اور معاشی انقلاب سے اور بھی زیادہ متاثر ہوئی۔ علم کی روشنی اور احساس کی [illegible] ارتقائے حیات کی تیز رفتاری کو پہلے سے کہیں زیادہ محسوس [illegible] جدید نظم کو [illegible] بہت آگے [illegible] شاعری [illegible] انقلاب کی طرف [illegible] اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ دور شاعری پر زبردست الزام ہوتا کہ اردو نظم نگاری کو اس الزام سے بچانے والے شعراء میں سردار جعفری کا نام سرفہرست آتا ہے۔

[illegible] ترقی پسند شاعری کے متعلق کہا جاتا ہے یا نہیں [illegible] اس سے قطع نظر یہاں اس کا ذکر ایک پیش پا افتادہ بات سے زیادہ [illegible]

پہلو ہی سکتا تھا۔ مگر یہ تعریف ہے اس کی جس نے [illegible] کیا ہے۔ اس
پر گفتگو میں [illegible] وقت سے زیادہ نہیں اور ایک ایسی کتاب ہے جو
برسوں سے چھپ رہی ہے اور سب کو یاد ہو چکی ہے۔ سیدھی سی بات
ہے کہ جب [illegible] اور کسی دور میں قابلِ اعتنا نہیں سمجھے گئے اور اب
قدر جست و ترقی کی اصطلاحیں بے معنی سی ہو چکی ہیں۔ ان دونوں کا
میں ایک تیسرا فلسفہ پیش ہو چکا ہے اور وہ ہے "انسان پسندی"۔
فاشزم، فسطائیت، جمہوریت، اشتراکیت اور تمام دوسری سیاسی
اصطلاحیں بیہودہ بے سود سی [illegible] گئی ہیں۔ گزشتہ جنگِ عظیم کے
بعد سے بے یقینی کی شکل میں، نفرت کو محبت میں، ظلم کو انصاف میں،
شر کو خیر میں، بھوک اور افلاس کو خوشحالی اور جنگ کو امن میں بدلنے
کا ایک عالمی احساس جاگا۔ ظاہر ہے ان پرانی اصطلاحوں سے کوئی
[illegible] سکتا تھا۔ سیاسی کھاتے بازی نہ قوموں اور ملکوں کے کام
آ سکتی ہے اور نہ ادب کے۔ ایک وقت تھا کہ جب سیاسی نظریات
شدت کے ساتھ شاعری میں گھس آئے تھے۔ مگر اب چند برس
سے انسانی محبت کے [illegible] شرافت اور عزم و یقین کی مستحکم بنیادوں
کو منصب میں بتایا گیا ہے۔ آج کا بڑا المیہ [illegible] نفرت کرنا اسی
کے شکنجہ پر قائم رکھنا۔ سائنس کے غلط استعمالات کو روکنا اور سسکتی
دم توڑتی ہوئی انسانیت کو سہارا دینا ہے۔

"ایک خواب اور" کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے۔
سردار جعفری نے اپنی شاعرانہ منزل کو کس خوبصورتی سے
متعین کیا ہے [illegible] نمایاں تبدیلیاں اور [illegible] آئے ہیں۔ اس
مجموعے میں گزشتہ دس سال کی کہی ہوئی نظمیں اور غزلیں شامل ہیں
اور ان میں سے کئی اچھی ہیں۔ "ہاتھوں کا ترانہ" میں انہوں نے
انسان کی عظمت و طاقت کو بڑے فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
اِن ہاتھوں کی تعظیم کرو
[illegible]
[illegible]
[illegible]
اِن ہاتھوں کی تعظیم کرو

[illegible] کی نظم "سرحد" سے [illegible]
"زندگی" بھی ایک اچھی نظم ہے جس میں [illegible]
غزلوں میں بڑا حسن پیدا کیا ہے [illegible]
[illegible] محبت۔ لوگوں کے چراغ، میرا سفر، ایک بات
دو چراغ، [illegible] تخلیق کا کرب، سلام، میرے خواب، ایک
پھول شعلہ و شبنم، آرزو کے صنم خانے، تم نہیں آئے تھے جب
قریب ہو تم، سناٹا، خنجروں کی روشنی، جب صبا آئے گی، [illegible]
آفتاب، برہنہ پا ہے بہار اور منزل و محراب کی [illegible]
کی بہترین نظمیں ہیں۔

شعر کو ابہام و تضاد مانا جائے یا اسے شعور کی منزل سے تعبیر کیا
جائے، دونوں میں بصیرت کو دخل ہے۔ بصیرت جتنی گہری ہوگی شاعری
اتنی ہی اچھی ہوگی۔ ۱۹۳۶ء کے بعد جو نظم نگار شعرا اردو ادب نے
کے، ان میں بہت سوں نے شاعری میں کافی اجتہاد کیا۔ نئے
نئے تجربے کیے لیکن ان میں [illegible] بصیرت نہ تھی۔ [illegible]
صف کے [illegible] نظم نگار شعرا جو جوش کے [illegible]
تھے جن کی شاعری کی بنیاد محض "اشتراکیت" تھی۔ جنہیں [illegible]
سے انقلاب تک "جذبہ" نہیں لایا تھا بلکہ ان کی شاعری [illegible]
اور تشکیک پیدا ہو گئی تھی۔ انہیں مادی اور روحانی [illegible]
نہ تھا۔ سیاسی اور اقتصادی تبدیلیوں کا بہت شور ہے لیکن
کا ذہنی افق روشن نہ تھا۔ انہیں شاعری کی [illegible]
[illegible] چند نام [illegible] شک کر رہ گئے [illegible] ہی نام تھے۔
حرف [illegible] ایک [illegible] کا [illegible] سردار جعفری کا۔
اول الذکر کی شاعری پہلے شاخِ گل اور زلف و رخسار [illegible]
محدود [illegible] اس کے بعد [illegible] زنداں اور [illegible]
[illegible] کی علامتوں میں محدود ہو گئی۔

"روحانی اور جنس" سے سردار جعفری کا انکار شروع ہی سے
[illegible] اگرچہ [illegible] انقلاب پسند
پر بہت جلد [illegible] حقیقت [illegible] کی۔ مگر اس کے ساتھ
ایک حقیقت [illegible] شعور [illegible] جو آج تک باقی ہے [illegible]
بغیر [illegible] شعر [illegible] پیدا نہیں ہوتا۔ [illegible]
[illegible]
کے [illegible]

پیدا ہوتا ہے۔ سردار جعفری کہیں ان کے پیچھے جو جذباتی شعور نے
ان تمام خوبیوں کو سرخ بنا دیا ہے۔

سردار جعفری کے کلام کے پہلے مجموعوں "خون کی لکیر" اور "پتھر کی دیوار" کی بیشتر نظموں میں سیاسی ہنگامی، مذہبی اور معاشی کرب، بدلتی ہوئی تمدنی و اخلاقی قدریں، جہل و جہت انسانیت کے عالمگیر رشتوں، انقلاب اور تیز رفتار سماجی طاقتوں کی کشمکش کے احساس کا ایک تلخ پیرایۂ اظہار ضرور ملتا ہے۔ لیکن "ایک خواب اور" کی نظموں میں یہ رنگ کچھ اور گہرا ہے۔ اس مجموعے میں ان کا جذباتی شعور زیادہ نکھرا ہوا ہے۔ اس میں تشبیہ اور استعاروں کے نازک عمل و موسیقیت اور حسن کاری، الفاظ اور آہنگ کی ہم آہنگی بہت نمایاں ہے۔ "ایک خواب اور" کی نظموں میں پہلے مجموعوں کی سی محدودیت نہیں ان میں جوش و ولولہ بہت تیز اور تصورِ حیات بھی بھا ... ہے۔ پہلی سی جھنجھلاہٹ اور اضطراری کیفیت بھی نہیں ہے۔ شاعر کے تجربات و مشاہدات کا پھیلاؤ اور اس کے فکری و ذہنی افق کی وسعتوں کا صاف پتہ چلتا ہے۔ تجربہ کاری و تجزیہ ... شعور کی بلندی اور فکر کی گہرائی کا احساس ہوتا ہے۔ اگر اس مجموعے میں "میرے فرزند میرے رفیق" اور "نذرِ حسینہ" جیسی نظمیں نہ ہوتیں تو پہلے سردار جعفری کو پہچاننا مشکل ہو جاتا۔

سردار جعفری نے ہمیشہ غزل گوئی سے گریز کیا لیکن "ایک خواب اور" میں متعدد غزلیں بھی شامل ہو گئی ہیں۔ ان میں اسلوب کی فکر اور جدت کے ساتھ شادابی اور شگفتگی ہے۔ رمز و کنایہ کی بھی کمی نہیں؛ ان میں ایسے خوبصورت اشعار بھی ہیں۔

شب کا حسن بھی بہت ہے ... بھی بہت
ذرا تو جبر کی بارودں کے ... دیجئے
جہاں جہاں ... وہیں بہار
چمن چمن ہی افسانۂ ... لیجئے

لیکن ان غزلوں میں اس تکرار و جدت کی کمی ہے جس سے غزل "غزل" بنتی ہے۔

بڑھے ... اور اپنی دستِ طلب کو
بڑھے ... ہوئی ... اور
... کس کا ... کہیں یہاں ہر بار نہیں ہے

کم ہو کیوں ابروئے قاتل کی کمانوں کا کھنچاؤ
جب برابر بزم تم "تیرِ شکار" آتے ہیں
حسن کے جلوے عام ہیں لیکن ذوقِ نظارہ عام نہیں
عشق بہت مشکل ہے لیکن، عشق کے دعویدار بہت

پہلے تین شعروں میں خط کشیدہ ٹکڑوں کے محلِ نظر ہونے کے علاوہ چوتھا شعر مجاز مراد آبادی کے کسی شعر کی یاد دلاتا ہے۔ اور بھی کچھ سرسری قسم کے اشعار غزلوں میں ہیں۔ سردار جعفری کی دو غزلیں ایک حد تک کامیاب کہی جا سکتی ہیں جو مسلسل ہیں جن میں ایک طرح کا تسلسلِ فکر ہے، ان غزلوں کے اشعار کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

بات دراصل سردار جعفری کی نظموں کی ہو رہی تھی۔ ۱۹۴۲ء میں مولانا نیاز مرحوم نے "نگار" کا "جدید شاعری نمبر" نکالا تھا، بہت پہلے ڈاکٹر سید اعجاز حسین نے اس میں ایک جگہ لکھا تھا

"سردار جعفری اپنی نظر اور مطالعہ کے اعتبار سے فیض اور مجاز دونوں سے بڑھے ہیں، ان کی نظم میں رومانیت اور جنسی جھلک قطعاً نہیں"

سردار کی وسعتِ مطالعہ اور صاحبِ نظری ... ان کا ہم عصر کے شعرا سے زیادہ ہے۔ اس پر مستزاد ان کی گہری تنقیدی نظر ہے اور اکتسابِ فن کے مقصد و فن کی ... بلندی کا ... جو دوسرے ترقی پسند شعرا کے یہاں کم نظر آتی ہے۔ سردار کی شاعری کا کمال وہ فنی پہلو ہے تابناک ہے جہاں ان کے یہاں بے جا ... کے گرد کو دشمن سے اور ان کی یکسانیت نہیں ہے نئی نئی شاعرانہ جہتیں ہیں۔ وہ ... اور ... ہے جو شاعری کو عظمت عطا کرتا ہے۔ انھوں نے "کلاسیکی روایات" سے گریز نہیں کیا۔ کوئی نظم دیکھ لیجئے کمزور اپن کہیں نہیں ملے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں، چونکہ حقیقت کمزور ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے اظہار میں کمزور اپن آجانا فطری ہے۔ پھر فن کا کیا ہوگا؟ آرٹ کے نقطۂ نظر سے تو غالب کو ... ہونا چاہیئے۔ تب روح کا کمزور اپن تجربوں میں سما سکتا ہے اور انسان کی جذباتی حس بھی کچھ جاتی ہے۔ کائنات کے ہر جزو میں ایک سلیقہ تنظیم اور حسن ہے ادب اور آرٹ بھی ان کے بغیر ادب اور آرٹ نہیں ہو سکتا۔

اگر ادوار کے اعتبار سے ... نظم نگاری کا مطالعہ کیا جائے

کہا جاتا ہے کہ ... مشہور نظم نگار شمار کیے جاتے ہیں جن کی
تعداد [illegible] ہے۔ لیکن [illegible]
شاعری میں [illegible] صرف اقبال، سیماب اور جوش
[illegible] نظم [illegible] ۲۲ نظم
[illegible] سردار جعفری کا نام بھی شامل ہے۔
[illegible] کے سر پر [illegible] ملک کا تاج
[illegible] ایک ذہین شاعر اور
[illegible] کا جواب ڈھونڈنے
میں زیادہ دشواری نہ ہوگی۔

ظاہر ہے کہ [illegible] کی پرواز [illegible]
[illegible] ہے۔ اس دنیا [illegible] خارجی
حالات کے ساتھ ساتھ [illegible] ہیں۔ آج کا
[illegible] اشتراکی [illegible] ہو سکتا ہے۔ [illegible]
[illegible] کسی [illegible] ہو سکتا ہے [illegible]
[illegible] ایک [illegible] ہے [illegible] شاعری
[illegible] سے [illegible] نہیں۔

جس شاعری میں اپنا دور [illegible] وہ شاعری کیا ہے
[illegible] معنویت اور [illegible] ہے۔ غرض نظم [illegible]
[illegible] ترجیح دی جاتی ہے [illegible] موضوعات کے
[illegible] ہیں [illegible] کے تاثرات کے
[illegible] ایک [illegible] بچے کا
[illegible] ایک [illegible] بارش کا ایک قطرہ۔ زمانے
[illegible] ایک [illegible] شام [illegible] تحریک
[illegible] INSPIRATION دے سکتا ہے۔ ان کے یہاں
[illegible] ہر شعر اور ہر [illegible] نظم [illegible] ہے
[illegible] کا احاطہ کر لیتی
ہیں۔ [illegible]
[illegible] ہے۔

[illegible] ہے کہ سردار جعفری نے ملک کے
[illegible]
[illegible]
[illegible]

• "ایک خواب اور" [illegible] کی
بات [illegible] نظم [illegible]
[illegible] ہے [illegible] کا اعلان کیا ہے [illegible]
[illegible] اور شاعری پر [illegible] اقبال، سیماب اور جوش [illegible]
ہونے کی بشارت [illegible] ہے۔

سردار جعفری [illegible] کے
باوجود "ایک خواب اور" کی بعض نظموں کے بعض مصرعوں میں
کچھ جھول پائے جاتے ہیں [illegible] ہیں۔ کہیں
کہیں مصرعے کے خالی پن کا شدت سے احساس ہوتا ہے لیکن
ایک شعر [illegible] شعر [illegible] نظموں کا دلچسپ
اس احساس کو کم کر دیتا ہے۔

سردار جعفری [illegible] کی دنیا میں جہاں ایک [illegible]
کے [illegible]
بھی توجہ [illegible] ہیں۔ وہ ایک [illegible] ادیب ہیں [illegible] کی
[illegible] شخصیت کا [illegible] ہوگا۔ [illegible]
کے یہاں نہیں ہے۔ [illegible]
کے [illegible] TREND [illegible] کی کوشش کی
ہے۔ [illegible] آفاقی قدروں UNIVERSAL
VALUES پر ہے [illegible] بڑی [illegible] بات ہے۔

• "ایک خواب اور" [illegible] کتابت کے اعتبار سے
[illegible] ہے۔ قیمت چار روپے۔ ملنے کا پتہ
مکتبہ [illegible] ۲۶
([illegible])

ادبا اور شعراء سے درخواست

[illegible] اپنی [illegible]
[illegible] تاکہ جب [illegible]
شاعری میں شائع ہو [illegible] کام آسکے۔

[illegible]

محفل اپنی......!

[illegible] ... Showers by Joe George ... [illegible]

[illegible]

مکتوبات:-

[illegible]

تبدیلیوں کا خیر مقدم:-

[illegible]

فروری، اگست ۱۹۸۰ء

[illegible]

تقسیم الادب کے اشاعتی پروگرام کا آغاز

[illegible]

کرشن چندر نمبر

[illegible]

کشمیری لال ذاکر کی تین کہانیاں

[illegible]

بقیہ تبصرات

[illegible]

کلیاں — ایم اے

[illegible]

نور پبلشر — روڈ بمبئی ۴۶

[illegible]

نسیم مظفر نگری

[illegible]

[illegible]

علمی، ادبی، اور تہذیبی خبریں

اردو کی ترویج و ترقی پر خاطر خواہ توجہ دی جائے

انجمن اشاعت ادب کی جانب سے

صدر جمہوریہ ڈاکٹر رادھا کرشنن کی تقریر

نئی دہلی ۱۲ اگست: صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر رادھا کرشنن نے [illegible]

[illegible]

یہ بات افسوسناک ہے کہ [illegible] ہے۔

[illegible] کا بہت [illegible] گیا ہے۔

پارلیمان میں اردو کا پُرزور مطالبہ

اردو کو اس کا حق مقام دیا جائے

[illegible]

مولانا عبد الماجد دریا بادی کو اعزاز

نئی دہلی ۱۵ اگست: صدر جمہوریہ ہند نے [illegible]

[illegible] کی گئی ہے۔

کوثر چاند پوری کی "جہانِ غالب"

اردو زبان کے مشہور ادیب و افسانہ نگار کوثر چاند پوری کی [illegible] شائع ہو گئی ہے۔

[illegible]

لکھنؤ میں یوم نولکشور

[illegible]

[illegible]پور	٣٦	٣٠	٦
[illegible]	١٠	٦	٤
[illegible]پوری	١٢	٦	٦
بستی	٢٥	٢٠	٥
گورکھپور	٢٥	صفر	٢٥

[illegible] دیا گیا ہے۔

حامدی کاشمیری کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری مل گئی

[illegible]

اردو [illegible]

[illegible]

عربی فارسی اسلامک [illegible] اور اردو کے پروفیسر [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کو ریڈیو کے نغمے پر انعام

[illegible]

سلام مچھلی شہری [illegible] ہو گئے

[illegible]

لسانی کمشنر کی رپورٹ

[illegible]

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	٣	٣	١٠
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

[illegible] August 1966

The "SHAIR" Bombay 8

(37 Years of Publication)

Publishing D[illegible]

THE MOST POPULAR OLDEST LITERARY & CULTURAL URDU JOURNAL

علامہ سیماب اکبرآبادی

[illegible]

کلیم عجم	(غزلیات)	چار روپیہ آٹھ آنے
سدرۃ المنتہیٰ	(غزلیات)	چار روپیہ
کار امروز	(نظمیں)	چار روپیہ آٹھ آنے
شعر انقلاب	(قصیدے)	تین روپیہ
عالم آشوب	(رباعیات)	تین روپیہ
[illegible]	([illegible] نظمیں اور سلام)	ایک روپیہ

جلدوں پر خوبصورت اور رنگین گرد پوش

(مکمل سیٹ کی خریداری پر صرف محصول ڈاک معاف)

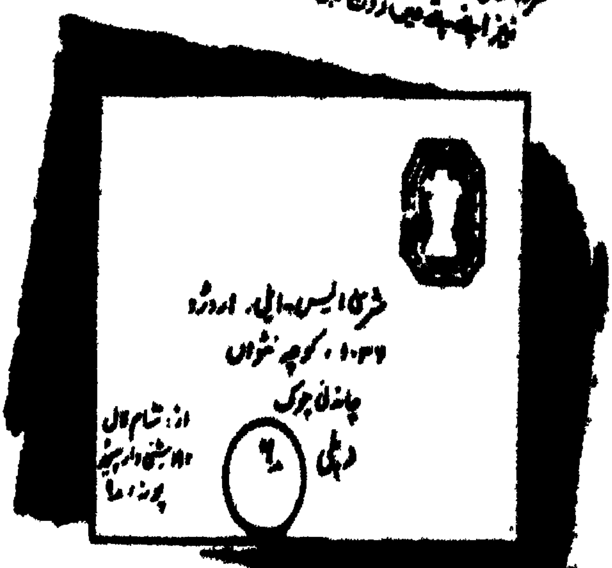
منیجر شاعر، مکتبۂ قصر الادب یوسف بلڈنگ ۳۵۲۶ بمبئی ۸

Only cover printed at Adabi Printing Press, Bombay-8


ساحر

پتے میں شہر کے بعد
زون نمبر
ضرور لکھیں

تیزی کے ساتھ خط وغیرہ چھانٹنے اور پہنچانے
کی غرض سے بڑے قصبوں کو ڈاک حلقہ پر زون
نمبرات دیا جاتا ہے
براہ مہربانی پتے میں شہر کے بعد زون نمبر
ضرور لکھیں
نیز اپنے پتے میں زون نمبر کا خانہ بھر لیں



زون نمبر
سے پتہ پورا ہوتا ہے
ہمیں بہتر خدمت کا موقع دیجیے

بھارتی محکمہ ڈاک و تار

کرشن چندر نمبر کے سلسلے میں

شاعر کے خریداروں اور ایجنٹوں سے ضروری گذارشات

خریداروں سے

۱۔ کرشن چندر نمبر کی قیمت [illegible] مقرر کی گئی ہے چونکہ
[illegible] سے گیارہ عام شماروں کے
[illegible] مفت نہیں دی جا سکتی اور
[illegible] شاعر کے مستقل خریداروں سے [illegible] نمبر
کی قیمت لی جائے۔ [illegible] تمام خریداروں کو صرف چار
روپے [illegible] خاص اشاعت [illegible] کی جائے گی اور
ان کے [illegible]

۲۔ کسی خریدار کو کرشن چندر نمبر [illegible] نہیں بھیجا جائے گا
[illegible] خریدار کو [illegible] کے
[illegible] بھیجا جائے گا۔

۳۔ [illegible] کرشن چندر نمبر کی [illegible] قیمت [illegible]
[illegible] پیسے ([illegible]) منی آرڈر سے
[illegible] خریداروں کو [illegible]
[illegible] بھیجا جا رہا ہے [illegible]
[illegible] نمبر [illegible]

۴۔ [illegible] خریداروں [illegible] کرشن چندر نمبر [illegible]
[illegible]
[illegible] چندہ [illegible]
[illegible] کرشن چندر نمبر کی [illegible]

[illegible] (۵۵ ۔ ۱۲ ۔ ۱) کا منی آرڈر بھیجیں۔

۵۔ جو خریدار کرشن چندر نمبر کی [illegible] نہیں بھیجیں گے
انہیں یہ نمبر نہیں بھیجا جائے گا۔

۶۔ جن خریداروں کی طرف ایک سال یا اس سے زیادہ کا چندہ
باقی ہے ان کو بھی کرشن چندر نمبر تب ہی بھیجا جائے گا جب تک
وہ بقایا نہ بھیج دیں۔

ایجنٹوں سے

۱۔ تمام [illegible] ایجنٹوں کو کرشن چندر نمبر کی مطلوبہ
کاپیاں [illegible] سے بھیجی جائیں گی اور [illegible]
[illegible]

۲۔ تمام ایجنٹوں کے لئے کرشن چندر نمبر کی مطلوبہ کاپیوں کی
[illegible] بھیجنا لازمی اور ضروری ہے۔

۳۔ کسی ایجنٹ کو ۲۵ فی صد کمیشن سے زیادہ کمیشن نہیں
دیا جائے گا۔

۴۔ کسی [illegible] کرشن چندر نمبر [illegible] اجازت ہوگی۔

۵۔ [illegible] کسی ایجنٹ کا کوئی آرڈر قبول
نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ [illegible] کے [illegible]
[illegible] کرشن چندر نمبر [illegible]

[illegible] خریداری ختم ہونے کی اطلاع

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

زندگی کے تمام مسائل پر ادبی انداز سے سوچنے والا رسالہ

شاعر
بمبئی

یادگار علامہ
بانی علامہ سیماب اکبرآبادی مرحوم

شمارہ ۵-۱۲
سنہ ۱۹۶۶ء

جلد ــــــــ ۳۷

ادارہ
اعجاز صدیقی
چندہ

سالانہ ــ آٹھ روپے
ششماہی ــ پانچ روپے
غیر ممالک ــ ۱۲٫۵۰ روپے
انگلینڈ ــ ۲ شلنگ

فی پرچہ ۲ روپے

دفتر
۱۱-۱۲-۱۳ ... بمبئی
... آفس
... روڈ ... بمبئی
... شاعر ... بمبئی ...

فہرست

مجتہات

جاگو اور جگاؤ —!

اردو میں سال سے برابر یہ توقع پیدا ہو رہی تھی کہ اب ظلم و ناانصافی کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا [illegible] سبب [illegible] جنگ چھڑ گئی اور کبھی پاکستان سے ٹکراؤ اور ملک کا دفاعی [illegible] الیکشن [illegible] خوش اشاعت مرکز میں بھی، بہار اور اتر پردیش کی ریاستوں میں بھی۔ بھوک ہڑتالیں ہوئیں [illegible] کے ممبروں نے احتجاج کیا۔ وفد وزیر اعظم سے ملے، صدر کانگریس [illegible] کے سامنے جا کر دہائی دی۔ اس سے پہلے صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین کی صدارت میں [illegible] اور پچھلے دنوں یہ خبر گرم رہی کہ چند ریاستوں میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دینے کے لئے اب صدر جمہوریہ اپنا فرمان جاری کرنے ہی والے ہیں۔

کہاں ہے صدر جمہوریہ کا فرمان؟

اب شاید یہ سوچنے اور پوچھنے والا نہیں ہے کہ صدر جو فرمان جاری کرنے والے تھے وہ کہاں گیا؟ "اردو رکشا" کے لئے [illegible] اور بعض دوسرے مطالبات کے سلسلے میں کئی بھوک ہڑتالوں اور احتجاجی اقدامات نے حکمران طبقے میں [illegible] اور مطالبات پر متوجہ ہونے کی آوازیں آنے لگیں۔ اردو ہندوستان کی عظیم قومی زبان جس میں ملک کی بے شمار [illegible] میں بھی تصنیف و تالیف ہیں۔ جس میں قومی لیڈروں کے مرثیے ہیں جس نے آزادی کی جنگ جیتی۔ جس نے چین اور پاکستان کی جنگ میں زبردست قومی اور دل اندا کیا۔ جو ایک عظیم ادب رکھتی ہے جو تقسیم سے پہلے پورے ملک کی زبان تھی [illegible] زبان [illegible] ڈاکٹر راجندر پرشاد کی زبان، اگر ہمارے سیاست دانوں اور حکمرانوں کی نظر میں اس کا درجہ [illegible] کے برابر بھی نہیں۔ اس روشنی، آگہی اور ترقی پسند زمانے میں یہ اندھیر اور ظلم بالغوں کے لئے قوانین بنانے والے خود قانون شکنی پر آمادہ؟!

کیا وجہ نہیں کہ اردو والے اب یہ سمجھ گئے ہیں کہ حکمران جماعتوں کی نیت صاف نہیں ہے [illegible]
احتجاج کیوں نہ کریں [illegible] ۔ وعدوں اور [illegible] کی [illegible] ہو-!!
حکومت اتر پردیش نے اردو تعلیم کے لئے ایک اعلان کیا ہے۔ لیکن اس سے اردو کی سرکاری [illegible] حیثیت تو متعین نہیں ہوتی۔

ہم نے کئی مہینے پہلے عرض کیا تھا کہ اردو والوں میں جو سنجیدہ اہل علم ہیں وہ الیکشن میں [illegible] ۔ اردو کے پلیٹ فارم سے آزاد امیدواروں کو پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں بھیجنا چاہئے [illegible] ۔ سب اردو جماعتیں اپنی اپنی ڈفلی الگ الگ بجاتی رہیں۔ نتیجہ میں سب الگ الگ [illegible] اثر پیدا نہ کر سکیں۔

اب بھی وقت ہے کہ اردو والے جاگ جائیں۔ الیکشن میں کم و بیش دو مہینے باقی رہ گئے ہیں۔ اگر ہم اردو والوں میں اردو کا ذرا سا بھی درد، غیرت اور حمیت ہے تو اب متحدہ پالیسی اپنائیں۔ ہندوستان بھر میں الیکشن کے لئے [illegible] امیدواروں میں سے کسی ایک امیدوار کو بھی ووٹ نہ دیں۔ اردو جاننے والوں کے ووٹ [illegible] ہیں۔ [illegible] الیکشن کی [illegible] اور تمام اردو تنظیمات کے ذریعے [illegible] اعلان کرتے رہنا چاہئے کہ [illegible] الیکشن میں کسی کو ووٹ نہیں دیں گے تا وقتیکہ اردو کو سرکاری زبان کا درجہ نہ دیا جائے۔

[illegible]

[illegible]

ماہر القادری

غزل

کچھ دن سے دل میں اب ہوسِ خام بھی نہیں
اِس بُت کدے کو حاجتِ اَصنام بھی نہیں

انسان اور کشمکشِ جبر و اختیار
آزاد بھی نہیں ہے، تہِ دام بھی نہیں

اے دل ادب، کہ پرسشِ غم کو وہ آئے ہیں
شکوے شکایتوں کا یہ ہنگام بھی نہیں

اے دوست! احتیاطِ محبت کی داد دے
فریاد کر رہا ہوں، ترا نام بھی نہیں

اے اہلِ تاج و تخت! یہ طغیانِ کبر و ناز
تم کو خیالِ گردشِ ایّام بھی نہیں

منزل ہے دُور اور مسافر کا ہے یہ حال
طاقت بقدرِ زحمتِ یک گام بھی نہیں

رندی و تشنگی کا یہ اللہ رے غرور
ساقی سے اب معاملۂ جام بھی نہیں

ماہرؔ میں اپنی ذات سے جو کچھ ہوں ٹھیک ہوں
غالب نہیں ہوں، حافظ و خیام بھی نہیں

[illegible] ہاشمی

مُلاؔ کی شاعری کا ایک پہلو

[illegible]

[illegible]

[illegible] ایک شعر [illegible] ہے [illegible] انسان [illegible] دنیا [illegible] مذہب [illegible]
[illegible] کے [illegible] تقدس [illegible] ادراک [illegible]
[illegible] قوت [illegible] عظیم [illegible] انسان
[illegible] احساس [illegible] سکتے [illegible]
[illegible] ذہن [illegible] جیسی [illegible] انسان [illegible]
[illegible] جس [illegible] احساس [illegible]
[illegible]

[illegible] ہم ایک جہاں [illegible] پتھر پائے جا نہیں
[illegible] ! یہی حسرت [illegible] بشر ہے [illegible] انسان ہو گا

تاریخ البشر کی کہانی تو صاحب کی زبانی سنیئے

[illegible] جب آئے تھے بت [illegible] نظر اصنام پرانے توڑ دیے

[illegible] ساتھ ایک [illegible] حقیقت کا اظہار ہے [illegible] کے اصنام [illegible]
[illegible] ہمیشہ [illegible] سکوں [illegible]
[illegible] انسان [illegible]
[illegible] ایک دوسرے کی محبت کے احساسات سے [illegible]
[illegible] صاحب نے اپنے [illegible] شعر کو اس طرح واضح کیا ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] محبت [illegible] شاعر غم [illegible] بکھر گئے
[illegible] شبنم [illegible] وہ تقدیر ستم [illegible] بکھر گئے
[illegible] چشمہ [illegible] دل [illegible] بکھر گئے

[illegible]

[illegible] مستقبل [illegible]
[illegible] آگے نہیں جانے دیتا کیونکہ [illegible] ایک ایسی دنیا کی تلاش میں سرگرداں [illegible]
[illegible] اور [illegible]
[illegible] ۱۹۹ اشعار [illegible] ۱۳ اشعار [illegible] انسان
[illegible] احساس [illegible]

[illegible] ملتا ہے خوف [illegible] پیار توں سے
[illegible] ہم [illegible] اشیشن میں [illegible]
[illegible] ماریاں گئے!
[illegible] سے [illegible] ڈالا!

انسان اگر [illegible] رسم و رواج زندگی ہے [illegible] حقیقت پر [illegible] ہے۔

[illegible] ایک [illegible] حقیقت [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] انسان [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] انسانیت [illegible] [illegible]

[illegible] معاشرے [illegible]

ایک ایسا دور گردوں ایسا نظام کا ہو — جس میں ہر ایک بیکس [illegible] سلام [illegible]

مظلوم کا کلیجہ تیر ستم نہ زخموں سے — [illegible]

انسان خاصیات [illegible] — پیشانی بشر کا [illegible] ہو!

انسانیت کا [illegible] جیسا [illegible] — [illegible]

[illegible] انسانیت کے [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] مستقبل [illegible]

[illegible] شاعری [illegible]

[illegible] شہرت [illegible] ایک

[illegible] انسان [illegible]

[illegible] شہرت [illegible]

حیات کے تمام [illegible]

[illegible] انسانیت کے [illegible]

[illegible] لیکن خود

[illegible]

وہ جس [illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

کبھی سناتے فرشتہ آدم خاک کی [illegible] — [illegible]

کسی [illegible] — [illegible]

غرض [illegible] — محبت [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] لیکن [illegible] — [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] محسوس احساسات و جذبات [illegible] گئے خیالات و افکار [illegible] جدید [illegible]

[illegible]

[illegible]

حقیقت سے قطعی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

دنیا کے اندھیرے [illegible] | [illegible] کوئی رستہ نہ ملا
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]

آنند نرائن ملا نے اپنی نظم "جادۂ امن" میں کسی قدر تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے [illegible]

[illegible] حقیقت [illegible]

[illegible]

[illegible] "جادۂ امن" کے دو مصرعوں میں شاعر کہتا ہے ۔۔

ابھی تو ہیں جھلس رہی ہے فضائے جبر سے کراں | [illegible] قفس [illegible] آشیاں
[illegible] | [illegible]

[illegible] بڑھے چلو

علم کے شہید قوم کا نشان بڑھے چلو

[illegible] دنیا کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا ہے [illegible]

[illegible]

[illegible] جہاں ابھی | [illegible]
[illegible] ابھی | [illegible] آسمان ابھی

کہیں تو خاک سے اٹھا آسمان بڑھے چلو

علم کے شہید قوم کا نشان بڑھے چلو

[illegible] اندھیروں سے [illegible] محفوظ نہیں :۔

[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible] آندھیاں

[illegible] بڑھے چلو

علم کے شہید قوم کا نشان بڑھے چلو

[illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

[illegible] بڑھے چلو

ہم کہ شہید [illegible] بڑھے چلو

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

[illegible] بڑھے چلو

ہم کہ شہید [illegible] بڑھے چلو

[illegible]

[illegible]

[illegible]



رفعت سروش

"ہم قلم کے پاسباں ہیں"

مبارک قافلے والو! کہ منزل مسکرائی ہے
کہ ربع صدی ارتقا کی [illegible] ہے

مبارک تھی وہ ساعت جب چلے تھے سوئے منزل ہم
اندھیری رات میں اک مشعلِ عزم و یقیں لے کر
[illegible] سی [illegible] راہوں میں
جہاں [illegible] مستقبلِ انساں کے [illegible]
[illegible]
[illegible]
زمیں [illegible]
[illegible]

[illegible]
غلامی نے ہمیں ذلت کے کانٹوں پر سلایا تھا
[illegible]
[illegible] اندھیرا تھا جہالت کا
[illegible] رعونت کا
[illegible]
[illegible]
[illegible] کر دیا تھا [illegible]

[illegible] مشعلِ تنویر بیدار کا
[illegible] احساس آزادی کا
[illegible]
[illegible]
[illegible]

نئی دنیا کے متوالے
غلامی کی اندھیری رات میں برسائے انگارے
وہ انگارے کہ جن سے مشعلوں کی کونپلیں پھوٹیں
ہر اک مشعل بنی پرچم
بچھا پھیلا نیا عالم
بغاوت کے "نئے انکور" اُگے انگڑائیاں لیکر
"ترقی" جن کا مسلک تھا
وہ فرزانے اُٹھے سیف و قلم لے کر
بڑھے سر پہ کفن باندھے
کہ دیکھیں زور کتنا بازوئے قاتل میں باقی ہے
نگہ کرنیں بڑھیں انگڑائیاں لیکر
کہ دیکھیں رات کب تک ساتھ دیتی ہے مظالم کا

گر بازوئے قاتل شل ہوئے،
شق ہو گیا سینہ غلامی کا،
کھنچی تصویر آزادی کی،
ملی تعبیر آزادی،
مجسم ہو گئی تنویر آزادی،

نیا سورج ہتھیلی پہ لئے صبحِ بہار آئی

مگر افسوس تعصب کی آتش بھڑکا دی گئی
نحوست کے نفس باقی تھے کتنے ہی گلشن میں
کلیوں کے زرد چہرے تھے بجھے پیاس کے پیڑ
جنہیں انکار تھا یہ کون اپنا، کون بیگانہ
بہت سے سانپ تھے جو پل رہے تھے آستینوں میں

ہمارا پل علم تھا لیکن
وطن کا اپنے پرچم
بھگت زرتشت کی سوچ سے لکھا جیون کا ہم نے
خدا جیسا لیکن نشان اس کے مٹتے نہیں
قلم کرا گیا مٹاتا ہے
غریبی سے،
جہالت سے،
تعصب سے،
رعونت سے
قلم ہے برسرِ پیکار نفرت کے نشانے سے
قلم نا [illegible] گوتم سے برسرِ پیکار ہے اب بھی
وطن کے دشمنوں کے واسطے تلوار ہے اب بھی

رفیقو! ہم قلم کے پاسباں ہیں
اس کے وارث ہیں
امانت ہے ہمارے پاس یہ تہذیبِ عالم کی
اسے لے جائیں گے ہم فکرِ شاعر کی بلندی تک
زمیں کی جنتِ گم ہو [illegible] ہر ایک گوشے میں
ہر انساں کے شانے اور کعبہ میں

ہمارے شوق کی وسعت
زمیں سے آسماں تک ہے
مکاں سے لامکاں تک ہے

غزل

ضیا فتح آبادی

جاتی ہے آسماں سے بھی آگے نظر کہاں
ان کی خبر ملی تو پھر اپنی خبر کہاں

اٹھتے ہیں مجھ کو منزلِ مقصود خود ہی پاؤں
ڈھونڈھے جنوں کدے میں کوئی راہبر کہاں

سیلابِ گریہ، رقصِ شرر، نالۂ سکوت
ہوتی ہے اس طرح شبِ غم مختصر کہاں

بے پردہ وارِ حسن وہ غمازِ رازِ عشق
آنچل ترا کہاں، مرا دامانِ تر کہاں

سجدہ طلب ابھی ہے ترا سنگِ در مگر
تھا شوقِ سجدہ جس کو وہ شوریدہ سر کہاں

گلہائے نو شگفتہ کی رنگینیاں لئے
زنداں میں آ گئی ہے نسیمِ سحر کہاں

دن رات بھی وہی، مہ و خورشید بھی وہی
بدلا نظامِ زیست مری موت پر کہاں

طاری رہا ہے دل پہ جو مستی و بے خودی
محسوس کون کرے گردشِ شام و سحر کہاں

اب یہ نہ پوچھ میرا دلِ افسردہ ضیا
[illegible] کہاں

فیض الحسن

سہل ہو گئیں منزلیں

"ڈاکٹر...؟"

"یس کیپٹن؟"

"کیا نرس کو خبر کر دی گئی تھی۔"

"ہاں.... مگر...."

"ہاں، ہاں! کچھ فکر نہ کریں"

"اُن کی شادی ہو گئی اور وہ ہنی مون منانے باہر چلی گئی ہیں۔"

"اوہ...." کیپٹن شہاب کا چہرہ تکلیف سے کراہ اُٹھا۔

"کیپٹن...؟"

"مجھ کو ڈاکٹر،" کیپٹن شہاب کراہا۔

"مگر تمہارا پیارا کون جانتا ہے۔"

"اوہ.... تو پھر....؟"

"بس کے جیسے ہی ہسپتال سے ڈسچارج کر دیئے جائیں گے۔"

ڈاکٹر نے کیپٹن شہاب کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اس کے ہونٹ کسی جذبے کے تحت تھرتھرا رہے تھے۔ "کیا یہاں آپ کا اس دنیا میں کوئی رشتہ دار نہیں ہے؟"

"نہیں.... میں بالکل اکیلا ہوں۔"

پھر کیپٹن شہاب کی یادوں کے در پیچے پر کسی کی دستک کتنی ... پھر ایک ... سا چہرا ... زینت تھی۔

کیپٹن شہاب ...

[illegible]

جگمگا رہی تھیں۔ آنسو تھے کہ زینت کی آنکھوں سے برساتی جھرنے کی طرح بہے جا رہے تھے۔ مگر شہاب کو زینت کے ان آنسوؤں کی کب پرواہ تھی، وہ تو ان آنسوؤں کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا ... کی نظروں میں آج اس کی زندگی کا ایک اہم فیصلہ ہو چکا تھا۔

یعنی شہاب اور زینت کی علیحدگی۔

شہاب کی زندگی میں اندھیری زندگی کی تاریکیاں اسی وقت شامل ہو چکی تھیں جب پہلی بار اُس نے اپنے دل پر ... کیفیت کا حملہ محسوس کیا ... میں زینت کا گھر گھٹ اٹھا تھا۔ مگر زینت اس کے جذبات سمجھتے ہوئے محسوس ہوتے اور اسے لگا جیسے کسی قیمتی چیز کا تصور لے کر کوئی کڑوی کسیلی چیز کھا گیا ہو اور وہ کسیلا پن مستقل طور پر اس کے احساس میں رچ بس گیا۔

جب سے شہاب میاں زندگی میں ... ہوئے تھے، اماں بی کو یہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ کسی طرح اس گھر میں ایک چاند سی بہو ... بہو بغیر گھر کتنا سونا سونا لگتا ہے، اور جس گھر میں ہنستے روتے ننھے معصوم بچے نہ ہوں وہ گھر جہنم سے بھلا کیا کم ہوتا ہوگا، وہ اکثر تنہائی میں سوچا کرتیں مگر شہاب میاں اپنی لگن میں ... ادھر جیسے ہی اماں بی نے اپنی زبان پر شادی کا نام لیا اور ادھر شہاب میاں نے جھٹ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

"ابھی میری شادی کرنے کی عمر ہی کہاں ہوئی ہے اماں؟" شہاب میاں اماں بی کے اصرار پر جواب دیتے۔

"ارے تو! تیس کی عمر ہوئی، اب شادی نہ کرے گا تو کس عمر میں کرے گا۔"

"ارے! آپ ہی تو کہتی ہیں کہ میں آپ کے سامنے ابھی بچہ ہوں، بھلا بچے بھی شادی کرتے ہیں؟" اور شہاب میاں ... کی طرح گھر سے نکل جایا کرتے اور اماں بی امید بھری نگاہوں سے ...

[illegible] شباب [illegible]
[illegible]

"پیاری [illegible]"

[illegible] شباب میاں [illegible] مسکرائے۔

"میں سنجیدہ ہوں۔"

"اچھا... [illegible] شباب میاں سنجیدہ ہو گئے۔

[illegible] زندگی [illegible] شباب میاں ایک [illegible]

[illegible]

شباب میاں [illegible] گئے۔

[illegible]

[illegible] شباب میاں [illegible] مسکرائے۔

[illegible]

[illegible] زینت [illegible]

[illegible] شباب [illegible]

[illegible]

[illegible] شباب میاں [illegible]

[illegible]

"شباب [illegible]"

[illegible]

[illegible] شباب [illegible]

[illegible]

اُنہیں کا [illegible] کے [illegible] دل ہی دل میں مسکرانے شرارت کا لطیف
سا احساس لئے [illegible] نکالے شباب کی منتظر
تھی۔ شباب کا [illegible] زینت کا سینہ جل اٹھا اس کا وجود
سُلگ اٹھا اور گھٹ گھٹ کے اندر سے سسکیاں اُبھرنے لگیں۔ جب
ماں [illegible] کی یہ حالت دیکھی تو گھبرا گئیں ان چپ چاپ
مجرم بنی بیٹی کی آنکھوں سے زینت کی سسکیاں گونجتی رہیں۔

اب گھر میں شباب میاں کے قہقہوں کی جگہ اذیت ناک
خاموشیوں نے لے لی۔ جیسے گھر کے مکینوں نے بولنا ہی چھوڑ دیا ہو۔
اماں بی گم شدہ سکتے کے عالم میں بیٹھی ایک ٹک خلاؤں میں گھورتی ہوئی
نہ جانے کیا کیا سوچا کرتیں۔ انہوں نے کئی بار شباب میاں کو سمجھانا
بھی چاہا مگر شباب نے تو جیسے زینت سے نہ ملنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ وہ
ایک دم بجھ کر [illegible] اپنا سا منہ لے کر رہ جاتیں اور جب
زینت کے چہرے پر نظر ڈالتیں تو تڑپ اٹھتیں۔ زرد چہرہ، آنکھیں
گردش میں۔ جیسے برسوں کی بیمار نظر آ رہی ہو۔ بیٹے اور بہو سے محبت
کرنے کی [illegible] رہ گئیں۔ ابھی تو [illegible] مہندی کا رنگ بھی نہیں
اُترا تھا اور بیٹی کا لباس؟ وہ بار بار سوچ سوچ کر رہ رہ جاتیں
مگر شباب زینت کی طرف سے بالکل انجان ہو گیا تھا۔

پھر ایک دن وہ [illegible] گھر کی ان خاموش گھٹنوں سے نجات
حاصل کرنے کے لئے کسی [illegible] میں ابدی سکون کی تلاش میں چلی
گئیں۔ مگر گھر ویسا ہی رہا۔

"میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔۔۔" آخر زینت نے ایک
دن شباب کا راستہ روک ہی لیا کیونکہ اس نے سن لیا تھا کہ شباب
دوسری شادی کر رہا ہے۔

"ہاں۔۔۔ کہو۔" شباب غرایا۔

"آپ دوسری [illegible]۔۔۔ کیا میں [illegible]۔۔۔" زینت کی
آنکھیں چھلک اٹھیں۔

"تم [illegible] سکتی ہو۔۔۔ مجھے کوئی اعتراض نہ
ہوگا۔"

"کیا [illegible] مرنے کے لئے ہی گھر
میں [illegible]"

[illegible] کے سینے میں
[illegible]

"ہاں ہاں۔۔۔ تم۔۔۔ میری تم میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" شباب
میاں کا لہجہ [illegible]

شباب میاں کچھ دیر زینت کی آنکھوں سے اُبھرتے ہوئے آنسوؤں
کو مطمئن نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ اور پھر اس گھر میں کبھی نہ قدم رکھنے
کا مصمم ارادہ کرتے ہوئے کرنل شفیق کے گھر کی طرف چل پڑے جہاں
اُن کی لڑکی نسرین سے شباب میاں کی نسبت [illegible]
اور نسرین سے [illegible] تھا۔ زندگی سے فرار حاصل کرنے کی
خواہش ہمیشہ انسان کو کسی دوسری راہ پر ڈال دیتی ہے۔

زینت نے بھی گویا اپنی زندگی سے سمجھوتہ کر لیا اور اپنے معمولی
[illegible]

ابھی شباب کی دوسری شادی میں دو چار دن باقی تھے کہ وطن پر
جنگ کے بادل منڈلانے لگے اور ایک بار پھر وطن کے احساس میں
خیال لئے ہوئے محاذ جنگ پر چلے گئے۔ اور آج کئی مہینوں سے
زخمی ہسپتال میں پٹیوں سے بندھے بےبسی بیڈ پر پڑے ہوئے تھے۔

جب ماضی کی چبھتی ہوئی یادوں نے کیپٹن شباب کے درد کو اور
تیز کر دیا تو وہ چیخ پڑا۔

"نرس۔"

"یس کیپٹن۔"

"میری طبیعت گھبرا رہی ہے۔۔۔ مجھے نیند کی گولی کھلا دو۔"
کیپٹن شباب ہلکے سے کراہا۔

نرس نے گلاس میں کوئی سیال ڈالا اور اس کے لبوں سے
لگا دیا۔۔۔ اور کیپٹن شباب سسکیاں لیتا ہوا نیند کی آغوش
میں چلا گیا۔

اور ایک دن کیپٹن شباب کو ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا۔
اس کا چہرہ مضمحل ہو چکا تھا۔ ایک ٹانگ بھی کام آ گئی تھی۔ وہ بیساکھی کے
سہارے لنگڑاتا ہوا اپنے وارڈ سے باہر نکل رہا تھا کہ اچانک
کسی کی آواز پر پیچھے مڑا۔ دیکھا تو نرس کھڑی تھی۔

"نرس تم نے مجھے آواز دی ہے؟"

"ہاں کیپٹن۔۔۔ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

نرس مسکرائی۔

"ہاں کہو۔"

"میں آپ کو ایک عظیم شخصیت سے ملانا چاہتی ہوں۔۔۔
[illegible]



پرویز شاہدی

غزل

مخلصانہ شان سے ہم کو بُرا کہتے ہیں آپ
کون ڈھونڈے اِس کا پس منظر بجا کہتے ہیں آپ

نبھ رہی ہے دوستی کس حُسنِ فن کاری کے ساتھ
بے وفائی کو بھی اک طرزِ وفا کہتے ہیں آپ

بے بسی کی بلاغت ہے کہ وسعت قلب کی
جو بھی چپ بیٹھا ہو اُس کو ہم نوا کہتے ہیں آپ

اپنی طرزِ رہبری کا جائزہ لیتے نہیں
کارواں کی بے دلی کو ضعفِ پا کہتے ہیں آپ

اللہ اللہ اپنی اِس صد رنگ گُل چینی کو بھی
سادہ لوحانِ چمن کا مدعا کہتے ہیں آپ

چارہ سازِ اختلاجِ قلبِ گلشن کون ہو!
اِس کو بھی تو شوخیٔ نشو و نما کہتے ہیں آپ

تیز اندیشی کو ٹھہراتے ہیں آشوبِ دماغ
سست فکری ہی کو جانِ ارتقا کہتے ہیں آپ

کشتیٔ دل طوفاں کی آویزش سے غافل ہے بہت
ہم ہیں واقف کیوں خدا کو ناخدا کہتے ہیں آپ

پی کے پھولوں کا لہو شاید بہت سرشار ہیں
اپنی ہی سانسوں کو اب بادِ صبا کہتے ہیں آپ

علی حیدر ملک

خدیجہ مستور اور "آنگن"

خدیجہ مستور، عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر کی ہم عصر ہیں اور عصمت اور قرۃ العین کے ساتھ مستور کا نام بھی صفِ اول کی افسانہ نگاروں میں لیا جاتا ہے۔ افسانوں کے علاوہ عصمت اور قرۃ العین نے ناول بھی لکھے ہیں اور ان ناولوں میں دونوں کا منفرد اور ایک دوسرے سے بالکل مختلف انداز ہے جس کی وجہ سے دونوں کو اپنے ناولوں کی پیش کش پر خاصی شہرت ملی — خصوصاً عصمت کو "ٹیڑھی لکیر" اور عینی کو "آگ کا دریا" کے بعد۔ انہی دنوں کے بعد خدیجہ مستور نے اپنا ناول "آنگن" پیش کیا ہے —

خدیجہ کا یہ ناول "آنگن" دو حصوں میں منقسم ہے — ماضی اور حال — ماضی کا حصہ تقریباً پورے ناول کے ایک چوتھائی کے برابر ہے جو فلیش بیک (Flash back) کی تکنیک میں بیان کیا گیا ہے۔ حال کا حصہ تین چوتھائی سے کچھ زیادہ پر مشتمل ہے — لیکن دونوں حصوں میں چیزیں عالیہ کی زبانی یا اس کے نقطۂ نظر سے پیش کی گئی ہیں۔ صرف کہیں کہیں مصنفہ نے عالیہ کے انداز نظر سے پرہیز کر کے بیانیہ انداز اختیار کیا ہے۔ "آنگن" کے منظرِ عام پر آتے ہی کسی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ناول دو حصوں یعنی ماضی اور حال میں منقسم ہے حالانکہ اسے تین حصوں یعنی ماضی، حال اور مستقبل میں بٹا ہوا ہونا چاہیے تھا۔ بظاہر یہ رائے صائب معلوم ہوتی ہے لیکن ناول کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ تبصرہ نگار نے یہ رائے دیتے وقت صرف تین زمانوں — ماضی، حال اور مستقبل کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور ناول کے پلاٹ پر اس کی نظر گئی نہیں ہے جہاں مستقبل کا گذر نا ممکن تھا — ناول کا قصہ دوسری جنگ عظیم کے کچھ پہلے سے لے کر آزادیٔ ہند اور قیام پاکستان کے کچھ برسوں بعد تک کے زمانے پر محیط ہے۔ کہانی کا پس منظر سیاسی اور تاریخی ضرور ہے لیکن سیاسی جماعتوں اور تحریکوں پر بحث اور سن و تاریخ کے اندراج سے پرہیز کر کے ناول نگار نے اسے سیاسی یا تاریخی ناول ہونے سے بچا لیا ہے۔ مصنفہ نے سیاسی نظریات کے بارے میں غیر جانبداری اختیار کر کے خود کو سیاسی مبلغ اور ناول کو پروپیگنڈہ بننے سے بھی بچا لیا ہے۔ وہ شروع سے آخر تک ہمیشہ فنکار کے روپ میں ہی نظر آتی ہیں جسے تاریخی اور سیاسی حالات سے تعلق تو ہوتا ہے لیکن بلا واسطہ نہیں بالواسطہ۔

پلاٹ کی تعمیر کا یہ عالم ہے کہ تمام واقعات و حادثات فطری انداز میں ابھرتے اور ایک دوسرے سے گہرے طور پر مربوط نظر آتے ہیں۔ ان پر کہیں بھی بے ربط یا بناوٹی ہونے کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کرداروں کے سلسلے میں سب سے پہلی اور اہم بات یہ ہے کہ اس میں کوئی ایسا کردار نہیں برتا گیا جسے فاضل گردانا جا سکے اور یہ بالعموم بڑی بات ہے۔ تمام چھوٹے اور بڑے کرداروں کا ناول کے پلاٹ سے گہرا اور اٹوٹ تعلق ہے اور یہ اسی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

عالیہ مرکزی حیثیت رکھتی ہے لیکن کیونکہ وہ واقعیت پسند ہے اسی لیے اس کی حرکات و سکنات سے زیادہ اس کے من کی موجوں اور خیالات کی لہروں کو پیش کیا گیا ہے اور اس طرح اس کے خیال اور دل کی دنیا سامنے آجاتی ہے۔ ویسے شروع میں اپنی اسی خصوصیت کی بنا پر وہ ایک پھیکا سا کردار معلوم ہوتا ہے اور جب کہ اس کے مقابلے میں چھمی کا کردار زیادہ متاثر کن معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ عالیہ کے برعکس خصوصیات کی حامل ہے [illegible] ناول کی کہانی پر حاوی ہو جاتی ہے۔ زنانہ کرداروں میں ایک کردار [illegible] کا کام انجام دیتی ہے۔ وہ پہلے [illegible]

کہ ایک پہلو اور ہمارے رشتے اور بکھرتے ہوئے خاندان کا ایک حصہ ہے اور [illegible] کے معاشرے میں اہم [illegible] ہے۔
[illegible] گئی ہے۔

ہو کہ ناول میں جس نے [illegible] اور جمیل جیسا کہ کردار سب سے زیادہ اہم ہیں — [illegible] کے [illegible] اور جمیل [illegible] پر [illegible] [illegible] ہو جاتی ہے — "گردش رنگ چمن" اور "آنگن" کے درمیان ایک طویل وقفہ حائل ہے اور دونوں میں [illegible] [illegible] کہ [illegible] اور [illegible] — [illegible] جمیل جیسا کہ کردار بھی یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ "گردش رنگ چمن" کے باب [illegible] اختلاف تو ہے مختلف نوعیت اختیار کرکے [illegible] اور زیادہ [illegible] ہوگیا "آنگن" تک پہنچا ہے۔

"آنگن" کے کرداروں کے [illegible] [illegible] کا تاثر [illegible] [illegible] ہے۔ اس طرح یہاں کا کردار اردو ناول کے کرداروں [illegible] [illegible] اس کی تخلیق ناول نگار کا امتیاز کا وصف — یہ کردار [illegible] [illegible] اور [illegible] معلوم ہوتا ہے لیکن [illegible] [illegible] کے مد [illegible] ہوئے ہے۔ اس کے ادھر سے [illegible] — [illegible] اگر سب [illegible] ہوں تو — اگر سب لوگ [illegible] ہوں تو — ناول کے [illegible] میں بار بار [illegible] اور [illegible] ہیں کو [illegible] جاتے ہیں۔ ہماری "تہذیب" [illegible] کا [illegible] ہے اور وہ اپنے [illegible] کی سزا بھگت رہا ہے — اس طرح یہاں اردو ناول کے [illegible] عظیم [illegible] ہے — مصنف نے جس [illegible] اور [illegible] کے ساتھ [illegible] ہے اس کا کمال ہے۔

جزئیات اور تفصیلات کا بیان بڑا صاف اور [illegible] ہے۔ صرف کہیں کہیں مصنف سے چوک ہوگئی ہے جیسے [illegible] [illegible] کہ [illegible] ہے تو مصنف نے لکھا ہے کہ "آنگن میں برابر سے بچھے ہوئے پلنگوں میں [illegible] ایک [illegible] سے [illegible] کا اضافہ [illegible] اور اس پر [illegible] ایک [illegible] کی [illegible] رات کو [illegible] خوبصورت [illegible] ہوتی" : [illegible] میں [illegible] [illegible] [illegible] سے [illegible] نہیں [illegible] جائے ضرورتاً [illegible] [illegible] برداشت نہیں کر سکتی [illegible] [illegible] — اس [illegible] [illegible] سے [illegible] کی [illegible] کا [illegible] اور [illegible] ہونے کے زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ [illegible] [illegible] کی کوشش کی گئی ہے مگر یہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔

پچھلے چند برسوں میں لکھے جانے والے ناولوں میں "آنگن" سب سے زیادہ دلچسپ ہے اور اگر اس لحاظ سے اس کا موازنہ کسی دوسرے ناول سے کیا جا سکتا ہے تو وہ ہے شوکت صدیقی کا "خدا کی بستی"۔

"آنگن" کی دلچسپی کا سبب یہ ہے کہ یہ ایک آنگن کی کہانی نہیں بلکہ برصغیر کے ہر آنگن کی کہانی ہے۔ اس کا تعلق ہمارے ماضی قریب سے ہے جس کے اثرات ابھی تک ہماری زندگیوں اور ہمارے معاشرے پر موجود ہیں — ناول نگار کے نظریہ حیات کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے [illegible] [illegible] اس سلسلے میں [illegible] [illegible] [illegible] ہیں کہ انہوں نے اپنے خیالات و افکار پر پردے ڈال رکھے ہیں۔ اگر کہیں کہیں کوئی نظریہ ظاہر ہوا ہے تو اس کی حیثیت ثانوی ہے۔

ناول کا فن جس ضبط کا تقاضا کرتا ہے اس سے اس عہد کے اکثر [illegible] ناول نگار بہت کم واقف نظر آتے ہیں۔ خدیجہ مستور کی [illegible] [illegible] سے پاک نظر آتی ہے اور ناول کی زبان کے [illegible] [illegible] ہوگیا ہے۔

"آنگن" ہمارے عہد کا ایک [illegible] اور تاریخی دستاویز ہے جس میں خدیجہ مستور نے [illegible] [illegible] اور [illegible] کے ساتھ

جدید اردو شاعری کا ایک پہلو — [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

یوسف اقبال

ہمارے نغمے

(۱)

سناٹا خاموش
یوں لگا جیسے مجھے کوئی سانپ ڈس گیا ہو
ہمارے سکتہ سا چھا گیا ہے
تمام اعضاء دم بخود ہیں
نہ جنبشِ پلک ہے، نہ آہٹ
نہ دل دھڑکنے کی کوئی آواز آ رہی ہے
گھٹن کی شدت نے تشنگی کو بڑھا دیا ہے
جگر میں سوزش، زباں پہ کانٹے
ہر ایک شے ہے نظر میں شعلے
تڑپ رہا ہوں جھلس رہا ہوں
کہاں ہے پانی؟
کہاں ہے پانی؟

(۲)

یہ جلتے ساحل پہ جانے کب سے کھڑا ہوا ہوں
بڑے تجسس کے بعد پہنچا ہوں اس جگہ تک
اس آرزو میں
کہ اس کے پانی سے میری تشنہ لبی مٹے گی
مجھے نئی زندگی ملے گی
مگر یہ پانی۔ اداس خاموش اور ساکت
نہ کوئی ہلچل نہ کوئی حرکت
اک آئینہ ہے کہ میری صورت کو تک رہا ہے
بس اک طلسمِ جمود ہر شے پہ چھا گیا ہے
یہاں طلسمِ جمود کو توڑ کر صدیوں کا
اٹھا کے میں نے اک پتھر
جو پھینکا پانی کے سینے پہ مارا
تو ڈوبتی ہوئی اٹھیں تڑپ کے آب پر ہزار لہریں
جلالِ قدرت
بہارِ گلشن
نگارِ فطرت
شرابِ عشق
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
بلندیِ فن
نگاہ میں مقتلوں کے نقشے
لبوں پہ فردوس کے ترانے
یہ لہر زیبِ ایوانِ ہستی
حیات کے دائرے بناتی
ابھر کے آئی
نگاہ اس لہر پر جمی تھی
کہ دوسری لہر تلملائی
ستم کے پیکاں
جفا کے خنجر
شرر فشاں آتشیں بگولے
سروں پہ لٹکی ہوئی صلیبیں
بلکتی ہولناک چیخیں
سسکتی لاشیں
تڑپتے ارماں
لہو لہان گلشنِ تمنا
تصورِ حسن و عشق لرزاں
تباہیِ فکر و فن کے ساماں
یہ لہر پیغامِ مرگِ انساں
نقوشِ تعمیر کو مٹاتی
ابھر کے آئی

(۳)

حیات اور موت کی یہ لہریں
ازل سے اب تک ابھر رہی ہیں
قدیم قوم کا رواں ہستی ابھی راہوں میں بڑھ رہا ہے
نفس نفس مات کھا رہی ہے حیات سے مرگِ ناگہاں بھی
ہمارے نغمے ہیں ایسے نغمے کہ بزمِ ہستی میں جن کی لے سے
جمود و ارض کہیں بھی ٹوٹا، طلسمِ اسرارِ آسماں بھی

(باجازت اردو مجلس آل انڈیا ریڈیو)

بشر نواز

تقلیدی اور تخلیقی شاعری

کوئی پسند کرے یا ناپسند، مانے یا نہ مانے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر فن ہماری زندگی کے کسی نہ کسی شعبہ سے اور کسی نہ کسی حد تک اپنا تعلق ظاہر کرتا ہے۔ کبھی یہ تعلق براہ راست اور واضح انداز میں ہوتا ہے اور کبھی بالواسطہ اور مبہم انداز میں۔ ادب برائے ادب کے نعرے سے جڑے علمبردار بھی اپنے فن کو مخصوص [illegible] ثابت کرنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے۔ زندگی کے مسائل اور اس کے حقائق سے اپنے فن کو محفوظ رکھنے اور بچائے رکھنے کی کوشش خود اس بات کی دلیل ہے کہ زندگی کو فن سے اور فن کو زندگی سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد پیدا ہونے والے خلفشار، تضادات کم نہ تھے۔ یہ رجعیت اور بدصورتی کا اظہار یورپ کے ممالک اور جہاں جہاں یہ طوفان کی ہوا پھیل گئی، ان کے ادب میں نمایاں ہوئے تھے۔ ایک ذہنی اور روحانی کرب سے بچنے کے لیے جن لوگوں نے بے معنویت زندگی سے [illegible] شروع کر دی وہ بھی اپنے فن کا مواد زندگی ہی سے لینے پر مجبور تھے۔ ایک ذہنی اور روحانی خلا [illegible] کا خطرہ [illegible] angry young men اور بیٹنکس شعراء کی شکل میں وہ بے حرمت [illegible] اور معیار و قدروں کے الٹ [illegible] اپنی سوچ اور مسائل رکھتے ہیں۔ مسائل کے حل کے سلسلے میں ان پر اعتراضات کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مسائل انہوں نے اپنے اوپر خود طاری کر لیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کے یہاں کئی قسم کی کمزوریوں کے باوجود وہ خلوص ملتا ہے جو فن کی جان ہے۔

ان میں جو مسائل پیدا ہوئے [illegible] بنیادی طور پر تو مختلف ملکوں اور قوموں میں بہت حد تک [illegible] ہوئی ہے۔ لیکن بظاہر رسل و رسائل اور اطلاعات کی حد تک یقیناً ایک ہو گئی ہے۔ اور یہی سب سے بڑا انقلاب ہے۔ چنانچہ جب یہ ادب، امریکہ اور فرانس کی ان جدید تحریکات کی اطلاعات برصغیر ہند و پاک تک پہنچیں تو یہاں کے نیم مہذب اور ادھوری تعلیم پائے ہوئے [illegible] شہرت کی [illegible] کے ہاتھوں مجبور ہو کر [illegible] جیسے نعرے، جدید ادب، جدید شعر، جدیدیت، [illegible] آواز سنائی دینے لگی۔ ان کو آزاد نظموں کے حقیقی فنکار جو ان حوالے کے مسائل سے دوچار تھے عجیب کشمکش میں گرفتار ہو گئے۔ ایک طرف نا شاعروں اور متشاعروں کا غول ہے جو محض اطلاعات کی بنا پر کچھ مفروضہ مسائل اور خیالی پریشانیوں کے پرچار میں [illegible] جا رہا ہے اور دوسری طرف وہ حقیقی فنکار ہیں جو اپنی زندگی اور ادب کے تعلق سے پیدا شدہ نئے گوناگوں مسائل سے دوچار ہیں۔ چنانچہ نیا ادب یا نیا ذہن [illegible] قوتوں [illegible]۔ آج کا ادب آج کی زندگی اور ادب کے آج کے مسائل سے انکار نہیں کیا جا سکتا [illegible] زندگی اور [illegible] الگ الگ خانوں میں بانٹنے کا قائل نہیں اور چونکہ ہماری زندگی نے [illegible] رخ اختیار کر لیے ہیں۔ اس لیے [illegible] انکار نہیں کر سکتا۔ میں تو صرف حقیقی اور مفروضہ نئے ادب کے درمیان حد فاصل قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

آئیے اب ہم [illegible] مفروضہ مسائل کیا ہیں۔ [illegible] کہ شاعری اور ادب کا ایک سیلاب امڈ آیا ہے [illegible] اہم [illegible] مشہور [illegible] ہندوستان [illegible]

بھی بری طرح گھل مل گیا ہے جو ہر قسم کی زندگی میں پائے جاتے ہیں۔ دو چار کھیپ سے کر اردو۔ انگلینڈ اور فرانس کے ادیب بجا کر رہے ہیں۔ دوسرا
دور ساختہ ـــــ معاشی انتشار اور اس سے پیدا شدہ تنہائی کا ہے۔ یہ فضا نازک شکل بہ کہ یہ لیا ہے لیکن مغرب سے مختلف
شکل میں ہمارے تمدن سے متعلق بھی ہے۔ مغرب میں کیونکہ رومانیت عام زندگی کی سطح پر ایک فلسفۂ حیات نہ بن سکی تھی اس وجہ سے سائنس نے
ایک ہی جھٹکے میں اسکو بنیاد سے اکھاڑ پھینکا پھر وہاں کی مادی ترقیوں کی چکاچوند میں رومانیت کی روح زندگی بن جانیکی راہ میں حائل رہی۔
رومانیت اور روایت کے ہمارے ہاں بہت اثرات تھے ان کا زوال عام زندگی میں اس صدی ہی سے شروع ہو چکا تھا اس زوال کا
اس صدی کی چوتھی دہائی میں۔ ادبیت کو ہوا دیا کہ انہوں نے دو بارہ رومانیت کی تلقین شروع کی بلکہ ادب کے خارجی مسائل اور خصوصاً
ہندوستانی رومانیت کا مجموعہ ہے جو ہزاروں سال سے روحانی اور مادرائی فرز فکر ہمارے عام آدمی کی زندگی کا جزو بن چکی ہے۔ سائنس کی
مسلسل ترقی نے یقیناً اسکے اثرات کو کسی قدر کم کر دیا ہے اور کچھ سوچنے والے ذہنوں کو تشکیک میں مبتلا کر دیا ہے۔ لیکن آج بھی ان کی سوچ کا انداز
غیر مادی نہیں ہو پایا۔ اور یہ مقام شک ہے میں جانتا ہوں کہ کچھ ذہین اہل حضرات اس پر ناک بھوں چڑھائیں گے اور اس میں مشرقی ذہن کی کوئی
پہلو ڈھونڈ نکالیں گے۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ یہ حقیقت بھی ہے اور مشرق کے لئے وجہ سر بلندی بھی۔ سیاست میں اس کی تازہ ترین مثال
گاندھی جی اور ادب میں ٹیگور، اقبال۔ اور پریم چند ہیں۔ اور پھر ہماری مادی زندگی کے کمزور پہلو معاشی بدحالی اور مادی آسائشوں کا فقدان
وغیرہ ہمیں رومانیت اور آنے والی خوشحال دنیا کا سہارا لینے پر مجبور کر دیتا ہے اور موجودہ محرومیوں کی تلافی دوسری دنیا میں ہو جانے
کی آس زندگی کو زہر کا جام بن جانے سے بچائے رکھتی ہے۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ یہ فلسفہ بذات خود صحت مند ہے یا مریضانہ اور غیر
ذکر کی لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کم سے کم اس فلسفے کی وجہ سے ہمارے یہاں خودکشی زنا، بے حیائی کی حد تک شراب نوشی کے واقعات
اتنے عام نہیں جتنے مغربی مہذب ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ ان حقائق کے باوجود اگر کچھ حضرات نے خفقانی رومانیت کو اپنی زندگی کا ایک مسئلہ بنا لیا ہے
تو اس کی صاف وجہ یہ ہے کہ وہ بیچاروں کے سامنے اپنی روایات تہذیب ہی سرے اور آس پاس کی زندگی کے بجائے سنسنی خیز لطف اور ٹیکنیکی
تضاد پر رہتے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ سچا ادب اور شاعری رسالوں سے نہیں بلکہ جیتی جاگتی زندگی کے بطن سے جنم لیتا ہے۔

ایسا ہی کچھ اور موجودہ مسائل ہیں، جن میں تنہائی اور جنسی گھٹن سر فہرست ہیں۔ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ روحانی اقتدار کا تنزل اور
اسکے زیر اثر پیدا شدہ تنہائی وغیرہ ہمارے معاشرے کے بھی مسائل ہیں لیکن جس انداز سے آج کے کچھ حضرات ان میں شاعر وغیرہ ہیں کچھ شاعر
ان کا اظہار کر رہے ہیں وہ قطعاً عائد کردہ اور تقلیدی سا ہے۔ ویسے بھی غلامانہ دور کے طرز تعلیم کا منطقی نتیجہ یہی تھا کہ تیسرے درجے کے ذہن
پیدا ہوں اور انگریز کی خواہش بھی یہی تھی کہ ہندوستانی اتنی انگریزی سیکھ لیں کہ بہتر کلرک بن سکیں۔ سو یہ "کلرک" اب ادب کے میدان میں بھی
اتر آئے ہیں۔ پھر یہ کلرک اگر "صاحب" کے ہر حکم پر سر تسلیم خم نہ کریں تو جائیں کہاں۔ اور اگر یہ ادبی کلرک اپنے تہذیبی، ادبی اور سماجی ورثہ
سے نابلد ہیں تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ ان لوگوں پر یا غلامانہ دور کے طرز تعلیم پر جس کا مقصد ہی کلرک طبقہ کو پیدا کرنا تھا کیونکہ
ہمارے کام کا بچہ ہی آسانی ہے۔ چنانچہ اپنے ماضی سے قطع تعلق ہوا اور مغرب کی روشنی سے چندھیائی آنکھوں والا یہ طبقہ جب مختلف شعبوں کے علاوہ ادب
کے شعبوں میں بھی داخل ہوا تو اس کے منطقی نتیجے کے طور پر جہالت اور اندھی تقلید کا کھلے بندوں مظاہرہ ہونے لگا۔ چنانچہ تجربے کے نام پر
نثروں کے تماشے اور نظم یا نثر کے حدود مسخ شدہ شکل میں ہر بیت اور ابہام پسندی کا رواج عام ہو گیا۔ آج سے پانچ چھ برس پہلے غزل
میں جذبات کے نام پر انتشار دیا اور آنچوں میں صدی کے تیسرے اور چوتھے درجے کے اردو شعراء کے مجموعے ہیں۔ مثل کی کمی۔ کمی پوری... سرمایہ

نوٹ: ـــ مذہب کو مذہب بے بنیاد ہے کیونکہ ہر مذہب رومانیت کو زندگی کا جزو بنا لینا بالکل الگ ہے۔ اگر عیسائیت کے پیروں اچھے مذہب کا مقصد نیکو جذب
لئے تو مغرب میں بے مذہبیت اختیار کر کے ماسکو اور میں آسائش کیلئے مغرب والوں سے بیکار تو آبادیاتی نظام اور مسلسل عالمگیر جنگوں کا سلسلہ جاری نہ رہتا کہ عیسائیت
زندگی [illegible] کیا تھا مذہب مذہبیت کی بات ہے (ب۔ ن)
نوٹ: اس سلسلے میں مجھے اپنے مضمون "ایک خوشگوار بحران" مطبوعہ "اوراق" میں تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔

ہوسکے یہ شعر کی خوبی اس مشکل کو [illegible] سے مختلف [illegible] جیسے نئی [illegible] لفظوں کے
[illegible] ہو گیا۔

سورج جاگے تو ہر ایک جنگل کو [illegible]   اسکی [illegible] اور [illegible] صدا سے
پانی کے [illegible] بادلوں تک [illegible]   [illegible] پیلی [illegible] (ظفر اقبال)

الفاظ کو نئے معنی اور مفہوم عطا کرنے کا دعویٰ [illegible] ہے۔ لیکن یہ معاملہ صرف لفظوں کا [illegible] نہیں [illegible] کرنے کا [illegible]
[illegible] نظموں کے سلسلہ میں اس پر گفتگو ہو چکی ہے [illegible] کے شعر دیکھئے۔

کہاں گیا تو اس کے تانے ترجم کے جال سے نکل کر   سفید پیڑ خبیث پہ چڑھا یہ بوسہ سی بدرو اچھا ہے (ظفر اقبال)
[illegible] آنکھیں [illegible] پھر [illegible]   ایک سنہرا ایک سانولا ایک سیہ دریا

شاید الفاظ کے نئے مفہوم سے مراد ان لوگوں کا [illegible] معنویت اور [illegible] ہو (پہلے شعر کا وزن؟)
پھر شعر شعور کا [illegible] خیالات کی پیداوار [illegible] انداز کی خوبیوں کا زعم ہو۔

سخت بیگم کو شکایت ہے حجاب [illegible]   ریل [illegible] نہیں کرجاتا ہے پہلے سگنل
دھرا [illegible] ہے [illegible]   [illegible] (سلیم احمد)

اس کے بعد سہل [illegible] شکل [illegible] صورت میں نمودار ہوئی۔

ت کے اوپر دو نقطے   ب کے نیچے اک نقطہ (عادل منصور)
بگولا باہر گئی ہوئی تھی   دریا کا مکان بے صدا تھا (ظفر اقبال)

[illegible] سے قصداً گریز کیا ہے۔ صرف اشارتاً ایک [illegible] شعر دیکھئے [illegible] اس قسم کی [illegible] نہیں۔ اگر یہ [illegible] ادب کا گذشتہ تاریخ سے [illegible] واقف ہے [illegible] اندازہ ہو جاتا کہ یہ کام گذشتہ [illegible] تک کر [illegible] کا انجام [illegible] ہو چکا ہے۔ اگر [illegible] زبانوں سے واقف [illegible] حریت [illegible] ادب سے واقف ہوتے تو حریت اور [illegible] کے فرق کو [illegible] کر لیتے اور یہ جان لیتے کہ اگر فرانس میں [illegible] سے [illegible] میں بودلیئر نے حریت کی تحریک [illegible] بعد میں [illegible] سے پہلے (Romance) [illegible] اسکول [illegible] جس کے لئے [illegible] Phirad نے [illegible] (Romance) [illegible] میدان [illegible] اور یہ تحریک مختلف [illegible] منزل سے گذر کر [illegible] اور [illegible] حریت کے نام پر [illegible] اس قسم کی [illegible] بیان [illegible] فرانس میں حریت کی تحریک [illegible] اسلامی ادب [illegible] تحریک کے [illegible] یہ تمام تحریکیں یکے بعد دیگرے [illegible] وجود میں آئیں۔ [illegible] اور [illegible] کے تحت [illegible] کو خود [illegible] کرتے ہوئے مختلف [illegible] اس [illegible] کیفیت [illegible] ہوتا ہے [illegible] تحریک [illegible] کا منطقی تجربہ [illegible] ہے۔ برخلاف اس کے [illegible] ادب اور [illegible] کو نظر انداز کرتے ہوئے [illegible] آگے ہونے [illegible] کو شش شروع کردیا۔ جن کے نتیجے کے طور پر ہم [illegible] اس قسم کی نظمیں عام ہونے لگیں۔

[illegible]

شاعر بھی
اگر بچا ہے جسم
کرنے سے پہلے لفظوں کو توڑ چکا ہوں
رہ گئی ہے جو بچی ہی بے بہا اوروں کی بو
رہا ہوں اور لوٹ کر، پرانے قبرستان کی، ٹوٹی ہوئی قبروں سے باہر
میں تم سب کے لیے ہوں پر شب پہ جوں۔ اک شکستہ گھر ہوں جس میں عورت ہر پہر گر رہی ہوں۔ (عادل منصوری)

شاعر کو شاید گھمنڈ ہے معلوم ہی تھی کہ لفظ بار بار اپنے بچپن میں انسانی گھر بڑے ہونے کا سر میں تو اب بیتا تھا۔ اب ہمارے "شاعر" کو بیچنے اور بڑا ہو سکتا ہے کہ وہ اس خواہش کا اظہار کرے۔

تجربہ بذات خود کوئی چیز نہیں۔ یہ حقیقت تک پہنچنے، اسے پہچاننے اور سمجھنے کا ایک ذریعہ ہے یا حقیقت کی سمت ایک اشارہ۔۔۔۔ اسی کی حقیقت کی طرف جو یا تو موجود تھی یا ظاہر ہو چکی۔ اپنی ظاہر اور واضح شکل میں قاری کے سامنے ہے یا احساس شعر کی زد سے پرے کہیں ہے، جسے صرف تجربہ ہی دریافت کر سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ تجربے کی بہت بڑی اہمیت ہے اس طرح تجربہ بذات خود کوئی وجود نہیں بلکہ وجدانی اور انجانی حقیقتوں کی علامت ہے۔ الفاظ یقیناً تجربے ہیں اور علامتیں بعض اوقات محض علامتوں کے طور پر ہی برتی جاتی ہیں۔ ان کا مقصد صرف مخاطب کے ذہن کو حقیقتوں کی طرف موڑ دینا ہے۔ اگر یہ عمل کامیاب ہے، ساتھ ہی اسی وقت وجود میں آسکتا ہے جب لفظ کے استعمال کرنے والے کو خود حقیقت کا ادراک یا احساس ہو ورنہ لفظ تجربے حقیقت کی طرف سفر کرنے سے قاصر رہیگا۔ اور اس طرح اپنے مفہوم سے کٹ کر بے معنی ہو جائیگا جس کے نتیجے کے طور پر خطاب کرنے والے اور مخاطب کے درمیان کا رشتہ منقطع ہو جائیگا جو ایک کو دوسرے سے قریب کرتا ہے اور یہیں فن میں ابلاغ کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے جس نے غالب کو

مجھے رنگ بہار ایجادئ بیدل پسند آیا ۔۔۔ پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا

تک کا سفر کروا دیا کہ وہ ایک عرصہ تک اور عالمگیر شہرت حاصل کر لینے کے بعد بھی بیگانگی سے اعلان کروا دیا کہ اب تک وہ بے معنی تصویریں بناتا رہا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر ہم کو روایت کے تسلسل اور اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ مروجہ علائم کو ان کے اپنے سیاق سے الگ کر کے کسی دوسری شکل میں استعمال کرنے کا انجام کتنا عبرتناک اور حیرت انگیز ہوتا ہے جب یہ لفظ دراصل اپنا اصل اور کم وقت ذہنوں کے ساتھ میل کھاتا ہے تو اس کی بہترین شکل افتخار جالب، عباس اطہر، افضال احمد، احمد ہمیش اور اسی قماش کے دوسرے حضرات کی صورت اختیار کر جاتی ہے اور اس قسم کی دیوانگی کا مظاہرہ ہونے لگتا ہے۔

قدیم بحر سیاہ خوشیوں میں بنا ہوا
شہر کی فضا پراگندہ گھومتی، ساتھ ناچتا جسم و پیرہن کی دھول قوی صداقت کا عذاب،
شکوہ میں گم، بچے ہوئے سبزی والے بچے پہ نظر، سب غیب ہیں انجام
ریزہ ریزہ، ممالک کا تشبیہ فرصت، بدن دھکیلتا ہوا مرے۔ تضاد راہوں میں اڑتی ہستی لرزاتی ہوئی، میرے پاؤں بالکل جھٹ لگے ہوئے۔ (قدیم بحر ۔ افتخار جالب)

اگر آپ ایسے شعروں کو سمجھنے پر آمادہ ہیں تو اس انداز کے اشعار کو ایک صورت مانئے کہ شاعری سے معرکہ ہوا ہے۔ آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے ۔۔۔ غالب جب بیدل کے استعمال پر آئے تو انہوں نے تین تین اشعار چار صفحات کا ایک ایک مصرعہ کہہ دیا لیکن ۔۔۔ غالب صاحب باوجود ۔۔۔ اس لئے ۔۔۔ یہ وہی ادبیت کا درجہ حاصل نہ کر سکے اسے اب آپ خود ہی ملاحظہ کیجئے۔

اسیم کلفہ بیاں، بیا، بیا لا کے گرتے
بھرے ہجر ۔۔۔ پاؤں میں چھے، بہہ رہے تھے۔
سراسیمہ ۔۔۔۔۔۔ جانے کیا تھے! (ایک نظم ۔ احمد ہمیش)

وہ گھر ہی نہیں آئے کہ سڑکوں پہ سہا
انھی سے ملاقات جہاں پر بھی ہوگی، ماتھے پر پو پونچھ لئے
اور سر نیچے کرکر بیٹھے رہے، مدتوں رستہ دیکھا، صبر کا پھل نہ ملا
اور کنواں پیاس کے ہونٹوں پہ نظر آیا، سو ہم گھر سے نکل آئے کہ سڑکوں پہ سہا
("مجھے بنادوں کا گھر اپنے لئے" ——— عباس اطہر)

یہ اور اس قسم کی کئی ایک مثالیں نیم جیں، الفاظ کے گمراہ کن شعلہ اور تقلیدی تجربہ میںکا۔ جس طرح زندہ جسم کا کوئی حصہ اس سے کٹ کر بدحسی اور غیر فطری سا ہوجاتا ہے اور اگر مناسب وقت پر اس کے گلنے سڑنے کا انتظام نہ کر دیا جائے تو وہ باقی جسم کے وہاں سڑاند کا باعث بنتا ہے بالکل اسی طرح "لفظ" اپنے سلسلے اور زندہ زبان سے جدا ہو کر بیماری کا جراثیم بن جاتا ہے۔ جس سے ہر مخلص فنکار کا فکر مند ہونا اور بچنا ضروری ہے۔ لیکن یہاں رونا تو خلوص کا ہے کہ خلوص کا فقدان اور وقتی شہرت طلبی ان تمام کرتب بازیوں کا اصل محرک ہے۔ ورنہ قبل اور بعد میں تجربے کس زبان میں نہیں ہوئے؟ کون تخلیق کار صرف اپنے اگلوں کا ذکر پر قانع رہا ہے۔ میر، سودا، غالب، آتش، اقبال، فراق جو بھی سب ہی اپنے اپنے دور کے مجتہد اور نئی زبان کے خالق ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان لوگوں نے سلیقے سے تبدیلیاں کیں۔ بہالی معاملات کے تحت مندرجہ بالا نات کو قبول کیا اور لفظوں کے ہاتھوں خود استعمال ہونے کے بجائے اپنی مرضی کے مطابق لفظوں کو استعمال کیا۔

ان فنکاروں نے نہ اپنے بزرگوں کے ڈنکے بجانے مناسب سمجھے اور نہ اس حد تک ہی پر اتر آئے کہ انفرادیت کے شوق میں سر کے بل کھڑے ہوجائیں یا کپڑے پھاڑ کر جنگل میں کود پڑیں۔ اس بات کو جاننے کے لئے صرف میر دیکھیے کہ خود عشق کا تصور جو اردو غزل کی جان رہا ہے میر کے زمانے سے ہمارے زمانے میں فراق تک آتے آتے کیا سے کیا ہوگیا ہے۔ میر کے نزدیک عشق ہی ازل ہے اور عشق ہی ابد۔ یہی ایک جذبہ ہر مکان و مکان تک چھایا ہوا ہے اور پوری زندگی اسی ایک جذبہ کی اسیر ہے ؎

جب نام ترا لیجے تب آنکھ بھر آوے　　اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے

لیکن غالب کی زندگی میں اور بھی کچھ مسائل ہیں۔ جو عشق اور محبوب ہی کی طرح زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ چنانچہ عشق میں وہ وقت بھی آتا ہے جب اس کی "وفا" بھی "تلافی" نہیں کر سکتی ؎

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں　　تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

اور فراق تو صاف کہہ دیتے ہیں ؎

کچھ آدمی کو بھی مجبوریاں ہیں دنیا میں　　ارے وہ درد محبت سہی تو کیا مر جائیں

اردو میں میرا جی کی بھی تجریدیت محض تجریدیت نہ تھی بلکہ وہ معلوم اور بعض نامعلوم حقیقتوں تک پہنچنے اور ان کے ادراک کا ایک ذریعہ اور وسیلہ تھی۔ ان کا ابہام صرف اس حد تک تھا کہ قاری ان کے اشاروں اور علامتوں پر غور کرنے میں کامیاب ہوجائے اور اس کے بعد اس کے سامنے معنی اور حقائق کا ایک وسیع میدان کھل جاتا تھا۔

"سمندر کا بلاوا" "مجھے گھر یاد آتا ہے" اور اسی قبیل کی دوسری نظمیں اس کی تابندہ مثالیں ہیں۔ برخلاف اس کے [illegible] ایک ہی رہتا ہے [illegible] بے سمت ہے ...... [illegible] [illegible]

وہ بدعقیدگی اُس وقت تک جاری نہیں ہو سکتی جب تک ہم روایات اور اس کے صحت مند پہلوؤں سے پوری طرح استفادہ نہیں کرتے بلکہ دیگر اصناف ادب ملک تو کیا ہم کوئی مثبت نتیجہ پیدا کرنے سے قاصر رہیں گی۔ آج کے ادب میں اس قسم کے تجزیے دو کے اور بیانیہ بازی عام ہے۔ بعض چونکانے تیر کیا جاتا ہے اگر ادب کا مقصد صرف وقتی طور پر چونکانا ہی ہے تو بات الگ ہے، ورنہ اگر فن اور ادب کا مقصد مسلسل چونکاتے رہنا ہے تو بھی اس قسم کی بیانیہ بازی سے گریز کر کے کوئی اور طریقہ عمل سوچنا پڑے گا۔ مصیبت یہ ہے کہ ان تمام ہنگاموں، ادبی بدتمیزی اور بے راہ روی کے جواز میں بیرونی ادیبوں، شاعروں، مفکروں اور تحریکوں کو پیش کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ فلاں شاعر نے یوں کیا تھا۔ فلاں تحریک یوں چلی تھی اس لئے یہ سب جائز ہے لیکن شاید ان اندھی تقلید کرنے والوں کو یہ بات معلوم نہیں کہ ہر ادبی تحریک اپنے ملک و قوم اور معاشرے کی پیداوار ہوتی ہے اور اس میں جب تک اپنی زبان، قوم اور ملک کے رسوم و رواج جذب نہ ہو چکے ہوں مقبول نہیں ہو سکتی۔ نمائشی ادبی اور تقلیدی تحریکیں اور نعرے اچھا ادب پیدا نہیں کر سکتے۔ ۱۸۰۰ء میں ([illegible]) ایک فرانسیسی نے اچھے ادب کے لئے یہ شرط لگائی تھی کہ اس میں اپنے ملک و قوم کے تاریخی حالات کے ساتھ ساتھ رسم و رواج اور معاشرتی کیفیات بھی شامل ہوں۔ وہ کہتی ہے ”ایک ہی زمانے میں مختلف قوموں کے ادب میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ ان کے مزاج اور معاشرتی احوال کے فرق پر مبنی ہوتا ہے“ ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ نے بھی اپنے تنقیدی مضامین میں اس فرق پر بہت زور دیا ہے۔ ویسے بھی کوئی جدت طراز اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے ملک و قوم کے مزاج اور خود اپنی زبان کے حسن و قبح کے ساتھ ساتھ اپنے کلاسیکی سرمائے سے پوری طرح واقف نہ ہو۔ لیکن یہاں تو ایسے ایسے باجدت لکھ دیار میں بیٹھ کر جن سے پوچھا جائے کہ جناب یہ میر و سودا کون تھے تو بڑی بے نیازی سے کہہ اٹھیں ”معاف کیجئے ان لوگوں سے اب تک مل نہیں سکا ہوں“ اصل فتنہ یہ ہے کہ ایسے لوگ اول تو اپنے ادب سے واقفیت نہیں رکھتے۔ ان کی نظر میں اس کی اچھائیاں برائیاں نہیں ہوتیں اور دوسرے صرف باہر کی ادبی تحریکوں سے متاثر ہو کر فن کا کام کرنا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی ہر کوشش و کاوش معلق ہو کر رہ جاتی ہے جس کا نہ کوئی سر ہوتا ہے نہ پیر۔ کیونکہ جب تک کسی فن پارے کی جڑیں زندگی اور اس کے اپنے معاشرے میں دور دور تک پھیلی ہوئی نہ ہوں کسی اہمیت کا حامل نہیں ہو سکتا جبکہ اس قسم کے لوگوں کی تخلیقات کا مواد محض سنائی باتوں یا پڑھی پڑھائی کتابوں سے حاصل کیا جاتا ہے اور ان کا خالق ان میں ”خلوص“ اور زندگی و معاشرے کے اثرات شامل نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ تخلیقات اپنی بہت زیادہ ترقی یافتہ شکل میں بھی الفاظ کا الٹ پھیر یا بیت کا محض تجربہ بن کر رہ جاتی ہیں۔ برخلاف اس کے جب کوئی تخلیقی فنکار کسی موضوع پر قلم اٹھاتا ہے تو وہ اس کے اپنے معاشرے اور زندگی سے متعلق ہوتا ہے۔ اور فنکار کا خلوص اس میں زندگی کی ہر رمق دوڑا دیتا ہے۔ یہاں میں ایک بار پھر یہ بات دہرا دینا چاہتا ہوں کہ میرا مقصد تنقیدی شاعری کے وجود سے انکار نہیں ہے۔ میں صرف حقیقی یا تخلیقی نئی شاعری اور تقلیدی وبا کے فرق کو واضح کرنا چاہتا ہوں۔ آپ دیکھیں گے کہ ان لوگوں میں جن کا ذکر گزشتہ اوراق میں ہو چکا ہے اور جن کا ذکر آئندہ صفحوں پر ہوگا کچھ موضوعات بظاہر مشترک نظر آئیں گے لیکن تخلیقی شاعروں کے ہاں اُن کے بیان میں ایک تو انفرادیت کا احساس ملے گا۔ ساتھ ہی ساتھ ان کی تخلیقات ہماری اپنی زندگی سے قریب تر نظر آئیں گی۔ مثال کے طور پر معاشرے کے کھوکھلے پن کو لیجئے۔ تقلیدی شاعر اس کھوکھلے پن کے اظہار میں وہ کرب، بے چینی اور درد شامل نہیں کر پائیں گے جس سے کسی تخلیقی شاعر کی نظم عبارت ہوگی۔

ہمارے لئے یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی اردو شاعری پر ایسا برا وقت نہیں آیا کہ ہم اس سے ناامید ہو جائیں۔ آج بھی ایسے شاعر مل جاتے ہیں جن کے پاس کہنے اور کچھ کہنے کا بہت کچھ مواد موجود ہے ان کے ہاں جہاں روایت کا احترام بھی ملتا ہے وہاں جدت کا رنگ بھی۔ صحت مند پہلو اور ادب سے وفا بھی نظر آتے ہیں۔ اپنا معاشرتی رنگ بھی اور انکشاف ذات کی کیفیات بھی۔ اس قسم کے سنجیدہ فنکاروں نے تحریکوں کا بھونپو بن کر سطحی قسم کے الفاظ کا تماشہ دکھانے کے بجائے موجودہ معاشرے اور زندگی کی کڑوی حقیقتوں کو اپنایا ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں ان سنجیدہ شاعروں کے تخلیق پاروں کے ہاں بھی آج کی زندگی سانس لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ان کی تخلیقات میں معاشرے کی بدصورتی کا ذکر [illegible] محدود نہیں ہوتا بلکہ اس ذکر کے وقت وہ اپنے روحانی کرب کو شامل کر کے اسے ایک غیر [illegible] بنا دیتے ہیں۔

[illegible]

کبھی جب سوچتا ہوں اپنے بارے میں تو لگتا ہوں
کہ جو اک آبجو ہے جس کا آخر ٹوٹ جاتا ہے۔
وہی گرداں ہوں یادِ صبا ہو کیوں نہ لیکن
سرِ گنبد وہی شب کا دامن تھامتا ہوں جب
یہ لڑکا پوچھتا ہے اختر الایمان تم ہی ہو   (ایک لڑکا۔ اختر الایمان)

ان تخلیق نئے شاعروں کی فکر میں ایک وقار اور لہجے میں ایسی تازگی ملتی ہے جس کی مثال اس سے پہلے کے دور میں ذرا مشکل سے ملتی [illegible]۔

ماہ و انجم و خورشید کو رہ میں ہیں کیسے کیسے پارسے
ابرِ بہاراں [illegible]
[illegible]
[illegible] ساحل پر [illegible]
ہم سب سے [illegible]
صرف ان کی خوبی پہ نظر کی اس آباد خرابے میں   (یادیں۔ اختر الایمان)

[illegible] جدید شاعروں کے [illegible] ادب کا [illegible] زندگی کی [illegible] گزرتے ہیں۔

بہت خاموشی ہے
وہ آنسو جو پلکوں کی دہلیز تک آ کے
[illegible] سے گھبرا کے واپس گیا تھا
سیہ آنکھ کے [illegible] اندھے کنویں میں
[illegible] زمیں پر پڑا ہے۔
اندھیرے کی دیوار
چاند سورج سے اونچی
سیہ آنکھ میں گر چکی ہے
چلو ۔۔۔ اور نیچے چلیں
[illegible]
[illegible] موجود ہوگی
وہیں چل کے ٹھہریں۔ وہیں [illegible]   (اندھا کنواں۔ وزیر آغا)

[illegible]

[illegible]

ہو رہی تھی۔ کیونکہ حیات بعد الموت کا عقیدہ جاتا رہا، نہ ہی طرف حاصل کیا ہو، تو کسی نے اس دنیا کو سب کچھ سمجھ کر زندگی کے ہر پہلو سے لطف اندوز ہونے اور عیش کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔ کسی نے اس احساس اور خوف و ہراس کا مداوا فنون لطیفہ میں تلاش کر لیا اور جسمانی حیثیت سے بچنے کا نام اور اپنے فن کے ذریعے ہمیشہ دوام حاصل کرنے کی کوشش کی۔ گذشتہ ادوار میں موت اپنی بے پناہ قوت کا احساس انفرادی شکل میں کراتی رہتی تھی، کچھ عرصہ میں اس کی نوعیت اجتماعی ہو جاتی تھی۔ لیکن پھر بھی مرنے والا یا موت کی اطلاع سننے والے اس کے لیے کسی حد تک تیار رہتے تھے۔ لیکن آج سائنس کی ترقی سمت میں بے پناہ ترقی نے موت کو اتنا اچانک اور بھیانک بنا دیا ہے کہ اس کے تصور ہی سے انسان کے اعصاب جواب دینے لگ جاتے ہیں۔ پہلے بڑی سے بڑی جنگ بھی چند ہزار افراد، شہروں یا زیادہ سے زیادہ ملکوں تک محدود ہوتی تھی لیکن آج کی جنگ بیک وقت پورے عالم انسانیت پر تباہی لا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اس قدر تیز رفتار موت نازل کرنے والی اتنی زبردست قوت کچھ چند ہاتھوں میں مرکوز ہو چکی تھی۔ لیکن آج ہر شخص یہ جانتا ہے کہ چند دیوانے، اپنے وقتی جنون کے ہاتھوں مجبور ہو کر چند منٹوں کے فاصلے سے اشارے سے عالمگیر تباہی لا سکتے ہیں۔ ان خطرناک اس ہیبت ناک قوت نے ہر انسان کو بری طرح سہما دیا ہے اور وہ ایک دوسرے سے خوف محسوس کرنے لگا ہے۔ جس کے نتیجے کے طور پر ہر شخص کو تنہائی کا احساس ہونے لگا۔ اسی خوف نے ایک انسان کا دوسرے انسان پر سے اعتقاد اور بھروسا اٹھا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے ادب میں عالمگیر پیمانے پر تنہائی اور بے بھروسگی کی فضا پیدا ہو گئی اور انسان اپنے ہی سائے اور بہت سی چیزوں کو بھوت پریت اور آسیب سمجھنے لگا ہے کہ فیصلوں کا منصوبوں کا راز اس کے پاس کوئی نہیں۔ اسے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آنے لگا۔

ایک آسیب صدیوں سے خنداں ہے یہاں
یہ مکاں ——— مردہ روحوں سے آباد ہے
اور پرچھائیاں رات بھر گھومتی، روتی، چیختی، لڑتی جھگڑتی پھر اکثر میں ہر طرف
ایک پرچھائیں کے ہاتھ میں پانسہ ہے اور ترشول ہے ....
اس کی خونیں زباں منہ سے نکلی ہوئی
اس کے ہاتھوں میں جکڑے ہوئے انگنت سر بدن سے جدا .... (رات کا مکان۔ وحید اختر)

اس جنگل میں دیکھی میں نے لہو میں لتھڑی اک شہزادی
اس کے پاس ہی بیٹھے جنوں والے سادھو گم صم بیٹھے
پیچھے پیلے دانت نکالے ناگن کی گردن چوم رہے تھے (منیر نیازی)

انسان کا تاریک لمحہ اس سے بڑا المیہ نے پرانے تمام اعتقادات پر ضرب لگائی۔ کہیں تو اعتقادات جڑ سے ہل گئے اور کہیں ان کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور ایک شک و شبہ کی فضا پیدا ہو گئی۔ اور آنے والے "شبانہ کل" (جو آخرت بھی ہو سکتا ہے) پر سے اعتقاد اٹھ گیا۔

بتاؤں کس سے کہ میں منتظر ہوں جس دن کا
وہ شاید اب نہ دکھی آنکھ آنے کے ہیں
وہ پیر، گنگا، دریا، کچھ بھی معدوم ہوگی
ابھی نہ حد نگاہ تک ہے اور نہ زمیں
[illegible]
[illegible]
[illegible] عذاب

[illegible]

ہر ایک لمحہ ہے ہر اک خواب سراب
([illegible]۔ باقر مہدی)

جنگ اور موت کے خوف نے ذہنوں کو موجودہ تہذیب کی کمزوریوں کی طرف متوجہ کیا اور جب خود سے بیگانگی بڑھی تو اس کے کھوکھلے اور مضحکہ خیز پہلو سامنے آئے پھر عدم زندگی کی معنویت اور اس کی بے مائیگی پر نظر جا ٹکی۔

میں نے لوگوں سے سیکھا لیکن
بڑا الفاظ میں جھوٹی سچی بات سے بات ملانا، دل کی بے یقینی کو چھپانا —
— سر کو ہر اجنبی گنبدِ بے حس کی خدمت میں جھکاتا، ہنسنا،
مسکراتے ہوئے کہنا صاحب
زندگی کرنے کا فن آپ سے بہتر تو یہاں کوئی نہیں جانتا ہے
(اپنے آپ سے۔ زاہد ڈار)

موجودہ تہذیب کی ان خامیوں اور کمزوریوں نے بعض ذہنوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اس روشن عہد سے تاریک ماضی ہی زیادہ پرسکون اور محفوظ تھا۔ اس طرح ان کے دلوں میں اپنے ماضی کی روایت کا تقدس جاگ اٹھا لیکن انھوں نے صرف ماضی کا گنبد ہی جا، نہیں چاہا بلکہ اس کی اچھائیوں سے حال کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ خواب ایک ایسے عہد اور زندگی کی علامت بن کر ان کے ذہن میں پلنے لگے جس میں ماضی کی معصومیت، سادگی اور بے ریائی ہو۔ اس کا شعور بھی اور وہ ایسے خوابوں یا پرچھائیوں کو جنم دینے پر اصرار کرنے لگے۔ ویسے بھی ماضی کے تسلسل سے انھوں نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ انسان نے روحانیات سے یہاں تک پہنچنے کے سفر میں ہر منزل پر پہلا خواب ہی دیکھا تھا اور خواب دیکھنا اس کی فطرت ہے......

تو پھر کیوں نہیں کہتے کہ میں خوابوں کے بے معنی ارتھی کو
حقیقت کی دہکتی بھٹیوں میں پھینک دوں سب کچھ جلا ڈالوں۔ تو میں کیوں نا کیا تم نے
وہ جو کچھ میرا حصہ میرا ورثہ تھا، اسے تم چھین لیتے اور مجھے مرا کے بے حس پیڑ کی طرح لگا دیتے
جو ہر موسم کے ہمرہ اپنا پیراہن بدلتا ہے
مگر تم یہ نہ کر پائے
مرا ورثہ نہ مجھ سے چھین پائے اور وہ پہلا شخص جس نے سب سے پہلا خواب دیکھا تھا ابھی تک مجھ میں زندہ ہے
تو اب کیوں نہیں کرتے۔ انھیں خوابوں انھیں پرچھائیوں کو جسم دے ڈالو
(بشر نواز)

موجودہ عہد کی تیز رفتاری نے ہر چیز کی بنیادیں ہلا دیں۔ ہر لمحے، ہر خیال اور شاید ہر فلسفہ اس قدر تیزی سے بدلتا جا رہا ہے کہ اس کا کہیں مستقر نہیں باقی۔ کچھ اسی قسم کی تیز رفتاری کا احساس اس عہد کے نظموں میں بھی ملتا ہے۔ ایک لمحہ حرکت ایک لمحہ گرفت میں آنے تک دوسرا لمحہ اجنبی بن جاتا ہے۔

رنگ کی وادیوں سے گزرتے ہوئے
میں ترے ساتھ تھا
دل کو تھامے ہوئے
اس سفر میں کہاں سے کہاں تک گیا
راہ کے موڑ پر
رک گئے جب مگر
میرے بڑھتے قدم — تو بھی موجود تھی — میں بھی موجود تھا
ایک لمحہ میں تو اجنبی ہو گئی
([illegible])

یہی احساس لے کر ایک مصرعہ یا لکھ جاتا ...... جب ہم کسی پر ہے سوال ایک نئی کیفیت کا ہے اور ہم انجانا کہ عمر میں یقین کے اندھیرے میں چھپا ہوا ہے
ہیں نہ موجود کر سے سکا پھر اٹھتی اور پھر لڑنگ چھوڑ کر زندگی کو ذہن میں بنا جائے۔

پھر ہم تم سب غیر زندہ ہیں وقت کے تیور بھی کا
بے خبر ہے نام دو لکھ جو پرا لکھیں الزام دھریں
زخم چاٹیں، آئی سب لمحہ زیست کی بے چارگی پر رو
اٹھ کر پھر قدم اپنا بڑھا کے سمجھنا چاہتے ہیں
باقی جو بچ جاتے ہیں وہ سارے لے اپنے ہیں
ان لمحوں کی بات کرو تم ان لمحوں کو کیا دو گے؟

(انتخاب۔ قاضی سلیم)

آج کے دور جنگی کو کو خدا پر چھوڑ دیں
کل کے کالے وقت کا بندھن توڑ دیں
اپنے اسلاف کے ژولیدہ خیالات کا بوجھ
کتنی صدیوں سے
اٹھائے ہوئے ہم پھرتے ہیں
اپنی ناکردہ گناہی کے طفیل
کس قدر زیست سے مایوس ہیں ہم
دیکھ یہ لمحۂ تابندہ جو سورج کی طرح ابھرا ہے
خوب کی وادی سے دم بھر میں نکل جائے گی

(غلام جیلانی اصغر)

موجودہ لمحے کی گرفت سے دامن زندگی پر پھیلانے کا یہ رجحان انفرادی سوچ کی حیثیت سے اردو میں پہلے بھی پایا جاتا تھا۔ لیکن اس رجحان کو ایک مستقل فلسفۂ حیات کی حیثیت دینے اور اس کا جواز دریافت کرنے کا کام نئے ذہن نے انجام دیا ہے۔ ویسے بھی نئے ادب اور شعر میں اظہار احساسات کے ایک مسلمہ ذریعے کے بجائے ان کی اصل حیات و کائنات کے اندرونی رشتوں کی تلاش مرکزی نقطے کی حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی بندھا ٹکا اصول حیات، سیاسی نظام یا رہنمائی آج کے شاعر کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ وہ حقیقت کی تلاش میں جو بھی سفر کرتا ہے وہ اس کا انفرادی عمل ہوتا ہے۔ اور اپنے ذہن و احساس کی رہنمائی میں وہ منزل تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اسی وجہ سے آج کے ادب میں ہمہ رنگی پائی جاتی ہے آج کی تخلیقات پڑھنے والے کو قدم قدم پر یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ بندھے ٹکے نعروں یا فلسفۂ حیات کو ادب کے نام سے نہیں پڑھ رہا ہے بلکہ ہر نئی تحریر میں چلنے والے رستوں پر بکھرتا ہے اور اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ادب کی وسعت اس رنگ اور روئیے سے ہی تشکیل پاتی ہے جیسے کہ آج ہر گروہ کی گونج نئی آواز۔ نئے لہجے اور الفاظ کے نئے مفاہیم سے دوچار ہونا پڑتا ہے ساتھ ہی ساتھ نئے شاعروں نے موجودہ تیز رفتار زندگی کا ساتھ دینے کی بھی پوری پوری کوشش کی ہے۔ جس کے نتیجے کے طور پر آج کی تخلیقات میں شہر لا مکاں کے گمشدہ کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔ الفاظ اپنے مفاہیم بدلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ خیالات سینما کی تصاویر کی طرح پڑھنے والے کو اتنی گرفت اور بے ربطی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے جس سے ہماری زندگی دوچار ہے۔

چمکتی ہوئی رات کے چہرے
تانبے کی سرخ لکیر ہے؟
ان پر لکھی ہوئی عبارت کو پڑھنے دیجیے؟

(عمیق حنفی)

... ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن گیا ہے اور یہ سوالیہ نشان ہر سوچنے والے کی سوچ کا مسئلہ بن گیا ہے

[illegible]

وہ لمحے جن میں ہے رات کا سا سناٹا
رات کی خاموشی میں جیسے دن کے ہنگامے
جاگتی ہوئی آنکھیں نیند کے دھندلکوں میں
خواب کے تصور میں اک عذاب بے دامن
روز و شب گزرتے ہیں قافلے خیالوں کے
صبح و شام کرتے ہیں آپ اپنی غم خواری
ہم کہاں ہیں ہم کیا ہیں، کون ہیں کدھر کیوں ہیں۔
ختم ہو نہیں چکتے سلسلے سوالوں کے

(خلیل الرحمٰن اعظمی۔ سلسلے سوالوں کے)

تو میرا کہ دے دل کو نہ منزل کا پتہ دے
اے رہگذر عشق ترے کیا ہیں ارادے؟

(فضیل جعفری)

یہ درد جو زندگی صورت صدیوں سے یونہی رواں دواں ہے
صدی صدی سے جو روشنی کی صورت ورق ورق پہ جابجا رائیگاں ہے۔
اس درد کی انتہا کہاں ہے؟؟

(دیگر ملبہ۔ شہاب جعفری)

ریت کے ذروں کی طرح اڑتے ہوئے گزرے لمحے اسی ادوار میں ...... زندگی کے اس جاں گسل تجربے کو کئی شاعروں نے اپنے خیالات و جذبات کے خوش خاشا بجا لے جا بجا نصب کر دیے ہیں۔ وقت کی تیز رفتاری کے احساس نے انہیں اختصار کی طرف راغب کیا اور زندگی کی سنگینی کے ردعمل کے طور پر ان کے لطیف احساسات اور زیادہ بیدار ہو گئے۔ جیسا کہ خود زندگی کے حسین لمحے اسی طرح کے تمام تجربات اور تجربات کے ساتھ فن میں سمو لئے۔

وہ خیال و خواب کے مرحلے نگہ و دل سے چھٹ گئے
ترے سنگ در کے وہ قافلے ترے میرے ذہن سے چھٹ گئے
سنی بستی کی یہ ست جانا قریب آ
سرِ انجمن کہیں دست بستہ مسرت ہنسک
(رفعت [illegible])

زندگی میں حسن کی کمی نے ہر حسین لمحے کو اتنا اہم اور عزیز تر بنا دیا ہے کہ ان لمحوں ایک لمحے کے گزر جانے کے بعد بھی اس سے پیدا شدہ کیفیات کو اپنے سینے سے لگا کے رکھنے پر مجبور ہے اور اسی سے اپنی تسکین کے سامان کرتا ہے۔

وہ گزرے پل نہ ڈھونڈ پاؤ گی
ہر دل میں جیتا رہ جائے گی
ہم سب اور کر بیٹھے گئے ہیں...
شدت سے کیا رہ گئے ہو گا
نکلے سے کہا لگا رہا ہے
ایک پیارا سا غزل گا
دیکھے دیکھے پیار رہا ہے
شوق پیار کا مدعا ہر
بلکہ پیارا رنگ دیکھا
[illegible]
[illegible]

([illegible] اعظمی)

[illegible] تھا ۔ یہی حکومت اور اقتدار انگریزوں کے رخصت ہونے کے بعد بھی زندگی سے ناطہ توڑنے کے [illegible] بہانہ آیا اور اپنا اپنا حصہ لوٹنے کا موسم [illegible] بجائے پھر زندہ اور موجود ہر [illegible] اپنے [illegible] ساتھ خود اور ہوگا ۔ اور وقت یا زمان و مکان کے فاصلے [illegible] لیا ۔

[illegible] وقت
اپنے [illegible]
[illegible] جیسا بن کر
[illegible]

(منیر نیازی)

[illegible] ہو ہم بھی [illegible] ہو !
[illegible]
[illegible] کی چادر کا شگفت [illegible]
[illegible] ۔ [illegible] میں [illegible]

(آکاش میں خیمہ ۔ کمار پاشی)

یہ بات بڑے وثوق اور دعوے سے کہی جا سکتی ہے کہ آج کا شاعر اور ادیب نے زندگی کے بدلتے ہوئے ہر رخ کا ساتھ دیا ہے اور اپنے آپ کو زندگی کے ہر لمحے بدلتے ہوئے پہلو سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے ۔ موجودہ زمانے کی [illegible] نے [illegible] اور [illegible] نے ہر چیز کو ایک نئے پہلو سے دیکھنا سکھایا ۔

جاگتے رہو [illegible] بے صورت ہے
بات [illegible]
[illegible] پاتی
[illegible] پاتی نہیں

(فضیل جعفری)

[illegible] ۔۔۔ بہت سے نشان کے [illegible] زبان ہی گئی

(احمد ہمیش)

[illegible] ادب [illegible] اور [illegible] کی نظموں کا ۔ [illegible] احساسات کا آئینہ دار ہے ۔ [illegible] اقبال ، [illegible] راشد ، [illegible] کے یہاں یہ [illegible] ہے ۔ بہر حال [illegible] شاعروں نے [illegible] زندگی سے قربت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے ۔ [illegible] زندگی کو اپنے طور پر سمجھنے [illegible] ہے ۔ وہ اپنے مسائل کا حل کسی سیاسی [illegible] بلکہ وہ ہر مسئلہ کو اپنے طور سے حل کرنا چاہتا ہے ۔ [illegible] جذبات اور احساسات کی نئی زبان اور اپنے انداز میں ظاہر کرنا چاہتا ہے ۔ اسی وجہ سے آج کے ادیب کے [illegible] ایک [illegible] لیا سکا ۔ ہم صرف [illegible] پہلی بار اردو کے ادیب اور شاعر غم جاناں اور غم دوراں کے [illegible] کی کوشش کر رہے ہیں ۔ اشیاء [illegible] کو سمجھنے کے لئے نظم ، غزل ، آزاد نظم [illegible] کو توڑ کر ان کے اندر جھانکا [illegible] [illegible] ہیں ۔ [illegible]



عبدالکریم ثمر

غزل

اہلِ دل زمانہ سے سرگراں نہیں ہوتے
ہم کلام ہوتے ہیں ہم زباں نہیں ہوتے

اہلِ قافلہ سوچیں منزلوں پہ کیوں اکثر
راہزن ہی ملتے ہیں راہ داں نہیں ہوتے

ہوتی ہے مشیت بھی برق و باد میں شامل
حادثے گلستاں میں ناگہاں نہیں ہوتے

آنسوؤں کے طوفاں سے بہرہ یاب ہوتے ہیں
ورنہ خود سمندر بھی بیکراں نہیں ہوتے

طور پر کوئی مچلا، دار پر کوئی کھیلا!
کیا کہا محبت میں امتحاں نہیں ہوتے؟

نزہتیں بھی کرتی ہیں سرو و گل کی رکھوالی
خار ہی گلستاں کے پاسباں نہیں ہوتے

برق و باد کو ترساں کیوں ہیں آشیاں والے
بجلیوں کی زد میں کیا آشیاں نہیں ہوتے؟

فاختائیں بھی ان کے ہمصفیر ہوتے ہیں
پھول ہی بہاروں کے ترجماں نہیں ہوتے

بوئے گل خیاباں میں ہم قدم ہی رہتی ہے
ہر کہیں مگر اس کی گلستاں نہیں ہوتے

شاخِ آرزوؤں کی بے ثمر نہیں رہتی
جو شجر بہاروں میں گلفشاں نہیں ہوتے



آغا رشید مرزا دہلوی

کمرہ نمبر ۲۳۴

حقیقت پسند ہے اور کرشن چندر ایک ایسا ادیب ہے جس کا بلند تخیل اور ہنر مندانہ جزئیات میں ہر ذرہ موجودہ نظام، سماج اور سوسائٹی کے عیبوں کے نقاب میں ڈھلتی ہیں۔ انکی ہر تحریر افسانوں کی گرفت کرتی ہیں اور انہیں منظر عام پر لاتی ہیں۔ اس جادوگر سے میری ملاقات بھی ہوئی گرانڈ ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۳۴ میں جہاں پہ لکھ رہا تھا۔ کہتے ہیں سچ اور راستہ چلتے ہوئے کتنی باتیں بھی ہو گئیں۔ سیدھی سادی باتیں کچی ہیں۔ چٹ پٹی باتیں۔ کڑوی کسیلی باتیں۔ ہنسانے والی اور دل میں گھر کرنے والی باتیں۔ انکی باتیں۔ انکا تجسس۔ انکی تلاش اور انکی گفت ایک ایسا جادو ہے بالکل ویسا ہی جیسے کہ وہ زندگی کے اندھیروں کے پیچھے سا سکھلاتا رہتا ہے۔

وہ ایک ایسا جادوگر ہے۔ اور اس کا نام ہے کرشن چندر! ۳۰ ستمبر کو مجھے اعجاز صاحب کا خط ملا اور اس کے ساتھ ہی کرشن چندر کا خط بھی کہ وہ ۲۰ ستمبر کو کلکتہ پہنچ رہے ہیں۔ اسی روز شام کو انہوں نے ٹیلیفون پر مجھے اپنے آنے کا مژدہ سنایا۔ دوسرے روز سہ پہر کو پانچ بجے گرانڈ ہوٹل کمرہ نمبر ۲۳۴ میں ملاقات طے پائی۔

کٹ، کٹ، کٹ آہستہ سے دروازہ کھولا اور میرے سامنے ایک سیدھا سادا بے تکلف سا انسان کھڑا تھا۔ انکی سادگی انکی صاف گوئی اور سچائی۔ زندگی کے متعلق انکا تجربہ اور تجزیہ بتا رہا تھا کہ اس کے اندر جو انسان ہے وہ کتنا عظیم اور حساس ہے۔

کچھ چائے کا انتظام کروں؟

جی نہیں! میں منتظر ہوں۔ آپ شوق فرمائیں۔ میں ساتھ دے دوں گا۔

نہیں چائے یا کافی چل رہی ہے۔

ہاں ٹھیک ہے۔

چائے کے دور کے بعد باتوں کا دور چلا اور ساڑھے پانچ بجے سے ساڑھے آٹھ بجے تک معلوم نہیں وقت کب اور کس طرح گذر گیا اس کے بعد ان سے میری متعدد ملاقاتیں ہوئیں اور ان میں ملکی، ادبی، سیاسی، معاشی، فلمی، اور پھر جگ بیتی، آپ بیتی، اپنا ادب، دوسروں کا ادب لکھنے والے، پرانے لکھنے والے، ادبی رسائل اور ان کو چلانے والے۔ مثلاً "شاعر" اور اعجاز صدیقی۔ "بیسویں صدی" اور خوشتر گرامی "حسب خوش" اور ڈاکٹر اعجاز حسین۔ غرضیکہ کوئی موضوع ایسا نہ تھا جو زیر بحث نہ آیا ہو۔ اس کی تفصیل لکھوں تو "شاعر" کو ایک "ملاقات نمبر" نکالنے کی ضرورت پڑ جائے۔ اس لئے منتخب ادبی باتیں لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ جو قارئین "شاعر" کے لئے دلچسپی کا باعث ہوں، یا ادبی حیثیت سے کچھ اہمیت رکھتی ہوں یا ان صاحب کی شخصیت اور اس کی زندگی کے کسی رخ پر کچھ روشنی پڑ سکتی ہو۔

پرانی یادوں کو کریدتے ہوئے کرشن چندر نے کہا۔ میری افسانہ نگاری کی ابتدا ۱۹۳۰ء میں ہوئی اور میری شہرت میرے پہلے تین افسانوں سے ہوئی۔ رسالہ "ہمایوں" نے میرے پہلے ہی افسانے پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک خوش آئند پیش گوئی کی تھی۔ ان ہی دنوں ایک ادبی جلسہ میں مجھے شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا ایک مقرر نے اپنی تقریر میں میرا ذکر کرتے ہوئے میرے افسانوں کا تذکرہ کیا۔ جس کے بعد تو پھر سلسلہ ہی شروع ہو گیا۔

[illegible]

اس پر بھی آپ پر الزام ہے کہ آپ کمرشل رائٹر ہیں۔ اور یہ کہ آپ کا فن زوال پذیر ہے؟

[illegible]

اس وقت [illegible]

مضمون کا نام سن کر انہوں نے جواب دیا: ہاں میرا خیال ہے شاید [illegible] صاحب نے [illegible] بہت اہم جواب لکھا ہے۔ [illegible]

میں نے جواب دیا۔ [illegible]

[illegible]

پھر اس سلسلہ میں [illegible] کرشن چندر [illegible]

[illegible]

کرشن چندر [illegible]

[illegible]

نہیں بلکہ [illegible] ہیں۔ محنت بھی ہے اور [illegible] بات ہوتی ہے۔ اُن کے اندر
[illegible] بات تو آپ نے لکھنے کے بعد ہے کہ لکھنے والے
کو مستقل [illegible] فرصت کے لئے [illegible] کا لیتا ہے۔ ہو سکتا ہے شیکسپیئر نے زندگی بھر اپنی محبت کی خواہش کو پورا
کرنے کے لئے [illegible] اپنے [illegible] کے لئے۔ لیکن لکھتے وقت اس کے سامنے یہ سب کچھ [illegible] کیا۔ اُس وقت اُس
کے سامنے [illegible] ہو گا۔ پھر اگر ہم شیکسپیئر کو یا کسی بڑے ادیب یا شاعر کو جو اپنے قلم کے [illegible] کا قائل ہو، کہ فلاں شخص یا شاعر
[illegible] ہے۔ [illegible] اپنے فن کو اپنا پیشہ بنائے اس کے فن کی [illegible] زیادہ قدر و قیمت ہو۔ اسے اپنی محنت کا زیادہ سے
زیادہ معاوضہ [illegible] کوئی گناہ نہیں اور تہمت بھی نہیں۔

جہاں تک میرے فن کے [illegible] ہونے کا سوال ہے [illegible] ہے۔ میں کسی کے اعتراض کا جواب نہیں دیتا۔ اس کے
جواب میں صرف ایک کہانی لکھ دیتا ہوں۔ اور یہی میرا جواب ہوتا ہے۔

اُردو افسانہ نگاری اور ترقی پسند ادب کے بارے میں [illegible]

• میرا خیال ہے کہ ترقی پسند ادب اور افسانہ نگاری کا عروج ۱۹۳۶ء میں ہوا اور ۱۹۴۷ء میں اپنی انتہا کو پہنچا۔ اور یہ ۱۹۵۲ء
کے اوائل تک رہا۔

• آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ یہ دور منٹو صاحب، منٹو، بیدی، عباس، عصمت، اشک اور احمد ندیم قاسمی
وغیرہ سب کا تھا۔ تقسیم کے ہنگامے کے بعد جمود اور زوال کا دور دورہ کافی مدت رہا۔ اس وقت اردو کے دور میں بھی جو جمود یا زوال
آیا یا ہوا۔ لیکن عروج کا وہ دور ابھی تک اردو کو پھر دوبارہ نصیب نہیں ہوا۔

• دراصل تقسیم کا ہی ہے اردو اور اردو ادب کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ حالانکہ میں تقسیم کی موافقت میں لکھنے والوں میں تھا۔

• آپ نے کب اور کس عنوان کے تحت لکھا تھا۔ میری نظر سے آپ کی کوئی ایسی تحریر نہیں گزری۔

• مجھے یاد نہیں۔ لیکن میں نے لکھا ضرور تھا۔ وہ بھائی جب ایک ساتھ رہنا نہیں چاہتے تو انہیں علیحدہ ہی کر دینا چاہئے لیکن یہ ایک بھول
تھی اور بہت بڑا غلط خیال تھا۔ سب ملے رہتے تو اردو زبان و ادب کہاں پہنچا ہوتا اور کیا شان ہوتی۔ لیکن اب کہنے سے کیا حاصل ہے۔ جو
ہونا تھا سو ہوا۔ اللہ کو یہی منظور تھا۔

• موجودہ دور کے افسانہ نگاروں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

• اس وقت کی افسانہ نگاری [illegible] نہیں ہے۔ زیادہ تر افسانہ نگاری مبہم ہے۔ مثال کے طور پر خشب خون
کا اکتوبر کا اشاعت [illegible] نے شائع ہوئے ہیں۔ دونوں کے دونوں مبہم ہیں۔ معلوم نہیں لکھنے والا کیا کہنا چاہتا ہے؟

• میں نے عرض کیا ہوں ہو سکتا ہے کہ تجریدی آرٹ کی طرح افسانہ نگاری میں بھی یہ لوگ کچھ نئے تجربے کرنا چاہتے ہوں اور
ماڈرن آرٹ کی طرح کوئی نئی چیز پیش کرنا چاہتے ہوں؟

تجریدی آرٹ کی مثال پر ہنستے ہوئے کرشن چندر نے جواب دیا۔

• یہ بات بہت خوب کہی لیکن وہ کسی خاص طبقے کے لئے تو ہے۔ بات یہ نہیں۔ دراصل یہ افسانہ نگاروں میں ناکامی کا رد عمل ہے۔

نئے لکھنے والوں میں آپ کے خیال میں کون کون کامیاب اور اچھے لکھنے والے ہیں؟

میرے خیال میں بہت سے اچھے افسانہ نگار اور شاعر ہیں۔ سب کا نام لینا طوالت کا باعث ہوگا۔

• اس [illegible] کرشن چندر نے کہا اگر آپ پہلے آئیں تو کہہ ہے۔ اس وقت مجھے فرصت ہے۔ میں آدھے گھنٹے میں
پہنچ گیا۔ [illegible] کرشن چندر نے صرف [illegible] ہی [illegible] خرید ے۔ شریف اور [illegible] کے سبب گئے اور

[illegible] عادت [illegible] کرشن چندر [illegible]

[illegible] صحت [illegible] لگا [illegible] کرشن چندر

[illegible] کے خیال میں بھی [illegible] ہے [illegible] ۲۱

[illegible] ہوا

[illegible] بعد [illegible] ہوسکتا [illegible] ایک [illegible]

[illegible] ہیں۔

میں نے دریافت کیا۔ لکھنے کے لیے [illegible] شراب یا سگریٹ یا کسی ایسے ہی نشے کا سہارا لیا جائے۔ انہوں نے بالکل نہیں میں خود سگریٹ [illegible] شراب چھوڑنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ بہت کم کر دیا ہے اب اس عادت کو ہفتہ میں صرف ایک دو مرتبہ۔ وہ بھی دو پیگ سے زیادہ نہیں۔ اس سے زیادہ تو میں [illegible] ہی نہیں کر سکتا۔ آؤٹ ہو جاتا ہوں۔

بلا [illegible] ہونے کے باوجود آخر اس میں کیا لذت ہے۔ کیا سرور جیسی [illegible] کو کوئی شراب کو محسوس ہوتی ہے۔ میں نے دریافت کیا تب وہ مسکرائے اور کہا۔ ہاں سرور تو ضرور ہوتا ہے۔ لیکن آگ اور سرور نہیں۔ اسی دوران میں انہوں نے مجھے بتایا وہ گذشتہ [illegible] میں بہت [illegible] تھا کہ کرشن چندر کو کینسر ہو گیا ہے۔ لیکن اس مرتبہ برائے نام تھی انہوں نے بتایا کہ [illegible] کر سکتا [illegible] وقت [illegible]۔ ایکسرے بھی لیا گیا۔ خدا کا شکر ہے کچھ نہیں نکلا ایکسرے بالکل صاف ہے۔ تکلیف گلے کی خرابی [illegible]۔ [illegible] اچھا ہوں۔ [illegible] ایکسرے [illegible] کرتے ہوئے کہا۔ [illegible] کرشن چندر اندر سے کیا ہے۔

میں نے ایکسرے اور رپورٹ [illegible] دیکھتے ہوئے کہا۔ کیوں نہ ہو۔ کرشن چندر جیسا باہر سے صاف ستھرا ہے۔ ویسا ہی اندر سے بھی صاف ستھرا ہے۔

[illegible] کرشن چندر میرے [illegible] رکھنے سے زیادہ ان کی باتیں [illegible]۔ گذشتہ شام وہ ایک مشہور فلم [illegible] کے [illegible] تھے جن کا نام لکھنا میں مناسب نہیں سمجھتا۔ ان دنوں کلکتہ میں [illegible] کا سلسلہ چل رہا تھا۔ اس پر اعتراض کرتے ہوئے [illegible] کہ یہ وہ [illegible] جو [illegible] ملک و قوم کی [illegible] کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور [illegible] میں شریک ہونے کی اجازت مانگی۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ [illegible] تم [illegible] میں جاؤ گے [illegible] الگ کر دوں گا۔

کرشن چندر نے بتایا۔ اس وقت میرے دل میں [illegible] تم بھی [illegible]۔ لیکن [illegible]۔ اس وقت [illegible] کے [illegible]۔ [illegible]۔ مناسب الفاظ میں کہہ [illegible] کو نکال دوگے۔ یہ مطلب [illegible] نہیں۔

ایک [illegible] کرشن [illegible] دلچسپ قصہ سنایا۔ غالباً ۱۹۳۸ء میں کلکتہ میں ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں کی آل انڈیا کانفرنس تھی۔ [illegible] کرشن چندر اور [illegible] دونوں میرے [illegible] تھیں تو میں [illegible]۔ میں نے [illegible] کر [illegible] لگتا [illegible]۔ [illegible] دیکھے ہیں۔ ہم [illegible]

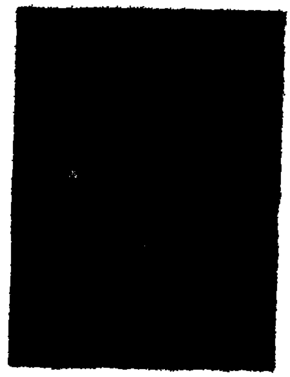
[illegible] ہوتے ہیں۔

[illegible] کرشن چندر [illegible] وقت [illegible] ہو گا۔

کرشن موہن

غزل

نہ پوچھ لذتِ خوشبوئے عنبریں بدناں
جو میانِ گرد و نفس ہے پیرہنہاں
شکوہِ عشق کو بیکار حسنِ رنگیں سے
اٹھاؤ لذتِ اندازِ و نازِ سیم تناں
فریب دیناو دنا کارِ وہ محبت میں
طریقِ راہبراں ہے کہ طرزِ راہزناں
یہی ہے رسمِ زمانہ شکستہ دل مت ہو
کہ تحفہ عشق کا ہے طعن و طنزِ ہم سخناں
سلوکِ تلخ نہ کر اپنے کرشن موہن
نہیں یہ رنگِ ہم آہنگِ انگبیں دہناں



سید حرمت الاکرام

غزل

عجیب ہے مری محرومیوں کا افسانہ
حضورِ دوست بھی جاتا ہوں بے نیازانہ
نہ ہو وہ میرے ہی جامِ تہی میں چہرہ پوش
جمالِ آفتاب کی جو یا ہے مسیحِ مے خانہ
مئے نشاط سے لبریز اس قدر بھی نہ کر
چھلک نہ جائے کہیں زندگی کا پیمانہ!
بھڑک اٹھے تو نہیں خیر شمعِ محفل کی
وہ آگ دل میں جو رکھتا ہے اپنے پروانہ
جنوں بھی ہوش میں اپنے نہیں رہا شاید
تمہیں کو بھول گیا ہے تمہارا دیوانہ
ہے اعتراف مجھے اپنی کم نگاہی کا
مرا شعار نہیں جرأتِ کلیمانہ
یہ احتیاطِ خرد ہے کہ امتحانِ جنوں
ہمیں سے کہتی ہے دنیا ہمارا افسانہ
سجائے جاتے ہیں کانٹوں سے گلستاں حرمت
مگر ہے لالۂ و گل پر نظر حریفانہ

مناظر عاشق ہرگانوی

علامہ تاجور کی صحافتی زندگی

شمس العلماء علامہ تاجور نجیب آبادی کی علمی و ادبی و صحافتی زندگی سے بہت کم لوگ واقف ہوں گے [illegible] آپ [illegible] پنجاب [illegible] شاعر [illegible] حیثیت سے [illegible] انھوں نے شعر و نظم [illegible] صحافت نگاری کے [illegible] خدمات انجام دیں۔

یہ تھا [illegible] مخزن [illegible] انھوں نے [illegible] کر دیا [illegible] سال کی [illegible] حال کر چکے تھے [illegible] اور پانچ سال تک [illegible] قائم [illegible] خاصا نام کما چکے تھے [illegible] مخزن [illegible] کی تحریر [illegible] ۱۹۲۲ء میں جب میاں بشیر احمد بار ایٹ لا نے "ہمایوں" جاری کیا تو اس کی ترتیب [illegible] پہلے صفحہ پر [illegible] شعر چھپتا تھا!

یہاں آج [illegible]!
[illegible]!

لکھے ہیں میاں بشیر احمد کے والد میاں شاہ دین ہمایوں کا شعر چھپتا تھا

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی!
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا!

تاجور پانچ سال تک "ہمایوں" [illegible] اس [illegible] ترتیب [illegible] ایک [illegible] عبدالحلیم شرر [illegible] عبدالماجد دریابادی [illegible] میر [illegible] احمد [illegible] میاں بشیر احمد [illegible] مولانا [illegible] حضرت [illegible] ۱۹۲۲ء [illegible]

قرار پایا ... [illegible] ... سے ... نگارستان، ... فاتح ... بہشت، ... [illegible]
سید ... [illegible] ... حسین ... شیخ عبداللطیف تپش، شیخ محمد اکرام ... قریشی، یوسف سلیم ... [illegible]
... [illegible] ... شیخ عبدالقادر ... ڈاکٹر ... اور خان بہادر ... بھی
شامل تھے۔ ۵۱ اور ... کرتے ہوئے تاجور نے ... ایک ... کو ہفت روزہ "انتخاب" اور ... کے لئے ہفت روزہ
"ہریم" جاری کیا۔

... [illegible] ... وغیرہ کی ادارت کے ... ہندوستان گیر ہو چکی تھی اور اسی شہرت ... [illegible]
... کے ساتھ ... [illegible] ... رسالہ "ادبی دنیا" جاری کیا جس کے طویل سائز، رنگین تصاویر ... [illegible]
مضامین نظم و نثر نے دنیائے ادب میں تہلکہ مچا دیا۔ ادبی ... تاجور رسالہ "ادبی دنیا"

> اس ... [illegible] ... ہندوستان ... [illegible] ...
> ... [illegible] ... ہندوستان ... [illegible] ...
> ... [illegible] ... اس ... نہیں پہنچ سکا۔

ادبی دنیا ... [illegible] ... کے نام ... [illegible] ...
... [illegible] ...
... [illegible] ...
... [illegible] ... تاجور ... [illegible]

... [illegible] ... "ادبی دنیا" کے ... [illegible] ... اس ...
... [illegible] ... "ادبی دنیا" کے ... [illegible] ... اور "ادبی دنیا" کے
خلاف ایک مجلس ... [illegible] ... زندگی ... کرتے تھے ... ۹
"ادبی دنیا" کے ... [illegible] ... کے سبب
... [illegible]

... [illegible] ... کی وجہ سے مارچ ۱۹۳۲ء میں "ادبی دنیا" تاجور کے ہاتھ سے نکل گیا مگر سنہ ۱۹۳۵ء میں اسی
... [illegible] ... "شاہکار" نامی ... رسالہ جاری کر دیا ... [illegible] ... ادبی دنیا ... [illegible]
پانچ سال تک ... [illegible] ... "شاہکار" ... [illegible] ...
... [illegible] ... "شاہکار" ... [illegible] ... اس لئے پانچ سال بعد "شاہکار"
... [illegible] ... "شاہکار" ... ایک ممتاز ... [illegible] ...
... [illegible] ... "شاہکار" کے مختلف ... [illegible] ... ۱۹۳۵ء کے شمارہ سے
... [illegible] ... اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

> ... [illegible] ... پنجاب ... اس طرح کے ادبی رسالے نکلتے رہے ہیں،
> ... [illegible] ... مضامین کی وجہ سے ...
> ... [illegible] ... مقالات کے ساتھ ساتھ ... [illegible]

---

۵۱ ... [illegible] ... کا نام ... [illegible] ... اکبر ... [illegible]
... [illegible] ... ملاحظہ ...

کے بارے میں صاحب ... [illegible] ... شاہکار ... [illegible]
ہم پیش نظر رکھیں:

ماہر القادری ... [illegible] ... کے ... [illegible] ... شاہکار ... [illegible]
کے شاہکار میں سید عبدالمجید ... [illegible] ... لکھتے ہیں: [illegible]
"اولاد دنیا کی ... [illegible] ... نظم کے ... سید عبدالمجید اختر ... [illegible] ... غلط ... گیا تھا۔ نظموں کی
ترتیب ... [illegible] ... نظم کو ترتیب کے ... [illegible] ... میں نے ... [illegible]
میں ... [illegible] ... بہت ہیں ... میں نے کہا ... [illegible]
انھوں نے جواب دیا ... [illegible] ... میرے ... [illegible]
نشست کرتا ہوں" نظم ... [illegible] ... ترتیب ... میں شائع کردی۔
پھر شاخ ... ایک طالب علم دفتر میں آیا ... سلام کے بعد ... [illegible] ... نظم چھپی ہے ... [illegible]
پوچھا "آپ نے ... [illegible] ... میں نے پوچھا ... نظم ... نام؟
میرا نام سید عبدالمجید اختر ہے ... [illegible]
ہے ... میں نے ... [illegible] ... نظم ... [illegible]
ہو ... نوجوان شاعر نے ... [illegible]
سامنے ہے ... اس تجربے کو ... [illegible] ... پسند کرتا ہے ——————
[illegible] ... کسی کتاب پر تبصرہ کرتے وقت ... [illegible]
رکھنا چاہیے؟ اس کی تفصیل ... شاہکار ... "اصول تبصرہ" کے عنوان ... [illegible]
ثابت ہوگا۔ ماہر لکھتے ہیں:

کسی کتاب پر تبصرہ کرتے وقت حسب ذیل امور کو پیش نظر رکھنا چاہیے: (۱) کتاب کا ناشر کون ہے؟ (۲) کتاب کی تقطیع اور ضخامت کتنی ہے؟ اور اس کی طباعت و کتابت کیسی ہے؟ کتاب کی قیمت حسب حیثیت ہے یا گراں ہے؟ (۳) کتاب کا نام اس کے موضوع کے مطابق ہے یا نہیں؟ ... خریدار کیا اس نام سے دھوکہ تو نہیں کھا سکتا؟ (۴) کتاب کا موضوع کیا ہے؟ اور وہ کن لوگوں کے لیے مفید ہے ... کتاب کی خصوصیت کیا ہے؟ بیان یا خیالات یا جذبات؟ اور یہ خصوصیت موضوع سے مطابقت رکھتی ہے یا نہیں؟ ... [illegible] ... خیالات ... شاعری میں جذبات ... [illegible] ... خیالات ... [illegible] ... [illegible] ... بیان ... [illegible] ... خیالات ... [illegible] ... [illegible] ... [illegible] ... [illegible] ... [illegible]

جذبات اس کی شدت کے مترشح ہوتی ہے یا نہیں؟ (۲) مصنف اپنے بیان یا خیالات و جذبات کے اظہار میں فریب تو نہیں دیتا؟ اسکا اسلوب اپنا ہے یا [illegible] اعتماد استوار رہا نہیں۔ (۳) اس تصنیف کا مقصد کیا ہے؟ (۴) تصنیف میں مصنف کی شخصیت [illegible]؟ (۵) [illegible] ساخت ہے؟ کتاب میں [illegible] کا کتنا عکس ہے؟ (۶) زبان اور طرز تحریر کے سلسلے میں یہ [illegible] کہ آیا مصنف نے موزوں زبان استعمال کی ہے؟ کیا زبان میں اس کا خاص رنگ موجود ہے؟ زبان میں قواعد کا استعمال ہے یا نہیں؟ [illegible] کے معنی تبدیل تو نہیں؟ کیا [illegible] کثرت تو نہیں ہے؟ کیا خیالات و جذبات کا توازن [illegible] ہے؟ (۷) کتاب کا مجموعی طور پر کیا اثر پڑتا ہے؟ کیا [illegible] نہیں؟ کیا اس سے [illegible] ہوتا؟ [illegible] کتاب اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی ہے یا نہیں؟ [illegible] پر [illegible] کیا اثر رہا؟"

علاوہ تاجور کی زیر سرپرستی اہتمام سے ماہنامہ "[illegible]" بھی نکلتا ہے جس کا ذکر آج تک کسی نے بھی نہیں کیا۔ حتیٰ کہ تاجور نے "نقوش" کے لیے [illegible] کے عنوان سے جو مضمون لکھا تھا اس میں بھی "[illegible]" کا ذکر نہیں ہے۔ "نظر زیدی" عبد الحفیظ قریشی، عبد الصمد صارم، موہن سنگھ دیوانہ، حبیب اللہ [illegible] اور [illegible]، [illegible] اسلام، خورشید اور خالد بزمی وغیرہ بھی خاموش ہیں۔

میرے پیش نظر "[illegible]" لاہور کا ۱۹۳۲ء کا سالنامہ (جلد ۵، نمبر ۲) ہے جس کے پہلے صفحہ کی پیشانی پر "زیر سرپرستی علامہ تاجور نجیب آبادی" لکھا ہوا ہے۔ اس کے چیف ایڈیٹر ڈاکٹر [illegible] سنگھ [illegible] اور ایڈیٹر [illegible] ہیں۔ "[illegible]" کا سالانہ چندہ [illegible] تھا۔ [illegible] صفحات کا یہ خوبصورت سالنامہ جس کی قیمت ایک روپیہ [illegible] آنہ ہے، اس میں [illegible] رنگین تصاویر کے ساتھ مندرجہ ذیل معروف حضرات کی تخلیقات نثر و نظم شامل ہیں جنہیں دیکھ کر "[illegible]" کی مقبولیت اور اس کے معیار کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ اس شمارہ میں [illegible] لکھنوی، [illegible] لکھنوی، جگر مراد آبادی، [illegible]، [illegible]، [illegible]، مجذوب، برق دہلوی، جوش ملیح آبادی، [illegible]، [illegible]، [illegible]، گشتہ جگر بریلوی، شوکت تھانوی، [illegible]، [illegible] لکھنوی، [illegible]، [illegible]، سید عابد علی، [illegible] علی خاں اثر، [illegible] کے علاوہ دسیوں دوسرے حضرات کی تخلیقات شامل ہیں۔

مولانا تاجور کے آخری دنوں میں حکومت پنجاب کے ہفتہ وار مقبول رسالہ "ہمارا پنجاب" کو بھی ترتیب دیتے رہے تھے۔ [illegible] کہ تاجور کی ساری عمر اردو ادب کی خدمت کرتے گزری اور بقول گوپال متل "اپنے دور میں اردو کے فروغ میں ان کا حصہ شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد کے بعد غالباً سب سے زیادہ ہے۔"

بقیہ کمرہ نمبر ۲۳ صفحہ ۴۰ —

تو بات چیت [illegible] اس وقت تو نہ جا سکا بلکہ دوسرے روز جا کر ملاقات [illegible] ملاقات ہوئی۔ انھوں نے بتایا کہ اعجاز صاحب کا خط بھی آیا ہے۔ وہ بیمار ہیں۔ اور کرشن چندر [illegible] کی مشکلات کی وجہ سے [illegible] "نقوش" والوں نے لکھا۔ "سیپ" والوں نے بھی لکھا۔ میں نے سب کو [illegible] اعجاز صاحب [illegible] نکال کر چھپ رہی ہوں گا۔ اب ان کے آگے میں کیا کہوں۔

[illegible] کرشن چندر [illegible] اور چائے کا دور تو حسب معمول ہوا۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں [illegible] کرشن چندر نے [illegible] بتائیں اور وعدہ کیا کہ دسمبر یا جنوری میں جب وہ حیدرآباد آئیں گے تو [illegible] کی تلافی کر دیں گے۔ [illegible] کرشن چندر [illegible] کے لئے باہر دروازہ تک آئے اور پھر ہم دونوں رخصت ہو گئے۔

—— یادِ زندہ صحبت باقی

رنگین نقش

سوگ

ہائے ارماں بھرے خوابوں کی اُجڑی بستی
وحشتِ تنہائی کی مانند اندھیرا ہے جہاں
جیسے ویرانے میں سناٹے کی آواز کہاں
ہر طرف کرب میں ڈوبی ہوئی آہوں کا دھواں
زندگی ہے کہ تھکا ہار کے چلاتی ہے
اب تو ہر گوشے سے ماتم کی صدا آتی ہے
درد کے نوحے شکستہ تمناؤں کے ہجوم
بیٹھے ہیں ہر سو کہ جن گیتوں کی زباں
نورِ احساس کی خوشبو سے مہکتے تھے!
شورِ بیداد جو اٹھتا ہے تو گھٹ جاتے ہیں
میری آواز تو بن جاتی ہے ہچکی لیکن
کتنے نالے مرے لب و لہجہ پہ ابھر آتے ہیں

ہائے ارماں بھرے خوابوں کے ویرانے میں
ٹوٹ کے بکھرے ہیں پلکوں پہ تصور کتنے!
جو ہمیشہ بھرے من میں سجائے بیٹھے
چھپ چھپ کے مرے جذبات سے ہولی کھیلے

کون جانے کسی گڑیا کا گھروندا ہوگا
یا مرے سوچ میں بسا ہوا کیا شیوا ہوگا

آگ بن جائے جو سبزہ ہے تو مرجھائے ہے
گرم سانسوں کی طرح بجھ کے بھی دہکے گوشے
خون کے گھونٹ ہوں پی کر بھی جو پیاسے رہے
پیاس بجھتی نہیں جتنی میں بہل کر پیتا جاتا ہوں
یاد کا ہرا سا لمحہ، پھر کوئی رواں کر دے
تن بکھرا ہوا ہے کہ جیسے پچھڑے ہوئے
کیسے ان خوابوں کو خستہ تعبیر کر دوں
کتنے اجڑے ہیں سب تو آئینہ کے ٹکڑے
ٹوٹ کے بکھر گئے، کوئی سکھ کیا سا نہ دل
سنگ میں ذرہ ذرہ ہوا ...
کیسے ان زخموں میں ...
ابھی زندہ ہیں ... سوگ منانا ہوگا!



[illegible]

عنوان چشتی کی شاعری

[illegible] ہے۔ عجیب ہے کہ کسی نوجوان کی طرف [illegible] کہ کوئی کتاب شائع [illegible] اور بھی [illegible] زندگی اور شاعری دونوں میں ضبط [illegible] قائل ہیں۔ اس [illegible] کے مطالعے میں نہیں [illegible] پھر قدیم [illegible] کے کلام [illegible] بات [illegible] حیات شکن فضا سے [illegible] نجات حاصل ہو سکے [illegible] ایک ایسے شخص کی شاعری اور فکری تجربوں سے دوچار ہوں جس کا [illegible] زندگی کے تمام مظاہر سے محبت ہے جس کے لئے [illegible] اور وہ حسین زندگی اور تہذیب [illegible] عنوان چشتی کی شاعری کائنات کی فضا معلوم نہیں ہے اس میں [illegible] حسین جانداروں کا پرتو ہے۔ اس میں [illegible] ہے [illegible] جمال کائنات [illegible] نہیں بلکہ قوت لطیفہ اور زندگی کے مختلف [illegible] ان کے یہاں وہ حیات شکن اور جنسیاتی فضا نہیں [illegible] اور یہیں بالاقساط خودکشی [illegible] اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے۔ بعض لوگ اب [illegible] شاعری کی اپنی [illegible] اس دنیا کو تاریک [illegible] اور زندگی دونوں [illegible] انگریزی شاعری [illegible] جمالیت سے کون انکار کر سکتا ہے [illegible] انکار بدمذاقی اور بدتوفیقی ہے۔

[illegible] ضروری نہیں کہ [illegible] شاعر اور شاعری [illegible] زندگی کے [illegible] رنگ کو پسند کریں اسی [illegible] رنگوں کا بھی احاطہ کرے۔ عنوان چشتی نے [illegible] ان کے جمالیاتی نقطۂ نظر کا اظہار کرتا ہے [illegible] کا سا کیف محسوس ہوتا ہے ؎

[illegible] ذوقِ جمال   مسکراتی ہوئی ہر چیز غزل ہو جیسے

[illegible] ہے تاب و نظارہ [illegible] انتظار ہے

[illegible] کہ جس کی جگہ ہم [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] جمال میں اور [illegible]

جلال [illegible] اس طرح کے [illegible] ہیں۔

[illegible] (دانش)
[illegible] (فراق)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

"صورت" اور "تاج محل" عنوان جگر کے یہاں جمالیاتی کیفیت کو نمایاں کرنے کے لئے [illegible] علامت کے روپ میں ابھر کر آئے ہیں۔

ان کے جلووں سے ملی ہے [illegible] رعنائی — زندگی خوابوں کا اک تاج محل ہو جیسے
کہکشاں کا ہے [illegible] رین بسیرا — [illegible] ہے چاندنی کا کنول
جاگتا ہے جو [illegible] رہتا ہے — عالم خواب ہے کہ تاج محل

جہاں تک صورت کا تعلق ہے وہ بقول شخصے خدا کی طرح ہر جگہ موجود ہے۔ [illegible]

[illegible] جذبات کے نوجوان شاعر ہیں۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

یہ ہے [illegible] بہت سے اس کی مصوری کا حسن ہے ایک ذہنی فضا کا انسان ہی قریب آتا ہے
اور قوت [illegible] ہے ہو سکتا ہے کہ [illegible] شاید یہی فن کی پہلی منزل کو [illegible] ہے
چنانچہ فن کے عروج [illegible] کی کوشش کی ہے مگر فن کا صحیح [illegible] فن کو ہے [illegible]
وہ اس میں [illegible] نظر ہے۔ ان کے یہاں [illegible] فنکار [illegible] بہترین شعری روایات سے
واقف ہیں اور [illegible] اپنے شعر [illegible] شامل کرتے ہیں۔ انہیں [illegible] کے بیان کرنا آتا ہے۔ ان کے کلام میں وہ
رنگ [illegible] بھی ہے اور یہ ٹھیک ہے ان کے یہاں [illegible] حسن ہے اور جذبے کے رنگ
نمایاں ہیں۔

یہ کون سنگ راہ ہے جو چھپ گیا
اب تک خزاں پکار رہی ہے بہار کو

مشکل تو ان کی یوں بھی لے آیا ہوں
آیا ہے اک محبت کا فیصل ہو جیسے

مجھ کو بتا دو ترسے انتظار کی قسمیں
کٹتا ہے کہ شام ہوئے سو دفعہ

کیا ہو سکا ہے محبت پہ رنگ آیا ہے
ہر فاصلہ حیات پر جیسے شعور کا فسانہ

ترکار کا سلسلہ ہے عنوان دو حسن کا سفر
غلط نہیں ہے یہ اہل نظر کا اندازہ

یوں عشق سے ہو گئی ہے شکوہ ناز
گویا وہ جو وقت کے گیسو سنور گئے

بات کہاں ان آنکھوں جیسی [illegible] بہت
دوجوں کو سرشار بنائیں خود ہیں تشنہ کام بہت

اس کے تقدس کے افسانے سب کی زباں پر جاری ہیں
اس کی گلی کے رہنے والے پھر بھی ہیں بدنام بہت

جنہیں گلشن کی عنادل سے ہو ادا کہئے
وہ حادثے بھی ہر گوشے ویراں کہئے

یوں پڑا تا ہوں کسی منظر میں
چپ کے وہ دیکھ رہا ہو جیسے

جیسا کوئی چہرہ ہوں کر تیرہ منظر
ہر لحظہ بڑھ رہی خوشی نظر میں لگے ہے

ہر نگاہ تک ہے خوشی سا کہہ ہوا
یہ کون آ بسا مری پلکوں کی چھاؤں میں

وہ مسکرائے ہونٹوں پہ جیسے بکھر گئے
اک نقش آرزو میں کئی رنگ بھر گئے

[illegible]
ہر شخص خود اپنا ہی پتہ پوچھ رہا ہے

[illegible]
بیٹھا ہوں زندگی کو گلے سے لگائے ہوئے

[illegible]
کر رہے ترک تعلق کا کچھ سوال نہیں

[illegible] کی شاعری میں [illegible] اور [illegible] کی انسانی نظر آتی ہے، چونکہ وہ گردوں کی شاعری کر رہے ہیں۔ اس لیے وہ [illegible]
[illegible] کے شاعر ہیں۔ [illegible] کا نام ہے جن میں سادگی اور معصومی ہوتی ہے پیچیدگی نہیں۔ عنوان چشتی
[illegible] ہے۔ انہیں صاحب منزل سے کہیں زیادہ تشنہ سفر عزیز ہے۔ وہ نئے طور اور نئے
[illegible] شعر کہتے ہیں۔ [illegible] کی طرح ہر نئی حقیقت کی طرف بے تابانہ ساتھ بڑھتے ہیں۔ یہ بڑا اچھا شگون ہے۔ انہوں
نے [illegible] حقیقتوں اور زہرناکیوں کا اثر انگیز عکس نظر آتا ہے۔

[illegible] احساس — زندگی ایک خلا ہو جیسے

[illegible] تہذیب کی شاعری لکھتے ہوئے زندگی کے خلا کی بیکرانی کا احساس اور پھر اس کا اظہار
[illegible] عنوان چشتی کہہ رہے ہیں۔ جس سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ رومانیت کی [illegible]
[illegible] احساس [illegible] پریشان کن سچائیوں کو اپنی گرفت میں لینے کے لیے بے تاب
ہے۔ [illegible] ان کی طرف دیکھ رہا ہے۔

محسن زیدی

غزل

کہتے ہیں جو کہ سن نہیں سکتے کسی کا غم
کس طرح دیکھتے ہیں وہ لوگ آدمی کا غم

وہ ملک خوشی جسے نہ رہا لمحہ بھر ثبات
دل کو تمام عمر رہا اس خوشی کا غم

کچھ دشمنوں سے دادِ خلوص و وفا ملی
کچھ دوستوں سے ہم کو ملا دوستی کا غم

جو کر بھلا دیا جو کسی نے تو کیا گلہ
رکھتا ہے کون دل میں کسی اجنبی کا غم

کشتہ غمِ حیات نہ تنہا کھڑے کبھی
مل جل کے ہم نے بانٹ لیا زندگی کا غم

ہنگامِ آرزوئے طرب دل میں سوچ کر
ہر غنچۂ چمن کو ہے اپنی ہنسی کا غم

دنیا کی بے وفائی کا ہر رنج کیا ہمیں
اب دل سے اور بھلا بے رخی کا غم

پھیلا ہوا ہے دشتِ الم دور دور تک
غم ایک سلسلہ ہے اپنا ہو یا ہے کسی کا غم

جب گرد گرد ہو گئی ہر منزلِ حیات
تنہائی کا نہ رنج نہ تنہا روی کا غم

ہنگامِ فکرِ شعر ہے گو محشرِ خیال
محسن بیاں کو ہے تہی دامنی کا غم

مہدی پرتاپگڑھی

غزل

بادِ صبا سنا ہے اِدھر ہو کے آئی ہے
شہرِ چمن سے کون سا پیغام لائی ہے

چھلکے ہے کس کا خون ابھی تک صلیب سے
شاید کسی مسیح نے پھر جان گنوائی ہے

کس سے کریں جراحتِ قلب و نظر کی بات
اس بے وفا کے ساتھ تو ساری خدائی ہے

یہ ناشناسِ عظمتِ غم کیا سمجھ سکیں
کن منزلوں سے ہو کے مری نارسائی ہے

جب بھی بہارِ گلشنِ ہستی سے میرے دوست
میں نے ضرور کوئی نئی چوٹ کھائی ہے

اٹھی تو تھی نگاہ تری آرزو لئے
زخمِ فریب کھا کے مگر لوٹ آئی ہے

مہدی جہاں [illegible]
[illegible] ہے

نیاز فتحپوری

مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مکتوبات کے آئینے میں

نہیں رہ سکے۔ وہ ہمیشہ فعال رہے، یہاں تک کہ ہجوم اشغال کے درمیان صحت کا پیام آ پہنچا۔ صحت کچھ بہتر نہیں، اور بستر مرگ پر لیٹے لیٹے بھی کام کرتے رہے، یہ تھے حضرت نیاز۔ نیاز کو جنہیں صحیح طور پر علامہ دنیائے ادب کہا جا سکتا ہے۔

مستقل کر دینے کا تہیہ کرنا ہے۔ نیاز نے آنکھیں بند کر لیں تو وہ خصوصیات بھی ختم ہو گئیں جو ان کی ذات سے متعلق تھیں۔ جناب آل احمد سرور نے یہ کہا ہے۔

"نیاز کی موت ایک فرد کی موت نہیں، ایک روایت، ایک اسلوب، ایک مسلک، ایک رجحان، ایک وضع، ایک انداز کی موت ہے۔ وہ فضل، علم، نظر، انفرادیت، بصیرت، ادب، تفکر، عزم، استقلال کا گھنا چھتنار تھیں، ان کے ساتھ ختم ہو گئیں۔"

یہ شبہ ہے کہ گر موت نے نیاز کو ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھین لیا ہے اب ہم انہیں کبھی نہ دیکھ سکیں گے اور نہ ان کی دلکش اور نازک بخش تحریر پڑھ سکیں گے۔ یہ خیال ہمیں ضرور دل شکستہ کر دیتا ہے لیکن کیا کیا جائے جو عالم وجود میں آیا ہے اسے ایک دن عالم خاموشی میں جانا ہی پڑے گا۔ اس کی جگہ کبھی خالی نہیں، ابھی کوئی دوسرا اس کی جگہ پر کام کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح یہ دنیا چلتی رہتی ہے اور چلتی رہے گی۔ پھر بھی نیاز دوسرے مرنے والوں کی طرح بھلائے نہیں جا سکتے۔ وہ ایک عظیم سرمایہ ہمیں دے گئے ہیں، جو بار بار انہیں ہم کو یاد دلاتا رہے گا۔ ہم سب بھی انہیں یاد رکھنا چاہیں گے۔ ان کی ہمہ جہتی شخصیت ان کے مکاتیب کے مطالعہ کے درمیان ابھرتی ہوئی دکھائی دے گی۔ ان کے نظریات، عقائد، غیر معمولی ذہانت و فطانت اور شوخی طبع، غرض ہر چیز ان کے مکتوبات سے نمایاں ہو جاتی ہے۔ ان کی دلکشی اور رنگینی کو مد نظر رکھتے ہوئے آرشد کاکوری کا انہیں (BELLES LETTERS) کہنا صحیح ہے۔

لیکن یہ صرف مکتوبات مروت و الفت ہی نہیں ہیں، ان میں دوسرے موضوعات بھی ملتے

BELLES LETTERS فرانسیسی ادب میں ان تحریروں کو کہتے ہیں جو جمالیات، ادبیات یا فنون لطیفہ سے متعلق ہونے کے بجائے ہلکے پھلکے، سادہ، شگفتہ، نازک اور شاعرانہ انداز بیان کے حامل

چمن ادب کو کوئی ایسا روش
ہیں جس میں نیاز کے کھلائے ہوئے
رنگا رنگ

[illegible] نیاز صاحب [illegible] ادیب و شاعر [illegible] [illegible]

[illegible] کی ضامکم ہم" پڑھتے ہوں۔"

نیاز صاحب [illegible] جواب دینے کے [illegible] [illegible] ایک [illegible] [illegible] نے [illegible] اچھا [illegible] صاحب نے [illegible] آپ [illegible] جواب دیں گے

نیاز صاحب نے فرمایا کہ [illegible] صاحب کا جواب دینا حماقت ہے۔

[illegible] نیاز صاحب کا [illegible] [illegible] مولانا [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] نیاز صاحب [illegible] [illegible]

(۱)

"مولویت و ادبیت [illegible] خرابات نشیں کا میسر آباد شود"

(۲)

"آپ نے کہا کہ کس طبقہ کا ذکر کیا ہے [illegible] نہیں۔ انھوں نے [illegible]"

[illegible] نیاز صاحب [illegible] [illegible]

کا زبان کا حسن ہی نہیں اسلوب کا کمال بھی ہے۔ اور آپ یہ دونوں باتیں صداقت کے خلاف گمان ہوئے ان مکتوبات میں پائیں گے

نیاز صاحب نے خواتین کے نام جو دلچسپ اور دلکش خطوط لکھے ہیں "قاری انہیں پڑھتے پڑھتے شدت احساس" [illegible] کی دعوت بھی پاتا ہے ۔۔۔۔ وہ شگفتہ ضرور ہیں لیکن ہیجان کا احساس لئے ہوئے۔ یہ خطوط اس دور کی یادگار ہیں کہ جب عورت اور شباب حضرت نیاز کا محبوب موضوع تھا اور یہ موضوعات ان کے دلکش قلم کی بہترین تعبیر بنا چاہتا تھا۔

"الفراق اے ہوش و تقویٰ الوداع اے عقل و دیں"

اس سلسلے میں ان چند خطوط کو دیکھیے اور پڑھئے۔ مکاتیب کا مطالعہ کچھ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

"محترمہ [illegible] شکریہ [illegible] پر سر نیاز خم [illegible] یہ ہے کہ آپ کے خطوط نے [illegible] کبھی دو سال سے بند [illegible] [illegible] سوال میرے قلب کے [illegible] جانی انسان ہوں اور حشر کی ملاقات کا قائل ہوں [illegible] گئی تو [illegible] جیل یا !

کا ضرور قائل ہوں۔ آپ نہیں جانتیں کہ تصور کے برکات کیا کیا ہیں اور آپ نے ترستے ترستے سنبھال لئے ہیں لیکن اگر آپ اس خلوص پرستش کو پسند نہیں فرماتیں تو مجھے بھی اس کو ختم کر دینا بہ پسند نہیں۔

[illegible] چک [illegible] تاب را

[illegible] آپ نے یاد تو کیا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ آپ برہم ہو گئیں اور اب کبھی نہ بولیں گی۔ گر میری کبھی ہوئی کوئی بات کبھی آج تک [illegible] [illegible] اس وقت سے جب مجھے آپ کی محبت کا [illegible] کر پھر تو آپ کی عادت [illegible] ہے۔

آپ نے سیاحت کشمیر کا ارادہ کیوں ترک کیا؟ وہاں شاید آپ کے جذبۂ خود پسندی کو [illegible] طرح نہ مل سکے [illegible] سے [illegible] آتے ہیں وہاں بیٹھے نہیں جاتے اور پھر قیامت یہ ہے کہ آپ تنہا نہیں جا رہی ہیں [illegible] جا رہی ہیں [illegible]

یہ حال ہے کہ ———— باسایہ ترا نمی پسندم

وہ سائے نہیں جو آپ سمجھتی ہیں بلکہ آپ کی [illegible] ہے۔ اب فرمائیے آپ کیا کہتی ہیں؟"

ان خطوط کے مطالعے کے بعد ہم ڈاکٹر شاہ احمد فاروقی کی رائے سے متفق ہو چکے ہیں۔

"ان میں نہ مکتوب الیہ کا نام درج ہے نہ تاریخ، نہ وقت نہ مقام، حالانکہ ان چیزوں کی موجودگی سے ایک خاص قسم کی فضا پیدا [illegible] ہوتا ہے تو اس کی حیرت و مسرت کی انتہا نہیں رہتی"

[illegible] تمام باتوں کی موجودگی سے ان مکتوبات کے حسن و دلکشی میں نہ صرف اضافہ ہو جاتا بلکہ قاری اس فضا میں پہنچ جاتا اور اس ماحول میں سانس لینے لگتا۔ جس میں زیر نظر مکتوب لکھا گیا تھا لیکن ایسی ضروری باتوں کے فقدان سے جو لذت ایک خط کے مطالعہ سے حاصل ہوتی ہے [illegible] [illegible] ان کی مخاطب خواتین علمیت و فضیلت میں انہیں کی ہم پلہ دکھائی دیتی ہیں۔ لاشبہ اس وقت [illegible] جیسی [illegible] خواتین بھی موجود تھیں لیکن خال خال کاش! نیاز صاحب اپنی مخاطب خواتین کے چہروں سے نقاب ہٹا دیتے [illegible] انہوں نے ایسا نہیں کیا؟ اسی لئے آل احمد سرور کی یہ بات [illegible] حد تک بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے

[illegible] نہیں کہا جاتا، ورنہ انہیں انشائیہ ہوتا ہے

[illegible] میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ کوئی خط [illegible] ہے، اور وہ بھیجے بھی گئے ہیں

اب میں حضرت نیاز کے ایسے خطوط [illegible] کے سلسلے [illegible] مکتوب الیہ تک پہنچے اور جنہیں یا [illegible] حضرت نیاز [illegible] ہیں۔ ان خطوط کے متعلق حضرت نیاز [illegible]

مکتوب

۱۰ ؍ اکتوبر

ٹیلیفون ٹرنک کال [illegible] میں صبح آٹھ بجے [illegible] روانہ ہوں گا [illegible] شام کو ۶ بجے کی گاڑی سے واپس ہوں گا۔ آپ [illegible] معلوم کر لیجئے کہ [illegible] مناسب ہو گا یا نہیں اور مجھے اطلاع دیجئے [illegible] آپ کا جواب نہ آیا تو میں نہ آؤں گا [illegible] ممکن ہے [illegible] معروف ہوں یا کسی وجہ سے [illegible] آپ کو اگر کسی وقت [illegible] جواب دیجئے [illegible] تاکہ [illegible] آ جاؤں۔

نیاز

حضرت نیاز وقت کے اتنے پابند تھے کہ [illegible] ایک اچھی عادت پابندی وقت کا پتہ اس مکتوب سے چلتا ہے۔

مکتوب

۱۹ ؍ اکتوبر ۴ بجے شام

ابھی ابھی میں نے ٹرنک کال کی تو معلوم ہوا آپ نہیں ہیں ورنہ بات کر لیتا۔ آپ [illegible] اطلاع دیجئے کہ [illegible] لگی یا نہیں۔ [illegible] کام لینے کی فرصت نہیں [illegible] آفس [illegible]

نیاز

اگر [illegible] ہو گئی ہے تو کسی کے ذریعے [illegible] بھیج دیجئے [illegible] پیک کر کے بھیج دیجئے۔ [illegible] جائے گا۔

نیاز

[illegible] نمبر ۱ کراچی (۱۰)

[illegible]

[illegible]

نیاز

[illegible]

کیا غلط ہے آپ کا

برق صاحب نے جواب دیا "بہت اچھا لیکن حق انتخاب عنایت فرمائیے۔"

اس خط کے جواب میں حضرت برق نے علامہ نیاز کو لکھا تھا۔

"جب آپ خط کے قائل نہیں تو معافی رہنے دیجئے"

نیاز صاحب نے اس خط کا جواب نہیں دیا، لیکن پھر دوبارہ کبھی نہیں لکھا۔

برق صاحب کے نام لکھے گئے خطوط ملاحظہ فرمائیے۔

جبل پور ۔ عابد منزل ناظم آباد نمبر ۲

کراچی ۲۰ اگست ۱۹۶۱ء آپ عزیز و ممدوح کے ذریعہ میرے گھر کا [illegible] حالات معلوم کر کے اطلاع دیجئے۔ میرے مکان کا نام "عابد منزل" ہے اور یہ ناظم آباد نمبر ۲ کا ہے۔ میں ممدوح کو اجازت دیتا ہوں کہ میرے مکان میں داخل ہو کر حالات معلوم کریں۔ آپ کی نظمیں لکھ لی ہیں۔ اس سے پہلے بھی ایک خط آپ کو بھیج چکا ہوں۔ تازہ غزلیں بھی مل گئیں۔ — نیاز

کراچی ۲۳ مارچ ۱۹۶۲ء

تسلیم۔ جو فارسی الفاظ "ہ" پر ختم ہوتے ہیں، ان میں ہمیشہ "ہ" کا اعلان ہوگا لیکن بحالت اضافت ان پر ہمزہ ہو جائے گا۔ آئینہ۔ آپ نے جن چند اشعار کا ذکر کیا ہے ان میں [illegible] اشعار کے افادہ کا خیال مناسب نہیں۔ [illegible] دونوں شعر [illegible] ہیں۔ اشرف المخلوق بھی غلط اور رسم تقریظ فطرت بھی غلط۔ نیاز

حضرت نیاز خط کا جواب [illegible] دیتے تھے خواہ ایک سطر ہی لکھیں۔

لے لیکن اے انسان نہیں تا ایسی ہونے کا مقام — اشرف المخلوق سے مخلوق کا سکھ مہات

آشنائے علم رسم المخلوق فطرت سمجھتا ہے — وقت کے ہاتھ میں ہے ذکر کی رفتار

یہ برق صاحب کی نظم "جبر و اختیار" کے تھا اشعار ہیں جنہیں نیاز صاحب نے پسند نہیں کیا تھا۔



محسن نقوی

پگھلتی ساعتیں

بھٹکتی شب کے لئے، جاگتی سحر کے لئے
بھٹک رہے ہیں رہ جستجو میں اہلِ نظر
اور اہتمام ہے یہ زندگی کی راہوں میں
کہ گام گام پہ رہزن بھی ہوں شریکِ سفر

کرن کرن سے ٹپکتا ہے سرد سرد لہو
روش روش پہ فضا ہولناک ہے کتنی گھمبیر
گلو گلو سے چھلکتی ہے ساغرِ سرخ شراب
یہ احساسات چھپائے ہیں تیرگی کے در

چمن چمن میں بہاروں کا رقص ہوتا ہے
یہ اور بات کہ دل کے کنول نہیں کھلتے
ہر ایک لمحہ پہ مانگا ہے رسمِ بخیہ گری
یہ اور بات کہ زخموں کے لب نہیں سلتے!
سنا ہے سب کو خلوصِ دوام ملتا ہے
مجھے تو پیار کے دو لفظ بھی نہیں ملتے

میں کو کہیں بھی میرے پاس [illegible] ہے
بس خلوص کوئی، ایک [illegible] ہے
کہ [illegible] محبت [illegible] گہرا ہے
کوئی ستارہ سیاہ جلتا تا نہیں
قدم قدم پہ یہاں کس قدر اندھیرا ہے

بس ایک پل کہ شعاعِ امید جاگ اٹھی ہے
وہ ایک پل جو ہے اب جستجو کا سرمایہ
بس ایک پل کہ یقین جاگتا ہے عشرت کا
وہ ایک پل جو ہے جینے کی تشنگی کا سرمایہ

روکی وکی سیال

جائزے

کس قدر تھی غلط اندازہ قیاس آرائی
خارزاروں پہ بچھا ہاتھ، چمن کے بدلے
ذرۂ خاک آب ملے، اور بچھے کنکر
سنگ ریزوں کے عوض گوہرِ صدف کے بدلے

جب در غم کو کرم دیتا ہے ملبوس عمل
مل نہ دیتے ہیں اسے لگ ستائش کی جگہ
بدلیاں آتشِ بے ساحل میں سے آبِ حیات
دھوپ چھا جاتی ہے کیا بارش کی جگہ

جب مضرت سے گریزاں ہیں دل و دماغ
کس طرح توڑے انفاس سے خوشبو نے
بے اثر ہو گی جو شبنم تو نہ ہوگی زرخیز
خارزاروں میں کھلیں گے نہ کہیں گل بوٹے

کھل گیا سب پہ کہ جگر چاٹ گیا حزن کا روگ
[illegible] سفر کے بدر کی کمی
[illegible] تھا، ظاہر و باطن میں تضاد
[illegible] میں [illegible] آنکھ میں شبنم کی نمی

[illegible] سے ساز حیات
[illegible] کی کاوش
[illegible] بھی
[illegible] کی کاوش

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

چارہ گر

پہلی کرسی

(خوبصورت سا ملاقاتی کمرہ ہے۔ [illegible] کے [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] سے
[illegible] [illegible] [illegible] میں
[illegible] ہے۔ [illegible] [illegible] ہے ایک
[illegible] [illegible] ہے جو
[illegible] لگتا ہے۔ [illegible]
[illegible])

(یہاں [illegible] [illegible] کی [illegible]
[illegible] [illegible]
ہے۔ یہ خوبصورت [illegible] [illegible] ہے
[illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
ہے۔ [illegible] خوبصورت [illegible] [illegible])

پہلا نوجوان:- [illegible] یار۔ [illegible] [illegible] ہے۔ یہاں [illegible]
ہے۔ [illegible] اور تم [illegible] [illegible] پر [illegible] کا
[illegible]

دوسرا نوجوان:- [illegible] [illegible] [illegible]
یہاں [illegible] [illegible]

اعجاز:- [illegible] [illegible]

صبح اٹھتے ہی [illegible] آفس۔ اور جب شام کو آفس سے گھر آتا ہوں تو
یہ بات کتنی عجیب معلوم ہوتی ہے اور ہر بات میں [illegible] یا کوئی کمی
[illegible] رہتی ہے۔

دوسرا نوجوان:- یار میں تو بہت [illegible] ہو گیا ہوں۔

اعجاز:- خوب کہا میاں! تمہاری [illegible] [illegible] ہے [illegible]
[illegible] [illegible] میاں [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] سے محبت ہے۔ اور جب بھی لوگوں میں ہوتا ہوں تو وحشت
ہونے لگتی ہے۔

شوکت:- تم نے اپنے ہمسایوں کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔

اعجاز:- میں خود نہیں جانتا کہ لوگ کون ہیں۔ ابھی تو مجھے یہاں آئے چند
دن ہی ہوئے ہیں۔ ویسے اس گھر کے ساتھ ایک عجیب بات ہے کہ وہ لوگ
مہذب نہیں معلوم ہوتے۔ ہر روز رات گئے میاں بیوی کا جھگڑا ہوتا
ہے اور تقریباً ہر روز بیوی کی پٹائی ہوتی ہے اور رات کے ایک دو بجے
تک [illegible] کے سسکنے کی آوازیں آتی ہیں۔

شوکت:- آخر مرد ہے کون؟ کہاں کام کرتا ہے؟

اعجاز:- (میز سے کتاب اٹھاتے ہوئے) میں نہیں جانتا کہ مرد کون
ہے۔ کیونکہ آج تک میں نے اس کی صورت نہیں دیکھی۔ ہاں آواز
اکثر ضرور سنی ہے جو رات کو گالیوں کی شکل میں مجھ تک آتی ہے۔

شوکت:- پھر بھی پڑوسی کے ناطے تمہیں معلوم تو ہونا ہی چاہیے کہ لوگ
کون ہیں۔

اعجاز:- (اٹھتے ہوئے) صرف ان لوگوں کی ملازمہ ادھر ادھر گھومتی ہوئی
نظر آ جاتی ہے۔ اس کی گود میں سال ڈیڑھ سال کا خوبصورت سا بچہ ہوتا ہے
جو یقیناً انہی لوگوں کا بچہ ہو سکتا ہے۔ عورت کی شکل میں نے آج
تک نہیں دیکھی۔ اگرچہ صرف [illegible] بیچ میں پڑتا ہے۔ وہاں کا کیا [illegible]

[illegible] ہے۔

شوکت ۔ تو جاؤ اور [illegible] کر سکتا ہے۔

اعجاز ۔ کبھی لفافے پر، کبھی صفائی پر۔ بہرحال اس کے لئے [illegible] بعد پر بات بھی [illegible] قبلہ شوق فرماتے ہیں۔ اور ایسے ہی [illegible] کرنے [illegible] سے ہی کام ہو سکتا ہے۔ ورنہ تو شوق ان کے مکمل نہیں ہو سکتے۔

شوکت ۔ واہ! تم تو یہاں تک جانتے ہو کہ قبلہ ذوق ہیں۔

اعجاز ۔ (اشتراک نہ ہونے) ہاں شوکت۔ ان کی نظر سے میں نے [illegible] لگایا ہے۔ عورت بھی کچھ [illegible] جیسا کہ [illegible] سال سے اس [illegible] نے گھر کا [illegible] سنبھالا ہے۔

شوکت ۔ واقعی بڑی عورت ہے۔ خدا اس کو سلامت رکھے۔

اعجاز ۔ [illegible] اور [illegible] ہے، تم نے بھی [illegible] سے بچائے۔

شوکت ۔ اعجاز۔ آج پھر چلو گے شہر کی [illegible] ہے۔

اعجاز ۔ نہیں یار، آج پروگرام کینسل کرو۔ طبیعت کچھ [illegible] ہو گئی ہے۔ کل [illegible] چلیں گے۔

شوکت ۔ کل کی بات خدا جانے۔ آج چلتے ہو تو [illegible] کے ساتھ چلے گا۔

اعجاز ۔ [illegible] کی پیالی [illegible] ہے اب [illegible] دیکھنے [illegible] ہے یا کوفت ہوتی ہے۔

چائے پینے کے بعد شوکت چلا جاتا ہے۔ اعجاز [illegible] درست کرتا ہے اور دراز ہو جاتا ہے۔ [illegible] دیر تک [illegible] رہتا ہے۔ اس [illegible] اس کی طبیعت کا [illegible] ہو رہا ہے۔ وہ پلنگ کے نیچے سے [illegible] اٹھاتا ہے۔ [illegible] کے گھر سے عورت کی آواز سنائی دیتی ہے [illegible] ہے۔

عورت ۔ [illegible] تم یہاں [illegible]

عورت [illegible] ہے۔ [illegible]

[illegible]

عورت ۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔ [illegible] آج [illegible] ہے۔ ۲۲ سال [illegible] ہے۔ [illegible] سے [illegible] ہے۔ اعجاز [illegible] سے [illegible] ہو گیا ہے۔)

مرد ۔ (عورت سے) ایک گھنٹے سے بڑا [illegible] کا [illegible] نہیں۔

عورت ۔ ایسی بات نہیں [illegible] بیمار ہو گئی تھی [illegible] بچہ تھا۔

مرد ۔ [illegible] علم ہے کہ [illegible] ہو رہے۔

عورت ۔ [illegible] کرتے ہیں [illegible] کا [illegible] سے [illegible] ہوئے ہوں گے۔

مرد ۔ (بیٹھتے ہوئے) [illegible] سے [illegible] بیٹھ رہا ہوں گا۔

ملازمہ ۔ [illegible] ہے۔

عورت ۔ (ملازمہ سے) اچھا [illegible] سے نکل جاؤ اب [illegible] کے سامنے [illegible] گے۔

مرد ۔ [illegible] بہت [illegible] ہے۔ سب [illegible] ہے۔

عورت ۔ آپ کو کون [illegible]۔ آدمی ہو خوش ہو تو [illegible] بات ہے۔

مرد ۔ [illegible] خوش ہوں۔

عورت ۔ اب [illegible]۔

مرد ۔ نہیں [illegible]۔ [illegible] خوش [illegible] بے ہوش ہوں [illegible] کی اعجاز [illegible] آواز [illegible] رہا ہے [illegible] سن رہا تھا۔

دوسری کڑی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس سے اندازہ [illegible] لگتا ہے۔

عورت: [illegible] کرتا ہے۔

اعجاز: دیکھا جائے تو [illegible] ہے

اس لئے [illegible] طبیعت خراب ہے۔

عورت: طبیعت ٹھیک [illegible] ہوگی ہے۔

اعجاز: [illegible]

عورت: جی نہیں۔ تکلیف مت کیجئے۔ [illegible] ہے۔

اعجاز: پھر آپ [illegible] کیوں نہیں؟

عورت: بات [illegible] ہے۔ [illegible]

اعجاز: [illegible]

کر رہی ہیں۔

عورت: [illegible] ہے۔ آپ [illegible] ہے

کہ آپ [illegible] سکتی ہیں۔

اعجاز: [illegible] اندر داخل ہوتا ہے۔ کمرہ بہت صاف ہے۔ ہر چیز سلیقے سے رکھی ہوئی ہے۔ وہ کمرے کا جائزہ لیتا ہے۔ [illegible] ایک بچے کو گود میں لئے ہوئے عورت کی تصویر ہے۔ تصویر میں عورت کے [illegible] ہیں۔ [illegible] آنکھیں۔ ستواں ناک۔ پتلے ہونٹ۔ [illegible] سب اعضاء بتاتے ہیں کہ عورت خوبصورت ہے۔ وہ دروازے کی [illegible] باہر آتا ہے۔ [illegible] اور [illegible] کے بعد دروازے سے عورت کی آواز آتی ہے۔

عورت: دیکھئے۔ میں آ رہی ہوں۔

اعجاز: [illegible] بچے [illegible] ہے۔ [illegible] کے [illegible] لگتی ہے

عورت: [illegible] آپ کو۔

اعجاز: [illegible] بات نہیں۔ [illegible] گیا۔ [illegible] آپ [illegible] ہے۔

عورت: [illegible] آپ [illegible]

اعجاز: [illegible] ہے وہ [illegible]

[illegible] ہیں۔

اعجاز: جی ہاں۔ [illegible] ہے [illegible] ہیں۔

عورت: آپ [illegible] رہتی ہیں۔

اعجاز: میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ [illegible] ہو چکے ہیں۔

عورت: [illegible] بھائی بہن تو ہوں گے؟

اعجاز: جی نہیں۔ میں تنہا ہوں۔

عورت: آپ ملازم کہاں ہیں۔

اعجاز: ریڈیو اسٹیشن پر۔

عورت: آپ کو کیا تنخواہ ملتی ہے۔

اعجاز: ساڑھے تین سو روپے۔

عورت: آپ کے لئے تو یہ تنخواہ کافی ہے۔ ملازم کیوں نہیں رکھ لیتے

اعجاز: ملازم رکھوں تو بیکار کا بوجھ بڑھ جائے گا اور بیکاری سے میری طبیعت گھبرانے لگتی ہے۔

عورت: میرا تو خیال ہے کہ آپ شادی کر لیں۔ شادی سے فرائض بڑھ جاتے ہیں اور فرائض کے بڑھ جانے سے بیکاری خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ ماشاء اللہ آپ کی تنخواہ بھی معقول ہے۔

اعجاز: معاف کیجئے۔ سوال بالکل ہی بے جا سا ہے۔ پھر بھی آپ کو اعتراض نہ ہو تو پوچھوں ..... کیا آپ اپنی شادی سے مطمئن ہیں؟

عورت: (چونکتے ہوئے) میری بات چھوڑ دیجئے۔ ایسا ہر ایک کے ساتھ ہو ضروری نہیں۔

اعجاز: کچھ بھی ہو۔ سوال اپنی جگہ برقرار ہے۔

عورت: ہاں میں شادی کے دو تین سال مطمئن رہی اور پچھلے دو سال سے ان کو یہ خراب لت پڑ گئی ہے اور بہکنے لگے ہیں۔

اعجاز: بات [illegible] آپ کی سسکیاں سنتا ہوں تو بے اختیار مجھے اپنی ماں یاد آنے لگتی ہیں۔ میری ماں کی زندگی اور آپ کی زندگی کافی [illegible] باتیں مشابہت رکھتی ہیں۔ میرے والد بھی پیتے تھے اور ماں کو ہر رات ان کی [illegible] کے لئے تیار رہنا پڑتا تھا۔ میں اس وقت چھوٹا سا تھا۔ کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ ماں کی بے بسی [illegible] تھی آج بھی ماں کے ہاتھوں کے وہ نیلے نشان ذہن میں ابھرتے ہیں تو آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔

عورت: یہی حال میرا بھی ہے۔ ہر روز شام کے خیال سے طبیعت گھبرانے لگتی ہے۔ یہ دیکھئے کس بری طرح مجھے پیٹا جاتا ہے۔ (وہ اپنے

[illegible] ہے۔ اگر [illegible]
[illegible]
سامنا [illegible] میں ایسا نہیں کر سکتی۔
اعجاز۔ آپ [illegible] کے پاس کیوں نہیں چلی جاتیں۔ ہو سکتا ہے کچھ [illegible] جائے۔ پھر آپ کے سامنے جاوید کا مستقبل بھی ہونا چاہیئے۔
عورت۔ آپ کی طرح میں بھی تنہا ہوں۔ صرف ایک بہن ہے وہ بھی پاکستان میں رہتی ہے۔ خط تک نہیں آتے۔ اب آپ بتایئے میں جاؤں تو کہاں جاؤں۔ مجھے معلوم ہے کہ موجودہ حالات سے جاوید پر [illegible] ان [illegible] جھگڑوں کا اثر ضرور پڑے گا۔ مگر میں مجبور ہوں۔
اعجاز۔ آپ کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ آپ پڑھی لکھی ہیں۔ پھر کیوں آپ ملازمت نہیں کر لیتیں۔؟
عورت۔ میرے پاس ڈگری نہیں۔ میں نے اپنے طور پر کوشش کی [illegible] پڑھ لیتی ہوں۔ [illegible] ملازمت کے لئے سند چاہیئے اور میرے پاس کوئی سند نہیں ہے۔
اعجاز۔ تب تو مشکل ہے۔ آپ کوئی امتحان کیوں نہیں دے دیتیں۔
عورت۔ دیکھئے۔ میری عمر ۳۰ سال کے قریب ہے۔ اب امتحان کا خیال شرمندہ کرتا ہے۔
اعجاز۔ عمر کی [illegible] میں نے آپ سے بڑی عمر کی عورتوں کو امتحان دیتے دیکھا ہے۔
عورت۔ پھر بھی۔ [illegible] کے لئے سکون چاہیئے۔ میرے لئے سکون مشکل ہے۔ جاوید [illegible] [illegible] جہاں [illegible] وہاں ذہنی سکون کا نام و نشان نہیں۔
اعجاز۔ بہت کچھ انسان میں [illegible] پیدا کرتی ہے۔ امید سے کام لیجئے۔ ہو سکتا ہے حالات بدل جائیں [illegible]
عورت۔ اب تو [illegible] میرے لئے کوئی وقت نہیں رکھتیں۔ [illegible] اب [illegible] کے بعد [illegible] آؤں گی۔
اعجاز۔ [illegible]

عورت۔ [illegible] آپ [illegible]
اعجاز۔ اگر [illegible]
[illegible]
عورت۔ اچھا خدا حافظ۔

تیسری کڑی —

(دو تین ماہ بعد۔ اعجاز [illegible] شوکت اور اعجاز بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔)

شوکت۔ [illegible]
[illegible]
اعجاز۔ ہاں شوکت [illegible] جاوید [illegible]
[illegible]
شوکت۔ [illegible]
[illegible]
اعجاز۔ [illegible] نہیں شوکت میاں۔ اس بچے پر بڑا ظلم [illegible]
[illegible]
شوکت۔ [illegible]
[illegible]
اعجاز۔ [illegible] کون نہیں جانتا۔
شوکت۔ [illegible]
[illegible] خوبصورت ہوگا۔
اعجاز۔ تم خفا ہو۔
شوکت۔ [illegible]
اعجاز۔ شوکت میاں۔ [illegible]
[illegible]

[illegible]

آج تک [illegible] ہے۔

ڈاکہ ڈالا تھا۔ [illegible]

ان کی آنکھیں [illegible]

آنکھیں [illegible]

سر ابھی [illegible]

[illegible]

بہن کو [illegible]

سے [illegible]

رات [illegible]

تھی۔ [illegible]

اعجاز صاحب۔ تسلیم۔ آپ سے بات کرتے ہوئے آنکھوں نے
دیکھا۔ اور اس کے نتیجے کے طور پر جو سزا مجھ کو ملی ہے وہ میں
بیان نہیں کر سکتی۔ شاید [illegible] ہے۔ مگر میں اتنی [illegible] ہے
اور وہ کس [illegible] ہیں۔ مجھے [illegible] جا رہا ہے
آپ [illegible] کہ آپ سے بات چیت کا اس کے
باوجود بھی آپ کے سامنے نہ آؤں گی۔ خدا گواہ ہے میں نے آپ کو
اپنے بھائی کی [illegible]
سے [illegible] مشکل [illegible] لگی تو ہم لوگ چلے جائیں
گے۔ اس لئے آپ سے گزارش کرتی ہوں کہ جاوید کو آپ اپنے پاس
رکھیں [illegible]
[illegible] آپ مجھے اپنے [illegible]
[illegible] نہیں، مگر
[illegible] فیصلہ کر دے گا آپ
کے فیصلے کا انتظار۔ عطیہ [illegible]

اعجاز [illegible] کوشش کی
[illegible] جاوید کو میں ضرور اپنے ساتھ
لے جاؤں گا۔

[illegible] اچھا میں جا رہا ہوں

(وہ چلا جاتا ہے)

اعجاز [illegible]

[illegible]

[illegible] اعجاز خط پڑھ [illegible]

[illegible] ہے۔

مردہ [illegible]

عطیہ۔ [illegible] گے۔ آپ
کو [illegible] پڑ جائے گا۔

مردہ۔ [illegible]

عطیہ۔ آپ [illegible] ہے۔ یہ آپ
کے [illegible] ہیں۔

مردہ۔ (قہقہہ مارتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عطیہ کی چیخ نکل جاتی ہے)

عطیہ۔ (چیخ کر) [illegible]
[illegible] داخل ہوتا ہے)

اعجاز۔ (چیختا ہے) [illegible]!

مردہ۔ (ہنستا ہے) [illegible] بٹ ہے۔ عطیہ [illegible]
[illegible] کی طرف ہیں۔ آج پھر اس نے عطیہ کو دیکھا ہے
صحت پر [illegible] ہے۔ پیشانی سے خون رس رہا ہے وہ ایک ہاتھ
سے [illegible] کی کوشش کر رہا ہے۔ اچھا تو تم میں
اتنی ہمت ہو گئی کہ تم گھر میں گھس آئے [illegible] تم جیل بھیجے جا سکتے ہو۔

اعجاز۔ (قابو پا کے ہوئے) کیوں نہیں۔ جیل کسی صورت میں جا سکتا
ہوں جب تم یہاں سے نکل کر پولیس کو اطلاع دو۔

مردہ۔ میں ضرور دوں گا۔

اعجاز۔ تم اس گھر سے ایک قدم بھی باہر نہیں نکال سکتے۔ اچھا میں
تمہیں بتلاؤں گا کہ ایک کمزور عورت پر روز روز بہادری جتانے کی
سزا کیا ہو سکتی ہے۔ میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔

مردہ۔ (بت بنے آگے بڑھتا ہے [illegible] ہٹ جا۔ [illegible]
(وہ کرسی سے ٹکراتا ہے اور زخمی ہو کر گرتا ہے سر پہ گہری چوٹ
لگتی ہے)

عطیہ۔ اعجاز۔ یہ کیا کیا تم نے۔

اعجاز۔ تم چپ رہو عطیہ میں آج اسے قتل کر دوں گا (وہ بیہوش
مرد کی طرف بڑھتا ہے)

عطیہ۔ (پریشانی سے) اعجاز۔ اعجاز۔ خدا کے لئے تم ہاتھ
نہیں اٹھاؤ گے (اعجاز رک جاتا ہے وہ پلٹ کر عطیہ کی طرف آتا
ہے۔ اور عطیہ کو شانے پکڑ کر اٹھاتا ہے۔)

اعجاز۔ عطیہ۔ یہ تمہارا کیسا [illegible] جو اتنا ظلم برداشت کرتی رہی ہو۔

علیمہ: دو منٹ [illegible] اعجاز۔

اعجاز: [illegible]

علیمہ: [illegible]

علیمہ: دیر سے [illegible] ... اعجاز۔

اعجاز: [illegible] ... کیا تم ...

علیمہ: [illegible] نہیں اعجاز ... نہیں۔

اعجاز: یہ تمہارا دیوانہ پن ہے۔ [illegible]

علیمہ: [illegible]

اعجاز: [illegible] آگے بڑھتے ہیں۔ اعجاز [illegible]

علیمہ: میں [illegible]

اعجاز: [illegible]

(باقی آئندہ ...)

بقیہ افسانہ صفحہ ۱۹: [illegible]

[illegible]

غزل

ڈوب کر رہ گئے نمودِ پندار میں لوگ
کیسے بے شوق بنے غفلتِ کردار میں لوگ

کشتیِ فکر نہ ہے ساحلِ حاصل کوئی
تیرتے پھرتے ہیں گفتار کی منجدھار میں لوگ

ایک اک حرف نکل جاتا ہے تیروں کی طرح
اور کہہ دیتے ہیں صدیاں یونہی گفتار میں لوگ

خود ہی یہ عظمتِ الفت کی قسم کھاتے ہیں
خود ہی نیلام وفا کرتے ہیں بازار میں لوگ

کون سکھائے صدا ان کو محبت کے اصول
راہیں ڈھونڈتے ہیں عشق کے آزار میں لوگ

علامہ شبلی

غزل

شورِ باغبانی کو اگر ہم گل فشاں کرتے
نمایاں چہرۂ صحرا کی بھی شادابیاں کرتے

بھرم رکھا دلِ بیتاب کا سعیِ تبسم نے
وقارِ غم کہاں رہتا جو ہم آہ و فغاں کرتے

یقیں آنے لگا ہے دشمنوں کی دوستداری کا
ہم اس سے بڑھ کے اب کیا اعتبارِ دوستاں کرتے

اگر تیرا سہارا اے نگاہِ ناز! مل جاتا
دلِ ویراں میں ہم آباد کتنی بستیاں کرتے

تعاونِ حسنِ خود آرا اگر کرتا تو اے شبلی
زمینِ فکر و فن کو ہم بھی رشکِ آسماں کرتے

عتیق حنفی

نئی شاعری کے ذرہ نواز

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] انسان کی حیثیت سے [illegible] سوال [illegible]

[illegible] اگر نہیں تو ایک [illegible]

[illegible] انسانیت [illegible] پر قائم ہے؟

یہ سوالات [illegible] انسان، مذہب، اخلاق، سماجیات، سیاست اور معاشرت [illegible] اور یہ سب [illegible] انسان اور انسانیت کی [illegible] اور وسعت [illegible] ایسے ایلیٹ کو میرا استاد [illegible] ایک اہم اور عظیم شاعر [illegible] نظریات سے بحیثیت شاعر لگاؤ نہیں۔

[illegible] معلوم نہیں [illegible] ایسے لوگ کیوں [illegible] اگر [illegible]

[illegible] سندباد [illegible] ایلیٹ کے [illegible] ایلیٹ کی [illegible] ہارٹ کرین (Hart Crane) کی طویل نظم "دی برج" (The Bridge) [illegible] ایلیٹ یا کسی اور [illegible] لوگوں کے عقائد، نظریات اور مسائل ہی دوسرے تھے۔ میں نے سندباد کے [illegible] تہذیب کے [illegible] سبب معلوم کرنا چاہا ہے [illegible] کیا سندباد کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مکتوبات

حزیں چشتی ——— [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

——— [illegible]

[illegible]

[illegible]

عظیم اقبال —— [illegible]

[illegible]

[illegible] ... زبان ... [illegible]

[illegible]

[illegible] —— [illegible] ۔ جالندھر

[illegible]

[illegible] ... عظیم اقبال کا افسانہ پسند آیا۔

دوابہ دانش —— [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اندر سبھا [illegible] امانت [illegible]

(الف) اندر سبھا [illegible] امانت کا [illegible] نہیں ہے

(ب) اندر سبھا امانت [illegible] کا پہلا [illegible] نہیں ہے

(ج) اندر سبھا [illegible] امانت [illegible] ہیں

(د) اندر سبھا [illegible] ہے۔

(ہ) اندر سبھا [illegible]

[illegible] اندر سبھا [illegible] اندر سبھا [illegible]

[illegible]

[illegible] ——— [illegible] پوسٹ آفس حیدرآباد [illegible]

[illegible]

[illegible] ——— [illegible]

[illegible]

محفل اپنی......!

سنہ ۱۹۳۹ء کا آخری شمارہ

۱۹۳۹ء سخت تباہیوں اور انتشار کے ساتھ ختم ہو رہا ہے۔ اس سال پورا ملک زبردست پریشانیوں کا شکار رہا ہے۔ سب رسالوں کے لئے بھی یہ سال اچھا ثابت نہیں ہوا۔ [illegible] کاغذ کی گرانی نے ذہنی مشکلات پیدا کر دی ہیں۔

بہرحال ثابت قدمی ہی اس دور کا تقاضا ہے۔ "شاعر" نے بھی اس کا ثبوت دیا۔ مشکلات کے باوجود ہر [illegible] صفحات [illegible] شاعر [illegible] تبدیلیاں آئی ہیں اور سب سے زیادہ مسرت کی بات تو یہ ہے کہ اس سال پورے بارہ شمارے پیش کئے گئے۔ [illegible] کے آخر میں بھی لیکن "شاعر" [illegible] نکلتا رہا ہے۔ [illegible] کے قلیل سالانہ چندہ میں دو سو سے زیادہ صفحات پیش کئے گئے۔ اس [illegible] سال میں بعض کرم فرماؤں نے "شاعر" کے [illegible] کو دیکھ کر ایسے حضرات کو اس کا چندہ [illegible] ہرگز نہیں لیا جا سکتا بلکہ [illegible] ایسی ہے "شاعر" پر تقریباً بارہ آنے کا بار پڑتا ہے۔

دسمبر ۱۹۳۹ء کا یہ تازہ شمارہ پچھلے شماروں کی طرح [illegible] ہے اس بار علمی، ادبی اور تنقیدی مضامین کی تعداد زیادہ ہے۔ ہمیں اس کا افسوس ہے کہ اس شمارہ میں افسانے ہم نہ دے سکے۔ ایک بہت [illegible] کے مضمون "تنقیدی اور تخلیقی شاعری" نے دو تین افسانوں کا حق چھین لیا۔ پہلے [illegible] اعلان شدہ نظمیں اور غزلیں [illegible] شعر اس بار بعض [illegible] شدہ نظمات کو بھی روکنا پڑا ہے۔ [illegible] اور نقد و نظر کے دو نوں اہم ابواب کے لئے بھی جگہ نہ نکل سکی۔

کئی بار وعدہ کیا جا چکا ہے کہ "شاعر" کے لئے بے اندازہ نظم و نثر، تخلیقات آتی ہیں۔ ۱۹۳۹ء کا تقریباً [illegible] تخلیقات واپس کرنا پڑی تھیں ۱۹۴۰ء میں اس سلسلہ [illegible] ہے۔ لیکن اگر یہ ممکن نہیں [illegible] تخلیقات نگار دوسرا حصہ بھی شائع نہیں ہو پاتا۔ [illegible] بھی کا خیال ہے "شاعر" کا [illegible] ہو سکتا ہے کہ جنوری ۱۹۴۰ء کے "شاعر" کے صفحات بڑھانے پڑیں۔ اس سال [illegible] جو نظم و نثر تخلیقات منتخب کی گئی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] بہت سی [illegible] ہے۔ "شاعر" [illegible] حصہ [illegible] تک [illegible] پیش کیا جا سکے گا۔

صرف بارہ روپے

"شاعر" کے چندہ، دوست، خریدار، قلم کار، فرض [illegible] بلکہ [illegible] ایک صاحب [illegible] وصول نہیں کر سکتے، ایک نیا خریدار بنا لیں تو [illegible]

آئندہ شمارہ

مضامین	اردو میں تحقیق	[illegible]
	[illegible] کی غزل پسندی	ڈاکٹر [illegible]
	مضمون۔ مقالہ۔ انشائیہ	عبداللطیف [illegible]
	ہندی کی نظم کا [illegible]	[illegible]
کہانی	[illegible]	[illegible]
	میری دنیا میرے لوگ	[illegible]
رپورتاژ	جشن شاعر	[illegible] فاضلی
بحث	نئی شاعری کیوں؟	[illegible]، [illegible] الدین، [illegible]

[illegible] فاضلی [illegible]

اور کئی دوسری اہم نثری تخلیقات

منظومات: [illegible] (باقی فہرست ناخواندہ)

جریدات۔ نقد و نظر، ادبی و تہذیبی خبریں اور فنکاروں کی تصاویر

حرفِ تازہ

علمی، ادبی اور تہذیبی خبریں

مالیگاؤں میں جشنِ شاعر

ایک عظیم الشان ادبی و شعری اجتماع

کرشن چندر، خواجہ احمد عباس، اختر الایمان، ساحر لدھیانوی، سردار جعفری، کیفی اعظمی، جاں نثار اختر، زبیر رضوی، ندا فاضلی کی شرکت

مالیگاؤں مہاراشٹر کا ایک اہم صنعتی شہر ہے اور اس کے ساتھ اُردو زبان کا گڑھ بھی۔ ایک طرف خوبصورت مسجد کے مینارے کا خیرمقدم ہوا صورت تعلیمی ادارے بزم شعر، انجمنوں اور کلبوں کی بھرمار ہوگئی ہے۔

۲۰ دسمبر ۱۹۷۳ء کو بزمِ اعجاز مالیگاؤں کے زیر اہتمام ہوئی ایک وسیع و عریض میدان میں جشنِ شاعر کا عظیم الشان اجتماع ہوا۔ اراکین بزمِ اعجاز اور مالیگاؤں کے دوسرے ہمدردانِ اُردو دو ماہ سے اس جشن کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اسے کامیاب بنانے کے لئے بمبئی کے شاعروں اور ادیبوں نے بہترین تعاون دیا۔ موٹر کاروں کے ذریعہ طویل سفر کی زحمت گوارا کرکے مالیگاؤں پہنچے۔ ہندوستان کے بعض دوسرے شہروں سے بھی شرکت کی۔

شب کے نو بجے سے صبح کے تین بجے رات تک ادب و شعر کا ایک بہت خوبصورت پروگرام ہوا۔ جشنِ شاعر کے کل ہند مشاعرہ کی صدارت جناب الحاج شکیل احمد صاحب نے کی اور افتتاح خواجہ احمد عباس صاحب نے فرمایا۔ جنہیں خصوصی طور پر کرشن چندر، سرینند ناتھ اور سجاد ظہیر نے مدعو کیا تھا۔ اس میں مالیگاؤں کے بزرگ شعرا کے علاوہ مالیگاؤں کے بہت سے علمی شخصیات، سیاسی لیڈر، پرنسپل، ڈاکٹروں اور دیگر شخصیات نے بھی شرکت کی۔ اسٹیج کو سادگی کے ساتھ آراستہ کیا گیا تھا۔ سردی کے باوجود لوگ نہ صرف ابتدا سے آخر تک بیٹھے رہے بلکہ ہزار سامعین کل ہند مشاعرہ کو سننے میں۔

اس جشن کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مشہور ادیب کرشن چندر نے اپنا مشہور افسانہ "بُت" اور وزیر پڑھ کر سنایا۔ سامعین نے جس صبر و تحمل سے اسے سنا وہ قابلِ تعریف ہے۔ خواجہ احمد عباس کا طویل افتتاحی تقریر کو بڑی توجہ سے سنا گیا۔ صدرِ جلسہ جناب شکیل احمد صاحب نے نہایت اختصار کے ساتھ ایک پُر اثر تقریر پڑھ کر سنائی جس میں شاعروں کو خوش آمدید کہا۔ مالیگاؤں کے ادبی و شعری حلقوں سے "شاعر" اور مدیرِ شاعر اعجاز صدیقی کی دیرینہ اور پُرخلوص تعلق پر روشنی ڈالا۔ پیرزادہ خواجہ سردار جعفری، ساحر لدھیانوی، اختر الایمان، کیفی اعظمی، اعجاز صدیقی، عارف عباسی، زبیر رضوی، ندا فاضلی، محمود (؟) رئیس رامپوری، اقبال سہروردی، کالا رسطانہ اور عبید الرحمٰن آبادی نے اور مقامی شعرا میں ظفر مالیگانوی، سلیم مالیگانوی، عتیق احمد عتیق، نسیم منیا گلری، صادق نظامی اور دانش مالیگانوی نے اپنا کلام سنایا۔ مہمان شعرا کو دو دو بار سنا گیا۔ اسٹیج کے منتظمین کی بعض کوتاہیوں کی وجہ سے مشاعرہ بیک ختم ہوگیا۔ حالانکہ سامعین اپنے محبوب شعرا کو اور سننا چاہتے تھے۔

اراکین بزمِ اعجاز نے جشنِ شاعر کو کامیاب بنانے کی زبردست کوششیں کیں۔ اس اجتماع سے اُن کا مقصد "شاعر" کے لئے ایک بڑی مالی امداد تھا لیکن بالکل خلافِ توقع بعض مقامی حلقوں کا تعاون نہ ملنے اور کچھ انتظامی کمزوریوں کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب نہ ہوسکے۔ خود ادارہ "شاعر" کو بھی مالیگاؤں کی اُردو نواز سرزمین سے بہت سی توقعات تھیں۔ ممکن ہے یہ توقعات پھر کبھی آئندہ پوری ہوسکیں۔ بہرحال ادارہ "شاعر" اراکین بزمِ اعجاز اور مالیگاؤں کے تمام ہمدردانِ اُردو کے صمیم قلب سے ممنون ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں پہل کی اور ہندوستان کے اُن دوسرے شہروں کے لئے جہاں "شاعر" کے ہمدرد اور اس سے محبت کرنے والے ہیں ایک مثال قائم کی۔

اُردو، ہندی اور دیگر جدید زبانوں کیلئے ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ

نئی دہلی ۲۰ نومبر۔ چوتھے منصوبہ کے دوران جدید ہندوستانی زبانوں کی ترقی پر کُل ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا۔

اس رقم میں مرکز کا حصہ ایک کروڑ اور ریاستوں کا ۴ کروڑ ۸۰ لاکھ ہوگا۔ یہ بات بھارتیہ بھاشا کمیٹی کے اجلاس کو ایک سرکاری دستاویز میں بتائی گئی۔ اہم تجویز یہ ہے کہ جدید ہندوستانی زبانوں کے لئے جن میں اُردو بھی شامل ہے مرکز میں ایک مرکزی انسٹی ٹیوٹ قائم ہوگا اور ریاستوں میں ریاستی انسٹی ٹیوٹ قائم ہوں گے۔

"نیشنل بک فیر" میں مکتبہ جامعہ کا سرگرم حصّہ

پچھلے مہینے بمبئی میں "نیشنل بک ٹرسٹ" نے جو بین الاقوامی پیمانے پر کتابوں کے میلے کا اہتمام کیا تھا۔ اس میں تمام زبانوں کی کتابوں کے چھوٹے بڑے اسٹال لگے تھے۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ شاخ بمبئی نے بھی اس میلے میں شرکت کی اور ایک "گوشۂ سخن" قائم کیا۔ اس "گوشۂ سخن" میں ہر روز اردو شاعروں کا جمگھٹا رہتا تھا۔ بحث و مباحثے ہوتے تھے۔ مکتبہ جامعہ نے [illegible]۔

اس میلے کے "آکسفورڈ ریم" میں مختلف زبانوں کی طرف سے پروگرام ہوتے۔ اردو کے پروگرام کا اہتمام انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی کی طرف سے کیا گیا تھا۔ جس میں راجندر سنگھ بیدی نے اپنا افسانہ سنایا۔ خواجہ احمد عباس نے تقریر کی۔ سردار جعفری، سکندر علی وجد، انجم صدیقی، کیفی اعظمی، ندا فاضلی، یوسف ناظم اور چند دوسرے شعراء نے اپنا کلام سنایا۔ دو غزلیں موسیقی کے ساتھ بھی پیش کی گئیں۔ اردو کے اس پروگرام میں ہر زبان کے پروگرام سے زیادہ لوگ شریک ہوئے۔ "آکسفورڈ ریم" کی تمام نشستیں بھری ہوئی تھیں اور بے شمار لوگ کھڑے ہوئے تھے۔

اُردو مراٹھی ڈکشنری شائع ہو گئی

بمبئی۔ ۲۴ نومبر۔ ادب اور ثقافت کی ترویج و ترقی اور مراٹھی ادب میں غیر مراٹھی زبانوں کے تراجم شائع کرنے کے لیے حکومت مہاراشٹر نے ایک بورڈ قائم کیا تھا۔ بورڈ کے چیئرمین شاستری جوشی نے ایک پریس کانفرنس میں بورڈ کی کارگزاری کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ بورڈ کی طرف سے ایک اُردو مراٹھی اور مراٹھی اردو ڈکشنری شائع کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ گجراتی اور بنگالی ڈکشنریاں بھی تیار کی گئی ہیں۔

بیگم ماہر القادری کا انتقال

کراچی۔ مشہور شاعر جناب ماہر القادری کی بیگم کا طویل علالت کے بعد پاکستان میں انتقال ہو گیا۔ مرحومہ آٹھ سال سے مسلسل بیمار تھیں اور موت سے پہلے دو ماہ اسپتال میں رہیں۔

[illegible]

The "SHAIR" Bombay 8
(37 Years of Publication)
Publishing Dates 19-20
THE MOST POPULAR OLDEST LITERARY & CULTURAL URDU JOURNAL